ذکرِ عثمان
(ذکرِ رفتگاں)
خصوصی اِشاعت بیاد:
اَمیر الہند رابع
حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ
اُستاذِ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
(المتوفی: ۸ر شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ر مئی ۲۰۲۱ء)
جلد پنجم
ترتیب:
محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ:

أُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ. (سنن أبي داؤد حدیث: ۴۹۰۰)

ذِکرِ عُثمان

(''ذکرِ رفتگاں''جلدِ پنجم)

خصوصی اِشاعت بیاد:

اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ
اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
(المتوفی: ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء)

ترتیب:

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری
مفتی واُستاذِ حدیث ومرتب ماہنامہ ''ندائے شاہی''
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر
مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

نام کتاب : ذکرِعثمان (''ذکرِرفتگاں'' جلدِپنجم)
خصوصی اشاعت بیاد: اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نور اللہ مرقدہٗ اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

ترتیب : مفتی محمد سلمان منصورپوری

کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد
9412635154 - 9058602750

تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی
011-23289786 - 23289159

اشاعتِ اول : رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق اپریل ۲۰۲۲ء

صفحات : ۵۴۴

قیمت :

ملنے کے پتے:

فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الحشر:۱۰)

اور جو (دنیا میں) ان (مہاجرین وانصار اور سلف صالحین) کے بعد آئے، (یا آویں گے) جو دعا کرتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دیجئے، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے، اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق ورحیم ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

پیش لفظ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، اما بعد:

گذشتہ سال ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء عین جمعہ کی نماز کے وقت ہمارے مشفق ومربی والد ماجد اور اُستاذ معظم حضرت اَقدس، اَمیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ (اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیو بند وصدر جمعیۃ علماء ہند) نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور دنیا میں ۷۶؍سالہ صاف ستھری زندگی گذار کر جوار رحمت میں منتقل ہوگئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

حضرت والد صاحبؒ کی ہمہ جہت خدمات اور وسیع الشان دائرۂ کار کی وجہ سے آپ کی وفات پر ملت کے ہر طبقے نے غم اور اَفسوس کا اظہار کیا، اور بے شمار تعزیتی بیانات اور مضامین، اخبارات اور سوشل میڈیا پر شائع ہوئے۔

اَولاً ''ماہنامہ ندائے شاہی'' مرادآباد میں متعدد تعزیتی مضامین شامل اشاعت کئے گئے، بعد اَزاں ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی کی طرف سے بڑے سائز پر ضخیم ''امیر الہند رابع نمبر'' شائع کیا گیا، جو مضامین کی وسعت اور حسن ترتیب کے اعتبار سے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

احقر کا شروع ہی سے اِرادہ تھا کہ اِس طرح کے مضامین ومقالات کو یکجا کر کے شائع کیا جائے؛ لیکن ''الجمعیۃ'' کے خاص شمارے کے اعلان کی وجہ سے اسے مؤخر کر دیا گیا تھا۔ اَب چوں کہ اُس کی اِشاعت ہو چکی ہے، اِس لئے اِس نمبر کے مشمولات کو سامنے رکھ کر حتی الامکان تکرار کو حذف کرتے ہوئے اپنی ذہنی ترتیب کے موافق ''ذکر رفتگاں'' کی پانچویں اور چھٹی جلد میں اُن کو شائع کیا جا رہا ہے۔

چھٹی جلد میں ''تبرکات واِفادات'' کے عنوان سے حضرت والد صاحبؒ کے متعدد بیانات

اور دروس جمع کئے گئے ہیں، جو بہت ہی معلوماتی اور نفع بخش ہیں، اور وقتاً فوقتاً ''ماہنامہ ندائے شاہی'' مرادآباد میں شائع ہوچکے ہیں، ان سب کو یہاں یکجا کردیا گیا ہے؛ تاکہ اِفادہ کا دائرہ مزید وسیع ہو۔

ظاہر ہے کہ محض اِن مضامین کی اِشاعت سے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے احسانات کا بدلہ اَدا نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن اُن کے مطالعہ سے اُمید ہے کہ قارئین کو اپنا محاسبہ کرنے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کا حوصلہ ضرور پیدا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اور ہم سب کو حضرت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۴ رشعبان المعظم ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۸ رمارچ ۲۰۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

خراجِ عقیدت

وابستہ یادیں

رفتگاں

۲۰۲۱ء

اِک شجر سایہ دار تھا، نہ رہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ عثمانی - ایک نظر میں

- نام: سید محمد عثمان صاحبؒ
- والد ماجد: سید محمد عیسیٰ بن سید محمد اِدریس صاحبؒ
- والدہ صاحبہ: سیدہ زبیدہ خاتون بنت حضرت مولانا سید محمد نبیہ صاحب خانجہاں پوری تلمیذ شیخ الہند ورکن شوریٰ دار العلوم دیو بند
- پیدائش: ۱۸ رصفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۲ راگست ۱۹۴۴ء
- وطن مالوف: موضع منصور پور ضلع مظفر نگر
- ابتدائی تعلیم: والد ماجد و مدرسہ حسینیہ منصور پور
- دار العلوم دیو بند میں داخلہ (درجہ فارسی): ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء
- دار العلوم دیو بند سے فراغت (دورۂ حدیث شریف): ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء (سالانہ امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی)
- دار العلوم دیو بند کے مشہور اَساتذۂ کرام:

● حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ (بخاری شریف مکمل) ● حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ (مسلم شریف ومؤطا امام مالک) ● حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ (ترمذی شریف) ● حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ (ابوداؤد شریف وشمائل ترمذی) ● حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ (مؤطا امام محمد) ● حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (سنن ابن ماجہ) ● حضرت مولانا شریف الحسن صاحبؒ (نسائی شریف) ● حضرت مولانا

اسلام الحق صاحب اعظمیؒ (طحاوی شریف) ● حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی ● حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب وغیرہم۔

○ **فنِ قرأت:** دارالعلوم میں تعلیم کے دوران آپ نے اُستاذ القراء حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرأتِ حفص وسبعہ عشرہ کی تکمیل فرمائی، اور اِس میں اتنی مہارت حاصل کی کہ لفظ ''قاری'' آپ کے نام کا جزو بن گیا۔

○ **صفِ عربی:** فراغت کے بعد ایک سال عربی زبان واَدب کی مشق کے لئے ''الصّف العربی'' میں داخلہ لیا، اور خصوصاً اُستاذ اَدب عربی حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کا شمار مولانا موصوف کے خاص شاگردوں میں ہوتا ہے۔

○ **جامعہ قاسمیہ گیا بہار میں تدریس:** ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۱ء (۵؍سال)

○ **جامعہ اِسلامیہ جامع مسجد امروہہ:** ۱۹۷۲ء تا ۱۹۸۲ء (۱۰؍سال)

○ **دارالعلوم دیوبند کے منصبِ تدریس پر:** ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں خدمت تدریس پر مامور ہوئے، اور مختلف فنون کی متوسط اور اعلیٰ کتابیں زیرِ درس رہیں۔ آپ کا درس عام فہم، محققانہ اور مقبول تھا۔

○ **کنوینر عالمی اجلاس ختم نبوت:** ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں منعقدہ عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کا آپ کو کنوینر بنایا گیا، اِس ذمہ داری کو آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔

○ **ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت:** ۱۹۸۶ء میں آپ کو کل ہند مجلسِ تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کا ناظم مقرر کیا گیا، جس پر آپ تادم آخر فائز رہے، اور اِس حوالے سے ملک وبیرونِ ملک عظیم خدمات انجام دیں۔

○ **نیابتِ اہتمام:** ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۸ء تک آپ دارالعلوم دیوبند کے ''نائب مہتمم'' کے منصب پر فائز رہے۔

○ **نظامتِ دارالاقامہ:** نیابت اہتمام سے قبل آپ نے تدریس کے ساتھ

ناظم دارالاقامہ کے عہدے پر رہ کر بھی خدمات انجام دیں، اور اِس شعبہ کو منظّم کرنے میں اہم کردار اَدا کیا۔

○ **جمعیۃ علماء ہند کی صدارت:** ۲۰۰۸ء میں آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا قومی صدر منتخب کیا گیا۔ آپ کے ۱۳رسالہ دورِ صدارت میں جمعیۃ علماء ہند شاہ راہِ ترقی پر گامزن رہی، اور بے نظیر ملی وتعلیمی ورفاہی خدمات انجام دی گئیں۔

○ **اَمیر الہند رابع:** امیر الہند ثالث حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ کے انتقال کے بعد دسمبر ۲۰۱۰ء میں آپ کو اِمارت شرعیہ ہند کا ''اَمیر الہند رابع'' منتخب کیا گیا۔

○ **اِمامت عیدگاہ:** فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات (۲۰۰۶ء) کے بعد سے شہر دیوبند کی عیدگاہ میں نمازِ عید کی اِمامت کی ذمہ داری بھی تادمِ آخر آپ کے سپرد رہی۔

○ **معاون مہتمم:** دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ منعقدہ صفر ۱۴۴۲ھ مطابق اکتوبر ۲۰۲۰ء نے آپ کو معاون مہتمم منتخب کیا، جسے آپ نے بخوبی نبھاتے ہوئے پورے عملہ کو متحرک کردیا۔

○ **مدارس کی سرپرستی:** ملک کے مختلف حصوں کے متعدد مدارس ومکاتب کی آپ سرپرستی فرماتے تھے، اور حسبِ موقع وہاں تشریف لے جاکر مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔

○ **اِجازت وخلافت:** اَولاً آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، بعد میں حضرت شیخؒ کے حکم پر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کی طرف رجوع فرمایا اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ آپ کا شمار حضرت فدائے ملتؒ کے اجل خلفاء میں ہوتا تھا۔

○ **حج وعمرہ:** آپ نے ۳رمرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی جب کہ مسلسل مصروفیت کے باوجود وقت نکال کر تقریباً ۱۷رمرتبہ عمرے کے اَسفار فرمائے۔ عموماً یہ اَسفار رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں ہوتے تھے۔

○ **بیرونی اَسفار:** نیز آپ نے دعوت واِصلاح کی غرض سے بنگلہ دیش، پاکستان، نیپال، قطر اور اَمریکہ کے متعدد اَسفار فرمائے، اور خلق خدا کو فیض یاب فرمایا۔

○ **تالیفات:** تدریسی اور اِنتظامی مصروفیات کی وجہ سے آپ کو تصنیف وتالیف کا زیادہ وقت نہ مل سکا؛ البتہ ''ردِقادیانیت'' کے موضوع پر آپ کے قیمتی محاضرات اور کتابچے شائع شدہ اور مقبول ہیں۔

○ **عقدِ مسنون:** ۱۱؍ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ کو آپ کا عقد مسنون شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی منجھلی صاحب زادی (سیدہ عمرانہ مدنی صاحبہ) سے ہوا۔

○ **اَولاد واَحفاد:** آپ کے فرزند (محمد سلمان، محمد عفان) اور ایک صاحب زادی (رشدیٰ خاتون) ہیں، اور تینوں صاحب اَولاد ہیں، اور دینی تعلیمی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

○ **عادات وخصائل:** طہارت وپاکیزگی، شب بیداری، معاملات کی صفائی، طلبہ پر شفقت، کثرتِ تلاوت، نماز باجماعت کی پابندی، اُصول پسندی، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں جرأت مندی، تواضع ومسکنت، اتباعِ سنت وشریعت، صلہ رحمی، غریبوں کی دل داری، حلم ووقار، حقوق کی رعایت، وغیرہ آپ کی امتیازی خوبیوں میں شامل ہیں۔

○ **وفات:** تقریباً ۱۵؍روز علالت کے بعد ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء عین جمعہ کی نماز کے وقت سوا ایک بجے ۷۶؍سال کی عمر میں ''میدانتا اسپتال'' گڑگاؤں میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

○ **نمازِ جنازہ اور تدفین:** اُسی دن بعد نماز عشاء اِحاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند میں عوام وخواص کے بڑے مجمع نے حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہم کی اقتداء میں نماز جنازہ اَدا کی۔ اور مزار قاسمی میں حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت فدائے ملتؒ کے قدموں میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً ونور اللہ مرقدہٗ۔

❒❖❒

ہمارے مشفق والد ماجد

ہمارے محسن ومربی استاذ معظم

امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ
محدث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
(ولادت: ۱۹۴۴ء - وفات: ۲۰۲۱ء)

محمد سلمان منصور پوری خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

ابھی تک طبعیت بہت افسردہ اور دل ودماغ صدمہ سے چور ہے، وہ خبر جس کے سننے کو کان تیار نہ تھے، وہ حقیقت جسے ماننے کو ذہن بالکل آمادہ نہ تھا۔ آہ!! وہ الم ناک واقعہ گذشتہ ۸/شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱/مئی ۲۰۲۱ء جمعہ کے مبارک دن عین جمعہ کے وقت پیش آچکا۔ اس دن ہمارے مشفق ترین والد ماجد (جنہیں ہم بچپن سے اَدب اور محبت کے جذبات کے ساتھ ''ابی'' کہا کرتے تھے) ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے اُس رب رحمٰن ورحیم کی وسیع الشان رحمت کی آغوش میں چلے گئے، جس رب کے سچے دین کی خدمت کے لئے اُنہوں نے پوری زندگی وقف کر رکھی تھی، انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

آپ کی وفات کا صدمہ ملت کے ہر طبقے میں محسوس کیا گیا، بے شمار تعزیتی پیغامات موصول ہوئے، جابجا ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، ہر شخص آپ کی دیانت واَمانت، طبعی

شرافت اور حسنِ خلق کے ساتھ ساتھ حق نوازی اور اُصول پسندی کی صفت کا معترف تھا۔ اتنے لوگوں کی بیک زبان گواہی بلاشبہ ''أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِيْ الْأَرْضِ'' (زبانِ خلق نقارۂ خدا) کا مصداق ہے اور اُمید ہی نہیں؛ بلکہ یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خدمتِ دین میں مشغول اپنے اِس خاص اور پیارے بندے کے ساتھ خصوصی فضل وکرم کا معاملہ فرمائیں گے اور پوری طرح اپنی رحمت میں ڈھانپ لیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارے پیارے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت صاف شفاف اور روشن زندگی گذاری، جس طرح ظاہری لباس میں آپ کا ذوق نہایت اعلیٰ اور نفیس تھا کہ سفید کپڑے پر ادنیٰ سا دھبہ بھی برداشت نہ تھا، اسی طرح آپ کا باطن بھی آئینہ کی طرح صاف تھا۔ عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق میں آپ ہمیشہ سنت وشریعت کو پیش نظر رکھتے تھے اور اس کی خلاف ورزی پر سخت ناگواری اور ناراضگی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے حقوق کا آپ نہایت خیال رکھتے تھے۔ تدریسی اور انتظامی مسلسل مصروفیات کے باوجود بھی آپ وقت نکال کر اعزاء کے یہاں تشریف لے جاتے اور سب کی خیر خبر رکھتے تھے۔ اخیر زمانہ میں تو اپنے تصرف کی سواری کا انتظام ہوگیا تھا، ورنہ اکثر آپ اپنے ذاتی اسفار پسنجر ٹرینوں یا لوکل بسوں سے فرمایا کرتے تھے، ہم لوگوں کا بچپن میں بارہا اس طرح منصور پور وغیرہ جانا یاد ہے۔

طلبۂ عزیز کے ساتھ آپ کی شفقت مثالی تھی، خورد نوازی، دل داری اور حوصلہ افزائی میں بھی آپ ممتاز تھے، لوگ اس بات پر حیرت زدہ رہ جاتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں سال کے اخیر میں جب بنگالی اور آسامی طلبہ کی انجمنوں کے اختتامی اجلاس ہوتے اور آپ کو دعوت دی جاتی تو آپ زبان نہ جاننے کے باوجود اُن کی دل داری کے لئے اجلاس میں تشریف لے جاتے اور اخیر تک تشریف فرما رہتے۔ کبھی اس میں رات کے ایک دو بھی بج جاتے تھے۔ اسی طرح ''النادی الادبی'' اور ''مدنی دارالمطالعہ'' کی پوری سرپرستی فرماتے اور اُن کے سارے معاملات پر گہری نظر رکھتے تھے۔

چوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلب سلیم اور ذوقِ جمیل عطا فرمایا تھا، اس لئے حسنِ انتظام گویا کہ آپ کی گھٹی میں ڈالا گیا تھا، ہر کام میں آپ کو نفاست اور عمدگی پسند تھی، کوئی بھی کام بے ترتیب ہوتو اس سے آپ کو طبعی ناگواری ہوتی تھی؛ حتیٰ کہ اگر کبھی کاغذ کو بے جا موڑ دیا گیا یا غلط انداز میں کاٹ دیا گیا، تو بھی آپ کو ناگواری ہوتی تھی اور اس پر بروقت تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔

فضول مشاغل اور بے فائدہ مصروفیات سے آپ کی زندگی بالکل پاک تھی، گھر سے باہر تشریف لے جاتے، تو نظر اکثر جھکی رہتی، زبان حد درجہ محتاط تھی، مخالف کے لئے بھی تہذیب سے گری ہوئی کوئی بات آپ سے نہیں سنی گئی، سفر میں اکثر کتابوں اور رسائل کے مطالعہ میں یا قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

آپ دینی سرگرمیوں بالخصوص مدارس اور مکاتب دینیہ کے پروگراموں میں پوری بشاشت اور انبساط کے ساتھ شرکت فرماتے اور اُنہیں پورا وقت دیتے تھے؛ حتیٰ کہ اکثر جگہوں پر آخری بیان اور دعا آپ ہی سے کرائی جاتی؛ لیکن آپ کی پیشانی پر شکن تک نہ آتی تھی۔ اور خاص بات یہ تھی کہ آپ کبھی بھی مجمع کی کمی بیشی سے متأثر نہ ہوتے تھے؛ بلکہ قلیل مجمع میں بھی پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ اور خطاب بھی عام فہم ہوتا تھا، جو اکثر قرآنِ کریم کی آیات اور اَحادیثِ شریفہ کی دل نشیں تشریح پر مشتمل ہوتا تھا، آپ کو تفسیر قرآن سے خاص مناسبت تھی، ''ترجمہ شیخ الہند'' اور ''بیان القرآن'' پر گہری نظر تھی، حسبِ موقع ان کے حوالے بھی دیا کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ اَحادیثِ شریفہ کا بھی بڑا ذخیرہ آپ کے سینے میں محفوظ تھا، جسے عربی متن کے ساتھ آپ اپنے بیان میں برمحل پیش فرماتے تھے۔

مختلف علاقوں میں سفر کے دوران اگر کوئی شخص آپ سے اپنے گھر جانے کی گذارش کرتا اور وقت میں گنجائش ہوتی اور اصل پروگرام میں کوئی خلل نہ پڑتا، تو اکثر آپ اُس کی گذارش کو رد نہ فرماتے؛ بلکہ تھوڑی دیر ہی کے لئے سہی؛ اُس کے گھر تشریف لے جاکر اُس کی دل داری فرماتے تھے۔ ایسے بہت سے لوگوں نے آپ کی وفات کے بعد آکر اپنے واقعات سنائے جو موجودہ دور میں ایک بہترین مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ جس اِدارے میں بھی رہے، وہاں اپنے ہم عصروں کے اکرام اور چھوٹوں کے ساتھ خیر خواہی میں ممتاز رہے، آپ کے بلند اخلاق اور صاف ستھری اُصولی زندگی سے ہر شخص متأثر رہا۔

ولادت اور تعلیم

ہمارا آبائی وطن دیوبند سے جنوب کی جانب تقریباً ۴۰؍کلومیٹر دور قصبہ منصور پور (ضلع مظفرنگر) ہے، جہاں ''ساداتِ حسینیہ بارہہ'' کی ایک شاخ قدیم زمانے سے آباد ہے۔ وہیں ۱۲؍اگست ۱۹۴۴ء (۱۸؍صفر ۱۳۶۲ھ) کو حضرت والد ماجدؒ کی پیدائش ہوئی۔ دادا جان جناب سید محمد عیسیٰ صاحب بہت ہی متدین اور باوقار شخص تھے اور اکابر علماء دیوبند بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے نیازمندی کا تعلق رکھتے تھے، وہ اگرچہ خود حافظ نہ تھے؛ لیکن اُنہوں نے بذاتِ خود اپنی اولاد کو حفظ قرآن کرانے کا عزم کیا؛ چناں چہ منصور پور رہتے ہوئے حضرت والد صاحبؒ نے حفظ مکمل کرلیا تھا، پھر اگلی تعلیم کی فکر ہوئی، تو دادا جان نے محض بچوں کی تعلیم کے لئے منصور پور کی رہائش ترک فرمائی اور دیوبند میں ایک کرایہ کے مکان میں رہنے لگے۔ حضرت والد صاحبؒ نے دادا جان کی سرپرستی اور نگرانی میں فارسی خانہ سے لے کر اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، اور آپ درجہ ہفتم عربی میں تھے، تو دادا جان کا انتقال ہوگیا اور ''مزارِ قاسمی'' میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت والد صاحبؒ نے ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی اور اول پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ آپ کا امتحان سالانہ کا نتیجہ درج ذیل ہے: بخاری شریف: ۵۰۔ ترمذی شریف: ۴۵۔ مسلم شریف: ۴۵۔ ابوداؤد شریف: ۵۰۔ نسائی شریف: ۴۵۔ ابن ماجہ شریف: ۴۵۔ طحاوی شریف: ۴۳۔ شمائل ترمذی: ۵۰۔ مؤطا امام مالک: ۴۵۔ مؤطا امام محمد: ۴۵۔ اس وقت کل نمبرات ۵۰؍ ہوتے تھے۔

فنِ قرأت سے دلچسپی

اسی دوران شیخ القراء حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ اور قاری عتیق احمد صاحبؒ سے فنِ قرأت میں مہارت حاصل کی، اُس وقت دارالعلوم دیوبند میں اکثر جلسوں کے آغاز میں حضرت والد صاحبؒ کی قرأت ہوتی تھی، اِسی وجہ سے اُسی وقت سے ''قاری'' کا لقب آپ کے نام کے ساتھ ملحق ہوگیا اور اخیر تک آپ کی پہچان ایک قاری کے طور پر ہوتی رہی۔

آپ کی تلاوت حسنِ اَدا کے اعتبار سے نہایت شاندار تھی، سادگی کے ساتھ اور قواعد ومخارج کی مکمل رعایت رکھتے ہوئے آپ رواں پڑھتے چلے جاتے تھے اور قرأت میں تکلف آپ کو بالکل پسند نہ تھا، اگر کوئی بتکلف قرأت کرتا تو سخت ناگواری ہوتی تھی۔ آپ کو سبعہ وعشرہ قرأت پر مکمل عبور حاصل تھا، اُن کے متعلق کتابوں پر پوری نظر تھی۔ امروہہ کے قیام کے زمانے میں متعدد حضرات نے آپ سے قرأت کی کتابیں پڑھیں اور فنِ تجوید سے مناسبت پیدا کی۔

عربی اَدب سے لگاؤ

دارالعلوم کے قیام کے زمانے میں آپ نے عربی اَدب میں بھی مہارت حاصل کی، آپ کا شمار حضرت اَقدس مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے خاص اور چہیتے شاگردوں میں ہوتا تھا، مولانا کیرانویؒ کی فعالیت، حسنِ ذوق اور حسنِ تربیت کا بڑا حصہ حضرت اَبی نور اللہ مرقدہٗ کو نصیب ہوا تھا، جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ آپ فرماتے تھے کہ ''قرآن وحدیث کو کما حقہ سمجھنے کے لئے عربی ادب میں مہارت لازم ہے''۔ اور فرماتے تھے کہ ''اگرچہ موجودہ زمانے کے تقاضوں کی وجہ سے اُسلوب کچھ بدل گیا ہے، مگر عربی زبان وہی ہے جو قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے، اِس لئے قرآنی تعبیرات اور اَحادیثِ شریفہ کے متون کو سامنے رکھ کر عربی زبان پر توجہ دینا ضروری ہے''۔

جامعہ قاسمیہ گیا میں

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۱ء تک صوبہ بہار کے

معروف مدرسہ ''جامعہ قاسمیہ گیا'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اِس دوران جگر گوشۂ شیخ الاسلام مخدوم گرامی حضرت اَقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم العالی بھی وہیں مقیم تھے، یہ مدرسہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا قاری سید فخر الدین صاحب گیاویؒ کا قائم کردہ تھا اور حضرت قاری صاحبؒ ہی کے اصرار اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے حکم پر یہ دونوں حضرات اس مدرسہ میں تشریف لے گئے تھے۔ گیا کے مدرسہ اور جائے قیام کی دھندلی یادیں آج بھی احقر کے ذہن میں محفوظ ہیں، وہاں کے لوگوں کی محبتیں اور عقیدتیں بھلائی نہیں جاسکتیں۔

جامعہ اِسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں

۱۹۷۱ء میں حضرت والد ماجد نوراللہ مرقدہٗ کا تقرر مغربی یوپی کے قدیم شہر ''امروہہ'' کے ایک قدیم اِدارے ''جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ'' میں ہوا، اُس وقت اس مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا اعجاز حسنین صاحبؒ تھے، جب کہ نائب مہتمم حضرت مولانا سید حامد حسن صاحبؒ اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری فضل الرحمٰنؒ صاحب تھے۔ مدرسہ کے شیخ الحدیث کے منصب پر دو بزرگ شخصیات فائز تھیں: (۱) حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب امروہویؒ صاحب ''معارفِ مدنیہ'' (۲) حضرت مولانا شبیہ احمد صاحب فیض آبادیؒ، یہ سب حضرات؛ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے عقیدت کیش اور فیض یافتہ تھے، مدرسہ کی طرف قرب وجوار کے علاوہ بہار، بنگال اور آسام کے طلبہ کا بہت رجوع تھا۔

حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے اِس مدرسہ کو ترقی دینے؛ بلکہ عروج تک پہنچانے میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو صرف فرمایا، تعلیمات کے نظام کو مستحکم کیا، امتحانات کے نظام میں اصلاحات فرمائیں اور ساتھ میں اِدارے کو ایک بہترین تربیت گاہ میں تبدیل فرمادیا۔ ایک عرصے تک آپ مدرسہ کے اِحاطے ہی میں ایک کمرے میں مقیم رہے۔ جس وقت آپ امروہہ تشریف لائے، ہماری عمر ۵-یا-۶ رسال کی تھی؛ لیکن آپ نے ہمیں دیوبند یا منصور پور نہیں

چھوڑا؛ بلکہ مسلسل اپنے ساتھ رکھا اور دیگر تدریسی مصروفیات کے ساتھ احقر کو مکمل قرآنِ کریم خود حفظ کرایا، فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء واعلی اللہ مراتبہ فی الجنۃ۔

بعد اَزاں فارسی کی کتابیں تو ہم نے دیگر اَساتذۂ کرام کے پاس پڑھیں؛ لیکن ابتدائی عربی کی کتابیں حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے پڑھائیں، خاص طور پر حضرت مولانا مشتاق احمد چرتھاولی رحمہ اللہ کی کتاب ''علم الصرف''، اور ''علم النحو'' اور ''عربی زبان کا آسان قاعدہ'' اور ''القراءۃ الواضحۃ'' آپ نے خود پڑھائیں اور خوب تمرین کرائی۔ ہم اپنی نالائقی کی وجہ سے سبق یاد کرنے میں بہت لاپروائی برتتے تھے، جس پر خوب تادیب ضربی بھی ہوتی تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آنے لگتا تھا؛ لیکن آپ کا رعب اِس قدر تھا کہ کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

امروہہ میں جب حضرت والدہ صاحبہ مدظلہا تشریف لے آئیں، تو ہم لوگوں کا قیام محلّہ جھنڈا شہید کے ایک کرایہ کے مکان میں ہوا، یہ ایک مختصر سا مکان تھا، جس میں کل دو کمرے، ایک دالان اور ایک کھلا ہوا باورچی خانہ تھا، ہاتھ کا نل تھا، جس سے پانی کی ضرورت پوری ہوتی، چولہے کے طور پر انگیٹھی استعمال ہوتی تھی، جس میں روئی کی کاٹھی یا لکڑی کا برادا بھرا جاتا تھا، جسے بھرنے کے لئے گھر کے بچوں کی باری لگا کرتی تھی اور محدود آمدنی کے باوجود حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حسنِ انتظام اور کفایت شعاری کی بدولت صبر وشکر کے ساتھ زندگی گذرتی تھی۔

یہ ہمارے لئے سعادت کی بات تھی کہ جھنڈا شہید کی جس مسجد میں ہم لوگ نماز پڑھتے تھے، اُس میں معروف فرشتہ صفت بزرگ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی نور اللہ مرقدہٗ کا قیام تھا، جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو آپ کی مجالس میں شرکت کا موقع ملتا تھا اور حضرت مفتی صاحبؒ کی نظر شفقت ہم لوگوں پر بہت ہی زیادہ رہتی تھی، حضرت مفتی صاحبؒ حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کا بے انتہا اکرام فرماتے تھے، جو بھی اہم مسئلہ پیش آتا تو حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کو بلواتے، فقہی کتابوں کی مراجعت کراتے، اُس کے بعد فیصلہ فرماتے تھے۔

اَمروہہ کا زمانۂ قیام حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی کا یادگار دور کہلایا جاسکتا

ہے، یہاں آپ کے ''ابوداؤد شریف''، ''جلالین شریف'' اور ''مختصر المعانی'' کے دروس بہت مشہور ہوئے اور دور دراز کے طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔

تدریس کے علاوہ دعوتی، تبلیغی اور ملی سرگرمیاں بھی جاری رہیں، امروہہ کے اطراف واکناف کے دیہاتوں میں آپ کی مسلسل آمدورفت رہتی، جسے آج تک لوگ یاد کرتے ہیں۔

اسی طرح امروہہ کے قیام کے زمانے میں جمعیۃ علماء ہند کی تحریکات میں بھی آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ۱۹۷۹ء میں ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' میں آپ نے بھی گرفتاری دی اور تہاڑ جیل میں قید رہے۔ اُس زمانہ میں جمعیۃ کے اجلاسوں میں ہم لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے کر تشریف لے جاتے تھے، جس سے ذہن سازی ہوتی تھی۔

مدرسہ میں ختم بخاری شریف کے موقع پر بڑا جلسہ ہوتا تھا، جس میں خاص طور پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی یا فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہم تشریف لاتے تھے۔

النادی العربی

آپ نے جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے زمانۂ قیام میں مدرسہ میں ''النادی العربی'' کے نام سے طلبہ کی انجمن قائم کی، جس کے ہفتہ واری تقریری حلقے قائم کئے جاتے تھے اور طلبہ اپنے قلم سے عربی میں دیواری پرچے نکالتے تھے۔ ہمیں یاد ہے؛ ہمارا اِبتدائی شعور کا زمانہ تھا، غالباً ''القراءۃ الواضحۃ'' پڑھتے تھے، تو النادی کے حلقے میں ہمارا نام لکھوایا اور مکلّف کیا کہ ''القراءۃ الواضحۃ'' کا جو سبق ہے اُسی کا ایک صفحہ یاد کر کے کھڑے ہو کر سنادو، اِسی طرح جو بھی بن سکے اُلٹا سیدھا مضمون عربی میں بنا کر پیش کرو، پھر آپ اُس کی تصحیح فرماتے اور شاباشی بھی دیتے تھے۔

امروہہ میں ''النادی'' کا سالانہ جلسہ عوامی انداز کا ہوتا تھا، جو اکثر جمعہ کے بعد جامع مسجد کے وسیع صحن میں منعقد ہوتا، جس میں شہر کے عوام وخواص بڑی تعداد میں شرکت کرتے

تھے۔ اکثر ان پروگراموں میں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لایا کرتے تھے، اس جلسہ کی تیاری مہینوں پہلے سے شروع ہوجاتی تھی اور حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ پروگرام کو سنوارنے اور مفید تر بنانے پر پوری توجہ دیا کرتے تھے۔

خانوادۂ مدنی کے اَتالیق

آپ کے حسنِ تربیت کی وجہ سے مدنی خاندان کے حضرات اپنے بچوں کو آپ کی نگرانی میں رکھنے کی خواہش رکھتے تھے؛ چناں چہ امروہہ کے زمانۂ قیام میں ابتداء خالِ محترم جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی مدظلہم اور جناب بھائی اخلد رشیدی صاحب مدظلہم (مقیم مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) اور بعد میں جناب مولانا ازہد صاحب مدنی اور مولانا سید محمود صاحب مدنی، مولانا سید مسعود مدنی، اسی طرح ہمارے پھوپھی زاد بھائی حافظ سید محمد کلیم صاحب منصور پوری اور خالہ زاد بھائی مفتی سید محمد حارث خانجہاں پوری (مقیم مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) مسلسل حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی سخت نگرانی میں رہے اور تعلیمی مراحل طے کیے۔ اُس وقت پورے خاندان میں آپ کا رعب وجلال معروف تھا، آپ سے کسی کو بے جابات کرنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔

دیوبند آمد کے بعد بھی تربیت کا یہ سلسلہ جاری رہا، مولوی سید محمد معاذ، مولوی سید محمد سعد، مولوی سید محمد بشار، مفتی سید محمد زید خانجہاں پوری (مقیم مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دونوں احفاد مولوی محمد اور مولوی احمد سلمہما نے آپ ہی کی تربیت میں رہ کر تعلیم مکمل کی۔ اِن بچوں کی دیکھ ریکھ اور خدمت میں ہماری مکرمہ ومعظّمہ والدہ صاحبہ مدظلہا کا بھی بڑا حصہ رہا ہے، اُنہوں نے ان کے ساتھ بالکل حقیقی ماں جیسا معاملہ کیا، جس کا عظیم اجر اُنہیں آخرت میں ضرور ملے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

دار العلوم دیوبند میں تقرر

صد سالہ اجلاس کے بعد جب دار العلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، تو حضرت والد ماجد

نور اللہ مرقدہٗ کا تقرر مدرس وسطیٰ کی حیثیت سے دار العلوم دیو بند میں کیا گیا اور ہم لوگ ۱۹۸۲ء (اواخر ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ) میں امروہہ سے دیو بند آ گئے۔ اَولاً کئی سال ہم لوگوں کا قیام محلّہ بیرونِ کوٹلہ میں ایک مختصر مکان میں رہا۔ ہم نے درجہ چہارم عربی میں داخلہ لیا اور پہلے ہی سال حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے منطق کی مشہور کتاب ''سلم العلوم'' اور عربی اَدب میں ''مقاماتِ حریری'' پڑھی، اس کے بعد اگلے سالوں میں ''نور الانوار''، ''مختصر المعانی''، ''تلخیص المفتاح'' اور سال ہفتم میں ''تفسیر بیضاوی'' پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت کا درس نہایت مرتب، پر وقار اور تحقیقی ہوتا تھا، اخیر سبق تک کوئی بھی بحث تشنہ نہیں رہتی تھی۔ تفسیر وحدیث کے علاوہ فنون پر آپ کی گہری نظر تھی اور سمجھانے کا انداز ایسا دل نشیں تھا کہ ذرا سی توجہ سے طالب علم کو شرحِ صدر ہو جاتا تھا۔ درس اور وقت کی پابندی کا بڑا اہتمام تھا اور ہمیشہ باوضو درس دیا کرتے تھے، اور کوئی اہم بحث ہوتی تو اُسے طلبہ کو لکھا دیا کرتے تھے؛ تاکہ مراجعت میں آسانی ہو۔

پھر بعد میں آپ تادم آخر حدیث شریف کی مشہور کتاب ''مشکوٰۃ شریف'' کا درس دیتے رہے۔ نیز ''مؤطا امام مالک'' یا ''مؤطا امام محمدؒ'' کافی سالوں تک آپ سے متعلق رہی اور اخیر میں ''طحاوی شریف'' بھی آپ نے پڑھائی۔ آپ نے از خود کبھی کسی کتاب کے پڑھانے کا مطالبہ نہیں کیا؛ بلکہ ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ چند سال قبل تعلیمات کی طرف سے آپ کو ''ابوداؤد شریف'' پڑھانے کی پیش کش کی گئی، تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت فرمالی کہ جمعیۃ کی ذمہ داری کی وجہ سے مجھے مصروفیت زیادہ رہتی ہے، مجھ سے کتاب کا حق ادا کرنا مشکل ہوگا۔

آپ کو عربی ادب سے شروع سے ہی دلچسپی رہی، اِسی بنا پر تکمیل اَدب میں ''اَسالیب الانشاء'' کا درس عرصۂ دراز تک آپ سے متعلق رہا، جس سے طلبہ میں عربی اَدب کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری اور اِنشاپردازی کا بہترین ذوق بھی پیدا ہوا۔

دار العلوم دیو بند میں انتظامی ذمہ داریاں

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا طبعی رجحان کبھی بھی کسی عہدے یا منصب کی طرف

نہیں تھا، اصلاً آپ کی پوری توجہ تدریس اور طلبہ کی تربیت کی طرف رہتی تھی؛ لیکن جو ذمہ داریاں بلاطلب آپ پر ڈالی گئیں، اُنہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر پوری دیانت داری کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دیا اور اپنی حد تک کسی طرح کی کوتاہی نہیں ہونے دی۔ اَولاً آپ کو ناظم دارالاقامہ بنایا گیا، آپ نے اُس کے پورے نظام کو درست فرمایا اور سارے ریکارڈ کو تحریری شکل میں مرتب فرمایا اور مقررہ اُصول وضوابط کی پوری پاس داری کی۔

آپ کے حسنِ انتظام کو دیکھتے ہوئے مجلس شوریٰ نے آپ کو ۱۹۹۷ء میں نائب مہتمم مقرر کیا؛ چناں چہ آپ نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دور میں ۲۰۰۸ء تک پوری ذمہ داری کے ساتھ مفوضہ اُمور انجام دیے، آپ کا دورِ نیابت ایک روشن اور کامیاب دور کہلایا جاتا ہے۔ ہم لوگوں نے دیکھا ہے کہ اُس وقت ۲۴ گھنٹے آپ مصروف رہتے تھے، تدریس کے ساتھ انتظامی اُمور میں ہر وقت مشغول رہنا پڑتا تھا۔ ۲۰۰۸ء میں اگرچہ نیابتِ اہتمام سے سبک دوش ہوگئے تھے؛ لیکن آپ نے دارالعلوم کی کسی بھی خدمت سے کوئی پہلوتہی نہیں برتی؛ تا آں کہ صفر ۱۴۴۲ھ کی مجلس شوریٰ نے آپ کو ''معاون مہتمم'' مقرر کیا، آپ نے اگلے دن ہی سے مفوضہ اُمور انجام دینے شروع فرما دیے۔ آپ کی توجہ سے دفاتر کا نظام مزید درست ہوا، آپ سارے اُمور، دستور، تجاویز اور مقررہ اُصول کی روشنی میں انجام دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے کسی کو شکایت کا موقع نہ ملتا تھا، آپ ہر ایک کے ساتھ اُس کے مرتبہ کے موافق معاملہ فرماتے تھے، جس کی بنا پر عملہ کے دل میں آپ کی عظمت ومحبت راسخ ہوگئی تھی۔ آپ ہی کی تحریک پر دارالعلوم میں ''اصلاحِ معاشرہ کمیٹی'' بنائی گئی، جس کے تحت شہر اور علاقے میں اَساتذۂ کرام کے اصلاحی پروگرام ہوئے اور مختصر مدت میں ۶۰ سے زیادہ اصلاحی مضامین مرتب کرکے ہزاروں کی تعداد میں شائع کرکے تقسیم کیا گیا۔ اِسی طرح دیگر علمی تحقیقی کمیٹیاں بھی قائم کرائیں، جس کے بہتر نتائج ظاہر ہوئے اور اَساتذۂ کرام نے اس کی بہت قدر فرمائی۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کی نظامت

ہندوستان میں قادیانیوں کے بڑھتے ہوئے خطرات کے پیش نظر ۱۹۸۶ء کے اَواخر میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند میں ''عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت'' کا انعقاد ہوا، جس کے کنوینر حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ بنائے گئے۔ آپ نے نہایت محنت، دلچسپی اور لگن کے ساتھ یہ ذمہ داری نبھائی اور پوری شان وشوکت کے ساتھ یہ تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں اِمام حرم شیخ عبداللہ بن السبیلؒ اور ''رابطہ عالم اسلامی'' کے سکریٹری جنرل شیخ عبداللہ عمر نصیفؒ نے شرکت فرمائی۔ اُسی موقع پر پورے ملک میں قادیانیت کے تعاقب کے لئے ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ، ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ منتخب کئے گئے؛ جب کہ نظامت کی ذمہ داری حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے سپرد کی گئی۔ آپ نے اِس ذمہ داری کو ایک عبادت سمجھ کر قبول کیا اور پھر اپنی پوری علمی وعملی صلاحیتیں دفاعِ ختم نبوت پر نچھاور فرمادیں۔ ہم نے قریب سے دیکھا کہ آپ کو جتنا زیادہ شرحِ صدر ختم نبوت کے کام سے ہوتا تھا، اُتنا کسی اور کام پر نہ تھا۔ اِس موضوع پر آپ نے پورے ملک کے دورے کیے، بے شمار تربیتی کیمپ لگا کر علماء، ائمہ اور عوام کو اصل مسئلے سے آگاہ کیا اور وہ موضوع جو علماء کے طبقے میں بالکل نامانوس ہو چکا تھا، اُسے اتنا آسان کردیا کہ کسی بھی شخص کے لئے سمجھنا مشکل نہ رہا۔ اِس دوران آپ نے نہ صرف اکابر کی مفید تالیفات کو اَز سر نو شائع کرایا؛ بلکہ نئے مختصر رسائل بھی بڑی تعداد میں تیار کئے، جن کے مختلف زبانوں میں ترجمے کیے گئے اور ملک کے چپے چپے تک اُنہیں پہنچایا گیا۔

۱۴۰۹ھ میں سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ختم نبوت کے موضوع پر ملک کے چنندہ علماء کو تربیتی دروس دیے، جو نہایت مفید اور کارآمد تھے۔ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے احقر اور مولانا شاہ عالم صاحب

گورکھپوری کو اُن دروس کو حوالوں کی مراجعت کے ساتھ ازسرِ نو مرتب کرنے کا مکلّف کیا؛ چناں چہ حضرت کے حکم کی تعمیل میں ہم لوگوں نے بڑی جانفشانی سے اُسے مرتب کیا، یہ کتاب بعد میں ''ردمرزائیت کے زریں اُصول'' کے نام سے شائع ہوئی اور بہت مقبول ہوئی۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ ''تحفظ ختم نبوت'' کے کام کو پیغمبر علیہ السلام سے تقرب کا بڑا ذریعہ سمجھتے تھے اور اِس بارے میں اکثر بیانات میں منامی بشارتوں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، اُسی کے تعلق سے ایک رسالہ بھی احقر سے لکھوایا تھا۔

بشارت آمیز خواب

حضرت کی وفات کے بعد دارالعلوم کے ''شعبۂ تنظیم وترقی'' کے ناظم جناب مولانا محمد راشد صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت والا مسندِ اہتمام پر تشریف فرما ہیں اور سر پر ایک نہایت نورانی تاج رکھا ہوا ہے، یہ اُسے حیرت سے بار بار دیکھ رہے ہیں، تو حضرت نے خود ہی فرمایا کہ **''یہ دو تاج بھیجے گئے تھے، ایک حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کے لئے اور ایک میرے لئے''۔** اللہ اکبر! کیسا سچا خواب ہے، آپ نے زندگی کا بڑا حصہ تاجِ ختم نبوت کی حفاظت میں صرف فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخرت میں نورانی تاج سے سرفراز فرمایا، فالحمد کلہ للہ۔

مسلکِ حق پر ثباتِ قدمی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب وغریب ایمانی حمیت اور دینی غیرت سے نوازا تھا، کسی بھی غلط روی اور کج فکری پر خاموش رہنا آپ کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ آپ خوش خلقی اور حق نوازی کے حدود کو اچھی طرح جانتے تھے، آپ کی مدارات اسی حد تک تھی جو مداہنت کو شامل نہ ہو، آپ کی پوری زندگی مسلکِ حق پر ثباتِ قدمی میں گذری، کبھی بھی اِس بارے میں ادنیٰ سا بھی جھول نہیں دیکھا گیا۔

ابھی چند مہینے قبل خاندان منصور پور کی ایک معروف شخصیت کے ذریعہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنے کی تحریک شروع ہوئی اور خطرہ ہونے لگا کہ کہیں علاقہ اور خاندان

شیعیت کے اثرات سے متأثر نہ ہوجائے، تو حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ انتہائی بے چین ہوگئے اور احقر کو اِس موضوع پر ایک واضح رسالہ تیار کرنے کا حکم دیا، جو ''صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف'' کے نام سے ہزاروں کی تعداد میں اُردو اور ہندی میں شائع ہوا، پھر حضرت نے بذاتِ خود منصور پور اور اُس کے اطراف کی آبادیوں کے مسلسل دورے فرمائے اور صحیح موقف کی طرف رہنمائی فرمائی اور اپنی حد تک دفاعِ صحابہؓ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

عشقِ نبوی ﷺ

آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے بے انتہا عشق تھا، جس وقت درس یا بیان میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نامِ نامی آتا، تو نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' ادا فرماتے کہ سننے والا بھی محبت کی کیفیت کا خود بخود اندازہ لگالیتا تھا اور اکثر آپ اپنے بیان کا اختتام اِس دعا پر فرماتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ اجْمَعْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهٗ کَمَا اٰمَنَّا بِهٖ وَلَمْ نَرَهٗ، وَلَا تُفَرِّقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهٗ حَتّٰی تُدْخِلَنَا مُدْخَلَهٗ'' (یعنی اے اللہ! ہم نے دنیا میں تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نہیں کی؛ لیکن آخرت میں آپ کے ساتھ ہمیں جمع فرمایئے اور اُن سے ہمیں جدا مت فرمایئے) اور اکثر یہ دعا فرماتے ہوئے آپ پر رقت کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ اسی محبت کا اثر تھا کہ آپ کو شریعت، سنت اور اُسوۂ صحابہؓ کے خلاف کوئی بات بھی بالکل منظور نہ تھی۔

جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی

جمعیۃ علماء ہند اور اُس کی تحریکات سے آپ شروع سے ہی قلبی وابستگی رکھتے تھے اور جمعیۃ کے تعمیری پروگراموں کو قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل فرماتے تھے۔ گیا اور امروہہ کے قیام کے زمانے میں مقامی سرگرمیوں میں پوری طرح شریک رہتے تھے اور مرکز کی طرف سے جو بھی

ہدایات جاری ہوتیں یا تحریک چلائی جاتی، اُس میں آگے بڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ امروہہ رہتے ہوئے آپ نے ''مرارجی ڈیسائی'' کے خلاف چلائی جانے والی جمعیۃ کی ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' میں حصہ لیا اور چند دن تہاڑ جیل میں قید بھی رہے، جس پر آپ کو جمعیۃ کی طرف سے مرادآباد کے ایک عظیم اجلاس میں حضرت فدائے ملتؒ کے بدست اعزازی سند بھی عطا کی گئی۔

پھر حضرت فدائے ملتؒ کے دور میں جمعیۃ کی مرکزی مجلس عاملہ میں آپ کو مدعو خصوصی مقرر کیا گیا؛ تا آں کہ ۲۰۰۸ء میں غیر متوقع طور پر آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا، جسے آپ نے محض جماعت کے مفاد کی خاطر بادل ناخواستہ نبھایا اور خوب نبھایا۔ اس دوران بار بار ہم لوگوں سے فرمایا کہ ''یہ بارِ اَمانت میرے کمزور کاندھوں پر آ گیا ہے، بس اللہ سے دعا کرو''۔ اور اگلے مراحل میں جب بھی نئے صدر کے انتخاب کا دستوری عمل شروع ہوتا تو آپ سبھی اراکین سے بہت اصرار کے ساتھ فرماتے تھے کہ اس مرتبہ آپ کا نام صدارت کے لئے تجویز نہ کیا جائے اور جب مجلس عاملہ میں یہ بحث ہوتی تو بھی آپ مسلسل انکار ہی فرماتے رہتے۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کئی نشستیں اسی اصرار وانکار کی نذر ہوگئیں۔ بہرحال آپ نے حتی الامکان اِس عظیم منصب کی لاج رکھی اور مفید مشوروں اور برموقع تنبیہات سے نوازتے رہے اور اَراکین جمعیۃ گواہی دیں گے کہ اس اخلاص اور بے نفسی کے ساتھ قیادت کرنے والی شخصیت دیکھنے سے اَب آنکھیں ترسیں گی۔

آپ کے دورِ صدارت میں جو تیرہ سال کو محیط ہے، جمعیۃ علماء ہند تیزی سے شاہ راہ ترقی پر گامزن رہی، اس کے سبھی شعبے فعال اور متحرک رہے۔ ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' کے آٹھ فقہی اجتماعات ملک کے مختلف شہروں میں پوری آب وتاب کے ساتھ منعقد ہوئے۔ نیز جمعیۃ کے تاریخ ساز اجلاس ہائے عام، حیدرآباد، دہلی، دیوبند اور اجمیر شریف میں منعقد ہوئے۔ علاوہ اَزیں دینی تعلیمی بورڈ کا احیا ہوا اور ملک کے طول وعرض میں قیامِ مکاتب کی تحریک چلائی گئی۔ اِسی طرح ''جمعیۃ حلال ٹرسٹ'' کو منظم اور وسیع کیا گیا اور ''جمعیۃ یوتھ کلب'' قائم کرکے

نوجوانوں کی فکری اور جسمانی تربیت کا مربوط نظام قائم کیا گیا۔ نیز سرکار کی نئی تعلیمی پالیسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''جمعیۃ اوپن اسکول'' کے نام سے ایک عظیم عصری تعلیمی نظام پیش کیا گیا، اِن تمام سرگرمیوں میں حضرتؒ کے مشورے اور ہدایات شامل رہتی تھیں اور موقع بموقع حضرت بازپرس بھی فرماتے تھے۔

آپ کے دورِ صدارت میں ملک میں متعدد فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، نیز قدرتی آفات وبلیات کے حادثات میں جمعیۃ نے ریلیف اور بازآبادکاری کی عظیم خدمات انجام دیں۔ آپ کی سرپرستی میں قائد جمعیۃ حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی زید مجدہٗ اور اُن کی ٹیم پوری جانفشانی کے ساتھ ملت اور انسانیت کی خدمت میں لگی رہی۔ فالحمد کلہ للہ۔

عادات وخصائل

○ **طہارت ونظافت:-** آپ بدن اور لباس میں پاکی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، اگر ذرا سا بھی شبہ ہوجاتا تو فوراً پاک کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ کئی مرتبہ مشاہدہ ہوا کہ راستے میں چلتے ہوئے پرنالہ یا گھر کی نالی سے آنے والے پانی کی چھینٹوں کا شبہ ہوا تو قیام گاہ پر پہنچ کر کپڑے تبدیل فرمائے، آپ کو بدن پر میل کچیل قطعاً گوارا نہ تھا، گرمی میں دن میں کئی بار غسل کرتے اور شمیزیں تبدیل فرماتے تھے۔ بدبو سے بھی سخت نفرت تھی، معیاری عطر لگانے کا التزام فرماتے، بالخصوص درس اور دیگر مجلسوں میں حاضری کے وقت باوضو ہوکر اور عطر لگا کر تشریف لے جاتے تھے۔

○ **اپنا کام خود کرنا:-** آپ کی یہ بھی عادت تھی کہ اپنی ضروریات خود انجام دینے کی کوشش فرماتے تھے، اگر کوئی عذر نہ ہوتا تو باورچی خانہ میں تشریف لے جاکر اپنے لئے یا مہمانوں کے لئے چائے وغیرہ بھی خود ہی بنا لیتے تھے۔ ابتدا میں ضرورت پڑنے پر بازار بھی تشریف لے جاتے اور خود خریداری کرنے میں کوئی تکلف نہ فرماتے تھے، ہم لوگوں کے بچپن میں عید بقرعید پر کپڑے اور چپل وغیرہ خریدنے کے لئے خود ہمیں دوکان پر لے جاتے تھے۔

○ **شب خیزی:-** آپ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد رات کا کھانا تناول فرماتے، اُس کے بعد دودھ پینے کا معمول تھا؛ لیکن کھانے کے فوراً بعد آپ کو نیند کا تقاضا ہوتا تھا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جتنی دیر میں دودھ پیش کیا جاتا تو آپ کی آنکھ لگ جاتی، کبھی آدھا پیالہ پیتے پھر تکیہ پر ٹیک لگا کر گہری نیند میں چلے جاتے؛ لیکن یہ صرف ابتدائی شب تک ہوتا تھا۔ اکثر آپ نصف شب میں بیدار ہوتے اور پھر نوافل، تلاوت یا مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، عام حالات میں ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ پوری رات مسلسل سوتے رہیں۔ یہ شب خیزی کی عادت الحمدللہ اخیر تک رہی؛ حتیٰ کہ مرض الوفات میں بھی حتی الامکان اس کو نبھایا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق سے نوازیں، آمین۔

○ **اُصول پسندی:-** آپ ہر معاملے میں اُصول اور قواعد کی پابندی کے قائل تھے، عام معاملہ ہوتو شرعی اُصول کو سامنے رکھتے اور اگر کسی اِدارے کا معاملہ ہوتو اُس کے دستور، قواعد اور منظور شدہ تجاویز کی روشنی میں فیصلے فرماتے تھے، محض جذباتی انداز میں عجلت کے ساتھ کوئی اِقدام آپ کو پسند نہ تھا۔

○ **ہر ایک کے ساتھ اُس کے مرتبہ کے موافق معاملہ کرنا:-** آپ ہر شخص سے اُس کے مرتبہ کے موافق معاملہ فرماتے تھے؛ حتیٰ کہ اپنے ماتحتوں میں جو کسی ذمہ دارانہ عہدے پر ہوتا تو اُس کا بھی خیال فرماتے۔ متعدد حضرات نے بیان کیا کہ دارالعلوم کے مسند اہتمام میں اگر کسی شعبے کا ناظم کسی کام کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو گو کہ وہ شاگرد ہوتا، پھر بھی اُس کے عہدے کو دیکھتے ہوئے اُسے ڈیسک کے سامنے بٹھانے کے بجائے اپنے دائیں یا بائیں جانب بیٹھنے کا حکم فرماتے تھے، آپ کا یہ عمل حدیث: ''أَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ'' کی عملی تشریح کی حیثیت رکھتا تھا۔

○ **مہمان نوازی:-** آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ جو شخص بھی آپ سے ملنے آئے، وہ ناشتہ یا کھانا کھائے بغیر نہ جائے، خاص کر دارالعلوم دیوبند کے اَساتذہ یا ملازمین ملنے آتے،

تو کوشش فرماتے کہ کچھ نہ کچھ اُن کی تواضع ہوجائے اور باہر سے جولوگ ملنے آتے، تو اُن کے لئے کھانے کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور گھر میں کوئی بچہ نہ ہوتا تو سب سامان بذاتِ خود گھر سے لے کر تشریف لاتے تھے اور بڑی بشاشت کے ساتھ تواضع فرماتے تھے۔

قرآنِ کریم سے شغف

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو قرآنِ کریم سے بے انتہا شغف تھا، سفر یا حضر میں جو بھی خالی وقت ملتا، وہ تلاوتِ کلام اللہ میں صرف فرماتے تھے۔ آپ نے شروع میں منصور پور میں تراویح میں قرآنِ کریم سنانے کا معمول بنایا، اُس کے بعد جب فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ ''مدنی خانقاہ'' میں رمضان المبارک گذارنے کا سلسلہ شروع ہوا، تو آپ عصر کے بعد حضرت اَقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے ساتھ مجلس میں دور فرماتے اور رات میں ''قیام اللیل'' میں چار رکعات میں ایک پارہ پڑھتے تھے۔ سالوں یہ سلسلہ ''مدنی مسجد'' دیوبند میں جاری رہا۔ اور خصوصاً رات کی تلاوت کی خشوع وخضوع کی تو وہ کیفیت ہوتی تھی جو الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ بعد میں جب حضرت اَقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم رمضان میں مدینہ منورہ قیام فرمانے لگے، تو کئی سال آپ نے حضرت فدائے ملتؒ کے حکم پر تراویح میں قرآن سنایا اور ترتیب یہ ہوتی تھی کہ اولاً سولہ رکعات میں آپ ایک پارہ پڑھتے تھے، پھر وہی پارہ آخری چار رکعتوں میں برادرِ مکرم مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی زید فضلہم پڑھتے تھے۔ پھر جب ''مسجد رشید'' میں اعتکاف ہونے لگا، تو بھی آپ کئی سالوں تک ''قیام اللیل'' میں پارہ سناتے رہے۔

گذشتہ سال جب لاک ڈاؤن کی وجہ سے ساری مصروفیتیں ختم ہوگئیں، تو اس پورے عرصے میں آپ نے مسلسل تلاوت کا مشغلہ جاری رکھا؛ حتیٰ کہ گذشتہ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ میں بذاتِ خود ایک طالب علم کو ساتھ لے کر تراویح میں قرآنِ کریم سنایا اور اِس پر بہت خوش تھے کہ سالوں کے بعد تراویح میں قرآن پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، بار بار ہم لوگوں سے

اِس کا تذکرہ فرماتے تھے۔ لاک ڈاؤن کے زمانہ میں ۱۹؍مرتبہ قرآن کریم کا دور فرمایا۔ اِس سال بھی قرآنِ کریم کے دور کا اہتمام جاری تھا، ۱۹؍ پارے سناپائے تھے کہ بیماری کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

آپ اپنی اَولاد واَحفاد میں بھی قرآنی سلسلہ جاری رکھنے کے خواہش مند تھے، سبھی بچوں کو حفظ کرایا اور ہر ایک کے ختمِ قرآن پر اَدائے شکر کے طور پر بڑی بڑی تقریبات منعقد فرمائیں۔ ابھی رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ سے قبل ۲۴؍شعبان المعظم کو عزیز مکرم جناب مولانا مفتی محمد عفان سلمہ اللہ کے بیٹے عزیزم سید محمد ہشام سلمہ کے ختمِ قرآن پر دیوبند میں ایک بڑی تقریب منعقد فرمائی، جس میں سبھی خاندان والوں کو دعوت دی اور باقاعدہ اپنے دستِ مبارک سے ایک تحریر مرتب فرمائی، جس میں اولاد میں حفظِ قرآن کی سعادت پر دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا، الحمدللہ آپ کی اَولاد واحفاد میں ۱۱؍ بچے بچیاں حفاظ موجود ہیں، جو آپ کے لئے رفعِ درجات کا ذریعہ بنیں گے، اِن شاءاللہ العزیز۔

سلوک ومعرفت

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اَولاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہٗ سے بیعت ہوئے تھے اور آپ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، ہم لوگوں کا بچپن میں آپ کے ساتھ حضرت شیخؒ کی مجالس میں سہارنپور اور دہلی حاضر ہونا یاد ہے؛ لیکن بعد میں حضرت شیخؒ نے آپ کو فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی علیہ الرحمہ کے حوالے فرمادیا تھا؛ چناں چہ حضرت فدائے ملتؒ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے آپ نے مراحلِ سلوک طے فرمائے؛ تا آں کہ اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ آپ کا شمار حضرت فدائے ملتؒ کے اجل خلفاء میں ہوتا تھا؛ لیکن حضرت کی حیات میں دوسروں کو بیعت کرنے سے اعراض فرماتے رہے، بعد میں بھی عمومی بیعت کی طرف رجحان نہیں تھا، اکثر مولانا سید محمود صاحب مدنی زید فضلہم کی طرف یا دیگر اکابر کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے تھے؛ البتہ اگر کوئی بہت زیادہ

اصرار کرتا یا ایسا علاقہ ہوتا کہ دوسروں کی رسائی دشوار ہوتو آپ بیعت فرمالیا کرتے تھے۔ چند حضرات کو آپ کی طرف سے اجازت بھی دی گئی ہے۔

خانوادۂ مدنی سے نسبت

حضرت دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی خواہش تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے قرابت داری کا سلسلہ قائم ہو، اللہ تعالیٰ نے اُن کی آرزو پوری فرمائی اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی منجھلی صاحب زادی سیدہ عمرانہ مدنی صاحبہ مدظلہا سے آپ کی نسبت طے ہوئی؛ البتہ عقد ہونے سے قبل ہی دادا جانؒ کی وفات ہوگئی اور ۱۹۶۶ء میں یہ مبارک رشتہ قائم ہوا، نکاح کی پرنور تقریب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطبۂ نکاح پڑھا، اللہ تعالیٰ نے اِس رشتے میں بڑی خیر و برکت ظاہر فرمائی اور حضرت والدہ ماجدہ اَدام اللہ ظلہا کی صورت میں ہمیں ایسی بابرکت ذات نصیب ہوئی، جنہوں نے بچپن کے بے شعوری کے زمانہ سے آج تک ہر ہر قدم پر دین داری اور اتباعِ سنت و شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں فرمائیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں اجر جزیل سے نوازیں اور اُن کا سایہ تادیر بصحت و عافیت ہمارے سروں پر قائم رکھیں، آمین۔

اَولاد کی نگرانی

ہمارے پیارے والد ماجد نوراللہ مرقدہٗ نے اخیر تک ہم پر جو احسانات فرمائے ہیں، اُن کا حق اَدا کرنا تو درکنار؛ اُنہیں اَلفاظ میں بیان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک طرف آپ ہماری طبعی ضرورتوں کی تکمیل میں پوری فراخ دلی سے کوشاں رہتے تھے، کھانے پینے، پوشاک اور علاج وغیرہ میں حتی الامکان بہتر سے بہتر صورت اپناتے؛ لیکن تعلیم و تربیت میں ایسی سختی تھی کہ لوگ حیرت کیا کرتے تھے۔ دیوبند میں پورا طالب علمی کا زمانہ آپ کی نگرانی میں گذرا، اکثر امتحانات میں اچھے نمبرات آتے تو مسرت کے ساتھ شکر کے جذبات ظاہر فرماتے۔ دورۂ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ کامیابی سے نوازا، تو خوشی میں اہل خاندان کی بڑی دعوت کی، بعد میں

جب تدریب الافتاء کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر مدرسہ شاہی مرادآباد کی خدمت طے ہوئی، تو مرادآباد روانہ ہوتے وقت چند ضروری باتوں کی نصیحت فرمائیں:

(۱) کوئی طالب علم اگر کتاب سمجھنے کے لئے کمرے پر آئے تو دروازہ بند کر کے اُس سے گفتگو نہ کرنا؛ بلکہ دروازہ کھلا رکھنا۔

(۲) کبھی یہ مطالبہ مت کرنا کہ مجھے فلاں کتاب دی جائے؛ بلکہ انتظامیہ کی طرف سے جو کتاب بھی دی جائے اُسی کو اللہ کے بھروسے پر قبول کر لینا۔

(۳) کبھی تنخواہ بڑھانے کی درخواست مت دینا؛ بلکہ مدرسہ سے جو بھی ملے اُسے شکریہ کے ساتھ لے لینا۔

(۴) کسی بھی انتظامی معاملے میں اَز خود دخل مت دینا؛ البتہ اگر منتظم خود مشورہ لے تو جو دیانۃً صحیح سمجھو وہ بتادینا، مگر اپنے مشورہ پر کبھی اصرار مت کرنا۔

الحمدللہ حضرتؒ کی اِن ہدایات پر عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے فتنوں سے محفوظ رکھا۔

برادرِ عزیز مولانا مفتی سید محمد عفان سلمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتربیت میں بھی آپ نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، اُنہوں نے دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد تکمیل اَدب اور اِفتاء کا کورس کیا، پھر دو سال تخصص فی الحدیث میں پڑھا، اس لئے اُنہیں حدیث شریف سے بھی اچھی مناسبت پیدا ہوگئی۔ اِسی بنا پر آپ کی خواہش تھی کہ عفان سلمہ کو حدیث کی تدریس کا موقع ملے؛ چناں چہ جب امروہہ کے مدرسہ میں اُن کے تقرر کی بات چلی تو آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا۔

اور ہمارے اپنے اپنے مدرسوں میں خدمت انجام دینے کے باوجود آپ ہماری سرگرمیوں پر نظر رکھتے اور لوگوں سے معلومات کرتے رہتے تھے اور کوئی بات خلافِ طبعیت سامنے آتی تو سخت تنبیہ بھی فرماتے تھے۔ ہمارا معمول تھا کہ جب بھی کتاب شروع یا ختم ہوتی تو حضرت کو اطلاع دیتے تھے اور حضرت اس پر دعاؤں سے نوازتے تھے۔ اِس سال ہمارے لئے

بڑی سعادت کی بات ہوئی کہ ۲۰ فروری ۲۰۲۱ء کو مرادآباد تشریف لائے، اتفاق سے اُسی دن ہمارے سے متعلق ''ابوداؤد شریف جلد ثانی'' ختم ہورہی تھی، تو آپ نے ضعف وکمزوری کے باوجود رات میں ساڑھے دس بجے درس گاہ میں تشریف لاکر کتاب ختم کرائی اور دعاؤں سے نوازا، فالحمد للّٰہ علیٰ ذلک۔

زیارتِ حرمین شریفین

آپ کو حرمین شریفین سے خاص اُنسیت رہی، تین مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت ملی اور تقریباً سولہ مرتبہ رمضان المبارک میں عمرہ کے سفر فرمائے۔ اخیر میں متعدد اَسفار میں الحمد للہ ساتھ رہنے کی سعادت حاصل رہی، حرمین شریفین میں آپ کا ذوق وشوق اور عبادات میں اِنہماک غیر معمولی ہوتا تھا۔ طواف اور سعی نہایت اطمینان سے اور کامل خشوع وخضوع کے ساتھ فرماتے تھے۔ بسا اَوقات اس میں کئی کئی گھنٹے لگ جاتے؛ لیکن جلد بازی قطعاً گوارا نہ تھی۔ مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں زیادہ وقت حرم شریف میں ہی گذرتا تھا اور حسبِ موقع ''مواجہہ شریف'' میں حاضر ہوکر دیر تک صلوٰۃ وسلام میں مشغول رہتے تھے۔

علالت اور وفات

حضرت والد صاحبؒ نے زندگی کا اکثر حصہ صحت وعافیت کے ساتھ گذارا، چند سال قبل سے شوگر کی شکایت تھی، مگر وہ بھی اکثر نارمل رہتی تھی۔ رمضان المبارک کے وسط سے کچھ نزلہ کی شکایت ہوئی، مقامی ڈاکٹر کی دوا لیتے رہے۔ اسی بیچ منصور پور میں دو اعزاء کی وفات ہوئی، اُن کے جنازے میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے اور دیر رات واپس دیوبند تشریف لائے، اگلے دن بخار کی شدت ہوئی، کمزوری کافی بڑھ گئی تو ''ڈاکٹر ڈی کے جین'' کو دکھایا، اُس نے وائرل تجویز کیا اور دوا دے دی؛ لیکن کمزوری بے انتہا تھی، تو مشورے سے کورونا (کووڈ-۱۹) کا ٹیسٹ کرایا گیا، اُس کی رپورٹ پازیٹو آئی اور رات میں آکسیجن کی کمی بھی نوٹ کی گئی، تو بڑے

ڈاکٹروں کے مشورے سے گھر ہی پر آکسیجن وغیرہ کا انتظام کرکے کووِڈ کا علاج شروع کرایا گیا، جو بھی بہتر سے بہتر دوا ہوسکتی تھی وہ دی جانے لگی، دو تین دنوں کے بعد کچھ اِفاقہ بھی محسوس ہونے لگا؛ تا آں کہ عید کے بعد کورونا کی رپورٹ بھی نگیٹو آ گئی؛ لیکن اِس دوران پھیپھڑوں میں شدید قسم کا انفیکشن پیدا ہوگیا تھا اور دوبارہ ہلکا بخار آنے کی وجہ سے نقاہت ناقابل بیان تھی، اس لئے ۵؍شوال ۱۴۴۲ھ بروز منگل رات میں ''میدانتا اسپتال'' گڑگاؤں میں داخل کرایا گیا۔ ڈاکٹروں نے رپورٹیں دیکھ کر تشویش ظاہر کی اور ICU میں داخل کرلیا۔ اگلے دن یعنی ۶؍شوال بروز بدھ طبعیت میں سدھار محسوس ہوا، صبح کے وقت کچھ غذا بھی نوش فرمائی؛ لیکن جمعرات کی دوپہر سے طبعیت میں اچانک بہت گراوٹ ہونے لگی، سانس تیزی سے پھولنے لگا، جس کی بنا پر ''بائی پپ'' لگا کر سپورٹ دی گئی؛ لیکن اُس سے بھی افاقہ نہ ہوا، تو جمعہ کی رات میں ''وینٹی لیٹر'' کی ضرورت پڑی؛ اِس لئے کہ غشی کی کیفیت طاری ہوچکی تھی۔ جمعہ کے دن صبح سے ہی طبعیت نازک ہونے کی اطلاع ملتی رہی، بلڈ پریشر مسلسل کم ہوتا جارہا تھا، ہم لوگوں نے اُسی حالت میں ڈسچارج کرکے لے جانے کی درخواست کی، جسے منظور کرلیا گیا اور کارروائی شروع ہوگئی؛ لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی تقریباً سوا بجے عین جمعہ کے وقت آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسپتال میں کاغذات کی تیاری میں کچھ وقت لگا اور ہم لوگ ساڑھے چار بجے اسپتال سے روانہ ہوئے، جمعیۃ کے مرکزی دفتر میں فوراً آپ کو سنت کے مطابق غسل دیا گیا، دہلی واطراف سے بہت سے علماء وائمہ جمع ہوچکے تھے، اِس لئے اُنہوں نے اپنے طور پر نمازِ جنازہ اَدا کی، بعد اَزاں مغرب سے قبل پونے سات بجے دفتر سے جنازہ روانہ ہوا اور ٹھیک نو بجے ہم لوگ جنازہ لے کر دیوبند پہنچے۔ لاک ڈاؤن کے باوجود علماء اور خواص ہزاروں کی تعداد میں دیوبند میں جمع تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے رات میں اِحاطۂ مولسری دارالعلوم دیوبند میں جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ

علماء ہند نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مجمع کی کثرت کی وجہ سے مولسری سے دیوان دروازے تک صفیں لگائی گئیں، بعد ازاں قبرستانِ قاسمی میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور حضرت فدائے ملتؒ کے قدموں میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا؛ گویا کہ اُنہی بزرگوں کے جوار میں پہنچ گئے جن کے مشن پر تازندگی چلتے رہے۔ احقر اور برادر عزیز مفتی محمد عفان سلمہ نے قبر میں اُتر کر نم آنکھوں سے آپ کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے کی سعادت حاصل کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً، نور اللہ مرقدہٗ وبرد مضجعہ۔

اللہ تعالیٰ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں، آمین۔

واقفِ اسرارِ تعلیم ورموزِ تربیت

بیاد: والد ماجد امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ
محدث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

حلیہ

گورا چٹا رنگ، بیضوی، پرکشش، جاذب نظر اور بارعب چہرہ، ستواں اور خوب صورت ناک، عینک کے پیچھے سے چھلکتی ہوئی شرم وحیا سے لبریز آنکھیں، کشادہ پیشانی، متوسط قد وقامت، چھریرا بدن، اُجلے رنگ والے چہرہ پر سفید ونورانی داڑھی، سر پر ہلکے ہلکے بال اور گول ٹوپی، مونچھیں قینچی سے کٹی ہوئیں، نہایت موزوں جسم پر صاف ستھرے اور سفید رنگ کے سوتی کپڑے، موسم سرماں میں دیدہ زیب شیروانی، زیادہ ٹھنڈک میں فرغل، سر پر مخصوص انداز کا عمامہ یا رومال، ایک ہاتھ میں عصائے پیری یا چھتری اور دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پرس، جس میں موبائل چابی اور ضروری کاغذات ہوتے، رفتار میانہ، مائل بہ سرعت، راہ چلتے کمر میں ہلکا سا خم اور نگاہیں بالکل جھکی ہوئیں، عالمانہ شان ووقار اور متانت وسنجیدگی سے بھرپور وجود کا حامل رب دوجہاں نے ہمارے قابل فخر اور عظیم المرتبت والد بزرگوار حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کو بنایا تھا، جو گذشتہ ۸ ؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ ؍مئی ۲۰۲۱ء عین نماز جمعہ کے وقت دنیا اور اُس کے جھمیلوں کو الوداع کہہ کر خالقِ حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انعامِ الٰہی

اللہ کا فضل وکرم اور اُس کا انعام واحسان ہے کہ اُس نے ہمیں ایسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت والدین عطا فرمائے، جنہوں نے ہماری تربیت ونگرانی، زیورِ علم سے آراستہ کرنے اور اِسلامی آداب سے مالا مال کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، باری تعالیٰ ہمارے محترم والدین کو اس کی بہترین جزا اور بدلہ مرحمت فرمائیں۔ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نظامِ الٰہی کے مطابق اس دنیائے دنی کو الوداع کہہ کر ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے (اللہ پاک اُن کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، آمین) لیکن الحمد للہ والدہ محترمہ بقید حیات ہیں، اَب گویا کہ وہی ہماری ماں ہیں اور وہی باپ ہیں، باری تعالیٰ صحت وسلامتی کے ساتھ اُن کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر دراز فرمائیں اور اُن کی دعاؤں سے دیر تک ہم سب کو مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

اسی طرح ہمارے بڑے بھائی، برادر بزرگوار حضرت اقدس مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ جو ہمارے لئے اب والد محترم کے درجہ میں ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو صحت وعافیت کے ساتھ قائم ودائم رکھیں اور اُن کی شفقتوں اور عنایتوں سے دیر تک ہم کو مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

بے قراری

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے سانحۂ وفات کو کئی دن گذر چکے ہیں؛ لیکن آپ کے سایۂ شفقت سے محرومی کا تصور دل کو ایسا بے چین اور قلب ودماغ کو ایسا مضطرب کیے ہوئے ہے، جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، ذہن پر ایسا بوجھ ہے جس کی تعبیر کے لئے جملے ساتھ نہیں دیتے۔ سچائی یہ ہے کہ زندگی میں ہم نے حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کی وہ قدر وخدمت نہیں کی، جس کے وہ مستحق تھے، آج رہ رہ کر اُن کی شفقتوں، عنایتوں اور اصلاح کا ایک ایک باب یاد آرہا ہے اور آنکھوں سے بہنے والے اشکوں کو تھمنے نہیں دے رہا ہے، قدم قدم پر اُن کی

کمی کا احساس ہوتا ہے، ہر وقت اُن کا خوب صورت چہرہ نگاہوں کے سامنے اور شفقت بھری گفتگو ذہن و دماغ کے اندر رہتی ہے۔

اَب کون ایسا ہوگا جو ہماری حرکات وسکنات اور احوال پر گہری نظر رکھنے والا ہو اور کسی بھی معاملے میں ذرا بھی غلط روش اختیار کرنے پر روک ٹوک اور تنبیہ سے کام لینے والا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کے سایۂ شفقت میں زندگی گذر رہی تھی، تو ہم بڑے بےفکر تھے، کوئی بھی بات پیش آتی، تو حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی جانب اُس کو محوّل کر دیا جاتا اور آپ ہی اس سلسلے میں فیصلہ فرماتے؛ لیکن آپ کے چلے جانے کے بعد اب محسوس ہو رہا ہے کہ والد کا سایہ، اُن کی دعائیں اور اُن کا وجود انسان کے لئے اللہ پاک کی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے؟ بہر حال ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں، انسان کے دنیا سے جانے کا جو وقت مقرر ہے اس میں کوئی تقدم وتأخر ممکن ہی نہیں، باری تعالیٰ ہم سب کو صبر وسکون عطا فرمائیں اور حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ نے جو روشن نقوش چھوڑے ہیں، اُن پر عمل ہمارے لئے آسان فرمائیں، آمین۔

مخلص ترین اُستاذ ومربی

حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ ہمارے لئے صرف ایک شفیق والد ہی نہیں؛ بلکہ مخلص ترین اُستاذ ومربی، سرپرست اور نگراں بھی تھے، اخیر تک اُن کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا تھا، تدریسی مجبوریوں کے باعث ان سے دور رہنے کے باوجود بھی وہ پورے طور پر احوال سے باخبر رہتے اور ہر معاملے میں پورے طور پر ایسی نگرانی اور اس طرح معاونت ومساعدت فرماتے تھے کہ ہم ہر لحظہ اپنے کو اُن کے سامنے موجود پاتے، مزاج ایسا بنا دیا تھا کہ کوئی کام حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مرضی اور منشاء کے خلاف کرنے کی جرأت وہمت ہی نہیں تھی، کسی لمبے سفر پر جانا ہوتا یا کوئی اور معاملہ پیش ہوتا، جب تک والد صاحب کی طرف سے اِجازت نہ ہوتی، مجال نہیں تھی کہ ہم ایک قدم آگے بڑھالیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو تعلیمی، تدریسی، انتظامی، ملی اور سماجی خدمات کے حوالے سے جن خوبیوں، کمالات، صفات اور صلاحیتوں سے آراستہ فرمایا تھا، اس سے تو دنیا واقف اور معترف ہے اور لوگ اپنے مضامین اور تعزیتی تحریروں میں اُن تمام چیزوں کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔ اِس مختصر تحریر میں ہم اس تفصیل میں نہیں جائیں گے، ہمیں تو اس موقع پر حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی بعض اُن نمایاں صفات کو ذکر کرنا ہے جو بہت ممتاز طریقے سے آپ کی زندگی کے اندر مشاہدے میں آتی تھیں۔

رجال سازی

رجال سازی، افراد سازی اور اپنے ماتحتوں کی تربیت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت اور کمال آپ کو عطا فرمایا تھا، وہ بہت کم کے ساتھ لوگوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ اپنے ماتحتوں کی ایسی نگرانی فرمایا کرتے تھے اور ہر فرد پر آپ کا ایسا رعب رہتا تھا کہ مجال ہے کوئی غلط راستے پر چلنے کا اِرادہ بھی کر لے۔ ہم نے باضابطہ اگرچہ سالِ ہفتم میں مشکوٰۃ شریف (جزءِ ثالث) آپ سے پڑھی ہے، اس سے پہلے کوئی کتاب آپ سے پڑھنے کا موقع نہیں ملا؛ لیکن حفظ کلام اللہ سے لے کر درجاتِ عربیہ کی تعلیم تک حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ ہمہ وقت ہمارے سلسلے میں فکرمند رہا کرتے تھے، ہم نے قرآنِ کریم از اول تا آخر اُستاذ محترم حضرت قاری احسان الٰہی صاحب دامت برکاتہم (مقیم دیوبند) سے پڑھا ہے، ہمارے قاری صاحب کو حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی طرف سے اِس بات کا پابند بنایا گیا تھا کہ آپ ایک رجسٹر تیار کریں اور اُس پر روزانہ کی کیفیت درج کیا کریں؛ چناں چہ جتنے بچے قاری صاحب کے پاس پڑھتے تھے، اُن میں ہر بچے کی کیفیت اور احوال روزانہ قاری صاحب تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے بارے میں بھی لکھتے تھے کہ کہاں سے کہاں تک سبق ہوا؟ سبقاً پارہ کتنا ہوا؟ اور آموختہ کتنا ہوا؟ پھر حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اُس رجسٹر کو دو یا تین دن میں یا جب موقع ملتا تھا؛ منگوا کر چیک کیا کرتے تھے، اس میں کوئی خامی دیکھتے، تو تنبیہ فرماتے

تھے، کام صحیح رہتا تھا، تو دعائیں دیتے تھے اور خوشی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح عربی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، تو آپ کی طرف سے تاکید تھی کہ وقت پر مدرسہ جانا، پابندی سے اَسباق میں شریک ہونا اور امتحانات میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کرنا؛ وہ چیزیں ہیں جنہیں تم کو اپنی ترجیحات کے اندر شامل کرنا ہے، تمہیں کھانے کے لئے اچھی سے اچھی چیزیں میسر ہوں گی، رہنے کے لئے سہولیات دی جائیں گی اور تمہاری جائز خواہشات کو پورا کیا جائے گا؛ لیکن مذکورہ تین چیزوں کے اندر کوئی کمی نہ رہنی چاہیے۔

دوستی گانٹھنے کی ممانعت

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو زمانۂ طالب علمی میں جس بات سے سب سے زیادہ ناگواری ہوا کرتی تھی وہ دوستی گانٹھنا اور دوست بنانا تھا، آپ اس بات کو برداشت نہیں کرتے تھے کہ طالب علمی کے زمانے میں ہماری کسی کے ساتھ دوستی ہو، آپ کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ وقت پر مدرسہ جاؤ اور تعلیمی مصروفیات اور اسباق سے فارغ ہو کر سیدھے گھر واپس آؤ، نہ کسی ساتھی کے کمرے پر جانا ہے، نہ دوستوں کے ساتھ مل جل کر بیٹھنا ہے، نہ کسی سے گپ شپ کرنی ہے، بس پڑھنے پڑھانے کی بات ہو اور خالی وقت گھر کے اندر گذرے، اسباق کے تکرار ومراجعت کے لئے بعض خاص ساتھیوں کے درمیان جانے کی اجازت تھی، اگر کبھی راستے میں اپنے کسی ساتھی کے ساتھ دوستانہ ماحول میں چلتے ہوئے آپ ہمیں دیکھ لیا کرتے تھے، تو ہماری خیر نہیں ہوتی تھی، گھر آتے ہی باز پرس ہوتی تھی کہ کس کے ساتھ جارہے تھے؟ کہاں جارہے تھے؟ کیا باتیں ہورہی تھیں؟ جواب دینا مشکل ہوجاتا تھا۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے اگر یہ نگرانی، سرپرستی اور تنبیہ نہ ہوتی، تو ہم جیسے لااُبالی پن کے شکار لوگ نہ جانے کس راستے پر چل پڑتے اور کیا کررہے ہوتے؟ اللہ رب العزت والجلال حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اُن کے درجات کو بلند فرمائیں، آج قدم قدم پر اُن کی یہ شفقتیں اور عنایتیں یاد آتی ہیں۔

نماز میں سستی پر تنبیہ

اِسی طرح نماز میں سستی، غفلت ولا پرواہی اور نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنے پر بھی آپ سخت نالاں ہوتے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے، آپ کی طرف سے ہمیں یہ تاکید تھی کہ پنج وقتہ نماز باجماعت مسجد کے اندر ادا ہونی چاہیے، طالب علمی کے ابتدائی زمانے میں ہی آپ نے ''مسجد چھتہ'' میں نماز پڑھانے کا مکلّف بنادیا تھا اور حضرت والدہ ماجدہ مدظلہا سے فرماتے تھے کہ ''میں نے عفان کو نماز پڑھانے کی ذمہ داری اِسی لئے دلوائی ہے؛ تاکہ وہ باجماعت نمازوں کی پابندی کرنے لگے، جماعت کا اہتمام اُس کی زندگی کے اندر آجائے''۔ اللہ پاک حضرت کو اِس کا بہترین بدلہ اور جزاء رحمت فرمائیں، آمین۔

اُن کی یہ شفقتیں، توجہات، سرپرستی اور عنایات نہ ہوتیں تو نہ جانے آج ہم کہاں ہوتے؟

فجر کے بعد سونا

اسی طرح فجر کے بعد سونا یہ بھی حضرت والد صاحب کی نگاہ میں بہت بڑا جرم تصور کیا جاتا تھا، اُن کے یہاں اِس کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ گھر کا کوئی فرد نماز فجر کے بعد بستر پر دراز ہوجائے اور نیند میں غرق ہو، ہر شخص اور ہر باشعور بچے کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ نماز کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت میں مشغول ہو اور یہ حقیقت ہے کہ آدمی کسی دوسرے کو کسی اچھائی کا پابند اُسی وقت بنا سکتا ہے جب خود اُس کے اندر وہ صفت، وہ خوبی اور وہ اچھائی پائی جاتی ہو۔ خود حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا تو یہ مزاج تھا کہ رات میں چاہے دیر سے سونا ہو؛ لیکن نماز فجر کے بعد سونے کا کوئی معمول نہیں تھا۔ آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر کھانا تناول فرماتے، پھر اس کے فوراً بعد سوجاتے اور پھر پوری رات مسلسل سونے کی عادت بھی آپ کی نہیں تھی، اکثر و بیشتر کمرے کی لائٹ بھی جلی رہتی، دو ڈھائی گھنٹے سوئے اُس کے بعد اُٹھ گئے، پھر تلاوت، مطالعہ، یا ذکر و اذکار میں مشغول ہوگئے، اُس کے بعد پھر جی چاہا تو آرام فرمایا اور سوگئے، پھر

رات کے آخری پہر میں اُٹھنا تو آپ کی عادت تھی۔ نماز تہجد کی پابندی آپ کی زندگی میں اسی طرح تھی جس طرح پنج وقتہ فرائض کی پابندی کا آپ اہتمام فرماتے تھے۔ ہم نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں، تو اپنے محترم والدین کو نماز تہجد کی پابندی کرتے ہوئے پایا۔ حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ فجر کی نماز سے پہلے معمول کے مطابق خود چائے بنا کر نوش فرماتے تھے اور نماز فجر کے بعد مختصر ناشتہ کیا کرتے تھے، اُس کے بعد مطالعہ اور درس کی تیاری میں مشغول ہو جاتے، پھر بروقت مدرسہ تشریف لے جاتے۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

اسی طریقے سے آپ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف صلہ رحمی اعزاء واقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بہترین برتاؤ تھا، ہمارا دادھیالی خاندان جو منصور پور، خانجہاں پور، حسین آباد، رتھیڑی، سیکری اور دیگر جگہوں پر آباد ہے، وہاں کوئی بھی تقریب حضرت والد صاحبؒ کی شرکت کے بغیر ادھوری رہا کرتی تھی، کوئی بیمار ہوتا، تو مزاج پرسی کے لئے تشریف لے جاتے، کوئی دنیا سے رخصت ہو جاتا، تو نماز جنازہ کے لئے تشریف لے جاتے، تعزیت کے لئے جاتے، شادی ہوتی تو نکاح کے لئے جانا ہوتا، آپ کی اس صلہ رحمی کی وجہ سے خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کے دل کی گہرائیوں میں آپ نے جو مقام پایا تھا، وہ کسی دوسرے کو آسانی میسر نہیں ہو سکتا، آپ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالا کرتے تھے، ہر طرح کے معاملات میں آپ کو فیصل بنایا جاتا اور آپ کی بات کو اوپر رکھا جاتا، آپ کے مشوروں کو قبول کیا جاتا اور آپ کی رہنمائی کے مطابق لوگ اپنی زندگی کا لائحۂ عمل متعین کرتے۔

دل داری اور وضع داری

اسی طریقے سے دل داری، وضع داری اور کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچانے کا جذبہ؛ یہ وہ صفت ہے جو کوٹ کوٹ کر حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے اندر بھری ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

ایک مرتبہ کسی سفر سے واپسی پر منصور پور تشریف لے گئے، رات کافی گذر چکی تھی، ڈھائی تین بج رہے تھے، آپ گھر کے باہر گاڑی ہی میں تشریف فرما رہے، اُس مکان میں جہاں آپ کے بھتیجے اور دیگر اہلِ خانہ موجود تھے، اندر تشریف نہیں لے گئے، ڈرائیور صاحب نے کہا کہ حضرت میں فون کر دیتا ہوں، ابھی کافی وقت ہے، آپ گھر تشریف لے جائیے، آرام فرما لیجیے، فرمایا کہ نہیں یہ بے وقت ہے، ابھی سب سو رہے ہوں گے، اِس وقت اُٹھائیں گے، تو نیند میں خلل پیدا ہوگا، اِس لئے ابھی گاڑی ہی میں بیٹھتے ہیں؛ چناں چہ گاڑی میں بیٹھے رہے، کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے، جب فجر کا وقت ہوا اور یہ محسوس ہوا کہ اب لوگ اُٹھ گئے ہوں گے، تب حضرت والا گھر تشریف لے گئے، ضروریات سے فارغ ہوئے اور پھر مسجد میں نمازِ فجر کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے۔ ذرا تصور کیجئے! اپنے گھر میں جانے کے لئے آدمی اس طرح کے جذبات کا اظہار کرے اور یہ احساس اس کے دل کے اندر ہو کہ میرے عمل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، یہ کس درجہ کمال کی چیز ہے؟

وضع داری اور دل داری کا تو یہ عالم تھا کہ معمولی معمولی لوگ بھی محبت کے ساتھ آپ کو مدعو فرمایا کرتے تو اُن کے گھر تشریف لے جاتے، وقت دیتے، خوش طبعی اور کشادہ قلبی کے ساتھ اُن سے گفتگو فرماتے، حد درجہ اپنائیت کا اُن کے ساتھ مظاہرہ فرماتے، کسی جگہ کسی پروگرام میں تشریف لے گئے، اصل پروگرام ایک ہے؛ لیکن ضمنی طور پر دسیوں جگہ آپ صرف لوگوں کی خاطر داری اور دل رکھنے کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ وہ صفت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے عشق ومحبت کے نتیجے میں آپ کی زندگی کے اندر دکھائی دیتی تھی۔

اکرامِ ضیف

مہمان نوازی کا تو یہ عالم تھا کہ کوئی صاحب مقامی یا بیرونی آپ سے ملاقات کے لئے آئیں اور آپ ''ماحضر'' سے اُن کی ضیافت نہ کریں، ایسا نہیں ہوسکتا تھا، چائے اور ناشتہ تو ضروری تھا، بیرونی حضرات ہوتے اور آنے سے پہلے اطلاع بھی دے دیتے تو باقاعدہ کھانے

کا اہتمام کے ساتھ نظم فرماتے، پھر اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے، روٹیاں اپنے پاس رکھتے اور بوقت ضرورت سب کو روٹیاں دیتے رہتے۔ اگر ہم میں سے کوئی گھر پر موجود ہوتا، تو کھانا لانے لے جانے اور مہمانوں کے پاس بیٹھنے کی تاکید ہوتی، اگر کبھی بروقت موجود کسی اور صاحب کے ذریعہ کھانا بھجوا دیا گیا اور ہم مہمانوں کے پاس نہ جا سکے، تو والد صاحبؒ ناراض ہو جاتے تھے اور ڈانٹتے تھے کہ ''بڑے لاڈ صاحب بن گئے ہیں، دماغ میں خناس ہے، ہر کام کے لئے انہیں خادم چاہئے، گھر پر مہمان آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور اِن کو جا کر ملنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی''۔ اِس ناراضگی کا اثر یہ تھا کہ مہمانوں کی ضیافت کے لئے گھر کا ہر فرد ہمہ وقت پوری بشاشت کے ساتھ تیار رہتا تھا اور آئندہ بھی رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

بچوں اور پالتو جانوروں کے ساتھ شفقت

گھر اور خاندان کے چھوٹے بچوں کے ساتھ آپ کا رویہ بڑا ہی مشفقانہ اور محبت بھرا تھا، بچوں کے ساتھ ہنسی، دل لگی کرنا، اُن کو چھیڑنا، مانوس کرنا، گود میں لینا، ہدایا اور تحائف دینا آپ کا مزاج تھا، بچوں کے درمیان بیٹھ کر ہی آپ کو کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھا گیا، ورنہ بڑوں کی مجلسوں میں تبسم ہی پر اکتفا فرماتے تھے۔

گھر میں پلے ہوئے جانور بھی آپ سے حد درجہ مانوس رہتے تھے، سالہا سال تک ''مینا'' اور پہاڑی طوطے ہمارے یہاں رہے، اُن میں سے ایک طوطا متعدد مرتبہ اپنی چونچ سے مختلف لوگوں کو زخمی کر چکا تھا؛ لیکن حضرت والد صاحبؒ سے اُس کو ایسی اُنسیت تھی کہ آپ پنجرے میں ہاتھ ڈال کر طوطے کے اُوپر ہاتھ پھیرتے تو بالکل پرسکون اور ساکت ہو کر بیٹھا رہتا؛ یہاں تک کہ آپ پنجرے سے باہر بھی نکال لیتے تو بالکل بھاگنے کی کوشش نہیں کرتا تھا، گھر کے کسی دوسرے فرد کی یہ ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ پنجرے کے اُوپر ہی ہاتھ رکھ دے؛ کیوں کہ وہ اندر ہی سے چونچ مارتا تھا؛ لیکن حضرت والد صاحبؒ صبح و شام کچھ وقت باقاعدہ اس کے لئے نکالتے تھے، اِس لئے وہ بھی بہت مانوس ہو گیا تھا۔ اسی طرح گھر میں آنے جانے والی بلیوں

سے بھی آپ کو خاص لگاؤ تھا، اُن کے لئے باقاعدہ ''گوشت'' منگواتے، پلیٹ میں دودھ بھی اُن کے سامنے رکھتے، وہ بلیاں بھی ایسی مانوس ہوگئی تھیں کہ آپ مدرسہ سے گھر تشریف لاتے تو وہ سیڑھیوں پر منتظر ہوتیں اور آپ کو دیکھ کر بولنا اور آپ کے ساتھ چلنا شروع کردیتیں؛ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ گھر میں داخل ہوجاتیں، تو جو کچھ ہوتا اُن کے سامنے ڈال دیا جاتا۔

آج آپ کی فرقت وجدائیگی کا احساس ہم ہی نہیں؛ یہ بے زبان جانور بھی کررہے ہیں۔

مجلس آرائی سے اجتناب

علماء کے طبقے میں عام طور پر عصر کے بعد کا وقت فارغ ہوتا ہے، جس میں چائے نوشی، احباب کے ساتھ نشست یا گھر سے باہر کے ضروری کام انجام دئے جاتے ہیں؛ لیکن ہم نے حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کو عصر کے بعد بھی کبھی فارغ محسوس نہیں کیا، کوئی ملاقات کے لئے آتا تو کچھ دیر کے لئے ضرور باہر تشریف لاتے؛ لیکن مستقل طور پر آپ کا باہر بیٹھنے کا کبھی معمول نہیں رہا، عصر کے بعد بھی گھر میں رہتے اور مطالعۂ کتب یا دوسرے کاموں میں مصروف دکھائی دیتے، کبھی کسی کے ساتھ آپ کو بے تکلف نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی آپ کی زبان سے کسی کی غیبت اور برائی سنی گئی، بلاضرورت گفتگو یا وقت گذاری کے لئے کسی کے پاس بیٹھنا یہ آپ کی سرشت میں داخل ہی نہ تھا۔

فکرِ آخرت

تمام تر لیاقت وصلاحیت، کمالات اور خوبیوں کے باوجود تواضع، انکساری اور سادہ مزاجی غیر معمولی طور پر آپ کی زندگی کے اندر پائی جاتی تھی۔ دنیا کی زیب وزینت، چمک دمک یہ وہ چیزیں تھیں جن کی طرف آپ کے قلب کا میلان ہوتا ہی نہیں تھا، آخرت کی فکر ہمہ وقت آپ کو دامن گیر رہا کرتی تھی۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کے خاص طور پر فکرِ آخرت کے پہلو کو آپ اپنی گفتگو اور بیانات میں ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مرادآباد میں سیرتِ طیبہ کے عنوان پر سلسلہ وار

پروگرام حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کی زیرنگرانی ہوتے چلے آرہے ہیں۔ محلّہ کسرول کی مسجد ابراہیمی میں اس سلسلے کا جب پہلا پروگرام طے ہوا اور اس میں سیرتِ طیبہ کے مختلف عناوین طے کئے جارہے تھے، تو حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس گنہگار سے فرمایا تھا کہ تم سیرتِ طیبہ اور فکرِ آخرت کے عنوان پر مواد جمع کرو اور اسی موضوع پر تمہیں گفتگو کرنی ہے، جب مواد تیار ہوگیا، حضرت کے سامنے پیش کیا، تو آپ نے اُس کی اصلاح فرمائی اور پھر اُسی کے مطابق بیان کیا گیا، بہرحال فکرِ آخرت کا جو پہلو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت سے نمایاں ہوتا تھا، حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اُس کا عکس اپنی زندگی کے اندر اُتار لیا تھا اور جب آپ کے احوال، کیفیات، علمی انہماک اور آپ کی مصروفیات پر نگاہ ڈالی جاتی ہے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت وسنت کے رنگ میں پورے طور پر رنگنے کے لئے کوشاں اور فکر مند رہا کرتے تھے۔

تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے آپ کی جو خدمات ہیں، اِس موضوع سے آپ کو جو جذباتی لگاؤ وتعلق تھا اور اس موضوع پر جس شرحِ صدر کے ساتھ آپ گفتگو فرمایا کرتے تھے، وہ بھی درحقیقت نبی اکرم علیہ السلام سے عشق وعقیدت اور محبت کا مظہر ہے۔ باری تعالیٰ ہمیں بھی اس محبت کا کچھ حصہ نصیب فرمائے اور جو نقوش حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ہمارے لئے چھوڑے ہیں، اُن پر عمل ہم سب کے لئے آسان فرمائے۔

حبِ نبی ﷺ

پچھلے کئی سالوں سے رمضان المبارک میں آپ حرمین شریفین کے سفر پر تشریف لے جاتے تھے، زیادہ وقت قیام مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتا تھا، درمیان میں عمرے کے لئے تین چار دن قیام کے اِرادے سے مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے تھے، دونوں جگہ اکثر وقت حرم میں گذرتا تھا، آپ بڑے اطمینان سے اَرکانِ عمرہ پیدل ہی اَدا فرمایا کرتے تھے اور کسی طرح کی عجلت کا مظاہرہ نہیں فرماتے تھے، چاہے عمرے میں پورا دن ہی کیوں نہ لگ جائے۔ مدینہ

منورہ میں بھی عام طور پر نماز ظہر کے لئے مسجد نبوی تشریف لے جاتے، تو پھر تراویح سے فراغت کے بعد ہی قیام گاہ واپسی ہوتی، درمیان میں اگر آرام کی ضرورت محسوس فرماتے تو مسجد ہی کے کسی خالی حصے میں کچھ دیر کے لئے لیٹ جاتے، یکسوئی کے ساتھ اکثر اَوقات میں تلاوت کلام اللہ، درود پاک اور دیگر اَوراد و وَظائف میں مصروف رہتے، ملاقاتوں سے حتی الامکان وہاں گریز فرماتے اور مناسب وقت کا خیال کرتے ہوئے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لئے تنہا ہی جانے کی کوشش فرماتے اور جتنی دیر موقع ملتا ''مواجہہ شریف'' میں کھڑے ہو کر بے انتہاء عقیدت ومحبت اور احترام وعظمت کے جذبات کے ساتھ نذرانۂ درود وسلام پیش فرماتے۔

چند مہینے پہلے آپ کے پاس مدینہ منورہ سے ایک صاحب کا فون آیا، اُنہوں نے بتایا کہ میں مسجد نبوی میں ہوں اور ''مواجہہ شریف'' کے قریب جا رہا ہوں، آپ اپنے مطالعہ کے کمرے میں اکیلے تشریف فرما تھے، جب وہ قریب پہنچ گئے تو آپ نے اُن سے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی درخواست کی، پھر دیر تک بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ درود وسلام کے کلمات پڑھتے رہے؛ یہاں تک کہ رقت طاری ہوگئی اور آب دیدہ ہوگئے۔

اِخفائے حال

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو نمایاں صفات عطا فرمائی تھیں، اُن میں ایک اہم صفت اخفائے حال تھی، آپ اپنے آپ کو بالکل مخفی اور پوشیدہ رکھنے کے عادی تھے، سرد وگرم ہر طرح کے حالات کو خاموشی کے ساتھ جذبہ صبر وشکر کا اظہار کرتے ہوئے جھیل جاتے تھے، آپ کا خاندانی پیشہ کاشتکاری تھا اور آج بھی ہے؛ لیکن مالی اعتبار سے کبھی بھی بہت فراوانی نہیں رہی؛ بلکہ ابتداء میں عسرت کے دور سے بھی گذرے اور پھر بقدر ضرورت ہی آمدنی رہی اور اس کے مطابق کفایت شعاری سے خرچ چلاتے رہے؛ لیکن کبھی زبان پر نہ حرفِ شکایت آیا اور نہ اپنا حال کسی پر ظاہر ہونے دیا؛ بلکہ بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے جانبِ منزل رواں دواں رہے۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اعلیٰ درجے کے متقی، اللہ کے ولی، شب زندہ دار اور صاحب نسبت بزرگ تھے؛ لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنے آپ کو ہمیشہ مخفی اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی، اصرار کے باوجود بھی عامۃً لوگوں کو بیعت نہیں فرماتے تھے، بلکہ دیگر اکابر بزرگانِ دین کی جانب رہنمائی فرمادیا کرتے تھے؛ ہاں اگر دور دراز کے دیہات میں جانا ہوتا اور وہاں لوگ اصرار کرتے، تو آپ بیعت بھی فرمالیا کرتے تھے؛ لیکن عام طور پر ایسا ہوتا کہ لوگ آپ سے بیعت کی درخواست کرتے، تو دوسروں کی جانب اُن کی رہنمائی فرماتے تھے۔

اِس عاجز کو بھی حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ نے ابتدائی اَسباق کی تلقین کے کچھ عرصے بعد پاس اَنفاس کا طریقہ سیکھنے کے لئے حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے رجوع کا حکم دیا، احقر نے والد صاحبؒ سے تحریری طور پر درخواست کی، آپ نے اپنی عادت کے مطابق احوال تو معلوم کیے؛ لیکن آگے سبق کچھ نہیں دیا؛ بلکہ اپنے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمود حسن صاحب پٹھیڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئے اور اُن کو تفصیل بتائی اور آگے کے لئے اُن سے رہنمائی کرنے کی درخواست کی۔

یہ وصف بھی ایسا تھا جو عمومی طور سے دیکھنے کو نہیں ملتا، اللہ تعالیٰ جس کے دل کی دنیا کو آباد فرماتے ہیں اور جس کو اپنا خاص قرب وتعلق نصیب فرماتے ہیں اور جو اپنے آپ کو مٹانے کا جذبہ اللہ کی رضا کے لئے رکھتا ہے، اُسی کے اندر اِس طرح کی صفات نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتی ہیں۔

اللہ رب العزت والجلال ہمیں بھی ان صفات کو اپنانے اور اُن سے سبق لینے کی توفیق نصیب فرمائیں اور حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی باری تعالیٰ مغفرت فرمائیں، اُن کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، درجات کو بلند سے بلند تر فرمائیں اور ہمارے جو اکابر، مشائخ، بزرگانِ دین، خاندان کے بڑے بقید حیات ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ اُن کے سایہ کو دراز فرمائیں، آمین۔

رفتگاں

۲۰۲۱ء

زبانِ خلق، نقارۂ خدا

(چند اہم تعزیتی تأثرات)

قاری سید محمد عثمان صاحبؒ حسنِ اَخلاق کا نمونہ تھے

(از: اَمیر الہند، حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم
صدر المدرسین دار العلوم دیو بند وصدر جمعیۃ علماء ہند)

أحمده و أصلي على رسوله الكريم!

اس کرونا وائرس نے ساری دنیا میں ہل چل مچادی، ہر جگہ کا نظام تہس نہس ہو گیا، لوگ ہر جگہ فقر و فاقہ کا شکار ہیں، بڑے چلے گئے اور بڑے بڑے خاندانوں میں لوگ بڑوں کے جانے کے بعد طرح طرح کے فتنوں کے شکار ہیں، اسی طرح مدارس اسلامیہ بھی بزرگوں کے چلے جانے کے بعد طرح طرح کی مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں۔

دار العلوم دیو بند بھی ان مشکلات کا شکار ہوا اور چند ماہ کے اندر بڑے قیمتی مدرسین اللہ کو پیارے ہو گئے، انہی دار العلوم کو الوداع کہنے والوں میں قاری سید محمد عثمان صاحب مرحوم منصور پوری بھی تھے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سادات کا یہ خاندان ایک زمانے سے دار العلوم دیو بند اور اس کے اکابر سے وابستہ رہا ہے، اسی خاندان کے ایک بزرگ جناب مولانا ہادی حسن صاحب مرحوم حضرت شیخ الہندؒ سے وابستہ تھے، مدینہ منورہ سے ہندوستان وہی بزرگ انور پاشا اور جمال پاشا وزیرانِ جنگ کے

خطوط جو ہندوستان کی جنگ میں مدد کرنے کے سلسلے میں نہایت اہم تھے، لے کر آئے تھے، حکومت برطانیہ کی سی، آئی ڈی کو پل پل کی خبر تھی، چنانچہ خانجہاں پور میں سی آئی ڈی کا چھاپہ پڑ گیا، گھر کے چپہ چپہ کو چھان مارا، ایک پرانی صدری کی جیب میں وہ خط تھا اور گھر سے باہر ایک کھونٹی پر وہ لٹکی ہوئی تھی، کسی کے ذہن میں یہ بات نہ گئی کہ برطانیہ جیسی حکومت کو پلٹنے کے لئے جو تحریک چل رہی ہے اور اس سے متعلق انور پاشا اور جمال پاشا کا خط اس پرانی صدری کی جیب میں بھی ہوسکتا ہے اس طرح وہ خط جہاں تک پہنچانا ان کی ذمہ داری میں تھا وہاں تک پہنچ گیا، (اس واقعہ کی پوری تفصیل نقش حیات جلد ثانی میں دیکھی جاسکتی ہے) اسی خاندان کے ایک فرد مولانا محمد نبیہ صاحب مرحوم شیخ الہندؒ کے شاگرد اور ان سے منسلک تھے، زمین دار تھے، جس وقت سی آئی ڈی کا چھاپا پڑا اس وقت مولانا محمد نبیہ صاحب اس لکڑی کے صندوق کو توڑ رہے تھے جس میں وہ خط تھا اُنہوں نے موقع پا کر اس خط کو صدری کی جیب میں رکھ کر باہر کھونٹی میں ٹانگ دیا تھا، ان کی بیٹی قاری سید محمد عثمان صاحب مرحوم کی والدہ محترمہ تھیں، اس طرح قاری صاحب مرحوم کے آباء واجداد علماء دیوبند کے دریوزہ گر اور شیخ الہندؒ کی تحریک آزدی ہند سے منسلک تھے۔

ان کے مرحوم والد محمد عیسیٰؒ بھی اسی خاندان کے ایک فرد تھے، حضرت مدنیؒ سے بیعت تھے، اخیر عمر میں منصور پور کو چھوڑ کر اپنے بال بچوں کے ساتھ دیوبند آ گئے تھے، دار العلوم کے قریب ہی ایک مکان کرایے پر لیا تھا، اسی زمانے میں قاری سید عثمان صاحب مرحوم دار العلوم دیوبند میں طالب علمی کا دور گزار رہے تھے، ان کے والد سید محمد عیسیٰ مرحوم کا انتقال دیوبند ہی میں ہوا اور قبرستان قاسمی میں مدفون ہوئے، جب ان کا آخری وقت ہوا اور لگا کہ سلسلۂ حیات ختم ہونے کو ہے تو اُنہوں نے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ: میرا دیوبند آنے کا مقصد اپنے شیخ کے قدموں میں قبرستان قاسمی میں دفن ہونا تھا، اسی لئے میری موت کے بعد میری میت کو منصور پور اپنے آباء واجداد کے قبرستان میں لے جا کر دفن نہ کیا جائے۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ قاری صاحب مرحوم کا خاندان ایک بڑے زمانے سے اپنے اکابر سے بہت قربت رکھنے والا قابل اعتماد اور بزرگوں سے منسلک رہا ہے۔

قاری صاحب مرحوم اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، وہ میرے عزیز اور بہنوئی بھی تھے میں ان کی گھریلو زندگی کو بہت قریب سے جانتا تھا، وہ انتہائی شریف آدمی تھے، اُنہوں نے پوری ازدواجی زندگی انتہائی شرافت کے ساتھ گذاری، چاہے وہ مدرسہ قاسمیہ گیا میں رہے یا اس کے بعد جامع مسجد امروہہ میں رہے یا وہاں سے بحیثیت مدرس کے دیوبند میں آئے، ہر جگہ اپنے بچوں کے ساتھ رہے، اس پورے عرصہ میں کبھی ان کے اہل خانہ کو کسی طرح کی ان سے شکایت نہیں رہی، حقوق کا خیال رکھنے والے حسنِ اخلاق کا معاملہ کرنے والے تھے، قاری صاحب مرحوم کی طرح زندگی بسر کرنے والے میری نظر میں بہت کم لوگ ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان کو اپنے کام سے کام تھا، کسی کے لینے دینے میں کبھی نہیں پڑے، اس لئے ہر آدمی سے ان کے تعلقات اچھے رہے، رہن سہن اور بود و باش میں ان کا کسی سے کوئی اختلاف نہیں رہا، جبکہ ان کا خاندان زمین داروں کا خاندان تھا، عام طور پر زمین داری کے ختم ہونے کے بعد خاندان میں ایک دوسرے سے جھگڑے اور مقدمات چلتے رہتے ہیں؛ لیکن قاری صاحب مرحوم کا اپنے خاندان میں نہ کسی سے کوئی جھگڑا تھا، نہ لین دین کے مسئلے میں کسی سے کوئی اختلاف تھا، اس لئے خاندان کا ہر فرد ان کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ ان کے اندر ایک وصف ایسا بھی تھا جو بہت کم علماء میں پایا جاتا ہے، ان کو بچوں کی تربیت کا بہت سلیقہ تھا جو ان کے پاس ان کے گھر میں رہے ہیں، چاہے اپنے بچے ہوں یا اپنے عزیز اور رشتہ داروں کے بچے ہوں وہ بڑی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ پڑھنے لکھنے میں ممتاز رہے ہیں، ان کے اپنے دونوں بچے مفتی محمد سلمان اور مفتی محمد عفان سلمہما تعلیم میں جہاں بھی ہیں اپنا نمایاں مقام رکھتے ہیں اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے بھی دونوں بچے قومی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اور قیمتی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہ سب قاری صاحب مرحوم کی حسنِ تربیت ہی کا نتیجہ ہے، اسی طرح خاندان کے اور بچے بھی اپنے اندر امتیاز رکھنے والے ہیں تربیت کا سلیقہ پہلے علماء میں پایا جاتا تھا؛ لیکن اب اس زمانے میں تو یہ وصف کہیں کہیں خال خال ہی رہ گیا ہے۔

بہت افسوس ہے کہ دارالعلوم کا ایسا پاکیزہ صفت اور کامیاب استاذ ہم سے جدا ہوگیا،

میں دعا گو ہوں کہ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو جنت میں بلند فرمائے اور اہل خانہ اور بچوں کی نگہبانی فرمائے اور خیر و برکت سے نوازیں، آمین ثم آمین

(ہفت روزہ الجمعیۃ امیر الہند رابع نمبر)

''دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری کے انتقال پر ملال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا سید ارشد صاحب مدنی وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے کہا کہ یہ میرے لئے بہت دکھ کی گھڑی ہے، میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں اپنے دکھ کا اظہار کس طرح لفظوں میں کروں، قاری صاحب کے انتقال سے علمی وملی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا، اُس کی تلافی مشکل ہے۔ مولانا مدنی نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پچھلے چند مہینوں میں دارالعلوم دیوبند کے بڑے بڑے اساتذہ چھوڑ کر چلے گئے، اور آج قاری عثمان صاحب بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ قاری صاحب مرحوم نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جامعہ قاسمیہ گیا (بہار) میں تدریسی خدمات انجام دیں، اُس کے بعد ایک زمانے تک جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں رہے، پھر ۱۹۸۲ء میں امروہہ سے دارالعلوم دیوبند آ گئے۔ قاری صاحب کو علم حدیث سے خاص شغف تھا، اور دارالعلوم دیوبند میں اُن کے پڑھانے کا موضوع بھی علم حدیث ہی تھا، ساتھ ساتھ اُن کے اندر معاملہ فہمی، امانت ودیانت داری بدرجہ اتم موجود تھی، جس کی وجہ سے ۱۹۹۹ء سے ۲۰۱۰ء تک وہ دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم رہے، اِس وقت بھی وہ معاون مہتمم اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے۔

اُن کی بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ بچوں کی تربیت میں اُن کو کمال کا درجہ حاصل تھا، اُنہی کی تربیت کی وجہ سے اُن کے دونوں بچے محمد سلمان اور محمد عفان سلمہما ماشاء اللہ علم وعمل کے اعتبار سے مشہور ومعروف ہیں، آخری وقت میں ان بچوں نے بہت خدمت کی اور اُن کے ساتھ سایہ کی طرح رہے، اللہ تعالیٰ بچوں کی خدمت قبول فرمائے اور اُن کی نگہبانی فرمائے، اور قاری صاحب کی مغفرت فرمائے۔ مولانا مدنی نے جماعتی رفقاء، اَربابِ مدارس، دارالعلوم سے منسلکین اور طلبہ عزیز سے قاری صاحب مرحوم کے لئے دعاء مغفرت اور زیادہ سے زیادہ ایصالِ

ثواب کی درخواست کی ہے۔

قاری صاحب مرحوم کا آبائی وطن منصور پور ضلع مظفر نگر تھا، ۱۲؍اگست ۱۹۴۴ء کو سادات بارہہ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی نواب سید محمد عیسیٰ نہایت صالح اور متقی تھے، نواب صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت تھے، اُنہیں اَولاد کو علم سے آراستہ کرنے کا بے پناہ جذبہ اور انتہائی لگن تھی، اس کی خاطر اُنہوں نے اپنا گھر چھوڑ کر دیوبند میں اقامت اختیار کر لی اور بچوں کو دینی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل کرایا۔ قاری عثمان صاحب مرحوم انہی کے بیٹے تھے۔ آخری وقت میں قاری صاحب مرحوم کے والد نے کہا کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں کسی اور غرض سے دیوبند آیا ہوں، میں تو صرف مزارِ قاسمی میں تدفین کے لئے آیا ہوں، میرے انتقال کے بعد میری تدفین یہیں کرنا۔ ۱۹۶۳ء میں دیوبند ہی میں نواب صاحب کا انتقال ہوا اور مزارِ قاسمی میں تدفین عمل میں آئی‘‘۔ (ندائے شاہی جون ۲۰۲۱ء)

نایاب شخصیت

(حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی زید مجدہم مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جتنی خوبیوں اور جتنی خدمات کے مالک تھے، ایسی شخصیتیں بہت کم نظر آتی ہیں، وہ ’’امیر الہند‘‘ تھے، جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کا عہدہ جن نازک حالات میں قاری صاحبؒ نے سنبھالا، اور جس خوبی کے ساتھ جماعت کو لے کر چلے، جماعت سے وابستہ تمام حضرات اُس سے واقف ہیں، وہ دارالعلوم دیوبند کے انتہائی مقبول اور باصلاحیت اَساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے، وہ طالب علمی کے زمانے میں بھی انتہائی سنجیدہ، باوقار اور طلبہ کے درمیان محبوب رہے۔ ’’النادی الادبی‘‘ کے پروگراموں میں ہم لوگ ساتھ رہے ہیں، اور حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ سے اِستفادہ کیا ہے۔ حضرت

قاری صاحبؒ عربی زبان واَدب کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے تھے، اور اُن کا یہ فن اور ترقی کرتا رہا۔ آپ جب دارالعلوم میں تشریف لائے، تو اخیر تک تکمیل اَدب کے بعض اَسباق آپ سے متعلق رہے، آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریاں بھی بحسن وخوبی انجام دیں۔

اِدھر میرا بہت دنوں سے یہ مطالبہ تھا کہ اہتمام کی ذمہ داری بہت بھاری محسوس ہوتی ہے، مجھے کوئی معاون دیا جائے، اِس سال جب بخاری شریف کا سبق مجھ سے متعلق ہوا، تو میں نے اِس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ مجھے مضبوط معاون چاہئے، اور میں نے حضرت قاری صاحبؒ کا نام پیش کیا؛ کیوں کہ اُن کو طویل تجربہ تھا، پھر اُن کی شرافت نفس، اُن کی سوجھ بوجھ، اُن کی اُصول پسندی، اِن سب نے اُن کو اور نمایاں کیا تھا، میں مجلس شوریٰ کا شکر گذار ہوں کہ اِس درخواست کو قبول کیا گیا۔

صفر۱۴۴۲ھ کی شوریٰ میں یہ تجویز منظور ہوئی، اور جس وقت یہ تجویز لکھ کر حضرت قاری صاحبؒ کے پاس پہنچی ہے، اگلے دن ہی دفتر میں آکر اپنی جگہ اِس طرح بیٹھ گئے جیسے درمیان میں کوئی انقطاع رہا ہی نہ ہو، آتے ہی فوراً کام شروع کر دیا۔ اور آپ نے یہ معمول بنالیا کہ پہلا گھنٹہ لگتے ہی دفتر اہتمام پہنچ جاتے تھے، جب معاون مہتمم سب سے پہلے آکر بیٹھیں گے، تو سارا عملہ مستعد ہو جائے گا۔ ایک خاص بات یہ دیکھی کہ کام کی کثرت سے کبھی گھبراتے نہیں تھے، قاری صاحبؒ نے اتنے سارے کام اپنے ذمہ لے رکھے تھے؛ لیکن اُن کی وجہ سے اُنہیں کوئی اُلجھن بھی نہیں ہوتی تھی۔

جب دارالعلوم میں قادیانیت کے فتنے کو کچلنے اور اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے ''عالمی تحفظ ختم نبوت'' کا اجلاس ہوا، اور ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' قائم کی گئی، تو اُس کا ناظم حضرت قاری عثمان صاحبؒ اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ کو بنایا گیا۔ اُس کے روحِ رواں اُس وقت سے اَب تک حضرت قاری صاحبؒ رہے؛ جب کہ نائب ناظم مولانا شاہ عالم گورکھپوری

کو بنایا گیا، اِن دونوں نے مل کر ماشاء اللہ بہت کام کیا، پورے ملک کے اندر مجلسیں قائم کیں۔

اِسی طرح شعبۂ مکاتب اسلامیہ بیرونِ دیوبند یعنی پورے ملک کے اندر جہاں جہاں اِرتداد وقادیانیت کے فتنے تھے، وہاں پر مکاتب قائم کرنا، اوراَساتذہ کو بھیج کر اُن کی نگرانی کرنا، اِس شعبے کے سربراہ بھی حضرت قاری صاحبؒ تھے۔ اِس کے علاوہ ''النادی الادبی'' کے طلبہ کی نگرانی، ''مدنی دارالمطالعہ'' کی سرپرستی، اورطلبہ کے ذاتی معاملات میں حسب ضرورت دلچسپی لینا؛ یہ بھی حضرت قاری صاحبؒ کی خصوصیت تھی۔ آپ اُصول پسند آدمی تھے، اُصول کے خلاف کوئی کام آپ کو منظور نہیں تھا؛ چوں کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے ساتھ ایک لمبے عرصے تک کام کر چکے تھے، اِس لئے ضابطوں، معمولات اور تعامل سے بھی واقف تھے، حضرت قاری صاحبؒ کے دفتر اہتمام میں آ جانے سے مجھے بہت سہارا ملا تھا۔ (تلخیص از: تعزیتی بیان)

ممتاز شخصیت

(حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہم
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

الحمد للّٰہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، أما بعد!

مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ منفرد خصوصیات کے حامل شخص تھے، انھوں نے اپنی علمی وتدریسی خدمات کے ساتھ جو دعوتی وملی خدمات انجام دیں وہ بڑی قابل قدر ہیں، مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری کا حادثۂ وفات صرف ایک خاندان کا سانحہ نہیں؛ بلکہ یہ ایک ملی، دینی، علمی اور دعوتی خسارہ ہے، دارالعلوم دیوبند میں حدیث شریف کی خدمت کے ساتھ انھوں نے وہاں اپنی انتظامی صلاحیتوں سے بھی بہت فائدہ پہنچایا اور قومی وملکی سطح پر ملت کی دینی، اصلاحی اور سیاسی رہنمائی بھی کی، ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے ذمہ دار کی حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں کو درپیش دینی وعقائدی خطرات سے نہ صرف یہ کہ لوگوں کو آگاہ کیا؛ بلکہ

میدان میں آ کر اس کا مقابلہ بھی کیا، ہم سب کے لیے ان کی یہ نسبت بھی ایک بڑی نسبت ہے کہ وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے داماد تھے۔

مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ نے دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم، پھر کارگزار مہتمم اور جمعیۃ علماء ہند (محمود مدنی) کے صدر ہونے کے ساتھ مختلف دینی تنظیموں کی سرپرستی بھی فرمائی۔

ان کی شخصیت دو اہم پہلوؤں پر مشتمل تھی، ایک پہلو ان کی شخصیت کا شخصی اور خاندانی تھا اور دوسرا پہلو جو بہت اہم تھا؛ وہ دعوتی، اصلاحی، تربیتی اور تعلیمی تھا، وہ ایک فعال شخصیت کے مالک تھے اور اس پورے خطے میں اپنی دین داری، پرہیز گاری اور جذبۂ ایمانی میں بہت ممتاز تھے۔

مولانا قاری محمد عثمان منصور پوریؒ متعدد بار دار العلوم ندوۃ العلماء بھی تشریف لائے، ۱۹۹۷ء میں ''عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ اور قادیانیت'' کے عنوان سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں ایک عالمی کانفرنس میں بھی انھوں نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے ذمہ دار کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور خطاب کیا، اس کانفرنس میں امام حرم مکی شیخ محمد بن عبداللہ سبیل اور امام مسجد اقصیٰ شیخ محمود صیام اور دوسرے اسلامی و عربی ممالک کی بڑی اہم شخصیتیں شریک ہوئی تھیں، مجھے ان کی خوبیوں، صلاحیتوں اور خدمات کی ہمیشہ قدر رہی، ان کی وفات کو ملت کے لیے میں ایک بڑا خسارہ سمجھتا ہوں، آج اگر چہ وہ ہمارے درمیاں نہیں ہیں؛ لیکن ان کا مشن اور ان کی تحریک آج بھی زندہ ہے اور لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچتا رہے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے اور ان پر ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

نا قابل تلافی نقصان

(حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی مدظلہ صدر جمعیۃ علماء ہند)

امیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری سابق صدر جمعیۃ

علماء ہند گوناگوں صفات اور خصوصیات کے حامل تھے، سادگی، سخاوت، مہمان نوازی، تواضع، للّٰہیت اور ہر چیز کو اللہ کے حوالے کر دینا جو بزرگوں کی صفات لکھی گئی ہیں وہ سب ان میں موجود تھیں، وہ نہایت تقویٰ والے، پاک دامن انسان تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری و باطنی صفاتِ حسنہ سے نوازا تھا، قلب بھی منور تھا اور چہرہ بشرہ بھی جمال سے پر تھا۔

حضرت ممدوح میرے استاذ اور مربی بھی تھے، میں نے بچپن میں ان کے اندر دو خوبیاں پائیں: اول یہ کہ وہ شب بیدار شخص تھے، رات میں جلدی سوتے اور دو تین گھنٹے کے بعد اٹھ جاتے ہم لوگوں نے دیکھا کہ وہ کبھی رات میں وضو کر رہے ہیں تو کبھی نماز پڑھ رہے ہیں، پھر کچھ دیر آرام فرماتے، پھر اٹھ جاتے اور پھر عبادت میں مصروف ہو جاتے، دوسرے یہ کہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز تھے۔

جب وہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر منتخب ہوئے تو ان کے ساتھ بہت زیادہ کام کرنے کا موقع ملا، بہت سارے مسئلوں میں مشورہ ہوتا، چند مواقع پر زیادہ بحث بھی ہوئی، کبھی اُنہوں نے بحث میں یہ تأثر ہونے نہیں دیا کہ وہ ہمارے استاذ بھی ہیں، بلکہ جماعتی معاملات میں جب بحث ہوتی، تو ہر طرح سے بات کرنے کی آزادی رہتی۔

مجھے یہ کہنے میں ذرہ برابر بھی تأمل نہیں ہے کہ ان کے قریب سے حبِ جاہ یا حبِ مال نہیں گزری، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان دونوں چیزوں سے پاک رکھا تھا، وہ ایک رئیس خاندان سے تعلق رکھتے تھے؛ لیکن ان کی زندگی سادگی سے تعبیر تھی، دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ان کو رہنے کے لئے جو گھر ملا تھا، جہاں اُنہوں نے ساری زندگی گزار دی، وہ اتنا سادہ تھا کہ ضروریات سے بھی کم چیزیں وہاں موجود تھیں۔

جماعتی معاملات میں جس چیز کو اُنہوں نے صحیح سمجھا، اس پر ڈٹ جاتے تھے، پھر ایک انچ پیچھے نہیں ہٹتے، اُنہوں نے مختلف ذمہ داریوں کو اہتمام کے ساتھ انجام دیا، ایک طرف درس وتدریس سے وابستہ رہے اور دوسری طرف دارالعلوم کے شعبۂ اہتمام کو بھی سنبھالا، دارالعلوم

دیو بند کے کئی شعبوں کو متحرک کیا اور ان میں جان ڈال دی، اسی طرح سے جمعیۃ علماء اور امارت شرعیہ کی ذمہ داری بھی نبھائی۔ (ہفت روزہ الجمعیۃ امیر الہند رابع نمبر)

''آپ بیک وقت ایشیا کے دو بڑے اِدارے دار العلوم دیو بند اور جمعیۃ علماء ہند کے رہ نما تھے، مارچ ۲۰۰۸ء سے تادم واپسیں جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے۔ ۲۰۱۰ء میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے وصال کے بعد آپ کو امارت شرعیہ ہند کے تحت امیر الہند رابع منتخب کیا گیا تھا، ۱۹۹۵ء سے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے مدعو خصوصی و رکن رہے، ۱۹۷۹ء میں حضرت فدائے ملتؒ مولانا سید اسعد مدنیؒ کی قیادت میں ہونے والی ''ملک و ملت بچاؤ تحریک'' میں آپ جیل بھی گئے۔ فدائے ملتؒ کے وصال کے بعد تنظیم کی اصل پالیسی اور روایات کے مطابق اُنہوں نے مشن اور کاموں کو آگے بڑھایا۔ اُن کے دورِ صدارت میں جمعیۃ علماء ہند نے دہشت گردی کے خلاف ملک گیر سطح پر تحریکیں چلائیں اور اور اسلام کے پیغام امن کی اشاعت کے لئے دہلی اور دیو بند میں عالمی سطح کی ''امن عالم کانفرنس'' منعقد کی۔

حضرت مولانا مرحوم ملک میں سبھی طبقوں کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے بھی کوشاں رہے؛ چناں چہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اجلاس منتظمہ ۲۰۱۹ء میں ہندو مسلم کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے سد بھاؤنا منچ قائم کیا، اِسی طرح ۲۰۱۷ء میں ایک ہزار شہروں میں ایک ساتھ امن مارچ نکالا گیا، نیز دلت مسلم اتحاد کے لئے تحریکیں چلائی گئیں۔ ۲۰۱۱ء میں انسداد فرقہ وارانہ فساد بل اور مسلم اقلیت کو ریزرویشن کے لئے ''ملک و ملت بچاؤ تحریک'' چلائی گئی، جس کی قیادت آپ نے خود لکھنؤ میں فرمائی۔ اِس کے علاوہ سال ۲۰۱۶ء میں اجمیر شریف میں جمعیۃ علماء ہند کا ۳۳ رواں اجلاس عام منعقد ہوا، جس میں مسلمانوں کے دو طبقے آپس میں ایک ساتھ سر جوڑ کر بیٹھے اور اتحاد کا پیغام دیا۔ آپ کی قیادت میں جمعیۃ علماء ہند نے دہلی فساد متأثرین اور اس سے قبل بہار، کشمیر سیلاب زدگان اور مظفر نگر و آسام فساد زدگان کی بازآبادکاری کا بڑا کارنامہ انجام دیا۔

آپ میرے مربی اور استاذ تھے، صدر جمعیۃ علماء ہند منتخب ہونے کے بعد آپ نے اپنی

فراست اور دانش مندی سے ہمیشہ احقر کی رہ نمائی فرمائی۔ اُن کی وفات بطور خاص میرا ذاتی نقصان ہے، یقیناً آج ہم اپنے ایک مربی، استاذ اور سرپرست سے محروم ہوگئے۔ آپ کو فضل و کمال، شرافت ونجابت اور تقویٰ وطہارت کے ساتھ قدرتِ فیاض سے حسنِ تربیت اور نظم ونسق کی اعلیٰ صلاحیت عطا ہوئی۔ طالبانِ علوم کے ساتھ ہمدردی، غمگساری اور فریادرسی آپ کا خصوصی امتیاز رہا، جب کہ اصول پسندی طبعی وصف تھی۔

اس کے علاوہ آپ دارالعلوم دیوبند کے انتہائی مؤقر اُستاذ حدیث تھے، ۱۹۸۲ء سے از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں تدریسی فرائض کے ساتھ مختلف انتظامی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ آپ کا درس حشو وزوائد سے پاک انتہائی متین، سنجیدہ اور عالمانہ ہوتا۔ زبان صاف ستھری اور ترجمہ انتہائی سلیس اور شستہ ہوتا تھا۔ آپ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۹ء تک دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم رہے، حال میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے آپ کو معاون مہتمم منتخب کیا ، آپ فی الوقت دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم بھی تھے۔ آپ تحفظ ختم نبوت تحریک کے لیے عالمی سطح پر معروف تھے اور یہ آپ کی ممتاز خدمات میں سے ایک تھی۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کا انعقاد ہوا، جس کے آپ کنوینر تھے۔ اس موقع پر ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا قیام عمل میں آیا، آپ ناظم منتخب ہوئے، جس پر تادم واپسیں فائز رہے۔ اس ادارہ نے ملک کے طول وعرض میں فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے عظیم تر خدمات انجام دیں، جو دارالعلوم کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ یہ تمام خدمات آپ کی ایمانی حس وحمیت، انتھک جدوجہد اور بے پناہ جذبہ کا ثمرہ ہے۔

آپ کی وفات سے ایشیاء کے دو بڑے اِدارے دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کو اور بالعموم ملت اسلامیہ ہند کو نقصان عظیم لاحق ہوا ہے، جس کو پر کرنا مشکل ہوگا۔ آج پورا ملک ایسے عظیم اور مخلص رہ نما کی وفات پر غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)''

(ندائے شاہی جون ۲۰۲۱ء)

عالم اِسلام کے لئے صدمہ

(حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان)

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ بیک وقت بہت سی ذمہ داریاں سرانجام دے رہے تھے وہ جمعیۃ علمائے ہند کے مرکزی صدر تھے، عظیم علمی و تعلیمی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم اور امیر الہند تھے، تحریک تحفظ ختم نبوت کے ناظم تھے اور ان تمام ذمہ داریوں کے باوصف دارالعلوم دیوبند کے اعلیٰ پایہ کے مدرس اور استاذِ حدیث تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی صلاحیتوں اور اعلیٰ صفات وخصوصیات سے خوب نوازا تھا، ان کی وفات حسرت آیات نہ صرف جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کا نقصان ہے؛ بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے صدمہ ہے۔

حیاتِ مستعار میں ان سے بہت ملاقات ہوئیں ان ملاقاتوں کے لازوال نقوش قلب ودماغ میں محفوظ ہیں، ہر ملاقات میں ان کی دل موہ لینے والی گفتگو، مدلل انداز خطاب اور دھیمے مزاج نے متأثر کیا۔

اللہ بزرگ وبرتر سے دعا ہے کہ وہ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری کو اپنی جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔

ممتاز رہنما

(شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی وصدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ ومن والاہ

بندہ نے سب سے پہلے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ گرامی اپنے والدِ ماجد

قدس سرہ سے سُنا تھا، اور یہ بھی معلوم ہوتا رہتا تھا کہ وہ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے ان اکابر میں سے ہیں جن کا ایک طرف علمی مقام دارالعلوم دیوبند میں مسلم ہے اور دوسری طرف جمعیۃ علماء ہند کے ممتاز رہنما ہونے کی حیثیت میں انھوں نے ہندوستان اور ہندوستانی مسلمانوں کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

جولائی ۲۰۱۰ء میں عرصۂ دراز کے بعد بندہ کی دیوبند حاضری ہوئی تو بندہ ان کی شفقتوں کا مورد بنا، اور اہل دیوبند نے میری عزت افزائی کے لیے ایک بڑا جلسہ منعقد فرمایا۔ اس میں حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب قدس سرہ مہمانِ خصوصی تھے، اور انھوں نے اس ناکارہ کے بارے میں حُسنِ ظن کے ایسے کلمات ارشاد فرمائے جو میرے لیے سرمایۂ افتخار اور فالِ نیک تھے۔ پھر انھوں نے ہی اس جلسے کی صدارت کے لیے دارالعلوم دیوبند وقف کے ممتاز استاذ حضرت مولانا خورشید عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام صدارت کے لیے پیش کیا، اور جلسہ انہی کی صدارت میں ہوا۔

تباینِ دارین کی وجہ سے بندہ کو حضرت قدس سرہ سے نیاز حاصل کرنے کا موقع بہت کم ملا؛ لیکن ان کی شخصیت ذہن پر ایک خوش گوار اثر چھوڑ گئی، اور ان کی وفات کی خبر سے بڑا صدمہ ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین

ہر دل عزیز شخصیت

(حضرت اقدس مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مہتمم معہد الفقیر الاسلامی جھنگ پاکستان)

امیر الہند حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوریؒ کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ طویل علالت کے بعد خالق حقیقی کو جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کی وفات حسرت آیات امت مسلمہ کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ اللھم لا

تحرمنا أجره ولا تفتننا بعده، آمین یا رب ا لعالمین.

فقیر کی امیر الہند سے محبت کی چار وجوہات تھیں:

(۱) امیر الہند حضرت قاری محمد عثمانؒ دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر اساتذہ میں سے ایک تھے۔

(۲) امیر الہند ہمارے عزیز القدر قائد محترم حضرت مولانا محمود اسعد مدنی دامت برکاتہم کے استاد اور مربی تھے۔

(۳) امیر الہند حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے داماد تھے۔ ہم لوگ تو مدنی گھرانے کے پالتو جانوروں سے بھی

محبت کرتے ہیں، امیر الہند تو اس گھر کے داماد تھے۔

(۴) امیر الہند ہمارے برادر محترم مفتی محمد سلمان منصور پوری کے والد گرامی تھے۔

فقیر جب ہندوستان کے سفر کے دوران دارالعلوم دیوبند حاضر ہوا، تو حضرت امیر الہند کی سادگی اور خوش اخلاقی نے بہت متاثر کیا، ملاقات تھوڑی دیر کی تھی مگر دلوں میں محبت کا تعلق استوار کر گئی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم ز بہار آخر شد
کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

ان غم کے لمحات میں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس غم کو یاد کرتے ہیں جو انھیں نبی علیہ السلام کی جدائی کی وجہ سے برداشت کرنا پڑا ہوگا۔

اِصْبِرْ لِكُلِّ مُصِيْبَةٍ وَتَجَلَّدِ ❖ وَاعْلَمْ بِأَنَّ الْمَرْءَ غَيْرُ مُخَلَّدِ
فَإِذَا أَتَتْكَ مُصِيْبَةٌ تَشْجِيْ بِهَا ❖ فَاذْكُرْ مُصَابَكَ بِالنَّبِيِّ مُحَمَّدِ

اللہ تعالیٰ تمام متعلقین ومحبین کوصبر جمیل عطا فرمائے پس ماندگان کے لیےاس عظیم سانحہ کو برداشت کرنا آسان فرمائے اورحضرت امیرالہند کواپنی خصوصی رحمتوں سےوافرحصہ نصیب فرمائے۔

ہم کہہ سکیں: **الموت جسر يوصل الحبيب إلى الحبيب.**

فقیراپنی بات کوعلامہ محمداقبال کےان اشعار پرختم کرتا ہے۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید ❖ نسیمے از حجاز آید کہ ناید

سرآمد روزگار آں فقیرے ❖ دگر دانائے راز آید کہ ناید

مادرزادولی

(حضرت مولانامفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی صدرمفتی دارالعلوم دیوبند)

حامداومصلیاومسلما!

کوئی چاہے کہ باپ کی محبت کسی مارکیٹ سےخرید کے لے آئے تونہیں لاسکتا۔باپ کی محبت فطری ہوتی ہے۔وہ محبت اورکہیں نہیں مل سکتی۔باپ کا سایہ اٹھ جانا بہت بڑا خلا ہے،اور بہت بڑے رنج وغم کا باعث ہے، ہمارے اورآپ کےاوپر جو بیتی ہے،آپ کوتو جوغم ہونا ہی چاہئے ،فطری تقاضا ہے؛لیکن ایسے موقعوں پراللہ تبارک وتعالیٰ نےہمیں صبرجمیل کاحکم دیا ہے۔ **إن للّٰه ما أخذ وله ما أعطى، وكل شيء عنده بأجل مسمى، فلتصبر ولتحتسب.**

اللہ تعالیٰ نے اتنے دنوں ہی کے لئے وہ امانت دے رکھی تھی۔جب ان کا وقت پورا ہوگیا تواللہ تعالیٰ نے اُن کواُٹھالیا،ہمیں ثواب کی نیت سے اِس پرصبر کرنا چاہئے، ہمارے لئے یہی تعلیم ہے۔ یہ تو ہرایک کےساتھ پیش آنے والی چیز ہے،آج ان کےساتھ پیش آئی،کل ہمارےساتھ بھی پیش آئی گی، پرسوں دوسروں کےساتھ پیش آئی گی، ہرایک کوموت کا مزہ چکھنا ہی چکھنا ہے، **کل نفس ذائقة الموت**۔اس لئے ہمارا فرض یہ ہونا چاہئے کہ ہم پوری زندگی اُن کے لیے دعاءمغفرت اورایصالِ ثواب کرتے رہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ ماشاءاللہ بہت نیک اور صالح آدمی تھے، اور فطری طور پر مادرزاد ولی تھے۔ اللہ تعالی نے انھیں بہت عافیت میں رکھا تھا اور بہت مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ اور آپ لوگوں کو صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑا۔ آپ لوگوں کو نیک اور صالح بنایا، عالم باعمل بنایا اور مفتی بنایا اور آپ لوگ ہدایت کا کام انجام دے رہے ہیں، یہ ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ آپ دونوں حضرات اُن کے لئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کرتے رہیں، اس میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ میت کی روحیں ہر روز منتظر رہتی ہیں جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کے لیے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرتا ہے تو ان کی روحیں خوش ہوجاتی ہیں۔ اس حدیث سے یہ نصیحت ملی کہ ہمیں ہر روز گذرے ہوئے مسلمانوں کے لیے بھی اور جو زندہ ہیں ان کے لیے بھی برابر دعائے مغفرت کرتے رہنا چاہئے۔ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾ اللہ نے قرآن پاک میں بھی ہم کو تعلیم دی اس بات کی، اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے اور برابر دعائے مغفرت کرتے رہنا چاہئے۔ اور رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا، رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا کی برابر ان کے لیے دعا کرتے رہنا چاہئے۔

اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت فرمائے ان کے درجات کو بہت بہت بلند فرمائے، ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، ان کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور آپ سبھی لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

(حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی مدظلہ اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مئے خانہ

حضرت قاری عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدۂ تقریباً ۷۶ رسالہ زندگی گذار کر

مالک حقیقی سے جا ملے۔ حضرت موصوف سے میں اپنی طالب علمی کے زمانہ سے واقف ہوں، بہت سے اسفار میں بھی ساتھ رہا ہے، بعض دفعہ لمبے لمبے سفر بھی ساتھ ہوئے ہیں۔

حضرت موصوف بہت متدین، ذی متانت ووجاہت، جید الاستعداد، ذی علم وذی شعور، بہترین منتظم، حق شناس، انتہائی متواضع، مہمان نواز، حسن تربیت میں بے مثال، اُن کی حسن تربیت کا اثر مرتب اُن کے دونوں صاحب زادوں سے دیکھا جاسکتا ہے کہ دونوں اُن کی حسن تربیت کے سبب علمی دنیا میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ **برد اللّٰہ مضجعه وبوّأه مبوأ صدق في دار السلام.**

نا قابل تلافی خلاء

(حضرت مولانا سید انظر حسین میاں صاحب آستانہ میاں صاحب، محلّہ قلعہ دیوبند)

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند کے انتقال کی خبر ملی، سن کر بہت غم ہوا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ آمین

حضرت قاری صاحبؒ میرے قریبی ساتھیوں میں تھے، زمانۂ طالب علمی میں بہت وقت ساتھ گزرا، میرے والد فقیہ الاسلام حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ (سابق استاذ حدیث وفقہ، وناظم تعلیمات ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے شاگردوں میں تھے، احقر کی جب بھی قاری صاحبؒ سے ملاقات ہوتی تو حضرت والد صاحبؒ کا بڑے نیازمندانہ اسلوب اور حسین الفاظ میں ذکر خیر فرماتے۔ حضرت قاری صاحبؒ کا ایک امتیاز یہ تھا آپ نت نئے انداز میں کام کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، ابھی چند مہینے پہلے جناب مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی (استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی بیٹی کے نکاح میں قاری صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، دوران گفتگو کہنے لگے، میرا بعض عرب ممالک جانا ہوا، میں نے دیکھا کہ علماء نے اپنے

بزرگوں کے حالات حروف تہجی کی ترتیب پر ایک موسوعہ میں جمع کر دیے ہیں، مجھے یہ کام بہت پسند آیا، دارالعلوم میں آ کر میں نے مولانا عارف جمیل صاحب مبارکپوری (استاذ عربی ادب دارالعلوم دیوبند) کو اس بات کا مکلّف بنایا ہے کہ وہ دارالعلوم کے تمام اکابر کے حالات حروف تہجی کی ترتیب پر عربی زبان میں جمع کر دیں، احقر نے قاری صاحبؒ کی بات سن کر کہا: یقیناً آپ کا یہ کام اپنی نوعیت میں بالکل منفرد ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قاری صاحبؒ کے اس عظیم کام کو مکمل فرمائے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قاری صاحب کی وفات سے علمی وملی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی تلافی بہت مشکل ہے۔ گزشتہ چند مہینوں میں دارالعلوم کے بہت سے اساتذہ رخصت ہو گئے ہیں جو یقیناً قابل تشویش بات ہے۔ قاری صاحبؒ کی علالت کے درانیہ میں عزیزم مفتی عفان صاحب منصور پوری سے بذریعہ فون قاری صاحب کی طبیعت کے بارے میں کرب ناک خبریں حاصل ہوتی رہیں۔

اخیر میں بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اس الم ناک موقع پر میں ان کے اہل خانہ واہل خاندان کو تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں

بافیض اُستاذ

(مولانا سید جلال الدین عمری چیرمین شریعہ کونسل وسابق امیر جماعت اسلامی ہند)

مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری کی وفات کی خبر سے بہت صدمہ ہوا۔ ان کی وفات ملت اسلامیہ ہند کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے، موصوف نے طویل عرصے تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں اور استاذ حدیث کی حیثیت سے ہزاروں بلکہ لاکھوں طلبہ کو فیض

پہنچایا، ان کے شاگرد پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مزید انھوں نے ایک دہائی سے زیادہ عرصہ نائب مہتمم اور کارگزار مہتمم کے طور پر دارالعلوم کے نظم وانصرام کو بھی سنبھالا۔ اس کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے انھوں نے ملک وملت کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

مرحوم سے راقم کی بارہا ملاقاتیں رہی ہیں۔ متعدد پروگراموں اور مشاورتی اجلاسوں میں ان کا ساتھ رہا ہے۔ ان کی سادگی تواضع وقار، اعتدال اور امت کے لیے فکرمندی سے میں ہمیشہ متاثر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی سیئات سے درگزر فرمائے انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین والسلام

عظیم شخصیت

(حضرت مولانا محمد ایوب صاحب کا چھوی نائب صدر جمعیۃ علماء جنوبی افریقہ، جوہانسبرگ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلي على رسول الكريم، وبعد:

یہ قانونِ قدرت ہے کہ ہر ذی روح کو اس دنیائے فانی سے چند عارضی دن کی زندگی گزارنے کے بعد توشۂ آخرت کے ساتھ ابدی زندگی کی طرف رختِ سفر باندھنا ہے، لیکن اِس دنیا میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی زندگی قوم وملت کی امانت ہوجاتی ہے، اور زمانہ مدتوں اُن کی کمی محسوس کرتا ہے، ایسی ہی ایک عظیم شخصیت جمعیۃ علماء ہند کے صدر، دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم حضرت امیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری -نور اللہ مرقدہ و رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ- کی تھی، جو اپنے ہزاروں شاگردوں، لاکھوں معتقدین اور مستفیدین کو چھوڑ کر بروز جمعہ مؤرخہ ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱/۲۰۲۱/۵ء عین نمازِ جمعہ کے وقت اِس

عالمِ فانی سے جوارِ رحمتِ حق کی طرف رحلت فرما گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ . إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَمَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى. حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شخصیت شریعت وطریقت کی جامع، علم وعمل کا سنگم، رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ کی مصداق تھی۔

آپؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی -نور اللہ مرقدہ- کے داماد تھے، اُن نفوسِ قدسیہ میں سے تھے جن کا نفسِ وجود ہی اُمت کے لیے رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو گوناں گوں امتیازات اور مختلف صفاتِ حمیدہ سے سرفراز فرمایا تھا، مختلف اداروں میں اُن کی تدریسی، تعلیمی اور تربیتی دینی خدمات تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

دبستانِ دیوبند کی علمی وفکری آبیاری اُن کی زندگی کا سب سے بڑا سامانِ تسکین تھا۔

آپؒ سے بڑی مؤقر اور اہم ترین حدیث اور فن حدیث کی کتابیں وابستہ رہیں، دارالعلوم دیوبند کے اندر آپ کا طریق تدریس آپ کو ممتاز اور اکابرین حدیث کی یادگار بناتا تھا، دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند، تحفظ ختم نبوت، جیسے عظیم شعبوں میں اپنی بیش بہا خدمات انجام دیں، مرحوم ہمیشہ قوم کی تعلیمی، سماجی اور سیاسی ترقی کے لیے فکرمند تھے، سیاسی، سماجی، اور ملی قائد ہونے کے ساتھ ساتھ علمی وعملی دوراندیش ومفکر بھی تھے، نہایت سادگی پسند، اصولوں پر قائم رہنے والے، اور علم کا سرچشمہ عظیم المرتبت انسان تھے۔

ریاکاری، دکھاوا، نام نمود سے کوسوں دور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر ﴿إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کی جیتی جاگتی تصویر، مصلح، متواضع، منکسر المزاج، فنافی اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت قاری صاحبؒ ایک بے مثال مربی بھی تھے، آپؒ نے اپنے متعلقین خصوصاً اپنی اولاد کی جو تربیت کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

غرض یہ کہ وہ بزرگوں کی روایات کے امین، علمی وارث، انتہائی سنجیدہ ومتین، باکردار شخصیت کے حامل، قوم وملت کے ایک قیمتی جوہر اور متاعِ گراں تھے، جن کی بابرکت صحبت سے

لوگوں کی زندگیوں کا رُخ بدل جاتا تھا۔

کیا لکھوں زندگی کے بارے میں
وہ لوگ ہی بچھڑ گئے جو زندگی ہوا کرتے تھے

جمعیۃ علماء ساؤتھ افریقہ اس کے اراکین وخدام ومنتظمین نیز علماء کرام واساتذۂ عظام حضرت قاری عثمان صاحب -نوراللہ مرقدہ وبرداللہ مضجعہ- کے سانحۂ ارتحال کو پوری امت مسلمہ کے لیے بالعموم اور مسلمانانِ ہند کے لیے بالخصوص ایک ناقابل تلافی نقصان تصور کرتے ہیں۔

اور احقر کو کیونکہ دورۂ حدیث شریف میں اُن کے ہم سبق ہونے کا اعزاز حاصل ہے جس کی وجہ سے زمانۂ طالب علمی ہی سے آپؒ کی سنجیدگی، متانت، علمی لیاقت اور علوم اسلامیہ کے تئیں ان کا جذبۂ خدمت یہ وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے قاری صاحب علیہ الرحمۃ سے ایک خاص قلبی وابستگی اور بہت ہی گہرا تعلق ہوگیا تھا۔ آج بھی اُن کے تصور سے آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں۔

اُٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روئیے کس کے لیے کس کس کا ماتم کیجیے

تہِ دل سے دعاء گو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت قاری عثمان صاحب -رحمہ اللہ- کو درجات عُلیا سے سرفراز فرمائے، جنت الفردوس میں بلند وبالا مقام عنایت فرمائے، اور اُن کی خدماتِ جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

شخصیت ساز مربی

(حضرت مولانا فریدالدین مسعود صاحب صدر: بنگلہ دیش جمعیۃ علماء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شیخ العلماء، قدوۃ الصلحاء مولانا قاری عثمان منصور پوریؒ صرف ایک عظیم شخصیت نہیں تھے، بلکہ شخصیت ساز مربی بھی تھے، موجودہ دور میں جو نوجوان علماء عبقری بن کر ابھر رہے

ہیں، مولانا سید محمود اسعد مدنی، مولانا مفتی سلمان منصور پوری، مفتی عفان منصور پوری جیسے مستقبل کے درخشاں ستارے سب کا بچپن انھیں کے زیرِ تربیت تھا۔

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے احقر کی پہلی ملاقات ہوئی تھی، جس وقت دار العلوم دیوبند میں عالمی ختم نبوت کانفرنس ہو رہی تھی، احقر بنگلہ دیش کی طرف سے مندوب تھا، پہلی ملاقات میں دل دادہ بن گیا، پھر تو بار ہا ملاقاتیں ہوتی رہیں، حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی بار بار بنگلہ دیش تشریف لاتے رہے، ساتھ رہنا ہوا، آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور دن بہ دن محبت میں اِضافہ ہوتا رہا۔

قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ عجیب داعیانہ مزاج کے مالک تھے، آواز نرم لیکن پر جوش حکیمانہ مگر دل سوز طریقہ پر دعوتی جلسوں میں باتیں رکھتے تھے، ہزاروں لاکھوں انسان جس سے مستفید ہوئے اور راہِ حق کی طرف لوٹے۔

علمی صلاحیت کے ساتھ ساتھ بڑی انتظامی صلاحیت کے بھی مالک تھے، ہندوستان بھر میں جس انداز سے ختم نبوت اور رابطۂ مدارس کا کام سرانجام دیا، اس کی مثال آپ ہی ہیں۔

حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ اپنی حیات میں ایک ایک کام کے لئے ایک ایک شخصیت کو چن لیتے تھے، اُن سے بات چیت سے احقر کا جو اندازہ ہوا تھا کہ ان کی خواہش تھی کہ ایک دن دار العلوم دیوبند کا اہتمام قاری صاحب سنبھالیں گے اور دار العلوم دیوبند کی صدارت اور شیخ الحدیث کی ذمہ داری حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدظلہ العالی سنبھالیں گے اور جمعیۃ علماء ہند کا کام مولانا محمود اسعد صاحب مدظلہ العالی سنبھالیں گے۔

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ دار العلوم دیوبند کے قائم مقام مہتمم کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے، حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی صدارت کے عہدے پر اور حضرت مولانا محمود صاحب مدظلہ پر جمعیۃ علماء کا کام سپرد ہو چکا ہے۔

ہم پسماندگان کے لیے یہ خوشی کا دور تھا، لیکن اللہ کی مرضی قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان کا بال بال رحم فرمادیں، اور اعلیٰ علیین پر ان کو جگہ عطا فرمادیں، آمین ثم آمین

صاف ستھرے کردار کے حامل

(حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب غزنوی
اُستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی و سابق اُستاذ دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نوراللہ مرقدہٗ کو میں نے دارالاقامہ کی نظامت اور تدریس کے دوران بہت قریب سے دیکھا، حقیقت یہ ہے کہ میں بغیر کسی تکلف، تصنع اور مبالغہ کے کہتا ہوں کہ ان کے صاف ستھرے لباس، صاف ستھرے چہرے، صاف ستھرے اعمال، صاف ستھری نگاہ اور صاف ستھری زبان کو دیکھ کر دل دل کبھی کبھی سوچتا تھا کہ حضرت قاری صاحب جنھیں ہم اس وقت دامت برکاتہم کہتے تھے کہ میں ان کے لباس کو زیادہ صاف ستھرا کہوں، ان کے نورانی چہرے کو زیادہ صاف ستھرا کہوں، ان کی زبان کو زیادہ صاف ستھرا کہوں، ان کی نگاہوں کو ان کے صاف دل کو کس کو زیادہ صاف ستھرے میں اعلیٰ درجہ اپنی سوچ کے حساب سے دوں، دل دل میں سوچتا تھا، پھر دل یہ فیصلہ کرتا تھا کہ الحمدللہ حضرت قاری صاحب ہر ہر اعتبار سے صاف ستھرے ہیں، ظاہر سے، باطن سے، لباس سے چہرے سے، ہر ہر چیز میں نورانیت ہے، صاف صفائی ہے پاکیزگی ہے، اس طرح انھوں نے زندگی گذاری، دارالعلوم کی خدمت کی، اپنی زبان اور اپنی نگاہ کو ہمیشہ اپنے کنٹرول میں رکھا، آپ حضرات کی جس انداز پر انھوں نے تربیت کی ہے، یا جو بھی ان کی تربیت میں آئے اور جس انداز پر تربیت کی ہے، میری نظر میں اس سے بڑھ کر بہت ہی کم مثالیں پیش ہوں گی کہ کسی نے ایسی تربیت کی ہو، تو بہر حال ان کی خدمتیں ہیں، وہ دنیا سے اتنی نیکیوں کے ساتھ چلے گئے، جمعہ کے مبارک دن میں، اللہ تعالیٰ ان کو اس بیماری کی وجہ سے شہادت کا مرتبہ عطا فرمائیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ موت اور اُن کی زندگی دونوں قابل رشک تھیں۔

آپ حضرات کی شکل میں جو صدقہ جاریہ انھوں نے پیچھے چھوڑا ہے، یہ بھی قابل رشک ہے، وہ اپنے اعمال کی وجہ سے جو مقام پائیں گے، ہمیں اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ بہت اعلیٰ مقام ہوگا، اور ان کی قبر جنت ہی کا باغ ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آپ حضرات کے اعمال اور دعاؤں کی وجہ سے اُن کو مزید ترقی ملتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی اور اعمال میں اور جو آپ دین کی خدمت کر رہے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ خوب برکت عطا فرمائیں، خود آپ کے لئے بھی اور ان کے لیے بھی اللہ تعالی دنیا وآخرت کی ترقی کا ذریعہ بنادیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ رفع درجات کا ذریعہ بنادیں۔

خوبیوں کا مجموعہ

(حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم.

گذشتہ چند ماہ میں علماء وصلحاء اس تیزی کے ساتھ دنیا سے اٹھے ہیں کہ اہل علم کی محفل یک بہ یک سنسان ہوکر رہ گئی ہے، چند سال پہلے ملک ان دل آویز شخصیتوں سے مالا مال نظر آتا تھا جو علم وفضل اور ورع وتقویٰ میں اکابر علمائے دیوبند کی یادگار تھیں، لاک ڈاؤن کے دور میں یہ بساط اتنی تیزی کے ساتھ لپٹ رہی ہے کہ جدھر نظر اٹھاؤ سناٹا نظر آتا ہے، ان ہی نفوس قدسیہ میں حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کا بھی شمار ہے، قاری صاحب خوبیوں کا مجموعہ تھے، ان کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے، عہدوں اور مناصب کے اعتبار سے وہ دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم اور امیر الہند تھے، امارتِ شرعیہ کے سربراہ تھے، جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے، دار العلوم کے سابق مہتمم: حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے دورِ اہتمام میں قاری صاحب کو نائب مہتمم بنایا گیا تھا، بعد میں اس عہدے سے مستعفی ہوگئے تھے، اس سے

پہلے کبھی ناظم دارالاقامہ اور کبھی ناظم تعلیمات کے عہدوں پر فائز تھے۔

لاک ڈاؤن کی وجہ سے دارالعلوم میں تعلیمی سلسلہ منقطع رہا، فرصت کے ان لمحات کو قیمتی بنانے کے لیے اساتذۂ دارالعلوم کو مختلف کاموں میں مشغول کر دیا گیا، جس کی صورت یہ تجویز کی گئی کہ اساتذہ کو تین کمیٹیوں میں منقسم کیا گیا: (۱) اصلاح معاشرہ (۲) علمی کتب کی تحقیق وتالیف (۳) کتب خانے کی ترتیبِ نو؛ یہ سارے امور حضرت قاری صاحب کی ذہن کی اُپج تھے اور وہ اول الذکر دونوں کمیٹیوں کے سرپرست بھی تھے، بہرحال! قاری صاحب کی بڑی وقیع خدمات ہیں، خاص بات یہ تھی کہ اصول پسند آدمی تھے، اصول کی خلاف ورزی کسی حال میں ان کو منظور نہیں تھی۔

احقر جب بھی مجلس شوریٰ کی نسبت سے مادرِ علمی: دار العلوم دیوبند حاضر ہوا ان کی شخصیت کو دل نواز، حیات افروز پایا، بڑی محبت سے ملتے، ایک مرتبہ اکابر دیوبند کی قدیم یادگار چھتہ مسجد کے حجرے میں چائے کی فنجان سے ضیافت سے نوازا جس سے ہمارے حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی باغ و بہار والی مجلسوں کی یاد تازہ ہوگئی، فجزاہم اللہ احسن الجزاء، حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی جاری حسنات میں ان کی اولاد صالح ہیں جو علمی و عملی کمالات سے آراستہ ہیں۔

دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کو جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ عطا فرمائے، ان کی تمام خدمات کو بے حد شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ہمیں ان کے اعمالِ صالحہ میں اقتدا کی توفیق عطا فرمائے۔

مثالی زندگی

(حضرت اَقدس حکیم محمد کلیم اللہ صاحب علی گڈھ رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند)

سے طبیعت بہت متاثر ہے، جو دلی صدمہ ہے وہ بیان سے باہر ہے، اِن للہ ما أخذ ولہ ما أعطی و کل شی ءعندہ بأ جل مسمی ،ان کا وقت موعود آ گیا اور وہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ بہت ہی باوقار اور مثالی زندگی تھی ان کی مجھ سے بے انتہا محبت فرماتے تھے،ان کے تشریف لے جانے سے جو علمی اور انتظامی خلا ہو گیا ہے وہ ناقبل تلافی ہے۔طاب حیًا ومیتاً

ان کی زندگی اور وفات دونوں ہی قابل رشک ہیں، بہت مبارک دن ملا۔ بڑی بشارت ہے اس میں، بہر حال جب تک وہ بقید حیات تھے ان کے لیے التزاما دعاء صحت کرتا تھا اب دعاء مغفرت کرر ہا ہوں ۔حق تعالی ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی خدمات و مساعی کو قبول فرمائے ،تم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے ،تم دونوں کے لیے التزاما تہجد میں نام لے کر دعاء کرتا ہوں ۔تمام اہل خانہ سے میری طرف سے تعزیت مسنونہ۔سب کے لیے دل سے دعاء ہے۔ مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ کا ایک شعر تحریر ہے جو وفات سے قبل کہا تھا۔

لوک کہتے ہیں مظہر مر گیا
اور مظہر درحقیقت گھر گیا

بے مثال مربی

(حضرت مولانا سید حبیب احمد صاحب باندوی ناظم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ یوپی)

قابل فخر والد بزرگوار، داماد حضرت مدنیؒ، کارگزار مہتمم ازہر الہند (دار العلوم دیوبند) صدر جمعیۃ علماء ہند اور چوتھے امیر الہند بے مثال مربی حضرت العلام قاری سید محمد عثمان منصور پوری کی اولاً شدید علالت اور میدانتا جیسے جدید ٹیکنالوجی سے لیس ہاسپٹل کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ علاج ومعالجہ کی تدبیر وکوششوں کے باوجود یکا یک وفات کی دلخراش خبر سے تا حیات نہ بھولنے والا دلی صدمہ ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم کی شخصیت ہی (خواہ شخصی وخاندانی ہو یا پھر دعوتی واصلاحی وتربیتی اور تعلیمی فعالی وسرگرمیاں؛ ہر پہلو سے) کچھ ایسی تھی کہ ان کے سانحۂ ارتحال سے پیدا شدہ گہرے رنج و الم کے دور سے ہر عقیدت مند کو ناچاہتے ہوئے بھی گذرنا پڑا۔

ابھی کچھ ہی دنوں قبل (ماہِ رمضان میں) احقر کی اہلیہ محترمہ کی وفات کی خبر پاکر حضرت مرحوم نے احقر کے لیے تعزیتی پیغام ارسال فرمایا تھا، آج جب کہ احقر تعزیت کا خط لکھ رہا ہے تو بار بار حضرت کے الفاظ سے نکلنے والے ناقابل بیان معانی ذہن و دماغ پر گردش کررہے ہیں، خدا تعالیٰ کی کیسی تکوین اور اس کا کیسا نظام ہے کہ کسی کو کچھ خبر نہیں؛ کیا ہوگا، حقیقت ہے ان کی مرضی ان کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

حضرت مرحوم کی ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے عظیم خدمات رہی ہیں، آپ کی وفات ملت اسلامیہ ہندیہ خصوصاً جمعیۃ علماء ہند و دارالعلوم دیوبند کے لیے عظیم خسارہ کہے جانے کے قابل ہے، اللہ پاک سے دعا ہے کہ اس کی تلافی اور (وفات سے پیدا ہونے والے) خلا کو پُر فرما کر آپ کا حقیقی جانشین ونعم البدل عطا فرمائے۔

فرزندان کے لیے والد کا سایہ عاطفت خدا کی ایسی عظیم، بے مثال اور بے نظیر نعمت ہوتی ہے کہ اس کا بدل کم از کم دنیائے فانی میں تو نہیں ہوسکتا، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ پسماندگان خصوصاً صاحبزادگان عالی مقام کو صبر جمیل کی نعمت سے سرفراز فرمائے اور حضرت مرحوم کی زندگی بھر کی تمام خوبیوں وحسنات کے صدقہ اور اپنے فضل خاص سے شانِ عالی کے مطابق درجات عطا فرمائے۔

اس دور قحط الرجال میں (بالخصوص) دوسال کے قلیل عرصہ میں نامعلوم کتنے مردانِ خدا اپنی شفقتوں کے سائبان سے ہمیشہ ہمیش کے لیے ہم بدنصیبوں کو محروم کرگئے، ہم دعا کرتے ہیں کہ خدائے پاک بقیۃ الاسلاف کو عمر نوح اور صحت وعافیت کی نعمت سے مالا مال فرما کر ان کے سایۂ شفقت کو ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ آمین!

منفرد شخصیت

(حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند)

اَرض وسماء کے ملک مطلق نے اس عالم کوکون وفساد کے تخلیقی مزاج فن کو سنت بنی آدم کا حکم تکوینی قرار دیا ہے، چنانچہ ہر ذی روح کا بارگاہِ رب العالمین میں باریابی کا راستہ موت سے ہوکر گذرتا ہے، اگرچہ کوئی انسان علم وفضل، حکمت ودانائی اور فہم وفراست کی کیسی ہی منازل عبور کرکے رفعتوں کے کیسے ہی مقامات کیوں نہ عبور کرلے یا علم کا منتہائے ایمان وعمل کے مقام عز وکرم پر فائز ہوجائے مگر بہر کیف موت سے کسی بھی ذی نفس کو مفر ممکن نہیں ہے، کیونکہ تخلیق کے ساتھ ہی فنا کے امر تقدیری کا آغاز ہوجاتا ہے، مگر شرف وکرامت، علم وعمل اور قائدانہ صلاحیتوں سے متصف بعض دل آویز وجذاب شخصیات اپنے بلند اخلاق، طبعی انکسار اور بہترین علمی و انتظامی محاسن کے سبب نہ صرف معاصر واخلاف کے قلوب واذہان میں مدتوں زندہ رہتے ہیں؛ بلکہ ان کی حیات کے موقعہ بہ موقعہ روشن نقوش نسلوں کو فکری رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد عثمان نور اللہ مرقدہ سابق کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند کا شمار بھی عہد رواں کی ایسی ہی منفرد شخصیات میں ہوتا ہے، مرحوم ومغفور کو ہمہ جہت مخلصانہ جہود متقیانہ طرزِ حیات، محبت وشفقت، مروت وحسن سلوک اور رہبرانہ صلاحیتوں نے نہ صرف یہ کہ علمی حلقوں میں ہی قابل ذکر پذیرائی بخشی بلکہ منکسرانہ ورعایت آمیز عوامی اختلاج نے ان کی مقبولیت میں عام سطح پر ایک جوہری کردار ادا کیا، جس نے نئی نسل کے فکر ومزاج پر قدر ومنزلت اور داعیۂ عمل کے گہرے نقوش ثبت کیے ہیں آپ کا شمار چوں کہ معتدل مزاج ومعتد شخصیت کے حامل اور مثبت سوچ وفکر رکھنے والے علماء میں ہوتا تھا، اس لیے آپ ہر ایک طبقۂ ملت کو ''علی قدر عقولهم'' اپنے طرز استدلال شیریں مقالی حسن اخلاق نیز دھیمے مگر دل فریب ودل نشیں انداز تکلم کے باعث جلد دوسروں کو اپنا گرویدہ بنالیتے تھے اور یہ بہر حال ایک

حقیقت ہے کہ قیادت علمی ہو کہ تنظیمی ہو ملی ہو کہ عوامی ہو، مقبولیت کے عناصر ترکیبی میں ان اوصاف وخصوصیات کی اہمیت ہر ایک باشعور طبقے کے نزدیک مسلم سمجھی جاتی رہی ہے۔

سنجیدہ قائد

(حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم واُستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد)

یہ دنیائے فانی روز وشب، دن ورات اور صبح وشام انسانی آمد ورفت، وجود وفنا اور پیدائش ووفات کا تماشہ دیکھتی رہتی ہے، کہیں کسی کی آمد پر خوشی ومسرت کا اظہار کیا جاتا ہے، تو دوسری طرف کسی کی جدائی پر اظہارِ غم میں اَفرادِ خانہ مصروف ہوجاتے ہیں، مشکل اُس وقت پیش آتی ہے جب جانے والے کا غم صرف کسی ایک کنبے، خاندان اور مخصوص افراد تک ہی محدود نہ ہو؛ بلکہ اس کا احساس عالم کو دکھ پہنچا رہا ہو اور دنیا بھر میں لوگ اُس کی جدائی اور فراق پر قلبی رنج والم کا اظہار کررہے ہوں، گویا ہر ایک تعزیت کا مستحق ہے، اور اُمت مسلمہ کا ہر فرد تسلی کے کلمات کا حق دار ہے۔ اُنہیں نفوسِ قدسیہ میں سے امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند بھی تھے، جو مؤرخہ ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ عین نماز جمعہ کے وقت دوپہر ایک بج کر ۱۵؍منٹ پر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی وفات سے جہاں ایک طرف مادرعلمی دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث سونی پڑگئی اور انتظامی اُمور کو شدید دھچکا لگا ہے، وہیں دوسری طرف جمعیۃ علماء ہند کی مسند صدارت کی رونق بھی ماند پڑگئی ہے، آپ ایک قابل ومشفق اُستاذ ہی نہیں تھے؛ بلکہ قومی وملی مسائل میں مسلمانانِ ہند کے سنجیدہ قائد بھی تھے۔ خدائے بزرگ وبرتر نے آپ کو گوناگوں صلاحیتوں سے مالا مال کیا تھا، امانت ودیانت، سچائی وپاک بازی آپ کی خصوصیت

تھی۔ آپ کا وجود اور پروقار شخصیت یقیناً باعث خیر و برکت تھی، آپ ایک روشن ستارہ کے مانند تھے، جس سے پھوٹنے والی کرنوں سے لوگ اپنی استطاعت کے مطابق کسب فیض کیا کرتے تھے۔

ہم خدامِ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے حضرات صاحبزادگان ''حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب و مولانا مفتی سید محمد عفان صاحب وتمام اہل خانہ'' کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں، اور اِس بات کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ ہم سب اِس غم میں آپ حضرات کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت قاری صاحبؒ کی مغفرت فرمائے، اُن کے درجات کو بلند فرمائے، سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے، اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

استقامت وعزیمت سے لبریز زندگی

(حضرت مولانا محمد عبداللہ مغیثی صاحب اجراڑہ صدر آل اِنڈیا ملی کونسل)

امیر الہند، جمعیۃ علماء ہند کے صدر اور دار العلوم دیوبند کے معاون مہتمم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کی رحلت کی خبر موصول ہوئی، یہ خبر صاعقہ بن کر دل کے نشیمن پر گری اور پورے وجود کو اُداسی کی تاریکی میں غرق کر گئی۔

ابھی چند ہی روز کی بات ہے کہ اُمت نے عربی اَدب کے ممتاز اَدیب مولانا نور عالم صاحب خلیل امینیؒ کی رحلت کا صدمہ برداشت کیا، مشہور محدث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمہ اللہ کی جدائی کا غم سہا اور اَب اُسی قافلہ حق وصداقت میں حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ بھی یوں شامل ہو جائیں گے، دل کے کسی گوشے میں اِس کا خیال تک نہیں تھا۔

مولانا مرحوم اَز ہر ہند دار العلوم دیوبند کے معاون مہتمم ہونے کے ساتھ ساتھ جمعیۃ علماء

ہند کے صدر بھی تھے، آپ دارالعلوم دیو بند کے فیض رساں معلم بھی تھے اور فن حدیث کے ماہر بھی، درسیات پر عبور رکھنے والے جید عالم بھی اور نصابی علوم کے شارح بھی۔ طبیعت کا حسن، ذوق کی خوبصورتی اور مزاج کی پاکیزگی مولانا مرحوم کے پاس خداداد تھی، اُنہوں نے ان صلاحیتوں کا اَسلاف واَکابر کی طرح استعمال کیا۔

آپ کی زندگی تقویٰ وطہارت اور استقامت وعزیمت سے لبریز تھی اور تمام زندگی عبادتِ خدا اور خدمت دین متین میں صرف کی۔ جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے آپ نے ہمیشہ اپنی دینی فراست اور عقل ودانش مندی سے ملک وملت کی رہنمائی اور رہبری کی۔ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلے میں حضرت مولانا مرحوم کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

میں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی، حضرت مولانا سید ارشد مدنی، مولانا سید محمود مدنی دامت برکاتہم، آپ کے دونوں صاحبزادگان مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی محمد عفان منصور پوری سلمہما اور تمام پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں اور اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کی علمی، دینی اور ملی خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور بال بال مغفرت فرمائے۔

متنوع اَوصاف کے مالک

(حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

ماضی قریب میں ملت اسلامیہ ہند کو جن اہم شخصیتوں سے محروم ہونا پڑا، ان میں سے ایک حضرت مولانا قاری سید عثمان صاحب منصور پوریؒ کی ذات ہے، وہ علم وعمل، دینی بصیرت، سیاسی فراست، زمانہ آگہی اور وقت کی نباضی کی صلاحیت جیسے متنوع اوصاف کے مالک تھے، وہ دارالعلوم دیو بند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، انھوں نے تجوید وقرأت اور عربی زبان وادب

میں اپنے زمانہ کے ممتاز ترین اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، تعلیم سے فراغت کے بعد ہمیشہ علوم اسلامی کی تدریس میں مشغول رہے اور ۱۹۸۲ء سے تادمِ وفات خود دارالعلوم دیوبند میں حدیث کا درس دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہترین انتظامی صلاحیت سے بھی نوازا تھا، چنانچہ دار العلوم دیوبند میں نائب مہتمم اور کارگزار مہتمم کے فرائض بھی انجام دیے، نیز شروع ہی سے جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے، یہاں تک کہ ۲۰۰۸ء میں اس کے صدر منتخب ہوئے انھوں نے جہاں جو خدمات انجام دیں اس خوبی سے انجام دیں کہ اس میں سرخرو رہے اور لوگوں نے محسوس کیا کہ اس ذمہ داری کے لیے ان سے بہتر شاید کوئی اور شخصیت نہیں ہوتی۔

اس حقیر کی نگاہ میں ان کا سب سے بڑا کام، بلکہ کارنامہ ردقادیانیت کی کوششوں کو منظّم کرنا اور مجلس تحفظ ختم نبوت کی تنظیم کو پورے ملک میں پھیلانا ہے، ان شاءاللہ یہ عمل ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میں شامل ہونے اور حوض کوثر پر جام محبت پلائے جانے کا باعث بنے گا۔

بقیۃ السلف

(حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی بنگلہ والی مسجد مرکز نظام الدین دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ریحانۃ العلماء، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، استاذ الاساتذہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے داماد، دار العلوم دیوبند کے معاون مہتمم و عظیم المرتبت استاذ، پورے ملک وملت بالخصوص دار العلوم دیوبند کی گراں قدر ترین مقام، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ امت مسلمہ کو داغِ مفارقت دے گئے اور آج پھر امت مسلمہ مرحومہ ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگئی اور علم وعمل کا ایک اور باب بند ہوگیا، انا للہ وانا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اور آج پھر امت مسلمہ مرحومہ ایک عظیم شخصیت سے محروم ہو گئی اور علم وعمل کا ایک اور باب بند ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفرلہ، واکرم نزلہ، والحقہ بسلف الصالحین، آمین۔

گذشتہ کچھ عرصے سے پے در پے ملک وملت کی کئی مقتدر شخصیات کی وفات کے حوادث پیش آتے رہے، کسی ایک کی وفات کے غم کے بوجھ سے ابھر نہیں پاتے کہ دوسری کسی عظیم اور محسن امت کی جانکاہ اور المناک خبر وفات سننے میں آجاتی ہے، اللہ رب العزت امت مسلمہ کی دستگیری فرمائے، آمین

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے حضرت مرحوم کو بے شمار امتیازات وخصوصیات سے نوازا تھا، قیادت وسیادت، درس وتدریس اور متعدد تحریکات کی حیرت ناک مصروفیات مولانا مرحوم کی حیات کا ایسا حصہ تھیں جن کو عرصۂ دراز سے استقامت کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دے رہتے تھے۔

قحط الرجال کے اس دور میں ایسی ہمہ جہت اور اعلیٰ صفات وکردار کی حامل شخصیت کی رحلت ملت اسلامیہ کے لیے ایسا خسارہ ہے جس کو حدیث پاک میں ''لاتسد'' فرمایا گیا۔

اللهم اكرم نزله ووسع مدخله وأبدله دارا خيرا من داره وأهلا خير من أهله ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم لاتحرمنا أجره ولا تفتنا بعده، آمين.

حضرت قاری صاحب مرحوم نے ملت اسلامیہ کے لیے مختلف شعبوں میں جو گرانقدر خدمات انجام دیں، وہ امت مسلمہ پر عظیم احسان بھی ہے اور حضرت کے لیے سرمایہ آخرت بھی، تاہم حضرت مرحوم نے اپنی روحانی میراث میں جو دو انمول گوہر اور در کمیاب حضرت مفتی محمد سلمان اور حضرت مفتی محمد عفان صاحبان کو چھوڑا ہے وہ ہمارے اور پوری امت مسلمہ کے لیے بڑا سرمایہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت مخلصین ومحسنین کی صحبت سے ایسا عملہ تیار فرما دیتا ہے جو ان کے جانے کے بعد ان کی حقیقی میراث کا حقیقی وارث اور سچا امین ہوتا ہے۔

بندہ کی اللہ رب العزت سے دعا اور التجا ہے کہ اللہ رب العزت دونوں حضرات کی عمر میں برکت فرمائے اور یہ سلسلۂ خیر نسل درنسل جاری رہے اور اس سلسلۂ خیر کو عام امت مسلمہ کے حق میں ''مثل الغیث الکثیر'' نافع اور عام فرمائے۔

یہ چند کلماتِ شکستہ تعزیت مسنون کے طور پر پیش خدمت ہیں اور بندہ اور جملہ احباب بنگلہ والی مسجد دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت مرحوم کو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ کر ابدی راحتیں نصیب فرمائے، اعلیٰ علیین میں پیہم ترقی درجات سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، آمین

ظاہری و باطنی کمالات کے حامل

(حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی ناظم مدرسہ مسیح العلوم بنگلور)

حضرت امیر الہند قاری محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر پہنچی تھی، جس نے دل و دماغ کو نہایت متأثر کیا، آپ کا انتقال کیا ہوا؟ ایسا لگا کہ پوری ملت اسلامیہ ایک مخلص و مدبر قائد و رہبر سے محروم و یتیم ہوگئی اور بظاہر حالات ایسی شخصیت کا کوئی بدل دکھائی نہیں دیتا؛ چہ جائے کہ نعم البدل کا تصور کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو ایک جامع کمالات شخصیت بنایا تھا، جن میں بیک وقت علمی و عملی اور ظاہری و باطنی کمالات مجتمع تھے، آپ ایک جانب دارالعلوم کی مسند درس کو رونق اور ایک روحانی مصلح تھے، تو دوسری جانب ملی و ملکی مسائل کے سلسلے میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے لیس ایک شہ سوار بھی تھے، گویا: ''رھبان باللیل و فرسان بالنھار'' کا مصداق تھے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی بال بال مغفرت فرمائے اور آپ کی عظیم دینی، عملی و ملی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور ہم سب کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی

توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

آپ حضرات کے غم ودکھ میں میں اور ہمارے تمام اَساتذہ وارا کین جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور برابر کے شریک ہیں اور نیز آپ حضرات پسماندگان کے لیے بھی دعائے صحت وعافیت اورصبرجمیل کرتے ہیں۔

جامع الصفات عالم دین

(حضرت مولانا احمد نصر صاحب بنارسی خانقاہِ امدادیہ بنارس)

حضرت اقدس مولانا سید محمد عثمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی، جس نے ہمارے قلوب کو جھنجھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے اوراس امت کوان کا نعم البدل نصیب فرمائے، وہ ایک جامع صفات عالم دین تھے، میں نے اپنی پوری زندگی میں ان کے جیسا مہذب اورشریف النفس انسان نہیں دیکھا، انھوں نے تعلیمی، تدریسی، تنظیمی ہراعتبار سے بہترین خدمات انجام دیں، ان کی خدمت کا دائرہ وسیع بلکہ وسیع تر ہے کہ مؤرخ ہی اس پر جامع کلام کرسکتا ہے، بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ میرے ان سے بہت ہی مخلصانہ ومحبانہ تعلقات تھے، میں ان کی خورد نوازی، کرم فرمائی کو ہرگز فراموش نہیں کرسکتا۔

وہ انتہائی خوش مزاج، خوش اخلاق، مہمان نواز، دلوں پرحکمرانی کرنے والے، حق آگاہ، عارف باللہ محبوب عنداللہ مرد عارف تھے، تواضع وعبدیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، میں ان شاء اللہ جلد ہی ان پر ایک مضمون لکھوں گا، بے شمار واقعات اس وقت یاد آرہے ہیں، مگر میں صرف نظر کرتے ہوئے ایک مختصر واقعہ نقل کرتا ہوں، جس دن وہ امیر الہند منتخب ہوئے، مجھے اس دن مغرب کے بعد خبر ملی، میں نے بعد نماز عشا ان کو فون کیا، میں نے ان کو مبارکباد دی اور یہ کہا

کہ میں امیر الہند کے لیے سمع واطاعت کا اقرار کرتا ہوں اور آپ کو دل کی گہرائی سے امیر الہند تسلیم کرتا ہوں، اس پر وہ بے اختیار رونے لگے اور فرمایا کہ میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں، آپ دعا فرمادیں کہ اللہ پاک مجھے اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمادے، یہ کہہ کر وہ رونے لگے اور میں بھی رونے لگا، یہ ان کی تواضع، عاجزی اور خاکساری تھی اور یہی ان کے اہل اور صادق ہونے کی واضح علامت تھی، ۱۹۱۵ء جب میرا اور میرے بچے کے ساتھ حادثہ پیش آیا، ہم ''اندور'' میں تھے اور دو الگ الگ اسپتالوں میں ہم لوگ داخل تھے، اسپتال ہی میں ان کا فون آیا، بڑے ہی رنج وغم کا اظہار فرمایا اور ہم دونوں باپ بیٹے کو صحت اور شفائے کلی کی دعائیں دیں اور بار بار ہمارے میزبانوں سے خیریت معلوم کرتے رہے۔

الغرض میں کہاں تک ان کی خوبیاں گنواؤں، کس سے اظہارِ تعزیت کروں اور کس کو تسلی دوں، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ابھی دو چار دن پہلے یہ خبر موصول ہوئی کہ آپ کو جمعیت کا قومی صدر منتخب کیا گیا ہے، ہم آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں اور اپنی سعادت یقین کرکے آپ کے شفا اور صحت کاملہ کی اور اپنے دادا اور والد رحمہما اللہ کی اس وراثت کو سنبھالے اور اس منصب کے شایانِ شان عزم وہمت عطا فرمائے۔ قوم کو آپ سے بڑی امیدیں ہیں، ہم سب آپ کے پہلے ہی سے عقیدت مند ہیں اور آپ کی ہمت وجرأت کو سلام پیش کرتے ہیں:

وما کان هلکه هلک واحد ❖ ولکنه بنیان قوم تهدما

بے رونق، جمود، تعطل، سلوک، مرگ
ایسا ہے کائنات کا نقشہ تیرے بغیر

اَکابر کی روایات کے اَمین

(حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب ناظم اِسلامک دعوہ اکیڈمی لیسٹر، یوکے)

مؤرخہ ۸/ شوال ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ آپ کے والد ماجد دار العلوم دیوبند کے قدیم مایہ ناز

استاذ اور معاون مہتمم، جمعیۃ علماء کے صدر، امیر الہند حضرت سید قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ کی رحلت کی خبر موصول ہوئی، اس خبر سے بہت قلق وصدمہ ہوا، انا للہ و انا الیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہ ما أعطی و کل شئ عندہ بأجل مسمی۔

اللہ رب العزت حضرت رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، ان کی دینی، علمی وملی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائیں، دارالعلوم دیوبند کو بالخصوص اور امت کو بالعموم نعم البدل عطا فرمائیں اور آپ سب اہل خانہ کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائیں۔ (آمین)

خبر سنتے ہی ایصالِ ثواب اور دعا کی توفیق ملی اور مسجد میں اعلان کے ذریعہ اہل شہر سے بھی ایصال ثواب اور دعا کی درخواست کی گئی۔

قحط الرجال کے اس تاریک دور میں ایسے مخلص، جفاکش، تجربہ کار، علم وعمل کے جامع، اکابر کی روایات کے حامل حضرات کا رخصت ہونا بڑی فکر، دکھ اور تشویش کی بات ہے، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو ہمارے ان اکابر کے نقش قدم پر چلنے والے علماء اور دعاۃ مہیا کرتا رہے جو حفاظتِ دین اور اشاعت دین کے فریضے کو پورے اخلاص، تندہی، یکسوئی اور للّٰہیت کے ساتھ انجام دیتے رہیں۔ (آمین)

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی نیک بختی ہے کہ آپ نے لمبی عمر پائی اور ''من طال عمرہ وحسن عملہ'' کا صحیح مصداق بن کر اپنے پیچھے دو ایسی با کمال اولاد کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے جو ''ولد صالح یدعولہ'' کے واقعی مصداق ہیں، بالخصوص آپ جیسا صاحبِ فضل، علمی رسوخ رکھنے والا عالم دین جو علم ظاہر کا جامع اور علم وعمل کا مجمع البحرین ہے، یہ ان کے لیے آخرت میں ان شاء اللہ طمانینت وفرحت کا سبب بنے گا، اللہ تعالیٰ آپ کے سایے کو تا دیر صحت وعافیت کے ساتھ سلامت رکھیں اور مدت مدید تک امت کو آپ سے فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

متبحر عالم دین

(حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب سالوجی مہتمم مدرسہ تعلیم الدین ڈربن، جنوبی افریقہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إن لله ما أخذ و له ما أعطى و كل شيء عنده بأجل مسمى.

موت سے کس کو رستگاری ہے

آج وہ، کل ہماری باری ہے

مؤرخہ ۸رشوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ رمئی ۲۰۲۱ء کو امیر الہند، صدر جمعیۃ علماء ہند، قائم مقام مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری کے انتقال پر ملال کی غمناک خبر موصول ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری علیہ الرحمہ متبحر عالم دین، تقویٰ وللّٰہیت کا عملی نمونہ اسلاف واکابر کی یادگار، دین متین کے مخلص وبے لوث خادم، عظیم محدث اور قوم وملت کا قیمتی سرمایہ تھے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت ممدوح کی وفات دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند، اہل علم، اور قوم وملت کے لیے اتنا بڑا خسارہ ہے کہ اس کی تلافی اس دور قحط الرجال میں ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہے۔

غم واندوہ اور حزن وملال کی اس گھڑی میں ہم آپ دونوں بھائیوں اور جملہ پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت قاری صاحبؒ کی زریں خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے، ان کی بال بال مغفرت فرمائے، انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور آپ کی والدہ محترمہ، جملہ متعلقین ومتوسلین اور تمام اہل خانہ کو صبر جمیل کی دولت سے سرفراز فرمائے اور مادرِ علمی دارالعلوم اور جمعیۃ علماء ہند کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔

ورع وتقویٰ میں ممتاز

(حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب تاراپوری مہتمم مجلس اشاعت القرآن لیسٹر انگلینڈ)

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

مجھے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ کوئی لمبی رفاقت حاصل نہیں رہی؛ لیکن جس قدر معیت حاصل رہی، اس میں بندہ کو حضرت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ کے تقوی اور ورع کے متعلق ثقہ راویوں سے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ میں نے سفر میں بعض چیزوں کا مشاہدہ کیا بخصوصا طہارت کے متعلق آپ کی حساسیت۔

حضرت تھانویؒ نے اپنے مواعظ میں عام لوگوں کو اور خصوصا ائمہ کو بہت متوجہ فرمایا ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں اپنے والد مرحوم کو محتاط پایا تھا اور حضرت قاری صاحب کو بہت زیادہ محتاط پایا۔ اس سلسلہ میں بہت ہی کوتاہی ہورہی ہے، بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ پیشاب سے فارغ ہوکر پانی سے استنجاء کر کے فورا کھڑے ہوجاتے ہیں، حالاں کہ قطروں کے گرنے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔ ایک واقعہ کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں: حضرت ایک جلسہ میں جو ''کفلیتہ گجرات'' میں ہوا تھا، تشریف لائے تھے، مجھے بھی منتظمین کی طرف سے کچھ بولنے کا پابند کیا گیا تھا، اس جلسہ کا موضوع 'تجوید' تھا، میں نے اس سلسلے میں کچھ باتیں عرض کیں، پھر حضرت قاری صاحبؒ نے خطاب فرمایا، اثناء خطاب میں میرا نام لے کر کسی بات کا حوالہ دیا، میں چونکا اور اس بات پر متعجب ہوا کہ حضرت یہ بات میرا حوالہ دئے بغیر بھی ذکر فرما سکتے تھے۔ یہ کسی شخص کی بڑائی کی بات ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کی کسی خوبی، جو ان کی نظر میں تھی، اس کا برملا اظہار کرے۔ آج جب کہ اس سلسلہ میں بخل سے کام لیا جاتا ہے، ہمارے لئے حضرت کا یہ عمل مشعل راہ ہے۔ علماء میں یہ بات مشہور ہے، ہندوستان کی تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی اولاد کے

حوالہ سے بہت زیادہ خوش قسمت ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ کو بھی حق تعالیٰ نے نہایت قابل ،فاضل فرزندوں سے نوازا ہے، جو ان کے لئے ان شاء اللہ صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے۔

حق تعالیٰ نے حضرت مرحوم کے ساتھ رضا اور رضوان کا معاملہ فرما کر ملحق بالصالحین فرماوے اور ان کے پس ماندگان اور متعلقین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اہل حق کے طاقتور ترجمان

(حضرت مولانا عبدالعلی صاحب فاروقی ایڈیٹر ماہ نامہ ''البدر'' کاکوری لکھنؤ)

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند منصور پور ضلع مظفر نگر کے خاندانِ سادات کے ایک فرد فرید اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے داماد ہونے کے ساتھ ہی اپنی ذاتی خوبیوں و کمالات کی وجہ سے دارالعلوم کے ان اساتذہ میں سے تھے جن کا ثانی وبدل دور دور تک نظر نہیں آرہا ہے، وہ بہ یک وقت ایک باکمال استاذ، ایک بہترین مربی، بہترین منتظم، دارالعلوم اور اس کے مسلک و منہج کے مؤثر و طاقت ور ترجمان، اپنے بڑوں کے اعتماد یافتہ اور اپنے چھوٹوں کے لیے لائق تقلید نمونہ تھے، دارالعلوم کی طرف سے انھیں جو بھی تدریسی یا غیر تدریسی ذمہ داری دی گئی اسے انھوں نے پوری سنجیدگی و دیانت کے ساتھ انجام دیا، وقت کی قدر اور اس کی پابندی کے ساتھ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلے میں وہ مثالی شخصیت کے حامل تھے، قادیانی فتنہ کے تعاقب و بیخ کنی کے لیے دارالعلوم میں ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا قیام عمل میں آیا تو اس کی سربراہی کے لیے مجلس شوریٰ کے بصیرت مند ارکان کی نگاہیں (دیگر کئی سینئر و لائق اساتذہ و ذمہ داران کی موجودگی میں) قاری صاحب ہی پر مرکوز ہوئیں اور تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ انھیں اس مجلس کا سربراہ اعلیٰ بھی بنا دیا گیا اور انھوں نے اپنی اس عظیم ذمہ داری کا حق اس

طرح ادا کیا کہ اس کے لیے ملک کے متعدد اور ''فتنۂ قادیانیت'' سے متأثرہ علاقوں کے دورہ بھی کیے، کانفرنسوں اور کیمپوں کے ذریعہ علماء و مسلم عوام کو بیدار بھی کیا، اس موضوع پر اپنے اکابر و اسلاف کی بیش قیمت کتابوں کی بڑے اہتمام کے ساتھ جدید اشاعت بھی کی، قادیانیت کی ریشہ دوانیوں سے ہوشیار رہنے اور اس ''ارتدادی فتنۂ'' سے ملت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے لٹریچر کی بھی بڑے پیانے پر اشاعت کی اور خود دارالعلوم میں بہت بڑے پیانے پر ''ختم نبوت کانفرنس'' کا انعقاد کرا کے ملک و بیرون ملک کے علماء و اکابر کی تقریروں، تحریروں اور ان کے تربیتی کیمپوں کے ذریعہ ملک بھر میں بیداری کی ایک ایسی لہر پیدا کر دی کہ بہت سے قادیانیوں اور قادیانیت سے متأثرہ لوگوں کو تائب ہو کر دامن اسلام و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہونے کی توفیق ملی اور بچے کچھے ختم نبوت کے منکر ''قادیانی امت'' سے وابستہ افراد کو راہِ فرار اختیار کر کے اپنی سرگرمیوں کو خفیہ و محدود کرنے پر مجبور کر دیا، ''فتنۂ قادیانیت'' اگرچہ محدود ہوا لیکن چونکہ ابھی ملک سے پوری طرح ختم نہیں ہوا ہے، اس لیے قاری صاحب کی قیادت میں اس فتنہ کے تعاقب و بیخ کنی کا سفر جاری رہا تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے قاری صاحب کا بلاوا آ گیا، حق تعالیٰ انھیں ان کی مساعی جمیلہ کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

قاری عثمان صاحب مرحوم کی خصوصی تربیتی صلاحیت سے متعلق مجھے ایک کئی دہائی پہلے کا واقعہ یاد آ گیا، یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب قاری صاحب جامع مسجد امروہہ کے مدرسہ کے استاذ تھے، امروہہ کے ایک دینی جلسہ میں شرکت کے لیے میرا جانا ہوا تو جامع مسجد میں بھی اپنے بڑوں سے ملاقات کے لیے حاضری دی، محترم قاری فضل الرحمٰن صاحب اس وقت مدرسہ کے ذمہ دار تھے، جن سے میرے والد ماجدؒ کے بہت بے تکلفانہ و مخلصانہ مراسم تھے، ان سے قاری محمد عثمان صاحب سے اور اپنے دوسرے کئی بڑوں سے ملاقات کے بعد وہیں سے ہمیں رات کے کھانے کے لیے جانا تھا، جہاں قاری صاحب بھی مدعو تھے، مسجد سے پہلے قاری صاحب اور ان کے بعد میں نکلا، قاری صاحب کسی فوجی کمانڈر کی طرح سب سے آگے اور ان کے پیچھے ان

کے اوران کے سالے سالیوں کے ۸/۱۰ بچے ایک ہی لباس اور ایک ہی وضع قطع میں چل رہے تھے اوران سب کے پیچھے میں تھا، گوری گوری رنگت اور بھولے نورانی چہروں پر سفید و بے داغ اجلا اجلا لباس دیکھ کر میرے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے آسمان سے فرشتے اتر آئے ہیں، آج کے بڑے اوراس وقت کے خاندان کے یہ تمام کم سن بچے قاری صاحب کے پاس پڑھنے اورتربیت پانے کے لیے اسی وجہ سے بھیجے گئے تھے کہ ان کی اس خصوصی صلاحیت پر پورے خاندان کو اعتماد تھا اوراس کا سب سے بڑا ثبوت اور روشن دلیل خود قاری صاحب مرحوم کے دونوں فرزندان گرامی مولانا مفتی محمد سلمان صاحب اور مولانا مفتی محمد عفان صاحب ہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں بھائیوں کو اپنی تمام ترعلمی وعملی سرگرمیوں کے ساتھ سلامت رکھے اور وہ اپنے بے مثال مربی والد ماجدؒ کے سچے جانشیں بن کر اپنے مثالی خانوادہ کی پایابیوں میں اضافہ کرتے رہیں اور ملت کو ان کی سرگرمیوں سے مستفیض ہونے کے مواقع ملتے رہیں۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے

(مولانا محمد یامین قاسمی مبلغ دارالعلوم دیوبند)

یقیناً حضرت اقدس مولانا قاری سید عثمان منصور پوری دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث و معاون مہتمم، جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر امیر الہند، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم کی وفات ایک بے نظیر عہد کا خاتمہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک ولی صفت انسان تھے ان کا علمی مقام نہایت بلند تھا دینی فراست، ایمانی بصیرت اور انتظامی فہم و تدبر کا اللہ تعالی نے انھیں وافر حصہ عطا فرمایا تھا انہوں نے دین متین کی حمایت ونقابت، مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت اوراسلام کے بنیادی عقائد کی حفاظت وصیانت کے لئے اپنی پوری زندگی کا قیمتی سرمایہ صرف کردیا حضرت علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات عوام وخواص کا مرجع تھی آپ علماء وعام مسلمانوں میں

یکساں مقبول ومحبوب تھے، بلند اخلاقی، اعلیٰ ظرفی، سادہ لوحی، خوش مزاجی، ملن ساری، معاملہ فہمی، دل جوئی وخوردنوازی، تواضع وانکساری، ضیافت ومیز بانی ہر ایک ملنے والے سے فراخ دلی وخندہ پیشانی کے ساتھ ملنا ان کی زندگی کے وہ نمایاں خدوخال اور جلی عناوین ہیں جنہیں کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اس دورِ قحط الرجال میں ایسی ہمہ گیر وجامع شخصیت کا یوں اچانک چلے جانا ایک بہت بڑی آزمائش اور دین وملت کا ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔

کیا لوگ تھے جوراہ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے کہ نقش قدم چومتے چلیں

آپ حضرات کے سر سے ایک شفیق باپ دردمند مربی کا سایہ اٹھ گیا یقیناً ماں باپ کی شفقت ومحبت کا کوئی نعم البدل ملنا محال ہے باپ اولاد کے لئے شجر سایہ دار ہوتا ہے اور اس کے جدا ہو جانے سے اس سایہ سے محرومی ہو جاتی ہے؛ لیکن اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا تو ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت کے سامنے ہر کوئی بے بس ہے اور اہل ایمان تو ہر حال میں راضی رہتے ہیں۔

اللہ رب العزت حضرتؒ کو اپنے جوار خاص میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور جملہ پسماندگان متعلقین ولواحقین، محبین ومسترشدین کو صبر جمیل سے نوازے۔

حضرت علیہ الرحمہ ہماری حقیر دعوت پر متعدد مرتبہ مدرسہ کے سالانہ جلسوں اور تکمیل حفظ قرآن کی مجلسوں کو اپنی تشریف آوری سے منور اور اپنی قیمتی نصیحتوں سے فیض یاب فرما چکے ہیں یہاں قرآن خوانی کے بعد حضرت کے لئے ایصال ثواب کیا گیا اور آپ کے درجات کی بلندی کے لئے دعائیں کی گئیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اَوصافِ حمیدہ کے حامل

(مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری مفتی مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بے شمار اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ کے ساتھ

متصف تھے جو عام طور پر فرد واحد میں مشکل ہی سے جمع ہوتے ہیں، حسن و جمال، فضل وکمال، شرافت ونجابت، دیانت وامانت، طہارت ونظافت آپ کے خاص اوصاف میں شامل تھے۔ طالبانِ علوم نبوت اور ضرورت مندوں کے ساتھ ہمدردی، غم گساری، فریادرسی اور ہر ایک کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آنا آپ کا امتیازی وصف تھا۔ زہد وورع اور تقوی و پرہیزگاری کے ساتھ حسنِ تربیت اور نظم ونسق کی اعلیٰ صلاحیت مبدأ فیاض کی طرف سے آپ کو خاص طور سے عطا کی گئی تھی، امت مسلمہ کی فکر اور درد وغم کا ہمیشہ استحضار رہتا تھا، اصول پسندی اور قواعد وضوابط کی پابندی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی اور اپنے متعلقین وتلامذہ کو بھی اس کا عادی بنانے کی کوشش کرتے تھے، مہمان نوازی آپ کی فطرت میں داخل تھی، آپ باہر سے آنے والے ہر وارد وصادر کو کھانا کھلانے یا ناشتہ کرانے کی کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ آپ کو یہ فکر رہتی تھی کہ باہر سے آنے والا کوئی بھی مہمان ضیافت سے محروم نہ رہے۔ باہر ملنے والے شخص سے اس کی حیثیت اور مرتبہ کے اعتبار سے معاملہ کرتے تھے، شب خیزی اور رات کے آخری حصہ میں نوافل وعبادات اور تلاوت قرآن میں مشغول رہنا، آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ تلاوت قرآن کریم کا بیحد اہتمام رکھتے تھے، سفر و حضر میں برابر تلاوت کا معمول تھا، تراویح اور تہجد میں قرآن کریم سنانے کا بھی ہمیشہ معمول رہا۔

سال گذشتہ بھی ایک طالب علم کو ساتھ لے کر تراویح میں قرآن کریم سنایا، اس سال بھی ماہ رمضان میں قرآن کریم سنانے کا سلسلہ جاری تھا، ۱۹/ پارے ہو چکے تھے کہ بیماری لاحق ہو گئی اور اسی مرض میں راہیِ دارِ آخرت ہو گئے۔

(امیر الہند رابع نمبر ص:۵۰۸)

جامع الکمالات شخصیت

(مولانا اسماعیل صادق/ مولانا میر زاہد مکھیالوی بلاس پور مظفر نگر)

حضرت قاری صاحبؒ کی شخصیت جامع الکمالات تھی وہ بیک وقت عالی نسبتوں کے

ساتھ بلند پایہ عالم ومحدث، باکمال استاذ، کامیاب مربی، صاحبِ نظر بااصول منتظم تھے، طبیعت میں سادگی، عالمانہ وقار ومتانت، شرافت ونجابت اور تقویٰ وطہارت کے ساتھ حسن تربیت اور نظم ونسق کی اعلیٰ صلاحیت منجاب اللہ عطا ہوئی تھی، طالبانِ علوم دینیہ کے ساتھ ہمدردی وغمگساری اور فریادرسی آپ کا خصوصی امتیاز رہا۔ آپ دارُالعلوم دیوبند کے انتہائی مؤقر استاذ حدیث تھے، تقریباً ۴۰ رسال سے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی فرائض نیز مختلف انتظامی ذمے داریاں پوری دیانت وامانت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

حضرتِ والاؒ کا درس حشو وزوائد سے پاک انتہائی متین، سنجیدہ اور عالمانہ ہوتا، زبان صاف ستھری اور ترجمہ نہایت سلیس اور شستہ فرماتے، حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری قدس سرہٗ کے دورِ اہتمام میں تقریباً بارہ سال نائب مہتمم رہے، نیابت اہتمام کے فرائض وذمے داریاں جس خوش اُسلوبی کے ساتھ آپ نے انجام دیں دارُالعلوم کے مختلف انتظامی وتعلیمی شعبوں میں اس کا اثر نمایاں نظر آتا۔

صفر ۱۴۴۲ھ میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے آپ کو معاون مہتمم منتخب کیا، آپ تحفظ ختم نبوت تحریک کے لیے عالمی سطح پر معروف اور اس شعبے کے سرگرم سرخیل وناظر تھے، قادیانیت کے خلاف ہمیشہ شمشیر برہنہ رہتے، کہیں سے بلاوا آجائے بروقت پابہ رکاب رہتے۔ مسلم معاشرے میں پھیلی فکری وعقائدی گمراہی وخرابی کی اصلاح کے لیے جو دردِ دل اور بخع نفس آپ کو عطا ہوا وہ آپ ہی کا حصہ تھا، یہی وجہ تھی کہ کسی بھی خطے اور علاقے میں کوئی فتنہ سر اُبھارتا آپ فوراً اس کی سرکوبی کے لیے سرگرم ہو جاتے، عمر کے نہائی دور میں طبیعت کے ضعف ونقاہت کے باوجود جواں مردی کی طرح اس کی اصلاح کے لیے کوششیں فرماتے۔ چناں چہ ابھی چند ماہ قبل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت وتقدس کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہوا، اس سلسلے میں عوام الناس کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش ایک معروف عالم کی طرف سے کی گئی مظفرنگر کے ایک قصبے میں ایک پروگرام بھی اس نوعیت کا طے ہو گیا، حضرت قاری صاحبؒ کو خبر ہوئی، تو مثبت انداز سے اس کے

دفاع کے لیے مخلصانہ مساعی نہ صرف شروع فرمادیں بلکہ اس کو روز وشب کا اوڑھنا بچھونا بنالیا، اس موضوع پر مواد جمع کرایا۔ ''اسلامی عقائد'' ''حضراتِ صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل سنت والجماعت کا موقف'' رسائل و پمفلٹ تیار کرائے، نیز اس سلسلے میں دارُالعلوم دیوبند، مظاہرعلوم سہارنپور کا فتویٰ ہندی زبان میں ترجمہ کرا کر نشرواشاعت کا فیضانی بیڑا اُٹھایا، مختلف بستیوں اور شہروں کے اسفار فرمائے، مساجد کے ائمہ اور مدارس کے ذمے داران کو متوجہ فرمایا اور مختلف زبانوں میں ان رسائل کی اشاعت کا سلسلہ شروع کرایا، زبانی وتحریری طور پر حضرت والاؒ کی اس تحریک کے نتیجے میں وہ پروگرام بھی ناکام ہوگیا، اور حضراتِ صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف سے عامۃ المسلمین آشنا وباخبر ہوگئے۔

اس سلسلے میں حضرتؒ بلاس پور بھی متعدد مرتبہ تشریف لائے بحمد اللہ حضرتؒ کی توجہ سے علاقے میں اور دور دراز تک یہ پیغام ہم خدام نے پہنچایا اور حضرت والا کو زبانی فون سے اطلاع دیتے رہے، فرمایا اس کارگذاری کو تحریری طور پر مرتب کر کے لاؤ؛ تاکہ وہ ریکارڈ میں جمع رہے، چناں چہ ہم خدام تحریر لے کر حاضر ہوے، تو حضرتِ والا نے پوری روداد ملاحظہ فرما کر حوصلہ افزائی کی، اور صالح دعاؤں سے نوازا۔

جامعہ فلاحِ دارین الاسلامیہ بلاس پور اور اس کے منتظمین کے ساتھ حضرتِ والاؒ کو شفقت کا بڑا تعلق اور اعتماد تھا، یہی وجہ تھی کہ میرٹھ، دہلی کے سفر میں بائپاس سے گذرتے ہوے بسا اوقات بلا کسی نظام از خود تشریف آوری سے ہم خدام کو مسرور ومحظوظ فرماتے، چار سال قبل اپنے نواسے محمد ارقم سلمہ کو تعلیم وتربیت کے لیے جامعہ بلاس پور داخل کرایا، آں عزیز کا داخلہ بھی ہم لوگوں کے لیے عزت افزائی کا باعث ہوا، بار بار آپ کی آمد وتشریف آوری کی نعمت غیر مترقبہ ہمیں حاصل ہوتی رہی۔ **تغمده الله بغفرانه.**

بہرحال! حضرت والا قدس سرہٗ کے یہاں خورد نوازی کا سلسلہ بہت زیادہ تھا، معمولی معمولی چیزوں پر حوصلہ افزائی اور عنایت کا معاملہ فرماتے، جب بھی خدمت میں حاضری ہوتی

اپنے مبارک ہاتھوں سے ضیافت فرماتے،کبھی بلا ضیافت نہ آنے دیتے،آپ تواضع ،شرافت وسادگی،منکسرالمزاجی اور اخلاق عالیہ میں اکابر کی یادگار اور نمونہ تھے۔خالص علمی مزاج کے حامل ،مصلحانہ ذوق،مربیانہ طبیعت کے واقع ہوئے تھے،ان کا حادثہ وفات ناقابل تلافی نقصان ہے، یہ حسن اتفاق ان کے عنداللہ مقبول ہونے کی علامت ہے کہ زندگی کے نہائی دورتک حضرتؒ کے علمی وفیوض برکات سے ملتِ اسلامیہ مستفید ہوتی رہی، چند ہفتے علالت میں گذرے اور جمعہ کے روز راضیۃ مرضیۃً وہ اپنے رب حقیقی کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین۔

(الجمعیۃ امیر الہند رابع نمبر ۱۴۳-۱۴۴)

شرافت ونجابت کے اَمین

(حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی بانی ومہتمم دارالعلوم زکریا ٹرانسپورٹ نگر مرادآباد)

یہ خبر سن کر بے پناہ قلق اور افسوس ہوا کہ آں حضرات کے والد بزرگوار، قابلِ قدر مربی و استاذ، ملت اسلامیہ ہند کے گراں مایہ، دار العلوم دیوبند کی شان، خانوادۂ مدنی کی شرافتوں ونجابتوں کے امین، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے علوم ومعارف کے عکسِ جمیل، ملک کی باوقار تنظیم ''جمعیۃ علماء ہند'' کے باوقار صدر نشیں امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ اپنی عمرِ عزیز کے تقریباً ساٹھ سال علمی، تدریسی، انتظامی، تبلیغی، سماجی اور اصلاحی خدمات انجام دینے، دار العلوم دیوبند و جمعیۃ علماء ہند کو اپنے تجربوں اور مفید مشوروں سے پروان چڑھانے اور ہمہ جہت ترقی دینے میں صَرف کرکے بعد والوں کے لیے طویل عرصہ تک نہ بھلائی جانے والی عظیم خدمات کی شکل میں انمٹ نقوش چھوڑ کر زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی طرف کوچ کر گئے:

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون، إن للّٰہ ما أخذ وله ما أعطی، وکل شيء عنده بأجل مسمی؛ فلتصبر ولتحتسب.

درحقیقت حضرت مرحوم مختلف بیماریوں کی تکلیفوں اور عارضی دنیا کے جھمیلوں سے نکل کر دائمی راحت وآرام کی حیات کی طرف منتقل ہوگئے اور اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "**الموت جسر، یوصل الحبیب إلی الحبیب......**"۔

بلاشبہ حضرت والا مرحوم کی پوری زندگی سادگی وقناعت، جہدِ مسلسل، سعیِ پیہم، یقیں محکم اور محبت فاتح عالم کا عملی نمونہ تھی، حق گوئی، امانت ودیانت داری، قوتِ ارادی، اصول کی پابندی اور دیگر اوصافِ حمیدہ وخصالِ جمیلہ سے عبارت تھی۔

درخشاں نقوش

(حضرت مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مرحوم کو متنوع کمالات اور عظمتوں سے مالامال فرمایا تھا، اور تعلیمی، تدریسی، تربیتی، اصلاحی، فکری، انتظامی، دینی وملی ہر جہت سے انھوں نے اپنی خدماتِ جلیلہ اور قابلِ فخر کارناموں کے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ انتہائی درخشاں اور انمٹ ہیں اور ان شاء اللہ ان کے لیے عظیم صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے۔

ان کی رحلت سے ملت کا بالعموم اور کاروانِ علم وفضل کا بالخصوص جو عظیم خسارہ ہوا ہے شاید اس کی تلافی بآسانی نہ ہوسکے، اللہ نے ان کے اوقات میں عجیب برکت عطا فرمائی تھی، اور کاموں کو سمیٹنے کا منفرد سلیقہ اور اصول پسندی اور حسن اخلاق کے جامع اور حسین ترین امتزاج کا

امتیازی جوہر خوب خوب بخشا تھا۔

اللہ نے یہ خوش نصیبی بھی ان کے حصے میں رکھی تھی کہ انھیں سعید، صالح، حقیقی معنوں میں قرۃ العین اور جہانِ علم وعمل کے لیے قابل رشک و لائق فرزندوں سے نوازا، جو ان شاء اللہ حضرت مرحوم کے لیے سب سے بیش قیمت صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے، اس پر مستزاد یہ سلسلہ اولاد سے آگے احفاد تک بحمداللہ پہنچ رہا ہے۔

خلیق اور ملنسار

(مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی امیر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند)

قاری سید محمد عثمان منصور پوری صاحب بڑے خلیق وملنسار، سادگی پسند، ملی شعور اور دینی سوجھ بوجھ رکھنے والے والے مؤقر عالم دین اور ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، انھوں نے دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے قوم وملت اور طلبۃ العلم کی بڑی خدمت اور رہنمائی کی، ملی مسائل سے متعلق متعدد میٹنگوں میں ان کی سنجیدگی و متانت اور علمی مقام و مرتبے کا مشاہدہ ہوا، ان کا انتقال بڑا قومی وملی اور علمی خسارہ ہے۔

متانت اور تواضع کے پیکر

(ڈاکٹر منظور عالم چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز دہلی)

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری ایک طرف جمعیۃ علماء ہند (میم) کے صدر رہے، تو دوسری طرف دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم الشان درس گاہ میں استاذ حدیث اور مختلف

انتظامی ذمہ داریاں نبھاتے رہے، ملت کے متعدد اداروں اور تنظیموں کو آپ کی ذات سے تقویت حاصل تھی، بیک وقت اتنی ساری ذمہ داریاں سنبھالنے کے باوجود اپنا شخصی وقار اور اعتماد باقی رکھنا بہت دشوار ہوتا ہے؛ لیکن حضرت موصوف نے اپنے اعتدال، خاموش مزاجی، متانت اور تواضع وانکساری کے ذریعہ اس دشوار گزار گھاٹی کو بڑی حد تک کام یابی کے ساتھ پار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات کا غم کسی ایک ادارے یا تنظیم کا غم نہیں سمجھا جا رہا ہے؛ بلکہ پوری ملت اس غم کو محسوس کر رہی ہے، یہ ان کی ایک ایسی خوبی تھی جسے ملت کے خواص کو بھی اختیار کرنا چاہئے اور ہماری نئی نسل کو بھی استفادہ کرنا چاہئے۔

دور اندیش مدبر

(مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی نائب امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ)

حضرت قاری صاحبؒ کے انتقال سے دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند ہی نہیں بلکہ پوری ملت ایک عظیم استاذ، بابصیرت قائد، دور اندیش مدبر اور قابل منتظم سے محروم ہوگئی ہے۔

آپ نے نہایت پاکیزگی اور دیانت اور امانت کے ساتھ ایک مثالی اور اصولی زندگی گزاری، آپ طلبہ کے ساتھ انتہائی شفقت اور محبت سے پیش آتے، اپنی نرم گفتاری، منکسر المزاجی، زہد وتقویٰ، سادگی، خوش اخلاقی، طلبہ کے ساتھ ہمدردی اور مشفقانہ رویہ اور غیر معمولی انتظامی صلاحیت کی وجہ سے امتیازی شان رکھتے تھے۔

امارت شرعیہ سے بھی ان کی قلبی وابستگی تھی، آپ ہمہ جہت شخصیت کے حامل اور بے مثال ملی قائد تھے، جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے آپ نے ملک کے مسلمانوں کی رہنمائی اور قیادت کے فرائض بہت ہی حسن وخوبی سے انجام دیے، قدرتی آفات میں ریلیف کی بات ہو، بے قصور مسلم نوجوانوں کی رہائی کا مسئلہ ہو، یا مسلمانوں کا کوئی بھی دینی، شرعی یا سماجی مسئلہ

ہو، آپ کی قیادت میں جمعیۃ علماء ہند نے حسنِ تدبیر کے ساتھ ان مسائل کے حل کی کوششیں کیں، اپنے قول وعمل اور نشست وبرخواست میں آپ سلف صالحین کی یادگار تھے۔
جمعیۃ علماء ہند اور اس کے ذمہ داروں کے لیے یہ بہت بڑا حادثہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔

ہمہ جہت شخصیت

(مولانا مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی پرتاپ گڈھ)

آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف شاندار اور تابناک پہلوؤں کا کسی مختصر تعزیتی تحریر میں احاطہ کرنا نہایت دشوار ہے لیکن دیکھنے والوں کی آنکھیں اور دل کی شہادت، یہ لکھنے پر مجبور کر رہی ہے کہ آپ مکارم اخلاق کا نمونہ، زہد وتقوی کا پیکر تھے، آپ ان عظیم ہستیوں میں سے تھے جن کے وجود مسعود سے علم وعلماء کا وقار قائم ہوتا ہے، جو شمع کی مانند خود پگھلتے ہیں مگر مخلوق خدا پر ضوفشانی کرتے ہیں، جو خود جلتے ہیں مگر دوسروں کو جلا بخشتے ہیں، جو خود بےقرار و بےچین رہ کر دوسروں کی راحت کا سامان کرتے ہیں، حضرت قاری صاحب کا حال وقال سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، آپ کی مقناطیسی شخصیت نے ایک عالم کے عالم کو اپنی طرف کھینچا اور بےشمار دلوں نے آپ کے فیضان صحبت سے جلا پائی۔

اسی کے ساتھ ساتھ آپ تواضع وانکساری کا پیکر تھے۔ آپ کی ذات میں تصنع وتکلف نام کو بھی نہ تھا اور خودنمائی سے تو کوسوں دور تھے؛ بلکہ ایک ہمدرد اور دردمند دل رکھنے والے انتہائی خلیق وملنسار تھے۔ آپ کی شخصیت وقار کا مرقع تھی، آپ کی ایک ایک ادا، آپ کی گفتار، آپ کی رفتار، آپ کی نشست وبرخاست ایک ایک چیز سے وقار جھلکتا تھا۔

افسوس کہ آج یہ سایۂ رحمت وشفقت ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ)

❒❖❒

رفتگاں

۲۰۲۱ء

خراجِ عقیدت

حضرت قاری سید محمد عثمان صاحبؒ اور کشمیر

خدمات اور عنایات

مولانا محمد رحمت اللہ قاسمی ناظم دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر

حضرات علماء اہل سنت والجماعت کا کشمیر کے ساتھ ابتداء اسلام سے ہی گہرا تعلق رہا ہے۔ کشمیر میں اسلام کی آمد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن بلبل رحمۃ اللہ علیہ اوران کے بعد حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے دیگر رفقاء حضرات سادات رحمہم اللہ جو سبھی اکابر علماء ومشائخ اہل سنت والجماعت تھے، نے یہاں اس خطۂ ارضی کو اسلام کے نور سے منور کیا، اور یہ سلسلہ قائم ہے۔ انھیں حضرات سے اس شجرہ طوبیٰ کی آبیاری ہوئی اور ہورہی ہے۔ حتی کہ اس سرزمین میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے علماء وصلحاء اہل سنت والجماعت کو پیدا فرمایا اور وہ اسلام کی اس نورانی شمع کو روشن رکھے ہوئے ہیں۔ اور نسلاً بعد نسلٍ ایک دوسرے تک کما حقہ پہنچانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ علماء اہل سنت والجماعت کی موجودہ کڑی جس کو برصغیر میں دور حاضر میں علماء دیوبند سے تعبیر کیا گیا، کا سلسلہ اس خطۂ جنت نظیر میں تسلسل کے ساتھ قائم ودائم ہے۔ یہاں کے بڑے بڑے علماء ومشائخ بنفس نفیس اس سلسلۃ الذھب سے جڑے ہوئے ہیں۔

دور حاضر میں مرکز اہل سنت والجماعت یعنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں اس وطن کے فرزندان اکابر علماء سے استفادہ کے لئے حاضری دیتے رہے اور وہاں سے بڑے بڑے اکابر، اَساتذہ ومشائخ اس علاقے میں تشریف لاتے رہے۔ اسی تسلسل کے نتیجے میں مادر علمی دارالعلوم

دیوبند سے وہاں کے استاذ حدیث اور نائب مہتمم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ سن ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں مسلم اوقاف ٹرسٹ جموں وکشمیر کی خصوصی دعوت پر تشریف آور ہوئے۔ حضرت کا یہ سفر نہایت مبارک ثابت ہوا اس کے ایسے اثرات قائم ہوئے کہ اس کے بعد تقریباً ہر سال ان کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری رہا اس لئے کہ یہاں کے مختلف طبقات ان کی خدمت میں بار بار دعوت پیش کرتے رہے، جس کو حضرت والا اپنی بے پناہ مصروفیات اور مشغولیات کے باوجود شرفِ قبولیت سے نوازتے رہے۔ اس طرح سے اس وطن عزیز نے حضرت والا سے کافی فیض حاصل کیا۔

حضرت والا جامع شخصیت اور متنوع کمالات کے حامل تھے اس لئے آپ کا فیض بھی متعدد نوعیت کا حاصل ہوا۔ جس کی مختصر سی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

(۱) علمی سلسلہ

قرآن پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبی امور میں ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ کے امور کو بیان فرمایا ہے۔ جب ہم غور وفکر کے ساتھ نظر ڈالتے ہیں تو حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو ان سبھی میدانوں میں واضح طور پر محسوس کرتے ہیں؛ چناں چہ کشمیر کے مختلف علاقوں میں خدمت قرآن وحدیث میں مشغول بہت سے علماء حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ نسبت تلمذ رکھتے ہیں اور نہایت کامیاب طریقے پر اشاعت قرآن وحدیث میں مشغول ہیں۔ اس طرح سے وہ تلاوت آیت اللہ اور تعلیم کتاب وحکمت کے میدانوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس طرح سے حضرت نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی فرزند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وراثت کو امت میں تقسیم کرنے کا اہم کام انجام دینے کا ذریعہ اور باعث بنے۔

(۲) تزکیہ

اسی طرح سے حضرت قاری صاحبؒ کو جملہ اکابر دیوبند کی طرح چاروں مبارک

سلسلوں چشتی، قادری، سہروردی اور نقشبندی میں صاحبزادۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ یعنی حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی جانب سے اجازت بیعت حاصل تھی؛ اس لئے آپ سے مختلف علاقوں کے بہت سے لوگوں کو سلسلہ باطنی روحانی میں تعلق اور نسبت حاصل ہوئی۔ اس طرح سے تزکیۂ باطن کے شعبے میں بھی آپ کی خدمات یہاں جاری ہوئیں۔

(۳) تحفظ ختم نبوت

اشاعت دین کے علاوہ حفاظت دین میں تحفظ ختم نبوت کے مبارک ومتبرک کام کو جو اہمیت ومقام حاصل ہے وہ اہل نظر پر مخفی نہیں۔ حضرت قاری صاحب اس شعبہ میں ملکی سطح پر ناظم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے تھے اور اس سلسلے میں وہ کسی بھی تقاضے کو رد نہیں فرماتے تھے اور نہ صرف یہ کہ خود اس میں کوشاں رہتے تھے بلکہ عملہ اور افراد بھی تیار کرتے تھے۔

کشمیر میں بھی پہلی مرتبہ سن ۲۰۰۴ء میں اسی عنوان سے حضرت قاری صاحب نے ریاست جموں وکشمیر کے ممتاز اور عظیم دینی تعلیمی ادارے دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ میں منعقدہ تربیتی کیمپ بسلسلہ تحفظ ختم نبوت میں پوری ریاست کے ہر علاقہ سے آئے ہوئے کئی سو علماء کی نہ صرف تربیت فرمائی بلکہ ان کو باضابطہ اس کارخیر میں بطور رکن شامل فرمایا اور اس بات کا عہد لیا کہ اس خدمت کو مسلسل انجام دیتے رہیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ صوبہ جموں علاقہ چناب اور وادی کشمیر پونچھ راجوری سمیت دس شہروں کا ایک بار طویل دورہ فرمایا اور بار بار مختلف علاقوں میں سفر فرماتے رہے اور جگہ جگہ مختلف علماء کی تربیت فرما کر اس اہم اور عظیم کام کے لئے عملہ تیار کرنے کی کاوش فرمائی۔

(۴) تحفظ ایمان اور رد ارتداد

تحفظ دین کی انہیں کوششوں کے سلسلے میں ایک ایسا مرحلہ بھی آیا جب وطن عزیز کشمیر میں نصرانیت نے ارتداد کی ناپسندیدہ کوششیں شروع کیں اور یہاں کے درد دل رکھنے والے علماء و

صلحاء نے اس سلسلے میں مسلمانوں کے ایمان اور دین کی حفاظت کے لئے کوششیں شروع کیں اور آپ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ اس کام میں مناسبت رہبری اور رہنمائی کی شدید ضرورت ہے آپ نے بغیر کسی تاخیر کے مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے ایک بڑے وفد کی قیادت کرتے ہوئے جس میں اکابر علماء شامل تھے پوری ریاست میں متعدد شہروں کا دورہ کر کے کئی مقامات پر ردعیسائیت کے سلسلے میں مختلف مجالس کا انعقاد کیا اور کارکنوں کی تربیت بھی فرمائی۔

(۵) رابطہ مدارس میں خدمات

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں اہتمام کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری آپ کے اوپر مدارس اسلامیہ کے متحدہ اور مربوط نظام بعنوان رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کی نگرانی بھی تھی اس عنوان سے آپ نے دارالعلوم دیوبند میں رہ کر کشمیر کے نظام کا خصوصی فکر فرمایا اور یہاں پر رابطہ مدارس کا نظام قائم ہونا صرف آپ کی ذاتی دلچسپی اور فکرمندی ہی کا ثمرہ ہے ورنہ اس سلسلے میں کشمیر مادر علمی سے باضابطہ منظّم طور پر مربوط نہیں تھا؛ چنانچہ کشمیر میں رابطہ کے قیام کے بعد سن ۲۰۰۹ء میں آپ نے اس موضوع پر کشمیر کا پہلا سفر فرمایا اور پوری ریاست کے تمام مربوط مدارس کے ذمہ داران کو نصاب تعلیم، نظام تربیت، اصلاح معاشرہ اور قرب قیامت میں آنے والے فتنوں کے رد میں نیز مدارس اسلامیہ اور دینی اداروں پر آنے والے مسائل کے سد باب کے لئے ذمہ داران مدارس کی بھرپور تربیت فرمائی۔ اس سلسلے میں آپ نہایت تفصیل کے ساتھ اکابر علماء دیوبند کے نہج کو سمجھاتے ان کے علوم کی تشریح کرتے اور بانی دارالعلوم دیوبند کے اصول ہشتگانہ کی روشنی میں ذمہ داران مدارس کو نہایت قیمتی نصائح سے نوازتے اور فتن کا بھرپور رد بھی کرتے اور ان کے رد کا اکابر کی طرف سے کئے گئے طرز عمل نیز اعتدال اور احتیاط کو واضح فرماتے، اس سلسلے میں آپ کو گویا درک حاصل تھا۔ اس کے علاوہ متعدد مواقع پر بعض مدارس کے انفرادی جلسوں میں علمی اور اصلاحی خطابات اسی طرح سے قرآن پاک وحدیث شریف کی درسی کتابوں کے ابتدائی یا اختتامی تقاریب میں شریک ہوکر درس بھی دیتے اور دعاؤں سے بھی نوازتے۔

(۶) محاکم شرعیہ

کشمیر کے حالات عرصہ دراز سے سیاسی طور پر متاثر ہیں۔اس کی وجہ سے یہاں گوناگوں مصائب پیدا ہوتے رہے۔ان ہی مسئلوں میں سے ایک اہم ترین مسئلہ ایسی عورتوں کا بھی تھا جن کے شوہر مشکل حالات میں غائب ہوگئے یا ان کا اتہ پتہ نہیں تھا۔ایسی عورتوں کے بارے میں یہاں کے بعض صحافتی حلقوں میں نیم بیوہ عورتوں کی اصطلاح کا استعمال معاملے کی نزاکت کو بیان کرنے کے لئے شروع کیا تھا۔ایسی صورت میں اکابر علماء دیوبند نے خصوصاً حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کاوشوں سے مختلف اکابر علماء اور اساطین ملت سے مذاکرہ کے بعد ''الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ'' کی شکل میں جو حل سامنے آیا تھا، اس پر مستقل عمل درآمد کے لئے سن ۲۰۱۴ء میں آپ دارالعلوم رحیمیہ تشریف لائے اور اپنے رفقاء کرام مرحوم مولانا معزالدین صاحب گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ ناظم امارت شرعیہ نیز مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی استاذ حدیث وصدر مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد اور فرزند گرامی قدر عالم جلیل فقیہ النبیل حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری کی معیت میں کشمیر کے مشہور زماں شدید سردی (چلہ کلاں) کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دارالعلوم رحیمیہ میں منعقدہ عظیم الشان اجلاس جس میں مفتیان کرام اور قاضیان عظام کا منتخب مجمع پوری ریاست کی نمائندگی کر رہا تھا کی تربیت فرمائی اس موقع پر آپ نے عام مفتیان کرام اور قاضیان عظام کی جانب سے صادر کئے گئے فیصلوں کی نظر ثانی اور تصحیح کے لئے ایک بورڈ بھی تشکیل دیا جو مختلف مسائل میں نظر ثانی اور اپیل سننے کا عظیم کام انجام دے سکے؛ چوں کہ آپ اس وقت امیر الہند کے عظیم منصب پر فائز تھے اس لئے اس اہم شعبے کو آپ کی توجہ سے تقویت ملی اور اس نازک اور الجھن والے مسئلے میں حل کی صورت دکھلائی۔ **فجزاہ اللّٰہ أحسن الجزاء**۔کاش ہمارے وطن کے علماء اللہ کی جانب سے دی گئی اس نعمت کی قدر کر کے اس مظلوم وطن میں مصیبت زدہ خواتین کے لئے اس طور پر سہارا بن جاتے۔ ﴿**لَعَلَّ اللّٰہُ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا**﴾

(۷) امارت شرعیہ جموں وکشمیر

امیر الہند کے عظیم منصب پر فائز ہوتے ہوے جو نہایت اہم اور ضروری کام آپ کی سرپرستی میں انجام دیا گیا وہ امارت شرعیہ جموں کشمیر کا قیام ہے۔ سن ۲۰۱۸ء میں آپ کی تشریف آوری کے موقع پر منعقدہ علماء کے ایک زبردست اور خصوصی اجلاس جس میں ریاست کے طول و عرض سے ہر علاقے کے چار سو سے زائد علماءعظام شریک تھے، میں ریاست کے لئے امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ اس طرح سے بعض شعائرِ اسلام کو انجام دینے کے لئے ضابطہ کی سہولت میسر ہوئی، اس کے بعد ہی شرعی پنچایتیں، نظام قضاء، رویت ہلال، بیت المال، اصلاح معاشرہ، نکاح پڑھانے والے قاضی اور نکاح ناموں کے اجراء کی راہیں آسان ہوگئیں۔ اللہ پاک توفیق دے تو ان لائنوں سے بھی کافی دینی خدمات انجام دی جاسکتی ہیں۔ گویا اس معاملے میں بھی آپ نے سنگ بنیاد ڈالنے کا عظیم فریضہ انجام دیا جو آپ کے لئے ان شاء اللہ صدقہ جاریہ ہوگا۔ چونکہ متعین شدہ امیر شریعت وطن سے باہر قیام پذیر ہیں اس لئے ان کی قائم مقامی اور نظامت فی الحال راقم الحروف کے ہی ذمہ ہے؛ جب کہ قاضی القضاۃ کی حیثیت سے عملی طور پر مولانا مفتی نذیر احمد قاسمی ہی نامزد کئے گئے ہیں۔

(۸) خدمت خلق اللہ

حضرت قاری صاحبؒ مسلمانوں کے عظیم ملی تنظیم جمعیت علماء ہند کے صدر الصدور تھے اس دوران کشمیر میں مشہور حادثہ یعنی سیلاب ۲۰۱۴ء وقوع پذیر ہوا جو اپنے ساتھ بڑی تباہی کا پیغام لے کر آیا۔ قاری صاحب کو کشمیر کے ساتھ جو خصوصی لگاؤ تھا وہ پیش نظر رہتے ہوے کیسے ممکن تھا کہ اس موقع پر آپ توجہ نہ فرماتے۔ چنانچہ آپ کی صدارت میں منعقدہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں آپ نے کئی لاکھ روپے کی رقم ابتدائی طور پر مشخص کر کے اپنے فعال نوجوان ناظم عمومی حضرت مولانا سید محمود مدنی دامت برکاتہم کو اس سلسلے میں خدمات انجام دینے کا مکلّف بنایا،

جس کے نتیجے میں نہایت لائق و متحرک ناظم عمومی نے ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تنظیم کے تمام یونٹوں کو اس درجہ متحرک اور متفکر کر دیا کہ چند لاکھ روپے کی مشخص کردہ ریلیف سے سیلاب متاثرین میں وہ کام شروع ہوا، لاکھوں ضرورت مندوں کی غذا اور اشیاء خوردنی اور ہزاروں اجڑے ہوئے مکانات کی از سرِ نو تعمیر اور مرمت نیز بہت سے بے روزگاروں کے روزگار کی دوبارہ بحالی جیسے اقدامات پر منتج ہوئی، جس کا تخمینہ کروڑں میں لگایا گیا۔ یہ حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب کی شفقت علی الخلق اور مخلوق خدا پر رحم کی صفت کا آئینہ دار تھا۔

حضرت والا کا آخری سفر ذیقعدہ ۱۴۴۰ھ یعنی جولائی ۲۰۱۹ء میں ہوا، اس موقع پر پوری ریاست کے چار سو مدارس کے ذمہ داران کے علاوہ ممبران مجلس عاملہ رابطہ مدارس اور ضلعی صدور نے بھی شرکت کی۔ اس پروگرام میں دارالعلوم دیوبند سے مرکزی رابطہ کے جنرل سیکریٹری حضرت مولانا شوکت علی صاحب قاسمی بستوی استاذ حدیث و ادب، حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری کے علاوہ مولانا مفتی شمس الدین بنگلور کرناٹک اور مغربی بنگال کے محکمہ شرعیہ جمعیت علماء کے ناظم مولانا مفتی لیاقت علی صاحب بھی شریک تھے۔ جنہوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں حاضرین کو اپنے اپنے شعبوں سے متعلق نہایت قیمتی اور بہترین لائحہ عمل کو مبرہن فرمایا جس سے حاضرین کو بڑا نفع ہوا۔

(۹) بارہوں فقہی اجلاس سن ۲۰۱٦ء اور امام اعظم کانفرنس

حضرت قاری صاحب کی یادگار دو عظیم الشان مجلسیں بھلائی نہیں جاسکتیں۔ اول ''ادارۃ المباحث الفقہیہ کا ۲۰۱٦ء کا فقہی اجتماع جو اپنی مثال آپ تھا اس موقع پر ریاست جموں و کشمیر اور بیرون ریاست کے تقریباً سات سو علماء کرام مشائخ عظام حفاظ و قراء کا ایک یادگار تاریخی اور مثالی اجتماع دارالعلوم رحیمیہ میں منعقد ہوا، مشہور ہے کہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سات سو سادات کا قافلہ وارد کشمیر ہوا تھا اس سے یہاں اسلام کی ضیا پاشی ہوئی یہ موقع بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر اتنے بڑے قافلے کو حضرت قاری صاحب کی سیادت اور قیادت

میں ایک نشاۃ ثانیہ کا اقدام قرار دیا جا سکتا ہے جس میں اس شریعت حقہ کے بعض مسائل پر مذاکرہ ہوا اور ان مسائل پر بحث و تنقیح ہوئی، تجاویز مرتب ہوئیں اور اس سے فراغت پر دارالعلوم رحیمیہ کے صحن میں مسلمانوں کے جم غفیر سے اسلام کی بقا اور تقویت کے سلسلے میں ہونے والی دعائیں اور خطابات اس مبارک پروگرام کا گویا جُز تھے۔

دوسری عظیم الشان کانفرنس جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک نام سے معنون تھی کشمیر یونیورسٹی کے خوبصورت اور وسیع کانوکیشن ہال میں منعقد ہوئی۔ جس میں علماء و طلبہ کے علاوہ امت کے ہر طبقے نے شرکت کر کے داد تحسین حاصل کیا نیز رشک بھری نگاہوں سے لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔

واضح رہے اس کانفرنس میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے موجودہ عالی وقار مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم بھی جلوہ افروز تھے اور انہوں نے اپنے خاص انداز میں سامعین کو مخاطب بھی فرمایا۔ کانفرنس کی قبولیت کا بر وقت اندازہ ہوا کیونکہ کانفرنس کے دوران ہی سامعین نے اس بات کا پُر زور مطالبہ کیا کہ دوبارہ ایسی کانفرنس کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(۱۰) دینی تعلیمی بورڈ جموں و کشمیر کا قیام

حضرت قاری صاحب کی ایک بڑی عنایت اور شفقت کشمیر میں دینی تعلیمی بورڈ کا قیام بھی ہے؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر مرکزی دینی تعلیمی بورڈ جمعیت علماء ہند کی مرتبہ و مطبوعہ نصابی کتب دینی تعلیم کے رسائل کی مقامی طور پر اشاعت اور طباعت کی اجازت بھی ہے؛ حالاں کہ موجودہ مادی دور میں ایسی چیزوں کی اجازت ملنا جن سے مالی معاملہ بھی متعلق ہو نہایت مشکل ہے مگر حضرت قاری صاحبؒ کی صدارت میں منعقدہ جمعیت کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں ہم لوگوں کو ان کتب کی طباعت و اشاعت کی اجازت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ حضرات دین کی مصالح پر دنیا کے بڑے بڑے مفادات کو قربان کرنے پر تیار رہتے ہیں؛ چناں چہ جون ۲۰۱۸ء مطابق شوال ۱۴۳۹ھ کو ان حضرات نے اجلاس عاملہ کے موقع پر ان رسائل کو کشمیر میں خصوصاً

مقامی طور پر طبع کرا کے یہاں کے طلبہ کی دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آسان سبیل پیدا فرمائی۔ اس طرح سے ان کتابوں کا فیض مزید عام ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیمی بورڈ جموں وکشمیر جس کے اب تک دسیوں اجلاس ہو چکے ہیں اور مزید کتب کی تیاری کا فکر ہو رہا ہے، بھی حضرت قاری صاحب کی خدمات وعنایات کا ایک اہم مظہر ہے۔ راقم الحروف مرکزی دینی تعلیمی بورڈ جمعیت علماء ہند، ادارۃ المباحث الفقہیہ کے پُر وقار علمی وفقہی اجتماعات اور اس سے بڑھ کر جمعیت کی مرکزی عاملہ میں حضرت قاری صاحب کی توجہات سے اکابر کی علمی، فقہی اور ملی فکروں اور ان کے نہج کو سمجھنے اور یہاں وطن عزیز میں حسب استطاعت ان چیزوں کو جاری کرنے میں ممد و مددگار بنا، اگر یہ کہا جائے کہ حضرت قاری صاحب کی شفقتوں اور عنایاتوں کا نتیجہ ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ ان کا دل واقعی ایک سمندر تھا۔ ایسا کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

یہ حضرت قاری صاحب کے اس مشفقانہ طرزِ عمل اور عنایاتِ خاصہ کا نتیجہ ہے اتنے سارے شعبوں میں حضرت موصوف کے ذریعہ اس وطن کشمیر کو فیض نصیب ہوا۔ ہم سمجھتے تھے کام ابھی بہت باقی ہے حضرت کی یہ سرپرستی اور آپ کا سایہ قائم رہا تو مزید بہت سے شعبوں میں اس وطن کو فیض یاب ہونا نصیب ہوگا۔ لیکن اللہ تبارک وتعالی کے عظیم فیصلوں اور حکمت بھری مشیت کے سامنے بندے کا کام سرِ تسلیم خم کرنا ہے کہ اس مولائے حقیقی کا پیغام آیا اور حضرت قاری صاحب نے لبیک کہہ کر اچانک یہ ساری امانت اپنے جانشینوں اور وارثین علمی وعملی کے سپرد کی اور یہ کہہ کر داغ فراق دے گئے: ع

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور پسماندگان متعلقین اور ہم خدام کو اپنی خاص رحمت اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم اَفشانی کرے

❍❖❍

ایک باکمال شخصیت

مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أمابعد.

حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہ ایک باکمال عبقری شخصیت کے حامل تھے، آپ بیک وقت دارالعلوم دیوبند کے اہم استاذ، جمعیۃ علمائے ہند کے صدر اور امیر الہند رابع تھے۔ احقر کا اُن سے تقریباً ۴۰؍سال سے تعلق رہا ہے اور چار دہائی کے درمیان لمبی مدت میں والہانہ شناسائی کے ساتھ حب فی اللہ کا تعلق رہا ہے۔ احقر کے دورۂ حدیث شریف یا دارالافتاء کے سال غالباً ۱۴۰۲ھ کے اواخر میں حضرت کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا۔

احقر کو یاد پڑتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں ان کے تقرر کا چرچا ہوا، پھر یہ بات بھی گشت کرنے لگی کہ ان کا سابقہ مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے ذمہ داروں نے ان کو جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں ایک سال تک روکنے کے لئے دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں سے بات چیت فرمائی ہے؛ تاکہ سابقہ مدرسہ کو تعلیمی نقصان نہ ہوسکے پھر اس کے بعد حضرت والا دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور تدریسی سلسلہ شروع فرمادیا اور مختصر المعانی، سلم العلوم وغیرہ وسطی کی کتابیں پہلے سال ان کے زیر درس رہیں۔ ان کا درس تحقیقی ہوا کرتا تھا، پھر اگلے سالوں میں بیضاوی شریف کا درس بھی ان سے متعلق ہوگیا؛ مگر ان کی آواز پست ہونے کی وجہ سے مائک کا استعمال ہونے لگا اور انہیں ایام میں دارالافتاء سے فراغت کے فوراً بعد معین مدرس کی

حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں احقر کا بھی تقرر ہوگیا اور دو سال تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات کے لئے احقر کو بھی موقع ملا، ہدایۃ النحو، قدوری، کافیہ، اصول الشاشی، شرح جامی، نورالایضاح، وغیرہ پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی؛ اس لئے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صفات کاملہ سے احقر بخوبی واقف رہا۔ان کی زندگی اتباع سنت اور ایک مومن کامل کی صفت کے ساتھ گزری ہے اور دارالعلوم دیوبند میں تقرر کے چند سال کے بعد تحریک ختم نبوت کی ذمہ داری اور ناظم کا منصب ان کو حاصل ہوا۔ اور احقر جس زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات پر مامور رہا ہے، اس زمانے میں فدائے ملت حضرت اقدس مولانا اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہ نے دو تحریکیں دارالعلوم دیوبند سے جاری فرمائیں۔

(۱) کل ہند رابطۂ مدارس اِسلامیہ کی تحریک

حضرت نے بڑے کروفر کے ساتھ جاری فرمائی، آگے چل کر جس کا فیض ہندوستان کے سارے مدارس کو حاصل ہوتا گیا اور رابطہ مدارس اسلامیہ کا صدر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کو بنایا گیا اور ناظم اعلیٰ محبّ محترم ہمارے دوست مولانا شوکت علی بستوی کو بنایا گیا۔

(۲) تحریک ختم نبوت

اس تحریک کا صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ مہتمم درالعلوم دیوبند کو بنایا گیا اور اس کا ناظم اعلیٰ حضرت الاستاذ مولانا سعید احمد صاحب پالن پوریؒ اور حضرت والا قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کو ناظم بنایا گیا اور حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ میں تحریک ختم نبوت کا جذبہ اس قدر زیادہ رہا ہے کہ ساری ذمہ داری ان ہی کے سر پر رہی اور پھر آگے چل کر مولانا شاہ عالم گورکھپوری کو اپنا معاون اور نائب ناظم کے طور پر منتخب کیا گیا انہوں نے بھی دلچسپی سے اس تحریک میں محنت کی ہے اور آگے چل کر ان کو اس تحریک کی پوری ذمہ داری سونپی گئی اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

حضرت والا قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کا حال ایسا رہا ہے کہ دسیوں سالوں تک ان کا

کوئی بیان کوئی تقریر ایسی نہیں رہی ہے، جس میں قادیانیت کے خلاف کچھ نہ کچھ گفتگو نہ ہوئی ہو، چنانچہ طلبہ کی انجمنوں میں النادی الادبی العربی کے سالانہ اجلاس میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں حضرت کو بلایا گیا، موضوع عربی زبان سے متعلق تھا تو حضرت نے بجائے عربی زبان اور عربی ادب پر بحث کرنے کے قادیانیت کے موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر فرمائی۔

لگ بھگ ڈیڑھ دہائی پہلے ہمارے تین بزرگوں میں الگ الگ تین چیزوں کی دھن سوار رہی ہے۔

(۱) حضرت اقدس محی السنہ شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ پر ہر وقت اذان واقامت کی تصحیح کی دھن سوار رہی ہے اوران کا حال یہ تھا کہ ان کو دور دراز علاقے میں کسی بڑے پروگرام میں بلایا جاتا تو ان کا موضوع اذان واقامت کی تصحیح کے متعلق ہی ہوتا تھا، اس میں حضرت گھنٹوں گزار دیتے تھے؛ چنانچہ ان کے بیان شروع ہونے سے پہلے ہی لوگوں میں آپس میں چرچا ہوتا تھا کہ ابھی اذان واقامت کا موضوع شروع ہونے والا ہے۔

(۲) حضرت والا مولانا قاری محمد عثمان صاحب نوراللہ مرقدہ جب یہ کسی بھی پروگرام میں پہنچتے اور پروگرام کا موضوع کچھ بھی ہوتا ہو؛ مگر حضرت والا کے بیان کا موضوع قادیانیت اور ختم نبوت ہی ہوا کرتا تھا یہاں تک کہ جمعیۃ علمائے ہند کے بعض اجلاسوں میں بھی جو ملی تحریک سے متعلق ہے اس میں بھی حضرت کا موضوع قادیانیت سے متعلق ہوتا تھا۔ چنانچہ سن ۱۴۲۱ھ میں پشاور میں ڈیڑھ سو سالہ دارالعلوم دیوبند کانفرنس منعقد ہوئی جس میں جمعیت علمائے ہند کے متعدد افراد اور دارالعلوم دیوبند کے متعدد اساتذہ کرام اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے احقر شبیر احمد قاسمی اور حضرت اقدس مفتی سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ کی شرکت ہوئی اوراس وفد کے سرپرست فدائے ملت حضرت اقدس مولانا اسعد مدنی صاحب اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہما تھے اور ہر ایک سے بیانات کرائے گئے جب مشورہ کی مجلس ہوئی تو حضرت قاری صاحب کے ہم عصر اور ہم پلہ بعض اساتذہ دارالعلوم نے

قاری صاحب رحمۃ اللہ سے فرمایا کہ آپ کا موضوع تو پہلے سے ہی قادیانیت متعین ہے ہی، اس پر قاری صاحب رحمۃ اللہ نے فوراً جواب دیا کہ سب سے اہم تو یہی موضوع ہے؛ چنانچہ حضرت کا بیان وہاں پر بھی قادیانیت کے خلاف اور ختم نبوت کے موضوع پر ہی رہا ہے، چنانچہ اس دھن کی وجہ سے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ کو بشارتیں ملی ہیں دارالعلوم دیوبند کے ناظم تنظیم مولانا راشد صاحب نے اپنا خواب بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دو تاج آئے ہیں:

(۱) حضرت شاہ عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے۔

(۲) حضرت قاری صاحب رحم اللہ علیہ کے لئے۔ ان دونوں حضرات نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ قادیانیت کے خلاف اور تحریک ختم نبوت سے متعلق گزارا ہے۔

(۳) حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے اوپر لفظ ضاد کی تصحیح کی دھن سوار تھی، چنانچہ اگر حدیث کی عبارت پڑھنے میں بھی طالب علم کی زبان سے لفظ ضاد کی ادائیگی میں کمزوری محسوس کرتے تو ناراض ہو جاتے تھے اور ناراضگی کا حال یہاں تک تھا کہ بعض دفعہ سبق چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگانہ صفات

ہم نے چار دہائی کے درمیان حضرت والا کو ہم عصر اور ہم پلہ دوستوں کی مجلسوں میں ہنسی مذاق کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ ان کی زندگی عین سنت کے مطابق تھی؛ کبھی بھی جذباتی ہو کر مغلوب الغضب ہوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مدبر اور جوہری شخصیت کے حامل ہونے کی وجہ سے حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور اہتمام میں لگ بھگ دس سال تک نائب مہتمم کے منصب کی ذمہ داری بحسن وخوبی ادا کی اور آپ نے اپنے نیابت کے زمانے میں دارالعلوم کے نظم ونسق کو عمدہ ترین ترتیب سے نبھایا ہے۔

آپ جمعیت علمائے ہند کی ورکنگ کمیٹی کے خصوصی ممبر تھے، پھر سن ۲۰۰۸ء میں آپ کو جمعیت علمائے ہند کا باقاعدہ صدر منتخب کیا گیا۔ پھر ۱۴۳۲ھ میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن

صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند امیر الہند ثالث کی وفات پر ان کی جگہ آپ کو امیر الہند رابع بنایا گیا اور آپ تادم حیات جمعیت علماء ہند کی صدارت کے منصب اور امیر الہند کے منصب پر بھی تسلسل کے ساتھ فائز رہے، پھر آپ کو ۱۴۴۱ھ میں دارالعلوم دیوبند کا معاون مہتمم بنایا گیا اور جس دن ان کو اس منصب کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اس کے دوسرے دن سے ہی پابندی کے ساتھ اہتمام میں حاضر ہوکر اپنی ذمہ داری ادا کرنا شروع کیا ہے اور اہتمام میں تشریف فرما ہونے والے ذمہ داروں میں سب سے پہلے آپ ہی کی حاضری ہوتی رہی اور پابندی کے ساتھ اپنی مفوضہ ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں اس قدر پابندِ سنت احقر نے کسی کو نہیں دیکھا ہے۔ اسی وجہ سے ہر استاذ حضرت والا کو بہت ہی احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ احقر نے چھوٹے بڑے علماء اور بزرگوں اور مشائخ کے حلقے میں زندگی کا بڑا حصہ گزارا مگر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ اور عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ، حضرت محی السنہ شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ کے بعد سارے علما میں احقر کو حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہ سے زیادہ عقیدت اور والہانہ دلی تعلق رہا ہے۔

جب ۸/شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت احقر مشہور ترین سخت بیماری کووڈ میں مبتلا تھا؛ اس لئے احقر نہ جنازے میں شرکت کر پایا اور نہ ہی تعزیت کے لئے صاحبزادگان کے پاس دیوبند حاضر ہوسکا اور نہ ہی ان سے متعلق کچھ تعزیتی کلمات لکھنے کا موقع ملا۔

اب طبیعت بحال ہونے پر احقر نے یہ چند کلمات بطور تعزیتی خط کے لکھ دیے ہیں، اللہ تعالی حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بال بال مغفرت فرمائے، اور ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، خاص طور پر دونوں باکمال صاحبزادگان اور صاحبزادی سلمہا اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی چہیتی صاحبزادی جو حضرت کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ احقر ان سب کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔

احقر سب ناظرین سے دعا کی گذارش کرتا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو خاتمہ بالخیر نصیب فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کے

روشن نقوش

مولانا قاری شوکت علی صاحب مہتمم جامعہ عربیہ اعزاز العلوم ویٹ، ضلع ہاپوڑ

حضرت قاری صاحبؒ سے راقم الحروف کا تعلق

دارالعلوم کے زمانۂ طالب علمی میں بندہ کا قاری صاحب سے جو تعلق قائم ہوا تھا آپ نے عمر بھر اس کا لحاظ رکھا اور اس تعلق میں جو گرم جوشی اور حرارت تھی آپ نے زندگی کے کسی لمحہ میں اضمحلال اور افسردگی نہیں آنے دی، قاری صاحب بندے کے لیے اپنا دستِ شفقت اور سایۂ لطف وکرم ہمیشہ دراز رکھتے تھے اور بندے کو بدرجہ غایت عزیز ومحبوب رکھتے تھے، حضرت قاری صاحب زمانۂ طالب علمی سے ہی کتب بینی، مقالہ نگاری کے انتہائی شوقین تھے، بندہ اور قاری صاحب بسا اوقات باب الظاہر کے بالائی حصہ پر مولانا محمد واصف صاحب کے کمرہ میں کتابوں کا تکرار کرتے تھے، قاری حفظ الرحمٰن صاحب کی درسگاہ میں ہم دونوں ساتھ پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ قاری حفظ الرحمٰن صاحب شاطبیہ کا سبق پڑھا رہے تھے تو میں نے قاری صاحب کی تقریر کاپی پر نوٹ کرنے کی کوشش کی، قاری صاحب نے دیکھ لیا اور فوراً ڈانٹا اور تین روز تک درس گاہ میں گھسنے نہیں دیا اور فرمانے لگے کہ میں کاغذی علم نہیں پڑھاتا؛ بلکہ سینے کا علم پڑھاتا ہوں، استاذ محترم چوں کہ قاری عثمان صاحب سے بہت محبت رکھتے تھے اس لیے ان کی سفارش کے بعد ہی درس گاہ میں آنے کی اجازت ملی، اس سے معلوم ہوا کہ استاذ محترم

قاری حفظ الرحمٰن صاحب کی نگاہ میں بھی حضرت قاری صاحب کی کتنی قدر تھی۔

کچھ دنوں تک ہم لوگوں کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد اپنا اپنا مقالہ پڑھ کر ایک دوسرے کو سناتے تھے اسی میں عصر کے بعد کے وقت کو قیمتی بنانے کے سلسلہ میں مشورہ ہونے لگا؛ چنانچہ طے پایا کہ عصر کے بعد جب گھومنے جائیں تو ایک دو حدیثیں موضوع متعین کر کے یاد کرنے کا معمول بنالیا جائے تا کہ کم از کم ہفتہ میں دو حدیثیں یاد ہو جائیں؛ چنانچہ کافی دنوں تک اس پر عمل رہا اور بندہ نے زمانۂ طالب علمی کے بعد بھی ایک زمانہ تک اس پر عمل کیا، جس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا، اس زمانہ کی یاد کی ہوئی حدیثیں بحمد اللہ آج بھی کام آجاتی ہیں، اس واقعہ سے قاری صاحب اور راقم الحروف کا تعلق اور حضرت قاری صاحب کا علم حدیث سے شغف اور لگاؤ ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحب عام طور پر مظفر نگری طلبہ کی انجمن میں شریک نہیں ہوتے تھے؛ بلکہ آپ بالکل الگ تھلگ ہو کر مقالہ نگاری میں مشغول رہتے اور بندہ بھی حضرت قاری صاحب سے اس سلسلہ میں ملتا رہتا تھا۔ حضرت قاری صاحب اگر چہ میرے عظیم درسی ساتھی تھے؛ لیکن بندہ کے دل میں حضرت کا احترام بے پناہ تھا۔

حضرت قاری صاحب اور راقم الحروف کے جو باہمی دیرینہ تعلقات تھے سچائی یہ ہے کہ زبان وقلم اس کو بیان کرنے سے عاجز وقاصر ہیں، لوگوں نے بارہا دیکھا کہ بندہ کی جب بھی حضرت سے ملاقات ہوتی خواہ وہ جمعیۃ کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں ہو یا دار العلوم میں ملاقات ہو یا کسی اور جگہ پروگرام کے موقع پر تو حضرت بندہ کو دیکھ کر فرط مسرت سے کھل اٹھتے، ہمارے مابین تعلقات تکلفات وتصنع سے بالکل پاک تھے، اس میں ظاہر داری کی آمیزش ذرہ برابر نہیں تھی، حضرت قاری صاحب سے زمانۂ طالب علمی میں جو تعلق قائم ہوا وہ تاحیات رہا۔ اللہ تعالی حضرت قاری صاحب کو ان کی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ان کے دونوں صاحبزادوں کی حفاظت فرمائے جو علمی اور عملی اعتبار سے اس مقام پر ہیں کہ ان میں سے اگر ایک آفتاب ہے تو دوسرا مہتاب اور اپنے والد صاحب کی زندگی کے ہر روشن باب کے حقیقی وارث ہی نہیں بلکہ ان کا مکمل عکس اور پرتو ہیں۔ (امیر الہند رابع نمبر ملخصاً ص:۱۲۴)

❍❖❍

قاری محمد عثمان صاحبؒ - جامع علم وعمل

ایک بے مثال شخصیت

قاری ابوالحسن اعظمی سابق شیخ القراء دارالعلوم دیوبند ورکن رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

اخلاق و عادات اور خصائل حمیدہ جو ہم کتابوں میں پڑھتے تھے اور متقدمین کے احوال سنتے تھے قاری صاحب ان اوصاف کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ جس سے ملتے مسکرا کر ملتے، یوں نہیں کہ پہلے چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے اور چاہتے کہ سامنے والا پہلے سلام کرے، خود سلام کی ابتدا کرتے، استمزاج کرتے۔

قاری صاحب علمی وعملی اعتبار سے بہت بڑی معزز اور مکرم نسبت کے حامل تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے عمدہ اور جید فاضل کی نسبت، شیخ کامل حضرت مولانا شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کے داماد، ذرا بتلایئے اتنی ساری بھاری بھرکم نسبتوں کے بعد کس کا دماغ ٹھکانے رہ سکتا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے اتنی کیا، اس سے بھی کم بہت ہی کم چیزوں کی وجہ سے گردنوں کے اوپر سروں کو پُرغرور دیکھا ہے لیکن واہ رے جناب قاری صاحب! سب کچھ ہوتے ہوئے، والدین، اساتذہ اور حضرات مربی کی تعلیم وتربیت کا ایسا شیریں اور دائمی پیالہ آپ نے پیا اور ہضم کیا کہ یومِ اول سے دمِ آخریں تک اس کے اثرات کامل طور پر آپ کے ظاہر و باطن پر ثبت رہے۔ کیا دارالعلوم کے اس دورِ ثانی نے کمالات اور خوبیوں کا ایسا جامع شخص دیکھا؟ نہیں۔

ایک واقعہ

دورِ حاضر خود کو لیے دیے رکھنے کا دور ہے، ذرا کوئی پڑھ لکھ جاتا ہے وہی ''ہم چنیں دیگرے نیست'' کی گندگی میں ملوث ہوجاتا ہے۔ جناب قاری صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے بہترین دور کے فضلاء میں تھے، آپ کے اساتذہ میں کیسے کیسے ملائکۃ الارض نظر آتے ہیں، لوگ کہتے ہیں ''میں تو فلاں فلاں کا شاگرد ہوں'' مگر قاری صاحبؒ ساری فضیلتوں کو اس طرح ہضم کیے ہوے تھے کہ ڈکار تک نہ لی، اظہار تو کیا کرتے۔ انکسار اور تواضع کے پیکر جمیل تھے، ملنے سے پہلے دیکھنے والا اپنے دل میں مسرت کا ایک خوشگوار جھونکا محسوس کرتا، گفتگو ہوتی تو پھول جھڑتے، قاری صاحب بلا مبالغہ ایک دل آویز شخصیت کے مالک تھے، خالص علمی مزاج تھا اور اس کے نتیجے میں تواضع، اس مصرعہ کے مصداق:

نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمیں

واقعہ یہ ہے کہ دورانِ درس قراءت کا مسئلہ آیا، اس کی تحقیق کے لیے اپنی درس گاہ کے طلبہ سے یہ کہہ کر کہ میں ابھی آیا، کتاب ہاتھ میں لی اور نودرے کی درسگاہ سے نکل کر راقم الحروف کے پاس پہنچے اور پیش آمدہ مسئلہ کا ذکر فرمایا۔ جواب دیا گیا، اطمینان ہوا اور میری خیریت معلوم کرکے یہ کہتے ہوے کہ طلبہ سے کہہ کر آیا ہوں، وہ منتظر ہیں۔ پہلی بار میں نے عرض کیا کہ آپ اک پرچے پر لکھ کر بھیج دیتے، میں عرض کردیتا؟ فرمایا: نہیں یہ تو ایک علمی مسئلہ ہے، حاضر ہوکر معلوم کیا جانا چاہیے۔ میں نے عرض کیا میری چائے کا وقت ہے، آرہی ہے، پی کر جایئے، وہی جواب کہ طلبہ منتظر ہیں اور مسکراہٹوں کی پھوار ڈالتے ہوے یہ کہتے ہوے کہ کسی اور دن سہی۔

اس خیال سے کہ زیرتذکرہ مسئلہ کے بارے میں اور لوگوں کو بھی معلوم ہوجائے، اکثر غلط فہمی اہل علم کو بھی ہوجاتی ہے ''وجوہِ قراءت کی قرآنیت کا ثبوت'' علماء اور ائمۂ فن نے اس کے لیے تین ارکان مقرر کیے ہیں، ان ارکانِ ثلاثہ میں سے کسی ایک رکن کے اختلال اور کمی سے وہ وجہِ قراءت صحیح نہیں کہلائے گی، شاذ ہوجائے گی (۱) قواعد نحویہ کی موافقت (۲) رسم خط عثمانی

کے ساتھ موافقت (۳) تواتر کا ثبوت۔ اس سلسلے میں متقدمین سے لے کر متاخرین تک بعض اکابر علماء بھی لغزش کا شکار ہوئے، جیسے علامہ ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) اور ان کے بعض متبعین۔

جناب قاری صاحب کو اس بارے میں اشکال ہوا تھا کہ ان ارکانِ ثلاثہ کی کیا حیثیت اور مقام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ (۳) تواتر ہی اصل ہے، باقی دوسری حیثیت تائید کی ہے۔ علامہ ابن جریر طبری اور بعض دیگر نے زیادہ اہمیت ''قواعدِ نحویہ'' کو دیا اور یہ بہت بڑی غلط فہمی اور لغزش تھی، یہ شخصیت بھاری بھرکم تھی، زیادہ مشہور تھی، اس لیے انھی کا قول مشہور ہو گیا۔

بہر حال قاری صاحب کو اطمینان کلی مطلوب تھا، میں نے محسوس کیا اور چوں کہ میرے پاس درس گاہ میں علم القراءت سے متعلق امہات الکتب موجود رہتی تھیں، میں نے ملاّ علی قاریؒ کی شرح الشاطبیہ نکال کر وہ الفاظ دکھائے۔ قاری صاحب نے دیکھا تو بہت مسرور ہوئے، مسرت کی تابناکی چہرے سے ہویدا تھی، دعائیں دے کر چلے گئے۔

ایک بار اور اسی طرح کے مسئلے سے متعلق اسی طرح درس گاہ میں طلبہ کو منتظر چھوڑ کر تشریف لائے، گفتگو کے بعد میں نے عرض کیا وعدے کے مطابق چائے! فرمایا: جا کر دس منٹ میں آتا ہوں اور آئے چائے پی۔

میں یہاں یہ بات اچھی طرح واضح کر دوں، یہ جو واقعہ سامنے آیا اس سے اول و آخر قاری صاحب کا کمال درجہ کا علمی ذوق، انتہائی تواضع، بے نفسی اور شوق فراواں کا مظاہرہ تھا، ذرا سوچیے اپنی درس گاہ کے طلبہ سے کہہ کر، انہیں صورتِ حال بتلا کر، کتاب ہاتھ میں لے کر، تعلیمی وقت کے دوران، شعبۂ قراءت کے مجھ جیسے ایک معمولی آدمی کے پاس آنا اور پھر میری بھی درس گاہ میرے طلبہ سے بھری ہوئی، قاری صاحب کا سوال اور تفصیلی جواب، پندرہ منٹ تک موجودگی، پھر واپسی اور منتظر طلبہ کو پڑھانا۔ اس پر بار بار غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب قاری صاحبؒ ہی کے اس وصف خاص کی بات تھی جو ہم متقدمین کے بارے میں پڑھتے سنتے ہیں۔ مضمون کے اس حصے سے قارئین ہرگز یہ خیال دل میں نہ لائیں کہ یہ کچھ میں نے خود کو کسی

طرح نمایاں کرنے کی کوشش کی، حاشا وکلا، ہرگز نہیں، دکھلانا صرف یہ ہے کہ یہ تھے مجسّم اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ جمیلہ کے مالک جناب قاری عثمان صاحبؒ۔ قاری صاحب کی ولادت کا سن وہی ہے جو میرا ہے، میری عمر کے تھے، کہنا چاہئے کہ معاصر تھے، ہم دونوں دارالعلوم میں ایک ساتھ آئے تھے لیکن میرے دماغ میں کبھی بھی یہ وسوسہ نہیں پیدا ہوا کہ میرے ہم عصر ہیں، میں نے ہمیشہ آپ کو ظاہری عمر کے اعتبار سے کم از کم پندرہ بیس سال سے زیادہ ہی سمجھا اور بزرگ و برتر ہی سمجھ کر دیکھا، احترام کیا اور احوالِ باطنی کی بات جہاں تک ہے اس کے موازنہ کا کسی درجہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا:

کہاں میں اور کہاں وہ نکہتِ گل

(امیر الہند نمبر ۱۲۹-۱۳۰)

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر کی مثالی شخصیت

مولانا مفتی عبدالرحمٰن قاسمی ناظم مدرسہ انصار العلوم نئی بستی نوگاواں سادات (امروہہ)

شانِ عبدیت

آپ کا ایک مخصوص وصف جس کو بہ طورِ خاص الگ سے ذکر کرنے کو دل چاہتا ہے وہ تھا آپ کی شانِ عبدیت، حقیقت میں یہی شانِ عبدیت ہے جو بارگاہِ ایزدی میں دوسرے تمام اوصاف سے بالاتر ہے یہی صفت عبدیت ہے جو افراط وتفریط سے پاک، عشقِ خداوندی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور اسی فنائیت عشق خداوندی سے دیانت، شجاعت، سخاوت، عفت، قناعت، زہد وورع، تقوی، علم وحلم، تواضع وانکساری حیا، عفو ودرگذر، ظرافت، شرافت، ثبات قدمی، تیقن، عطوفت وکرم، حسنِ سلوک، صبر وتحمل، وقار، رعبِ خداداد، خلوت وجلوت کی یکسانیت، مخلوقِ خدا کی خیرخواہی، صدق وصفا، اخوت ومحبت، رضا بالقضا اور دیگر مقتضیات شریعت مصطفویہ پیدا ہوتے ہیں یہی امور جب فطرت بن جاتے ہیں تو اسی کو استقامت کا نام دیا جاتا ہے جو ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔

کچھ ایسے ہی اوصاف وکمالات سے متصف تھے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ جن کو حاصل کرنے میں عمریں کھپائی جاتی ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بیچ نہ رہے؛ لیکن ان کے تابندہ وپائندہ نقوش ہمارے درمیان باقی ہیں جن سے لینے والے بقدرِ ظرف اپنا حصہ لیتے رہیں گے:

نیاز مند نگاہیں پکارتی ہیں تجھے
ہمارے قلب کی راہیں پکارتی ہیں تجھے

آپ پر نہ کبھی بےخودی دیکھی گئی، نہ اضطراب، نہ کبھی سکر کا غلبہ ظاہر ہوتا تھا، نہ تحیر کا، نہ کبھی شوق کا غلبہ مشاہدے میں آیا، نہ اشتیاق کی بیتابی کا نظارہ ہوا۔ بس رسولِ عربی کے طریقے کو مضبوطی سے تھامنے والے ایک مردِ مومن کا نظارہ ہوتا تھا جس کو بطحائی رسول کے طریقہ مرضیہ کو پھیلانے کی ایک خاموش سی دھن اور مکمل ہوش وحواس والا استغراق ہے، اس جہان فانی کے ہر رنگ ہر ماحول سے آپ کا گزر رہا اور خوب ہوا، دولت وثروت کی جھنکاریں، بلکہ آسائش حیات کے سمندر بھی آپ کے دامن پاک کو تر نہ کر سکے، تملق، چاپلوسی اور خوشامد سے نفرت رہی، لباسِ قناعت ہمیشہ زیبِ تن رکھا، یہ ایسی دولت ہے جس کی معیت میں انسان ہر وقت ہر حالت میں دولت مندر ہتا ہے دستِ قانع دستِ غیب کی ہم نشینی سے سرخرو ہوتا ہے۔

اس کے لیے کوئی مسئلہ، مسئلہ نہیں رہتا ایسے ہی افراد کے ذریعے قوم وملت کو سرخروئی نصیب ہوتی ہے اور ان کی قسمت کا ستارہ کبھی زوال پذیر نہیں ہوتا، اسی صفتِ قناعت نے اس مردِ خدا کو فقیری میں حقیقی بادشاہت نصیب فرمائی اور یہ خدا مست خدا رسیدہ انسان اپنی حیات مستعار کو فقر غیوری کی ہم نشینی میں گزار کر چلا گیا۔

بقول شخصے:

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
تیرے دستِ توکل میں تھیں استغنا کی تلواریں
جلالِ قیصری بخشا جمالِ خانقاہی کو
سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو

قناعت، سادگی، تواضع، بےتکلفی، اخوت ومحبت، شفقت آمیز برتاو، اشتغال بالعلم، مطالعہ میں محویت، مادیت کے سحر سے مکمل آزادی ان سب چیزوں سے مل کر بنا تھا ہمارے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وجود باوجود، کیا کہیں اور کیا نہ کہیں آنکھیں ہیں کہ برستی جاتی ہیں دل ہے کہ تڑپتا جاتا ہے:

لب پہ آنے کو ترس جاتی ہیں باتیں دل کی
اشک بن بن کے برس جاتی ہیں باتیں دل
کی

دلِ نادان کو بہت سمجھایا پر نہ جانے کیوں اس بار یہ سمجھنے کو تیار نہیں ہے شاید اس کو بھی احساس ہو گیا ہے اور کسی بہت ہی قیمتی متاع کے گم ہو جانے کو شاید وہ بھی جان گیا ہے۔

وہی سو گئے جو جگاتے تھے کل
زمانے میں بیداری لاتے تھے کل

(امیرالہند نمبر ۱۳۴-۱۳۵)

کردار وعمل کی نمائندہ شخصیت

مفتی محمد توحید قاسمی پرتاپ گڈھی اُستاذ اَدب عربی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

حلیہ

گورا رنگ، نکلتا قد، چھریرا بدن، خوب رو، روشن آنکھیں، لہجے میں ٹھہراؤ، چہرے پر وجاہت وسنجیدگی، آواز میں حلاوت، دھلی ہوئی زبان، دھیمی اور باوقار گفتگو، مزاج میں نفاست، چال میں شرافت سے قدرے جھکی گردن، مثالی مربی؛ بلکہ خانوادے کے اَتالیق خاص، تربیت کا انوکھا انداز، امانت ودیانت، ورع وتقویٰ میں شانِ امتیاز، کم گوئی آپ کا خاصہ، جسم پر سادہ لباس، موسم سرما میں نفیس شیروانی، اونی رومال، اس لباس میں آپ کی شخصیت بہت دلکش لگتی، گرمیوں میں ہلکے سوتی کپڑے کا کرتا اور پائجامہ، گول ٹوپی بڑھاپے میں، گاہے بگاہے ہاتھ میں چھڑی یا چھتری، ایک ہاتھ میں فائل یا چھوٹا سا بیگ، پاؤں میں موسم کے اعتبار سے جوتے، نیک سیرت، نیک فطرت، محفل ومجلس میں آپ کا وجود متانت وسنجیدگی کی مثال، بہتیری ذمہ داریاں اور ہر ایک کو نبھانے میں طاق، کاموں کو اوڑھ لینے اور نبھانے کا ہنر، نظم وانصرام میں اپنی مثال آپ، جمعیۃ علماء ہند کے صدر باوقار، اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم ومسندِ حدیث کی رونق، عقیدۂ ختم نبوت کے محافظ، بہت سے ملی اور تعلیمی اداروں کے سرپرست، ایمان وعقیدے میں پختگی؛ بلکہ دینی معاملات وعقیدے میں انتہائی متشدد، مداہنت سے کوسوں دور، مستقل

مزاجی، ملی اور دینی مسائل پر گہری نظر، پختہ منصوبہ بندی، ملت اسلامیہ ہند کے امیر اور اس جیسی بہت سی خوبیوں کے عناصر سے جو شخصیت ترکیب پاتی ہے، وہ کوئی اور نہیں دارالعلوم دیوبند کے موقر استاذِ حدیث معاون مہتمم، جمعیۃ علماء ہند جیسی فعال تنظیم کے باوقار صدر محترم، بہترین منتظم، بلند پایہ عالم دین، حسن سیرت وصورت کے پیکر ہم سب کے مشفق استاذ امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہیں۔

جن کی شرافت و بزرگی، نیک سیرتی وصورتی زمانۂ طالب علمی سے اس فانی دنیا سے منہ موڑ لینے تک مثالی رہی، ناموافق حالات مرورِ زمانہ کے باوجود آپ کی زندگی پر کسی کو انگلی رکھنے یا حرفِ تنقید کا موقع نہیں مل سکا۔

بندہ کو جن اکابر اور عظیم شخصیات کو دیکھنے اور شرف نیاز کا موقع ملا، ان تمام کے تئیں دیکھنے سے پہلے ذہن ودماغ نے جو خیالی تصویر بنائی اور دل نے جو تاثر قائم کیا، تقریباً تمام کو ویسا ہی پایا، سوائے حضرت قاری صاحب کی شخصیت کے، کہ آپ کو خیالی تصویر اور تأثر سے ماورا پایا۔

رہی عقیدت و احترام کی بات تو حضرت الاستاذ مولانا عبدالہادی صاحب مدظلہٗ کی برکت سے اس عظیم خانوادے سے بچپن سے جو غائبانہ تعلق اور عقیدت تھی، وہ کسی اور خانوادے کو حاصل نہیں، دیدار کا شرف پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جب راقم مدرسہ نورالعلوم پرتاب گڑھ کا ابتدائی طالب علم تھا اور حضرت الاستاذ امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ بطور ممتحن کے مدرسہ میں تشریف لائے تھے، دورویہ قطار میں کھڑے ہو کر پہلی مرتبہ نورانی شکل وصورت سے متصف شخصیت سے مصافحہ کی سعادت حاصل ہوئی، وہ ساحرانہ آواز، پروقار شخصیت، تقویٰ وطہارت سے معمور زندگی، ایک بار مل کر دوبارہ ملنے کا تمنائی، ایک اُستاذ نے تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ آپ دارالعلوم دیوبند کے مؤقر اُستاذ، حضرت شیخ الاسلام کے منجھلے داماد حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری مدظلہ العالی ہیں، یہ تھا پہلا دیدار، اس وقت سے اب تک عقیدت واحترام میں اضافہ ہی ہوتا رہا، نیک نامی اور کردار کی بلندی، زندگی کے آخری لمحات تک آپ کے اختصاص

کا سبب بنی رہی۔ پوری زندگی اپنی خوبیوں کی وجہ سے بڑی صاف ستھری گذاری، کسی بھی سمت سے دیکھیے اور پرکھیے پاکیزہ، اجلی شگفتہ اور شاداب نظر آتی ہے، ناموافق حالات میں بھی نہ رنگ پھیکا پڑا نہ زندگی کے معمولات میں تبدیلی آئی۔ علم وعمل اور تقویٰ وطہارت کے ساتھ نسبی اور خاندانی شرافتوں نے وقار میں اور اضافہ کیا اور یہ عمر کے ساتھ بڑھتا ہی رہا، اس میں کبھی کمی اور گراوٹ محسوس نہ کی گئی۔

خاندانی پس منظر

امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے خانوادے کی تاریخ انتہائی اہمیت کی حامل ہے، جس کا اِجمال یہ ہے:

سلطان ناصر الدین سبک تگیں ۹۷۷ء میں غزنی کے تخت پر جلوہ افروز ہوے اور اپنی سلطنت محفوظ ومضبوط کرنے کے بعد انہوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔

۹۸۶ء میں راجہ جے پال جو پنجاب وافغانستان کے علاقے پر قابض تھا سبکتگین کے حملے کا شکار ہو کر شکست فاش کھائی، سبکتگین کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا محمود غزنوی غزنی کا حکمراں بنا اور اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کی ٹھان لی اور اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سلطان محمود نے عراق کے واسط نامی مقام سے سید عبداللہ الحسن معروف بہ ابوالفرح واسطی کو جو سادات بارہہ کے مورث اعلی ہیں بلوایا اور اپنے ساتھ اس مہم میں شریک کیا۔

سید عبداللہ الحسن مع اپنی نیک اولاد کے سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ پورے عزم وحوصلے کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوے اور شاندار فتح حاصل کی، بادشاہ نے اپنی شاندار فتح پر مسرور ہو کر سید عبداللہ الحسن کی اہم خدمات مدنظر رکھتے ہوے محمود غزنوی نے سرھند وکلانور (پنجاب) کا علاقہ آپ کو بطور انعام جاگیر کی صورت میں عطا فرمایا۔

محمود غزنوی نے سلطنت کو مستحکم کرنے کے بعد غزنی واپس روانہ ہوا اور سید صاحب بھی اپنی جاگیر پر چار بیٹوں کو چھوڑ کر سلطان کے ہمراہ واپس ہو گئے اور اپنے وطن واسط پہنچ کر ۱۰۵۵ء

میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

سید صاحب ۱۰۲۶ھ میں اپنے چار بیٹے سید داود، سید ابوالفضل، سید ابوالفراس، سید نجم الدین کو چھوڑ کر واپس ہوئے ان کی سکونت مستقل طور سے پنجاب میں ہی رہی اور چاروں بیٹوں کی نسل ہی کل سادات بارہہ ہیں۔ (آئین اکبری انگریزی مؤلف ایچ بلاخ مین ایڈیشن کلکتہ)

یہ صاحبزادگان پنجاب کے علاقے میں اس طرح آباد ہوئے، کہ سید داؤد موضع تہن پوری، سید ابوالفضل چھت بنور میں، سید ابوالفراس موضع کونڈلی وال میں، سید نجم الدین ججیز میں اور یہ چاروں مواضعات پنجاب میں پٹیالہ کے نواح میں ایک دوسرے کے قریب قریب واقع ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ چاروں بیٹوں کی اولادیں انہیں جگہوں کے نام سے موسوم ہوگئیں، سید داؤد کی اولاد سادات تہن پوری کہلائی، سید ابوالفضل چونکہ موضع چھت بنور میں آباد تھے، اس لئے ان کی اولاد سادات چھت بنوری یا چھاتروڑی سادات کہلائی، سید ابوالفراس کا قیام موضع کونڈلی میں تھا اس لئے وہ سادات کونڈلی وال کہلائی، سید نجم الدین کا قیام موضع ججیز میں تھا، اس لئے ان کی اولاد ''ساداتِ ججیزی یا جگیزی'' مشہور ہوئی، اس طرح کل سادات بارہہ چار شاخوں میں تقسیم ہوگئے، سادات بارہہ میں سادات تہن پوری کو سب سے زیادہ شہرت واقتدار حاصل ہوا، قطب الملک سید حسن علی خان اور امیر الامراء سید حسن علی خان جو کہ تاریخ میں ''بادشاہ گر برادران'' مشہور ہوئے ہیں ان کا تعلق سادات بارہہ کی شاخ تہن پوری سے ہی تھا۔

۱۱۸۵ء میں سلطان شہاب الدین غوری کے تسخیرِ ہندوستان کے باعث محمود غزنوی کی سلطنت کمزور ومتزلزل ہوگئی اور محمود کا جانشین ملک خسرو گرفتار کرلیا گیا اور محمود غزنوی کی حکومت ہندوستان میں ختم ہوگئی اور خاندان غوریہ کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ڈور آ گئی۔

سلطان شہاب الدین غوری نے لاہور پہنچ کر سادات بارہہ کے تمام بڑے سرداروں کو طلب کیا، چنانچہ سید فخر الدین، سید ابوالحسن، سید یحییٰ، سید جمال الدین، سید کمال، سید علی وغیرہ حاضر خدمت ہوئے اور شاہی فوج میں شمولیت اختیار کرکے اہم کارنامے انجام دیے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے اچانک قتل کے بعد ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، یہ بادشاہ انتہائی نیک دل اور فیاض تھا، اس نے سادات بارہہ کی اہم خدمات اوران کی وفاداری کو مدنظر رکھتے ہوے، دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان کا علاقہ جو دوآبہ گنگ وجمن کہلاتا ہے، سادات بارہہ کے نامور سرداروں کو عطا کیا، اس طرح اس نے سادات کی ذرہ نوازی کی اور اپنے پایۂ تخت ''دہلی'' کو بھی مضبوط کیا۔

سید فخر الدین جوابو الفضل سید عبد اللہ الحسن واسطی کی پشت سے تھے، وہ ۱۲۰۶ء میں پنجاب سے دوآبہ کے علاقہ مظفر نگر کے ایک گاؤں میں منتقل ہوگئے، اس کے بعد دیگر سادات (جو ابھی تک پنجاب کے علاقے میں آباد تھے) نے بھی دوآبہ کے علاقے کا رخ کیا، ابوالفرح واسطی کی آٹھویں اورنویں پشت مظفر نگر کے کئی علاقوں میں آکر آباد ہوئی۔

۱۲۱۰ء میں سلطان قطب الدین ایبک پولو کھیل کھیلتے ہوے اچانک موت کا شکار ہوگیا اور تخت شاہی پر شمس الدین التمش بیٹھا، التمش کے دربار میں بھی سادات بارہہ اپنی خدمات کی وجہ سے شاہی عنایات سے برابر سرفراز ہوتے رہے۔

سادات بارہہ کے ایک جلیل القدر امیر سید ابوالمظفر مخاطب بہ نواب خاں (شاہجہاں کے زمانے میں ہفت ہزاری منصب حاصل کیا) کا شاندار مقبرہ موضع منصور پور ضلع مظفر نگر میں ہے۔ (ماخوذ: سادات بارہہ کا تاریخی جائزہ) اور آپ ہی کی اَولاد سے منصور پور آباد ہوا اور سید ابوالمظفر مخاطب بہ نواب خاں کا مقبرہ آج بھی حضرت قاری صاحبؒ کے آبائی قبرستان میں موجود ہے۔

گویا سادات بارہہ کا گھرانہ ہمیشہ اپنی شجاعت وبہادری کے لئے مشہور تھا، شجاعت اس قبیلے کے افراد کے خون میں شامل ہے، ان کے کارنامے آج بھی تاریخ میں تابندہ ہیں، تمام مغلیہ دور حکومت کے اکثر محاربات میں بے خوف ہوکر حصہ لیا سادات بارہہ کے افراد نے اپنی جان پر کھیل کر تیموری سلاطین کی لاج رکھی، ان کی بہادری اور جنگی صلاحیتوں کا بھرپور فائدہ شہنشاہِ اکبر اور اس کے بعد تمام مغلیہ سلاطین نے اٹھایا۔

سادات بارہہ کے بارے میں شہنشاہ جہانگیر کے ارشادات قابل ملاحظہ ہیں۔

''بعض لوگ ان کے صحیح النسب سید ہونے کے متعلق شکوک وشبہات رکھتے ہیں؛ لیکن ان کی شجاعت اور بہادری ان کے سید ہونے کی ناقابل تردید دلیل ہے، اس سلطنت کے تمام معرکوں میں کوئی معرکہ ایسا نہیں ہے جس میں ان لوگوں نے اپنے آپ کو نمایاں نہ کیا ہو اور ان کے کچھ نہ کچھ افراد کام نہ آئے ہوں، مرزا عزیز کوکہ کہا کرتا تھا کہ: سادات بارہہ اس سلطنت پر نازل ہونے والی بلاؤں کا رخ پھیرنے والے لوگ ہیں۔ (توزک جہاں گیری اردو ترجمہ بحوالہ: سادات بارہہ کا تاریخی جائزہ)

سادات بارہہ حسینیہ کا یہ قبیلہ کئی صدی سے مظفر نگر کے کئی مواضعات میں اپنی وضع داری، شان وشوکت، عزت ووقار اور زمین داری کے ساتھ آباد ہے۔

اسی ساداتِ بارہہ کی ایک معتبر شاخ منصور پور ضلع مظفر نگر میں بھی آباد ہے، اسی صحیح النسب خانوادے سے اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا شجرۂ نسب جاملتا ہے۔

ساداتِ بارہہ کی وجہ تسمیہ

اہل علم اور تاریخ دان حضرات نے لفظ بارہہ کی مختلف تشریحات کی ہیں اور اور معنی بتلائے ہیں مثلاً توزک اور طبقات میں لفظ بارہہ کو بارہ (۱۲) کے ہندسے سے مناسبت دی گئی ہے، بارہ ہندی کا لفظ ہے بقول توزک چونکہ دوآبے کے علاقے میں سادات کی آبادی بارہ مواضعات پر مشتمل تھی، اس لئے اس قبیلے کو سادات بارہ کہا گیا، جو بعد میں سادات بارہہ سے مشہور ہو گیا۔

بعض ثقہ حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ سادات بارہہ کے مورث اعلیٰ سید عبداللہ الحسن معروف بہ ابوالفرح واسطی بیرون ہند یعنی عراق سے تشریف لائے تھے، اس لئے ان کی نسل کو ''ساداتِ باہرہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا، جو بعد میں کثرت استعمال کی وجہ سے سادات بارہہ میں تبدیل ہو گیا۔

سادات بارہہ ہندوستان کے مشہور اور بااثر سیدوں کے قبیلے کا نام ہے، جن کے بیشتر خاندان علاقہ دوآبہ جواب مظفر نگر میں واقع ہے، کے مواضعات میں آباد ہیں۔

تواضع وانکساری اور چھوٹوں پر شفقت

کسی بڑے اور باکمال شخصیت کا سب سے بڑا وصف اس کی تواضع اور انکساری ہی ہوسکتی ہے، یہ تمام خوبیوں کی جڑ اور تمام اَوصافِ حمیدہ کی اساس اور اچھائیوں کا سرچشمہ ہے، اس کے بغیر ہر بڑائی برائی بن جاتی ہے، اس کے ساتھ ہر عیب چشم پوشی کے لائق ہوتا ہے، اگر کوئی بڑا اس سے عاری ہے، تو وہ بڑا ہو ہی نہیں سکتا ہے، حضرت قاری صاحبؒ میں تواضع و انکساری بدرجۂ اتم موجود تھی، نہ ہٹو بچو کا جھمیلا، نہ آمد ورفت کے وقت ہنگامہ آرائی، ہر عام آدمی راستہ چلتے ملاقات کر لیتا، ہر کس وناکس کے لئے دروازہ کھلا رہتا شناسا اور غیر شناسا جو بھی آتا آپ کا مہمان بن جاتا۔

احقر کو طالبِ علمی کے لاشعوری دور میں بارہا ملاقات کا شرف اور امتحان دینے کی سعادت حاصل رہی (جب آپ مدرسہ نور العلوم ہر ہر پور پرتاپ گڈھ یوپی کے ممتحن ہوا کرتے تھے) پھر دارالعلوم کے زمانے میں باضابطہ شاگردی کی سعادت ملی، نیز دارالعلوم کے زمانے میں انجمن کے تعلق سے مشورے کے لئے اور کبھی وقت بے وقت ملاقات کی غرض سے حاضر ہو جاتا اور اہم کاموں میں حارج بھی بنتا، لیکن حضرت کے کسی رویے، چہرے کی لکیروں اور چشم ابرو کے اشاروں سے کبھی ناگواری کے اثرات دیکھنے کو نہیں ملے، بات چیت، ہیئت کذائی، برتاؤ اور آمد ورفت کی وضع ہر چیز سے اپنائیت، تواضع اور انکساری جھلکتی محسوس ہوتی، آپ کے کسی رویہ سے بہت بڑے عالم ہونے اور عظیم ادارے کے ذمہ دار ہونے کے احساس کا اظہار نہ ہوتا، حضرت جب بھی مرادآباد تشریف لاتے، اکثر حاضر خدمت ہوتا، بڑی اپنائیت سے نام کے ساتھ خیریت دریافت کرتے، کیا کیا کتابیں متعلق ہیں معلوم کرتے، بتانے پر مفید مشوروں سے نوازتے اور حوصلہ افزا جملے ارشاد فرماتے۔

دل جوئی اور خورد نوازی کا انوکھا انداز

حضرت الاستاذ حضرت امیر الہند کی ذات گونا گوں صفات کا مرکز تھی، آپ ایک طرف اگر تعلیم و تربیت کے حوالے سے سخت واقع ہوئے تھے، تو دوسری طرف طلبہ کی حوصلہ افزائی، دل جوئی اور ان کے تئیں شفقت وعنایت اور خیر خواہی کا یہ عالم تھا کہ طلبہ کے چھوٹے چھوٹے پروگراموں اور انجمنوں میں بہت سے اعذار کے لاحق ہونے اور ذمہ داریوں کی طویل فہرست کے باوجود بھی تشریف لے جاتے اور رسمی شرکت کے بجائے از اول تا آخر شرکت فرماتے۔

دارالعلوم کی بڑی انجمنیں النادی اور مدنی دارالمطالعہ کی سرپرستی اور پروگرام کے لئے وقت نکالنا الگ رہا، آسام بنگال اور دیگر ان صوبوں کی انجمنوں میں شرکت جن کی زبان سے بھی واقف نہ تھے محض دل جوئی اور حوصلہ افزائی کے لئے شرکت فرماتے، کچھ بھی سمجھ میں نہ آنے کے باوجود پروگرام میں کئی کئی گھنٹے بیٹھے رہتے۔

اخیر سالوں میں جب بہتیری ذمہ داریوں نے آگھیرا، سفر زندگی بن گیا، ایک قدم دیوبند میں دوسرا دیوبند سے باہر، ابھی سفر سے واپسی اور چند گھنٹوں میں دوسرے سفر پر روانگی، کبھی میٹنگوں میں شرکت کبھی مدرسوں کے جلسوں میں حاضری، کبھی سیمیناروں کے لئے وقت نکالنا ان تمام مصروفیات کے باوجود اپنے اہم پروگرام کو آگے پیچھے کر کے طلبہ کے چھوٹے چھوٹے پروگراموں کے لئے وقت دینا، طلبہ کے تئیں انتہائی خیر خواہ اور مخلص ہی کوئی یہ کام کرسکتا ہے۔

چونکہ حضرت نے اپنے اساتذہ اور اکابر کو بہت قریب سے دیکھا تھا، اس لئے طلبہ کے ساتھ شفقت، ہمدردی اور دل جوئی میں بڑوں کا انداز اپنانا، مشورے کی طلب پر بہتر مشورہ دینا، ہر ایک کے ذوق ومزاج کی رعایت کے ساتھ ان کے کام آنا، معلوم ہونے پر ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، یہ وہ خوبیاں ہیں جو دیکھنے کو نہیں ملتیں، اللہ تعالیٰ حضرت کو کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، آمین

ایک مثالی مربی

کسی زمانے میں تعلیم وتربیت دونوں کا ایک ہی مفہوم تھا، تعلیم دینے کا مطلب تربیت

کرنا اور تربیت کا مفہوم تعلیم دینا ہوتا تھا، لیکن اب یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان دونوں اصطلاحات کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے، لیکن حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں جو بھی رہتا، تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے، ایک مثالی مربی اور ایک کامیاب مدرس کے اندر جو اوصاف ناگزیر ہوتے ہیں، آپ میں علی وجہ الاتم موجود تھے، تربیت کی صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، تربیت کا کون سا انداز اپنایا جائے اس سے بخوبی واقف تھے، اسی حسنِ تربیت کو دیکھ کر اس عظیم اور معزز خانوادے کی دونسلوں کی تربیت کی ذمہ داری آپ کے سپرد رہی اور آپ نے اس کو بخوبی نبھایا، خاندان کے بچوں کے آپ اتالیقِ خاص رہے، خاندان کے بچوں کے ساتھ قریبی متعلقین اور اعزہ کے بچوں کی تعلیم وتربیت اور دیکھ ریکھ کی ذمہ داری بھی آپ سے متعلق رہتی اور آپ اسے بحسن وخوبی نبھاتے، تربیت اور نگرانی کا عجیب انداز تھا کہ ہر ایک کی ایک ڈائری بناتے، جس میں حاضری اور گھنٹے کے بعد اسباق کا خانہ، پھر یاد ہونے اور نہ ہونے کا کالم، استاذ کے دستخط کی جگہ اور کیفیت کی جگہ ہوتی، پھر ہر ہفتے یا درمیان میں اس ڈائری یا رجسٹر کی طلبی، کام کے پورا نہ ہونے پر اگر تنبیہ کی ضرورت ہوتی تو فوری تنبیہ اور متعلقہ کام کی تکمیل پر حوصلہ افزائی اور اساتذہ کا اعزاز اور ان کے شکریہ کی ادائیگی، نیز ہر ایک کی وضع قطع، لباس، صفائی ستھرائی، اخلاق وکردار اور سلیقہ مندی ہر چیز پر گہری نظر رکھتے اور تعلیم وتربیت کے سلسلے میں آپ کسی طرح کی رعایت کے قائل نہ تھے، اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی اور اس کی بیّن مثال آپ کے دونوں ہونہار صاحبزادے ہیں، جن پر آپ کی تربیت کا اثر نمایاں ہے اور آپ کی توجہ اور نگرانی نے ''الولد سرٌّ لابیہٖ'' کا صحیح مصداق بنادیا، خداوند قدوس انھیں سلامت رکھے اور حضرت کو خوب خوب صلہ اور بدلہ عطا فرمائے۔ (آمین)

خاکی ونوری نہاد

اُستاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ

مفتی محمد اجمل قاسمی اُستاذ تفسیر وادب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ سے استفادے کا زیادہ موقع نہیں مل سکا، دورۂ حدیث میں مؤطا امام مالک حضرت سے وابستہ تھی جو جمعہ کے دن ہوا کرتی تھی، کل چند ہی اسباق ہوتے تھے، باقاعدہ طور پر بس یہی اُسباق ہم نے حضرت سے پڑھے۔ سال ہفتم میں آپ مشکوٰۃ پڑھاتے تھے، مگر ہماری ترتیب الگ تھی، آپ کے درس مشکوٰۃ میں بھی تبرکاً بعض مرتبہ شرکت کی، اس کے علاوہ آپ تکمیلات کے طلبہ کو قادیانیت کے موضوع پر چند محاضرات بھی پیش فرماتے تھے، تکمیلِ ادب کے سال اُن محاضرات میں بھی شرکت کی سعادت حاصل رہی؛ البتہ دارالعلوم میں رہتے ہوئے آپ کو دیکھنے اور بارہا سننے کا موقع ملا، اس دید وشنید سے حضرت کے جو نمایاں محاسن اور اوصافِ حمیدہ مشاہدے میں آئے وہ سپردِ قرطاس کیے جاتے ہیں:

اَسباق کے لئے نوٹس کی تیاری

ہمارے مدارس میں اسباق پڑھانے کے لئے مطالعہ کا اہتمام تو ہوتا ہے، مگر اسباق کے لئے نوٹس تیار کرنے اور پھر اس کو ساتھ رکھ کر اس میں سے ضروری باتیں طلبہ کو لکھانے کا اہتمام

نہیں ہوتا، استاذ جو کچھ بولتا ہے حافظے سے بولتا ہے، یہی طریقہ شروع سے چلا آ رہا ہے، جب کہ عام سبق بالخصوص حدیث کے اسباق میں اُستاذ اگر ضروری یادداشت تحریر کی شکل میں ساتھ رکھے تو وہ مسائل ودلائل کو زیادہ بہتر انداز میں طلبہ کے سامنے رکھ سکتا ہے، نصوص کو مکمل حوالے کے ساتھ طلبہ کو نوٹ کرا سکتا ہے، جب کہ حافظے سے سبق پڑھانے میں تمام متدلات کو بلفظہ نقل کرنا شاذ ونادر کسی کے لئے ممکن ہے، اسی لئے عصری درس گاہوں میں اسباق کے لئے نوٹس تیار کرنے کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحب اس خصوصیت میں ہمارے اَساتذہ میں ممتاز تھے، وہ اسباق کی تیاری ومطالعہ کے دوران باقاعدہ ضروری نوٹس تیار کرتے تھے اور طلبہ کو اہتمام کے ساتھ ضروری باتیں نوٹ بھی کراتے تھے۔ اس طرح اسباق کی تیاری میں زیادہ وقت صرف ہوتا اور پڑھانے میں بھی زیادہ وقت لگتا اور پھر ماحول نہ ہونے کی وجہ سے عام طلبہ میں اس چیز کی جیسی قدر اور پذیرائی ہونی چاہئے تھی؛ نہیں ہوتی تھی، مگر حضرت قاری صاحب دھن کے پکے تھے، ان کا یہ معمول جاری رہتا اور جو شوقین محنتی اور قدر کرنے والے ہوتے ان کو اس سے بڑا فائدہ ہوتا۔ گوناں گوں ذمہ داریوں اور طرح طرح کی مصروفیات سے زیرِ بار ہونے کے باوجود تدریس کے لئے باقاعدہ نوٹس تیار کرنے کا یہ اہتمام طلبہ کی خیرخواہی اور امانتِ تدریس کی بہتر سے بہتر ادائیگی کے تئیں حضرت الاستاذ کی فکرمندی کی بہترین دلیل ہے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت پر مکمل توجہ

حضرت قاری صاحب طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت واصلاح پر بھی پوری توجہ دیتے تھے، وہ سبق میں ہوں، طلبہ کے جلسے میں ہوں، یا زیارت وملاقات کی مجلس ہو، کوئی قابلِ اصلاح یا لائق تنبیہ چیز سامنے آتی تو اس کی اصلاح ضرور فرماتے، آپ سے جو طلبہ وابستہ ہوتے ان کی تربیت میں بھی غصہ کا بھی اظہار فرماتے، اسی طرح درسگاہ میں بھی طلبہ کو غصہ کے انداز میں غلطیوں پر متنبہ کرتے، مگر ان استثنائی حالات کے علاوہ عام طور پر ان کی تنبیہ کا لہجہ نرم

اور تربیت کا انداز بڑا پیارا اور مشفقانہ ہوتا تھا، خاص طور پر انجمن کے جلسوں میں جب طلبہ کی غلطیوں پر تنبیہ فرماتے یا کسی قابلِ اصلاح پہلو پر توجہ دلاتے تو مسکراتے ہوئے بڑے ہی نرم اور اچھے انداز میں توجہ دلاتے، النادی کے اجلاس میں ایک مرتبہ طلبہ کی طرف سے کچھ ایسی نامناسب باتیں سامنے آئیں کہ ہمارے بعض نگراں اساتذہ بے حد ناراض ہوگئے اور جلسے میں غصے اور ناراضگی کا اظہار کرنے لگے، حضرت قاری صاحب بھی تشریف فرما تھے، انہوں نے نگراں صاحب کو بڑے ہی اچھے انداز میں سنبھالا، فرمایا: مولانا یہ بچے ہیں، بچوں سے غلطیاں ہوجاتی ہیں، کوئی بڑی بات نہیں ہوئی، آپ ان کی طرف سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور پھر جب اخیر میں طلبہ کو خطاب فرمایا، تو طلبہ کو بڑی شفقت کے ساتھ سمجھایا اور بہت تاکید سے یہ بات کہی کہ اساتذہ کی سرپرستی کی قدر کرو، ان کی ناراضگی بھی تمہاری بھلائی کے لئے ہوتی ہے، اپنا پروگرام ان کے سامنے پیش کردیا کرو، پھر ان کی جو بھی ہدایات ہوں ان کی خلاف ورزی ہرگز نہ کرو، اور اس کے بعد قاری صاحب نے طلبہ کے پروگرام کے دوسرے حصوں کو خوب سراہا اور طلبہ کے لئے نہایت حوصلہ بخش باتیں ارشاد فرمائیں، حضرت قاری صاحب نے بدمزگی کے بعد پروگرام کو جس خوبصورت انداز میں سنبھالا اور طلبہ و حضرت نگراں صاحب کی دونوں کی رعایت کرتے ہوئے جس بہترین انداز میں بات کہی وہ ان ہی جیسے کہنہ مشق اور باکمال مربی کا حصہ تھا۔

حضرت قاری صاحب اپنی مختلف جہاتی مصروفیات کے باوجود بہت سے سعادت مند طلبہ کو ان کی خواہش پر اپنی سرپرستی اور تربیت میں لے لیتے تھے، ان کا پورا نظام الاوقات مرتب کرواتے اور ان کی مسلسل نگرانی فرماتے، حسبِ ضرورت اصلاح و تنبیہ کرتے اور ضروری ہدایات و مشورے بھی دیتے رہتے۔

طلبہ کی تشویق و ترغیب اور ان کی حوصلہ افزائی

حضرت کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ ہمیشہ طلبہ کو شوق و ترغیب دلاتے، کرنے کے مختلف کام بتاتے، ان کی طالب علمانہ کوششوں کو سراہتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، حضرت

قاری صاحب ہمارے دور میں دارالعلوم کے نیابتِ اہتمام کے منصب پر فائز تھے، درجۂ علیا کے قدیم استاذ تھے، مختلف ذمہ داریاں آپ سے وابستہ تھیں، عمر بھی خاصی ہوچکی تھی، جو شخصیات اس درجہ کی ہوتی ہیں مختلف عوارض ومصروفیات کی بنا پر خارج میں طلبہ کو وقت نہیں دے پاتیں؛ لیکن قربان جایئے قاری صاحب کے، ان کی زندگی کا یہ پہلو میرے لئے ہمیشہ باعث حیرت رہا کہ وہ اپنی تمام متنوع مصروفیات کے باوجود طلبہ کو بھرپور وقت دیتے تھے، انجمنوں کے پروگرام میں اساتذہ تو دور طلبہ بھی زیادہ دیر نہیں رک پاتے، مگر حضرت طلبہ کی دلداری اور حوصلہ افزائی کے لئے دیر دیر تک پورے صبر وسکون اور وقار کے ساتھ تشریف فرما ہوتے، طلبہ دارالعلوم کی عربی انجمن النادی الادبی کے سہ ماہی ششماہی اور سالانہ اجلاس ہوں، یا طلبۂ دارالعلوم کی سب سے منظم اور فعال انجمن مدنی دارالمطالعہ کا معروف سالانہ اجلاس ہو سب میں شروع سے لے کر آخر تک بیٹھتے، اس کے علاوہ جن صوبائی یا ضلعی انجمنوں کے پروگرام میں مدعو کیے جاتے ان میں بھی اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے اور پورا پروگرام سنتے، اخیر میں خطاب فرماتے، کمزوریوں کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ طلبہ کے لئے حوصلہ افزا کلمات ضرور اِرشاد فرماتے۔

النادی کے اجلاس میں تقریر عربی میں فرماتے اور طلبہ کی حوصلہ افزائی میں ایک بات عام طور سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے بہت سے طلبہ کہتے ہیں کہ جن طلبہ نے تقریریں کیں ہیں یا دوسرے پروگرام پیش کئے ہیں ہفتوں یاد کرنے اور رٹنے کے بعد پیش کئے ہیں، اس میں آخر کون سی کمال کی بات ہے؟ فرماتے: ہمارے اُستاذ حضرت مولانا وحید الزماں صاحب ایسے لوگوں سے کہا کرتے تھے، اگر یاد کر کے تقریر کرنا کوئی کمال کی بات نہیں ہے، تو تم بھی کر کے دکھاؤ، جبھی سمجھ میں آئے گا، فرماتے: بسا اوقات شخصیات اور مجمع سے متاثر ہوکر آدمی بار بار کی رٹی تقریر بھی بھول جاتا ہے، انجمنوں میں جب اپنے اساتذہ اور اکابر کے سامنے طالب علم تقریری مشق کر لیتا ہے تو پھر شخصیات اور مجمع سے مرعوب نہیں ہوتا اور بے رٹے تقریر کرنا بھی اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔

ایک مرتبہ حاضرین کی حوصلہ افزائی کرتے ہوے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ذہن میں کبھی

یہ بات پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ آخر ہم سے کیا ہوگا؟ اور ہم کہاں کوئی مقام حاصل کرسکیں گے؟ یہ شیطانی دھوکا ہے، ہمارے اکابر شیخ الہند، علامہ کشمیری، حضرت تھانوی حضرت مدنی وغیرہ بھی اگر یہی سوچ کر بیٹھ جاتے تو جس مقام تک وہ پہنچے ہرگز نہ پہنچ پاتے، مگر انہوں نے یہ سب نہیں سوچا، محنت اور لگن کے ساتھ حصولِ علم میں لگے رہے، تو اللہ نے انہیں اونچا مقام عطا فرمایا، ہم گرچہ اس دورِ اخیر میں ہیں، مگر ہمارے اور آپ کے لئے بھی حدیث میں بڑی بشارت ہے، ٹھیک ہے کہ پہلے دور میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام بخاری و مسلم جیسے لوگ پیدا ہوئے مگر دروازہ بند نہیں ہوا ہے، اس دور میں اس زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے لوگ پیدا ہوئے، اِس دور میں اِس دور کی ضرورت کے لحاظ سے افراد پیدا ہوں گے، جیسا کہ ہمارے اکابر دیوبند پیدا ہوئے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ مَطَرٍ لَا يُدْرَى أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ (رواہ الترمذی) ترجمہ: میری امت کی مثال اس بارش کی طرح ہے جس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا شروع زیادہ خیر و برکت والا ہے یا آخر۔ حضرت نے فرمایا: بلاشبہ امت کے اولین طبقے آخر والوں سے خیر و برکت اور فضیلت میں بڑھے ہوئے ہیں، مگر خیر کا یہ سلسلہ ان کے بعد ختم نہیں ہو جائے گا، بلکہ آخر تک جاری رہے گا اور آخری دور میں دین کی خدمت اور اس کے دفاع کے ایسے تقاضے سامنے آئیں گے جو پہلے لوگوں کے دور میں نہیں آئے اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کی سعادت بھی بعد کے لوگ ہی حاصل کریں گے نہ کہ پہلے کے لوگ، اس طرح جزوی خیر میں بعد کے لوگ بسا اوقات پہلے لوگوں سے بڑھ بھی جائیں گے، اس کو حدیث میں کہا گیا ہے نہیں معلوم اس کا اول زیادہ خیر والا ہے یا آخر۔ حضرت کی یہ بات میرے لئے نئی بھی تھی اور نہایت حوصلہ بخش بھی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اب تک یاد بھی رہ گئی۔

تعمیری ذہن اور سرگرم عمل طبیعت کے مالک

حضرت قاری صاحب کشادہ اور تعمیری ذہن کے مالک تھے، وہ مدارس کے طلبہ کو عصری

تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لئے جدید تعلیم اور کمپیوٹر وغیرہ سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، کہتے تھے ہمارے طلبہ کو اپنی دینی وعلمی شناخت کے ساتھ عصری تعلیم بھی حاصل کرنا چاہیے، تاکہ اس میدان میں بھی ہمارے رجال کار پہنچیں۔ گذشتہ سے پیوستہ سال جمعیت علما کے زیر اہتمام اکابر جمعیت کے حیات اور کارناموں کو یاد کرنے کے لئے سیمیناروں کا سلسلہ شروع ہوا تو راقم السطور نے بھی اس سلسلے کے بعض سیمیناروں میں شرت کی، سیمینار میں کثیر تعداد میں مدارس کے ارباب بینش اور یونی ورسٹیز کے ارباب دانش موجود تھے، ایک پروفیسر صاحب نے سیمینار کو سن کر فرمایا: کچھ کام ایسے ہیں جو علما زیادہ بہتر انجام دے سکتے ہیں، عصری دانش گاہ کے لوگ اسے صحیح انجام نہیں دے سکتے اور کچھ کام ایسے ہیں جسے جدید دانش گاہوں کے فضلا انجام دے ستے ہیں، وہ علما نہیں کرستے، اگر یہ دونوں طبقے باہمی تعاون سے کام کریں تو بڑے بڑے کام وجود میں آسکتے ہیں، حضرت نے اپنے خطاب میں اس خیال کی تائید فرمائی اور کہا: یہ دونوں ہی طبقے امت کا بڑا سرمایہ ہیں اور ہمیں باہمی تعاون کی شکلوں پر غور کرنا چاہیے۔

ایک سے زائد بار حضرت کو خطاب میں یہ کہتے سنا کہ ہمارے مدارس میں تعلیمی نظام کے ساتھ بحث وتحقیق کا بھی ایک شعبہ ہونا چاہیے اور جس طرح پڑھانے کے لئے باقاعدہ استاذ کا تقرر ہوتا ہے اسی طرح تحقیق وتالیف کے لئے مستقلاً اچھے علما کا تقرر ہونا چاہئے۔ آپ اہل علم حضرات کو مختلف علمی کاموں کی طرف متوجہ بھی کرتے رہتے تھے، امدادالفتاویٰ کو حضرت مولانا ومفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت براتہم نے جب اپنی تحقیق سے شائع کیا تو رسم اجرا کے موقع پر حضرت قاری صاحب بھی تشریف لائے، آپ نے فرمایا: جس طرح ہمارے مفتی شبیر احمد صاحب نے ''امدادالفتاویٰ'' پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے، اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''بیان القرآن'' پر بھی تسہیل اور تحقیق کے کام کی ضرورت ہے، اہل علم حضرات کو اس سمت میں بھی توجہ کرنی چاہیے۔

حضرت کا ایک ذوق یہ بھی تھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے پمفلٹ شائع کرنے اور اسے عوام میں تقسیم کرنے پر زور دیتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ جلسے میں آدمی تقریریں سنتا ہے اور بھول جاتا

ہے،ضرورت ہے کہ تقریر کا خلاصہ چند اوراق میں جمع کر دیا جائے اور اسے تقریر کے بعد سامعین میں تقسیم کر دیا جائے، تاکہ آدمی خود بھی اسے پڑھے اور اس کے گھر والے بھی اسے پڑھیں اور اسی سوچ کے ماتحت حضرت نے لاک ڈاؤن کے زمانے میں اصلاح معاشرہ کا وسیع پروگرام تیار کیا اور اساتذۂ دارالعلوم کے تذکیری واصلاحی اسفار کا ایک نظام مرتب کیا گیا تو اس موقع سے آپ نے اساتذہ سے درجنوں پمفلٹ اور کتابچے تیار کرا کے شائع کیے۔

حضرت میں کام کرنے اور اپنے ماتحت لوگوں سے کام لینے کی دھن اور لگن تھی، وہ روایتی دائرے سے نکل کر حالات وتقاضے کے مطابق کام کی نئی نئی شکلیں سوچتے اور انھیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے۔

حسنِ انتظام

حضرت قاری صاحب میں حسنِ انتظام کوٹ کوٹ بھرا تھا، انتظامی امور سے ان کی طبیعت میں خاص مناسبت تھی، وہ بڑی خندہ پیشانی اور سنجیدگی واطمینان کے ساتھ انتظامی امور کو انجام دیتے اور ماتحت عملے کو متحرک وفعال بنائے رکھتے، وہ ہمیشہ اپنے کاموں پر غالب اور حاوی رہا کرتے تھے، اکتاہٹ، جھنجھلاہٹ، جھڑکی اور بات بات میں غصہ وغیرہ جو بارِ انتظام سے مغلوب طبیعتوں کا حصہ ہوتا ہے قاری صاحب کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتا تھا، ہماری طالب علمی کے زمانے میں حضرت درجۂ علیا کے سینئر استاذ ہونے کے ساتھ دارالعلوم کے نیابت اہتمام کے منصب پر بھی فائز تھے، وہ اہتمام سے وابستہ تمام شعبوں پر گہری نظر اور نگرانی رکھتے اور بوقت ضرورت کاروائی کرتے، طلبہ کا کھانا صحیح بن رہا ہے یا نہیں؟ کسی بھی وقت مطبخ پہنچ کر چیک کرنے لگتے، اور اگر کوئی کمی محسوس کرتے تو فوراً تنبیہ کرتے، غرضے کہ وہ ماتحت عملے کو ہمہ وقت متحرک اور فعال رکھتے تھے۔

خیر یہ دارالعلوم کے انتظام وانصرام کی بات ہوئی، حضرت اگر طلبہ کی کسی ضلعی انجمن کے سرپرست ہوتے، تو یہ سرپرستی صرف رسمی نہیں ہوتی تھی، بلکہ سرپرستی کا حق ادا کرتے تھے، انجمن

میں کیا آمد ہوئی، کیا صرف ہوا، کتنے پروگرام ہوے؟ معلوم کرتے، اختتامی پروگرام کی تفصیلات سنتے، انجمن کے تحت ہونے والے تحریری وتقریری مسابقے کے عناوین معلوم کرتے اور ضرورت محسوس کرتے تو اس میں ردوبدل بھی فرماتے، غرضے کہ وہ چھوٹی بڑی جس ذمہ داری کو بھی قبول کرتے اسے کماحقہ ادا کرنے کی کوشش کرتے اور اس کی ذیلی اور جزئی تفصیلات پر بھی پوری نظر رکھتے۔

حلم وبردباری

قاری صاحب میں حلم وبردباری کی صفت بہت ہی اعلی درجہ کی تھی، جہاں مختلف المزاج افراد پر مشتمل بڑا عملہ کام کرتا ہے وہاں مختلف باتوں کو لے کر آپس میں وقتی رنجش اور ناراضگی کا پیدا ہونا عام سی بات ہے، قاری صاحب دارالعلوم میں ایک بڑے عملہ کے ساتھ کام کرتے تھے اور ساتھ ہی انتظام سے بھی وابستہ تھے، مجھے کئی ایسے مواقع یاد ہیں جب کسی مسئلے کو لے کر تدریس میں قاری صاحب کے کسی ہم رتبہ یا کم درجے کے ساتھی کو حضرت قاری صاحب سے شکایت ہوگئی اور انہوں نے بھری مسجد میں، یا امتحان گاہ میں یا کسی اہم مجلس میں قاری صاحب پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور طرزِ سخن ایسا ہوگیا کہ سامنے والا مشتعل ہوے بغیر نہ رہ سے، مگر قربان جائیں قاری صاحب کے، کہ انہوں اس وقت بھی اپنے ساتھی کے احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھا، نرم گفتاری جوان کی خوبی تھی وہ ایک لمحے کے لئے بھی آپ سے جدا نہیں ہوئی، معذرتانہ لہجے میں کہتے رہے، حضرت آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی، بات یہ نہیں یہ ہے، وغیرہ .... یہ حلم وبردباری قاری صاحب کا ہی حصہ تھی، اس طرح کے مواقع پر اپنے غصے اور اعصاب پر وہ جس حیرت انگیز طور پر قابو پا لیتے تھے، اسے دیکھ کر ان کی عظمت کے نقوش دل پر قائم ہوے بغیر نہیں رہتے تھے۔

متنوع اَوصاف کی حامل شخصیت

حضرت قاری صاحب میں باہم متقابل بلکہ متضاد اوصاف نہایت توازن اور خوبصورتی کے ساتھ جمع کردیے گئے تھے، وہ خوش اخلاق ایسے تھے کہ ہر چھوٹا بڑا اور خاص وعام بڑی سہولت سے اپنی بات ان سے کہہ سکتا تھا، ان کے سامنے اپنی درخواست رکھ سکتا تھا، اپنی شکایت پیش

کرسکتا تھا،مگر ساتھ ہی ان میں وقار بھی ایسا تھا کہ کوئی آسانی سے ادنیٰ قسم کی بے ادبی و بے احترامی کی ہمت جٹا نہیں سکتا تھا۔ وہ متواضع ایسے تھے کہ طلبہ کی درخواست پر معمولی معمولی قسم کے پروگراموں میں تشریف لے جاتے، عام لوگوں کی درخواست پر بے تکلف ان کے گھر چلے جاتے، جو پیش کیا جاتا خوش دلی کے ساتھ اسے نوش فرمالیتے، اخیر عمر تک بلا تکلف رکشہ میں بیٹھ جاتے، مگر ساتھ ہی وضعداری بھی ایسی تھی کہ دین و دیانت اور شرافت و نجابت کے خلاف انہیں کسی چیز پر آمادہ کرپانا ممکن نہ تھا۔ وہ نہایت نرم اور رعایت و مراعات والے شخص تھے، مگر اصول و ضابطے کے خلاف ان کے یہاں رعایت اور نرمی کا کوئی خانہ نہیں تھا۔ ان کے یہاں سادگی میں رکھ رکھاؤ تھا، تکلف سے بری نفاست و نستعلیقیت تھی۔ ان کی شخصیت اقبال کے اس شعر کا بہترین مصداق تھی:

خاکی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات
دونوں جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز
اس کی اُمیدیں قلیل، اُس کے مقاصد جلیل
اُس کی نگہ سربلند، اُس کی سخن دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہویا بزم ہو، پاک دل وپاکباز

اللہ تعالیٰ حضرت والا کی مغفرت فرمائے، خدمات پر بہترین صلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔

زینتِ مسندِ تدریس

مولانا مفتی فہیم الدین صاحب بجنوری اُستاذ دارالعلوم دیوبند

دارالاقامہ

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں میری حاضری سن ۱۹۹۷ء کو ہوئی، اس وقت حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ، دیگر متعدد و متنوع ذمہ داریوں کے ساتھ، دارالاقامہ کے مرکزی وکلیدی عہدے پر جلوہ افروز تھے، صیغہ ہائے انتظام کی نسبت آپ کا امتیاز قدیم الایام سے متفق علیہ رہا ہے، دارالاقامہ میں نظم کی پیہم تبدیلیوں کے پس منظر میں عبوری مرحلے کی صورت تھی، آپ کی آمد سے انتظام میں بہتری واستحکام آیا، اس ضمن میں شعبے سے متعلق ماتحت نظما کے علاوہ، معاصرین وبالا دستوں کا تعاون بھی حاصل رہا، دارالعلوم میں یہ میرا پہلا سال تھا اور رہائش رواق خالد کمرہ نمبر ۲۴ میں تھی، حضرتِ مدنی دامت برکاتہم کی گھن گرج سے جملہ حلقے لرزاں رہتے تھے، بنیان اور لنگی میں، ننگے سر اور ننگے پاؤں، رواق خالد سے مطبخ کی جانب سرپٹ دوڑنا خوب یاد ہے، بدحواس غول کے غول طالبِ پناہ ہوتے اور ایک منظر دیدنی پیدا ہوتا، حضرت والا مدظلہ کے دستِ عبرت کا ذاتی تجربہ تو نہیں ہوا؛ تاہم دوسروں پر یہ برقِ اصلاح گرتے خوب دیکھی ہے۔

نیابتِ اہتمام

سالِ آئندہ ہفتم اُولی میں پہنچا، تو آپ نیابتِ اہتمام کے لیے منتخب ہوئے، میرے جیسا ''کشت حرف کا شہید'' اور ایوانِ بالا کی یہ خبریں! رہائشی کمرہ مسجد قدیم اور درس گاہ؛ بس یہی ہمارا

طے شدہ مدارِ گردش تھا، احاطے کے باہر جھانکتے ہوئے ہفتوں گذر جاتے تھے؛ لیکن بھلا ہو درس گاہ کے ''گستاخ طبع'' ساتھیوں کا، جنھوں نے حضرت الاستاذ مولانا مدراسی دامت برکاتہم کو گھیر لیا اور تازہ ترقی پر لڈو کے طالب ہوئے، نیابتِ اہتمام کا عہدہ ہر دو حضرات کو تفویض ہوا تھا۔

پہل کاری

مفوضہ ذمہ داریاں ہمیشہ آپ کی چھاپ سے درخشاں رہیں، ہر دفتر میں آپ کی بہترین یادگاریں ہیں، انتظامی صیغے میں نیک نامی کی بنیادی وجہ پہل کاری ہے، میر کارواں حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم نے تعزیتی وتاثراتی صوتی پیغام میں حضرت کے حوالے سے خوب فرمایا ہے کہ اگر معاون مہتمم نو بجے آمد درج کراتا ہے، تو ملازمین کیوں کر لیٹ ہو سکتے ہیں! آمد میں سبقت اور متعلقہ معاملات کی انجام دہی میں پہل کاری سے نظام سنورتا ہے، آپ کے اس معمول نے دفتروں کی فضا کے حسن و پاکیزگی کو دوبالا کیا۔

بازپرس منتظم

حجۃ الاسلام حضرت الامام محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کا یہ مقولہ شہرۂ آفاق ہے کہ جس کا پیر ''ٹرّا'' (ٹرٹر کرنے والا، یعنی روک ٹوک کرنے والا) نہیں ہوتا، اس کی اصلاح نہیں ہوتی؛ انتظامی امور میں بھی جزوی فرق کے ساتھ یہ افتادناگزیر ہے، بازپرسی آپ کی طبیعت کا حصہ تھی، اس پہلو سے متعلق ماتحتوں کی بیان کردہ داستانیں، احاطے کی گردش کا حصہ ہیں۔

چند ماہ قبل مہمان خانہ دارالعلوم دیوبند میں، اساتذۂ دارالعلوم کی اہم اور آپ کی حیاتِ مستعار کی آخری نشست ہوئی تھی، جس میں لاک ڈاؤن کے دور کی منظور شدہ تصنیفی وتالیفی سرگرمیوں کا جائزہ مقصود تھا، حضرت والا چوں کہ متعلقہ کمیٹی کے سربراہ تھے؛ اس لیے آپ نے مختلف تجاویز سامنے رکھیں، ان میں ایک نئی بات یہ تھی کہ اساتذہ کے لیے ایک موضوع طے کیا جائے اور اس پر مطالعہ کا مکلّف بنایا جائے اور پھر ایک میعاد میں اس کے لیے جائزہ اجلاس بھی بلایا جائے؛ لیکن دیگر اکابر کو اس رائے پر تحفظات تھے، بات آئی گئی ہوگئی؛ یہ ''میعادی جائزہ

اجلاس'' کا جو اصرار آپ کو تھا، یہ اسی طبیعت کا اثر ہے، جس کو اوپر باز پرس اور احتساب سے تعبیر کیا گیا اور جو انتظامی زندگی کا سب سے ضروری زادِ راہ ہے۔

معاصرین کی نسبت بصیرت وفراست

ذمے دار کو ماتحتوں کے سوا معاصرین اور بالا دستوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے، اول الذکر سے کام لینا سہل ہے؛ لیکن معاصرین اور بڑوں کا معاملہ صبر آزما ہوتا ہے، تکمیل ادب کی درس گاہ میں برقی پنکھے قدیم تھے، سست گام ہونے کی وجہ سے مفیدِ مطلب بھی نہیں تھے اور شور مستزاد تھا، یہ پنکھے استاذِ گرامی حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی علیہ الرحمہ کے ملاحظے میں تھے، حسبِ عادت وہ ان کو اپنے مخصوص و عالم گیر فقروں سے بھی نواز چکے تھے، گرمی زیادہ ہوئی، تو آپ نے ان کی تبدیلی کے لیے درخواست جمع کرائی اور تصدیق کی مد میں اپنے دستخط ثبت فرمائے، درخواست دستوری مراحل کی نذر ہو کر برقیات میں کہیں رہ گئی، اس دوران حضرت کو یاد آیا، طلبہ کے جواب پر یکایک برہم ہو گئے اور بہت ہی برافروختہ ہوئے؛ یہاں تک کہ ہم سب کو فوری طور پر درس گاہ بدر کیا اور فرمایا کہ دفتر اہتمام جاؤ اور اسی وقت مطلوبہ پنکھوں کا نظم کرو، ہم ''اوسان خطا'' عالم میں دفتر اہتمام پہنچے، جہاں ہماری داد رسی کے لیے، نائب مہتمم حضرت مولانا قاری عثمان صاحب تشریف فرما تھے، ماجرا سنا اور ہنگامی صورت حال سے آگاہ ہوئے۔

بلاشبہ ایک منتظم کے لیے ایسے لحات امتحان آمیز ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہر مے خوار کے لیے دستور مے خانہ جداگانہ ہو سکتا ہے؛ لیکن آدابِ مے خانہ کتنی لچک کی گنجائش رکھتے ہیں؛ اس کے لیے فراست وبصیرت دونوں درکار ہیں، آپ نے برقیات کے ملازمین کو حکم دیا کہ مسجد رشید سے کچھ عمدہ نئے پنکھے اتارو اور ابھی تکمیل ادب کی درس گاہ میں نصب کرو، اس تدبیر سے صورت حال فوری طور پر معمول پر آ گئی اور ان نئے پنکھوں کی تیز گام ہوا میں باقی سبق کی تکمیل ہوئی۔

حق گوئی

ہم نے راست گوئی میں آپ کو بے باک پایا، خلافِ اصول گفتگو کا تحمل نہیں تھا؛ سر مجلس

ٹوکنے کی روایات سب کے علم میں ہیں، اصول اور نکتے کی بات کہتے تھے، بہت پہلے کا واقعہ ہے، تبلیغ کی ایک کلیدی شخصیت نے مادرِ علمی میں، طلبہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر، خواص کی نشست کے دوران مبنی بر غلو بحث چھیڑ دی، تو آپ نے فضا کے مثبت رنگ کے علی الرغم، اس کا بروقت نوٹس لیا اور ان کو وضاحت پر مجبور کیا، ان چیزوں میں لحاظ اور مروت کے قائل نہیں تھے۔

ایک بزرگ، مسلک کے پس منظر میں، توسیعی خیالات کے حامل تھے، ایک پروگرام میں معیت کا اتفاق ہوا، انھوں نے حسبِ توقع اپنے توسیعی ذہن کے مطابق، فرقوں اور مسلکوں کو بے مہار قابل تاویل قرار دیا، تو آپ نے ان سے بھی تیز و تند اور دراز نفس بحث اسی وقت کی، مذکورہ شخصیت کے پاس حضرت کے اس سوال کا جواب نہیں تھا کہ کیا خوارج، معتزلہ اور شیعہ کے لیے بھی تاویل کی جائے؟

ہم نے النادی کے پروگرام کی تیاری بڑے جوش وخروش سے کی، ایک مکالمہ دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے موازنے پر تھا، جس میں ثانی الذکر کی تحقیر وتنقیص نمایاں تھی، تیاری جائزے میں نظر سے گذرا تو برہم ہو گئے، سب کی فہمائش کی اور اس مکالمے کو سرے سے منسوخ کرایا۔

راست بازی

سب کہہ رہے ہیں کہ انتظام وانصرام میں آپ بے نظیر تھے؛ لیکن یہ امتیاز دراصل ہزار خوبیوں کی کوکھ سے جنم لیتا ہے، ہر شخص اچھا منتظم نہیں ہوسکتا؛ اس باب میں نیک نامی کا سفر دیانت داری، منصف مزاجی، مضبوط کردار، اعلی اخلاق، بے لوث خدمت اور ذاتی مفاد کی قربانی سے ہو کر گذرتا ہے، یہ صفات ہوں، تو آپ بھی مثالی منتظم بن سکتے ہیں، کوئی کہہ رہا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کی حالیہ دعوت میں داعی کے نمائندوں نے کھانا حضرت امیر الہند علیہ الرحمہ کے گھر بھی پہنچا دیا تھا، اطلاع ملنے پر آپ نے یہ کہہ کر معذرت کی اور کھانا بھی واپس کیا کہ دعوت صرف میری تھی، میں شرکت کر چکا، میرے اہلِ خانہ کی دعوت نہیں تھی۔

موطأ امام مالک کا درس

دارالحدیث میں موطأ امام مالک کا درس دیتے تھے، یہ سلسلہ دراز ثابت ہوا، فقہی بحثوں میں جدال کے رنگ سے بچ نکلنا آسان نہیں؛ مجبوری بھی ہے کہ محدثین نے انتخابِ احادیث میں، اپنے فقہی ذوق اور مسلکی وابستگی کو پیش نظر رکھا ہے، ایسی صورت حال کے ردعمل میں، فطری طور پر تیزی در آنے کا امکان غالب ہوتا ہے، حضرت کے یہاں یہ رنگ نہیں تھا، ائمہ کے احترام کا خاص اہتمام، ان کے دلائل کے تجزیے میں دل کش شائستگی، اپنے مستدلات کی سنجیدہ توضیح، نزاعی مباحث میں شیریں گفتاری اور نرم خوئی؛ آپ کے درس موطأ کے امتیازی خط وخال تھے، پھر غیر متعلق گفتگو سے اجتناب، متعلقہ پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو، حل کتاب کے لیے درکار حوالوں پر اکتفا؛ آپ کے درس کو امتیاز کے ساتھ، حسن وخوب صورتی اور زیب وزینت دیتے تھے۔

(الجمعیۃ امیر الہند رابع نمبر ۱۷۷-۱۷۹)

حضرت امیر الہند رابع نور اللہ مرقدہ کا

عدل و اعتدال

مفتی حبیب الرحمٰن قاسمی مئوائمہ الہ آباد

حضرت امیر الہند رابع صدر جمعیۃ علماء ہند، قائم مقام مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے داماد امارت شرعیہ ہند کے امیر، شعبۂ ختم نبوت کے روحِ رواں حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری قدس سرہ جامع الکمالات عبقری شخصیت تھے، تعلیم و تدریس، انتظام و انصرام، تزکیۂ باطن، دعوت الی اللہ، انسانیت نوازی، حب الوطنی، بھائی چارہ اسلام و مسلمانوں کی فلاح و بہبود، ملک وملت کی خیر خواہی میں ہمہ تن مصروف تھے، ''رہبان باللیل وفرسان بالنہار'' کے مصداق تھے، خوش مزاج، کم گو، پاکیزہ طبیعت کے مالک تھے، درس و تدریس کے ماہر تھے، درس جامع مختصر عام فہم سنجیدہ ہوتا تھا۔

قرآن پاک سے عشق تھا، تجوید کے ساتھ حسن صوت سلاست و روانی سے قرآن فہمی کے ساتھ اندازِ افہام سے قلوب متأثر ہوتے تھے، آنکھوں میں آنسو آجاتا تھا، معلوم ہوتا کہ ابھی قرآن نازل ہورہا ہے، قرآن کے ساتھ علوم قرآن، اصولِ تفسیر، علومِ حدیث، فقہ وفتاویٰ کے ماہر تھے، حدیث اصولِ حدیث، روایت و درایت میں اسناد ناسخ و منسوخ معرفت رجال و علل سے خصوصی لگاؤ تھا، فقہی اجتماعات میں دلچسپی سے اول تا آخر شریک رہتے اور آراء کے بعد اعتدال کے ساتھ مسائل مجوزہ پر گہری نظر فرماتے تھے، عربی زبان و ادب اور انشاء میں شیخ

الادب حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے سچے جانشین تھے، تقریر وعظ انتہائی مدلل مبرہن ہوتا تھا۔

جمعیۃ علماء ہند کے جملہ امور میں فعال اور متحرک رہتے تھے، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوتے تھے، اپنے چھوٹوں پر انتہائی شفیق اور بڑوں کی توقیر میں کوئی کمی نہیں رکھتے تھے۔

کل ہند مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء ہند نظام الدین دہلی کے بھرے مجمعے میں فرمایا حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم ہمارے محترم ہیں، نظریات میں اختلاف ہونا، اخلاص کے خلاف نہیں ہے، جو ان کی ناقدری یا توہین کرتا ہے، وہ ہماری جمعیۃ کا فرد نہیں ہے، حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہ کے راہِ سلوک میں خلیفہ اور کتنے لوگوں کے مرشد تھے، آپ کی راتیں اللہ سے الحاح وزاری ومناجات میں گذرتی تھیں اوراد وظائف، اشغال ومراقبات، ریاضت میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی، جمعیۃ علماء ہند میں رہ کر دین وسیاست کے ہر میدان میں رہبرانہ اور قائدانہ کردار فرمایا تھا، انتہائی مدبر، مفکر، مصیب الرائے تھے، ملک وملت کے پاسبان وامین تھے، مولانا محمود مدنی، مفتی محمد سلمان ومفتی محمد عفان سلمہم جیسے لوگ ان کی مشفقانہ تربیت کا نتیجہ ہیں:

اُولٰئِکَ آبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعْتَنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

عدل واعتدال

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ اپنی خاندانی تعلیم وتربیت اور خاندانی شرافت کے ساتھ حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ کی باطنی توجہات کی وجہ سے حسنِ سلوک کے ساتھ حسن خلق کے جامع تھے، آپ کا ظاہر بھی باطن کا عکاس تھا، آپ کی صفاتِ حمیدہ میں صفت عدل واعتدال ساری صفات پر غالب تھی، صفتِ عدل آپ کے اخلاق، معاشرت، معاملات سیاسیات کے ہر گوشہ پر محیط تھی، صفت عدل کا ہی نتیجہ ہے کہ چند ایام اہتمام میں دارالعلوم میں چار چاند لگا دیے

اور جمعیۃ علماء ہند کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہیں دیا اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

جہاں مذہب اسلام دینِ فطرت ہے، امت وسط ہے، آپ کی زندگی بھی اعتدال و وسط تھی، جس طرح کائنات کے وجود میں عناصر اربعہ کو دخل ہے، اسی طرح قوائے اربعہ پر آپ کی صفت اعتدال غالب تھی جس کی وجہ "تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ" کے پیکر بن گئے تھے، معیت الٰہیہ کا حصول اور عبدیت کاملہ کا مجسمہ بن گئے تھے، اللہ پاک قرب ورضا کی دولت سے مالا مال فرمائے، آمین۔

قوت عقلیہ میں اعتدال کی وجہ سے ذکاء فراست، اصابت رائے، تحفظِ ناموس وغیرہ وغیرہ بہت سی صفات عالیہ تھیں۔

آپ کی قوت علمیہ میں اعتدال کی وجہ سے جس کو حکمت بھی کہہ سکتے ہیں، عقائد میں حق و باطل کی تمیز، احقاقِ حق وابطالِ باطل کا ملکہ، اقوال میں اعتدال کی وجہ سے صدق وکذب کا فرق، اعمال میں اعتدال کی وجہ سے نیک وبد کی تمیز، سنت وبدعت کا فرق، نیکی اور سنت کو فروغ دینا تھا۔

آپ کی قوت غضب میں اعتدال تھا، جس کی وجہ سے شجاعت، حلم، استقلال، استقامت، صبر ووقار، عاقبت بینی، ملاطفت، کظمِ غیظ وغیرہ صفات کے حامل تھے۔ قوت غضب میں اعتدال کی وجہ سے کبر ونخوت، خود پسندی، جبن اور بے غیرتی سے محفوظ تھے، قوت شہوانیہ میں اعتدال کی وجہ سے عفت، خشیت، قناعت، احسان وسلوک کی صفات اجاگر تھیں، حرص ولالچ، تملق، تذلل، حسد، کینہ، بغض سے پاک صاف تھے۔ ع:

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بہت سے خوش قسمت لوگوں نے آپ سے بیعت وارشاد لیا، آپ کی اولادِ صالح اور کارنامے صدقہ جاریہ ہیں اور بے شمار شاگردانِ علومِ نبوت آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں اور طالبینِ راہِ سلوک بھی صدقہ جاریہ ہیں:

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

کچھ یادیں

مدرسہ دارالرشاد بارہ بنکی کے مہتمم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے بڑے داماد حضرت مولانا رشید الدین حمیدی نور اللہ مرقدہٗ تھے، دارالرشاد نام پڑنے کے بعد مدرسہ میں داخل ہونے والا پہلا طالب علم حبیب الرحمٰن تھا، دیارِ مشرق میں ''بنکی'' اکابر واسلاف کا مرکز بنا تھا، حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمہ اللہ کے موقوفہ مکان میں مدرسہ قائم تھا، حضرت مولانا کی برابر تشریف آوری ہوتی تھی، اسی طرح حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء، مجازین، منتسبین، متعلقین کا بھی کثرت سے ورود مسعود ہوتا رہا، شیخ الحدیث مولانا فخر الدین رحمہ اللہ، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا ارشد مدنی، مولانا اسجد مدنی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندوی، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب بہرائچی، قاری فخر الدین گیاوی، مولانا کلیم اللہ بہرائچی، مولانا نسیم اللہ، مولانا بشیر فیض آبادی، مولانا سلامت اللہ بہرائچی، مولانا عبد الصمد گورکھپوری رحمہم اللہ وغیرہ ان گنت اکابر علماء ومشائخ تشریف لاتے رہے، سخت تنگی مال میں حضرت مولانا رشید الدین حمیدی رحمہ اللہ کی وسیع ضیافت کا منظر کبھی بھول نہیں سکتا۔

۱۹۷۰ء میں بندہ مختصر المعانی کی جماعت میں تھا، سالانہ امتحان حضرت قاری سید محمد عثمان منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ نے تحریری لیا تھا، معائنہ رجسٹر میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے مدرسہ کی تعلیم وتربیت وغیرہ سے متعلق تحریر فرمائیں، اس پر یہ بھی تحریر فرمایا:

> ''حبیب الرحمٰن الہ آبادی قابل ستائش طالب علم ہے، جس نے تمام پرچوں کے جوابات اچھی عربی میں تحریر کیے ہیں، اللہم زد فزد، مدرسہ کی جانب سے انعام دینا چاہیے''۔

''بنکی'' کے بعد مادر علمی دار العلوم دیوبند آیا اور جلالین میں داخلہ لیا، غالباً سہ ماہی کا امتحان قریب تھا، حضرت مہتمم سید رشید الدین حمیدی نور اللہ مرقدہ میرے کمرہ ۷رمسجد قدیم میں تشریف لائے اور نقلِ خط اور دوسو روپیہ انعام دیا، اللہ پاک قاری صاحب رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

❍❖❍

عظیم اُصولوں کی حامل شخصیت

از: مولانا نیاز احمد فاروقی، سکریٹری جمعیۃ علماء ہند

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ علم و فضل، زہد و تقوی اور فکر و تدبر کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ آپ ۲۰۰۸ء میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر بنے، یہ تنظیمی اعتبار سے انتہائی مشکل وقت تھا۔ انھوں نے فکر و تدبر اور دانشمندی کی راہ سے ہر طرح کے حالات کا مردانہ مقابلہ کیا۔ راقم الحروف کو ان کے تیرہ سالہ دور صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کی مختلف سرگرمیوں میں کام کرنے کا موقع میسر ہوا، ان کو ہمیشہ اصول پسند، دور بیں اور امت کے مسئلہ میں فکر مند پایا۔ ان کی مکمل زندگی اصولوں سے مرقع تھی۔ خدا رب العزت ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور مقام قرب کے درجات عالیہ سے ہم کنار کرے۔ ان کے اخلاق و عادات بھی بہت ہی بلند و بالا تھے اور روزمرہ کے کاموں میں بھی سنت کی اتباع و پیروی کی پوری سعی کرتے تھے۔

حضرت والا کی سب سے بڑی خصوصیت تھی کہ انھوں نے جمعیۃ کے عہدہ صدارت کو ہمیشہ اپنے لئے ذمہ داری سمجھا اور اس فرضِ منصبی کے شایان شان اس کا حق ادا کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ ملک کے اندر کوئی بھی واقعہ پیش آتا تھا تو ہم نے ہمیشہ ان کو یہ کہتے سنا کہ اس سلسلے میں جمعیۃ علماء کی امت کے تئیں کیا ذمہ داری ہے۔ ساتھ ہی اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اگر اس کے بارے میں پوچھا جائے تو کیا جواب دیں گے۔ یہ ساری باتیں ان کے ذہن میں ہمیشہ رہتی تھیں اور وہ اسی احساس فرض کے ساتھ آگے بڑھتے تھے۔ انھوں نے

کبھی اس بات پر فخر نہیں کیا کہ وہ جمعیۃ علماء ہند جیسی عظیم جماعت کے صدر ہیں، بلکہ اس کی جگہ یہ احساس جاگزیں ہوتا کہ اللہ تعالی کے یہاں ہمیں اس عہدہ کو لے کر جواب دہ ہونا ہے۔ وہ اس بات کی کبھی کوئی پروانہیں کرتے تھے کہ کوئی خوش ہوگا یا ناراض، وہ ہمیشہ منزل مقصود کی طرف نگاہ رکھتے اور اس پر اپنی توانائی صرف کرتے۔

جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا، وہ اس پر مباحثہ کرتے، ہمارا استدلال یہ ہوتا کہ اس میں حکومت کا رویہ اس طرح ہوگا اور اپوزیشن پارٹی یہ سوچے گی، ملک کے عوام اس طرح ری ایکشن کریں گے، تو آپ اس کے جواب میں فرماتے کہ ہمیں اس سے قطع نظر، اپنی ذمہ داری کے بارے میں سوچنا چاہیے، کسی کی خوشی اور کسی کی تنقید کی ہمیں کوئی پروانہیں کرنی چاہے۔ آپ بہت سارے مسائل میں فیصلے کے وقت شریعت کا حوالے دیا کرتے، چاہے دستور کی تشریح کا معاملہ ہو، یا کسی واقعہ کے بارے میں ردعمل ہو، آپ شریعت کی روشنی میں اس کے پہلوؤں کا جائزہ لیتے، یہ جاننے کی ضرور کوشش کرتے کہ شریعت کی روشنی میں اس سلسلے میں کیا رہ نمائی ہے، اس کے بعد حکومت کی پالیسی اور سماج میں اس کے پڑنے والے اثرات کا بھی بڑی باریک بینی سے جائزہ لیتے۔

راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ ۲۰۱۰ء میں رائٹ ٹو ایجوکیشن قانون کا معاملہ درپیش تھا، جمعیۃ علماء ہند نے اس کے عواقب و مضمرات کا جائزہ لیا اور اس سلسلے میں ۵/اگست ۲۰۱۰ء کو 'لازمی عصری تعلیم کا چیلنج کانفرنس' انڈیا انٹرنیشنل سینٹر نئی دہلی میں منعقد ہوئی، جس میں ملک کی اہم مسلم تنظیموں اور تمام مکاتب فکر و مسلکوں کے رہنماؤں، قانونی ماہرین و وائس چانسلر نے شرکت کی، جس میں خاص طور سے دینی مدارس کی آزادی کو درپیش خطرات پر بحث و گفتگو ہوئی، جناب سلمان خورشید صاحب اور جناب کپل سبل صاحب (جو اس وقت وزیر تھے) انھوں نے کہا کہ مدارس، اس کی زد میں نہیں آتے ہیں، تو اس موقع پر انھوں نے جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا کہ ''اگر لازمی تعلیم کے قانون میں ایسا کچھ نہیں ہے جس سے

مدارس پر زد پڑتی ہو تو حکوت کو تحریری شکل میں دینا چاہیے کہ مدارس اس قانون سے مستثنیٰ ہیں۔مسلمانوں کے عصری تعلیمی اداروں کو حکومت امداد دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔لیکن مدارس پر بہت مہربان نظر آتی ہے جس سے حکومت کے ارادوں پر شک ہوتا ہے''۔مولانا مرحوم کے اس مطالبے کا یہ اثر ہوا کہ باضابطہ حکومت نے تحریری طور سے مدارس اور دھارمک پاٹھ شالاؤں کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا،جس کی وجہ سے آج تک مدارس کا حق قائم ہے،اگر تحریری طور سے سرکاری ہدایت نہیں ہوتی تو زبانی بیان بازی کا کوئی فرق نہیں پڑتا اور بدلی ہوئی موجودہ سرکار کا جو رویہ ہے،اس کے تحت مدارس ڈائریکٹ زد میں آتے۔

حضرت قاری صاحبؒ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ بہت ہی سخت گیر اور اصول پسند تھے،عام طور سے ایسے لفظ کا تاثر یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت منجمد اور سخت گیر سوچ کے تھے، لیکن یہ امر میرے تجربہ کے اعتبار سے غلط ہے۔جب بھی میں نے اصول،شریعت اور جمعیۃ کے دستور کے اعتبار سے کچھ بھی کہا تو وہ اسے فوراً مان لیتے۔ان کے نزدیک اصول پسندی کا یہ مطلب تھا کہ جو چیز ہم کہہ رہے ہیں یا کر رہے ہیں،اس کے جواز کی کوئی دلیل یا اس کی اصل ہونی چاہیے، میرے لئے ان سے معاملہ کرنا بہت آسان تھا،کیوں کہ میں قانون کا بھی طالب علم ہوں،جہاں باریک سے باریک پہلوؤں کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے۔یہ قانون کا مزاج ہے کہ بات مدلل اور مستحکم ہو۔ان کے مزاج کی فطرت میں یہ ودیعت کی گئی تھی کہ وہ ہر چیز کو مدلل انداز میں سوچتے تھے،اور مدلل انداز میں پیش کی گئی چیز کو ہی تسلیم کرتے تھے،ہم کو کبھی نہیں یہ ڈر ہوا کہ وہ کسی کے اثر میں آ کر یا شکایت یا لالچ کی بنیاد پر کسی مسئلہ کو تسلیم کر لیں گے یا اپنے اصلی موقف سے منحرف ہو جائیں گے۔یہ چیز بہت کم بڑے لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ وہ اصول اور دلیل کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کریں، بلکہ اکثر وہ حالات کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں، یہ کہا جاتا ہے کہ لیڈر شپ اصل وہ ہے جس کے پیچھے زمانہ چلے، وہ لیڈر ہو نہیں سکتا جو زمانہ کے پیچھے چلے۔حضرت قاری صاحب مرحوم ہمیشہ اسی درجہ کی شخصیت کے حامل تھے کہ وہ عوامی بھیڑ یا مجمع کی کثرت سے مرعوب نہیں

ہوتے۔ اگر کہیں اصول کے خلاف بات ہوتو کوئی بھی ان کو قائل نہیں کرسکتا، چاہے کتنا ہی بڑا مجمع کیوں نہ ہواور اگر کوئی بات ان کے فہم میں آجاتی تھی تو اس کو تسلیم کرنے میں کبھی اپنی کمتری یا ضعف محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ فراخ دلی سے اس کا استقبال کرتے۔

ان کی پوری شخصیت صاف ذہن اور سوچ کی آئینہ دار تھی، ان کی ہدایت یا تحریر میں کچھ گنجلگ نہیں ہوتا تھا، ان کا ذہن بالکل صاف ہوتا تھا، ہم نے کبھی نہیں پایا کہ وہ تذبذب کے شکا رہوں، کبھی ہم لوگ کسی مسئلہ میں تذبذب کا شکار ہوتے تو ان سے بات کرنے کے بعد تذبذب سے باہر آجاتے۔

ہمیں ان پر اس وجہ سے بے انتہا اعتماد تھا کہ ان کی گفتگو اور بات میں علم کی روشنی نظر آتی تھی، بات کرتے ہی ایسا لگتا تھا کہ ہم اس موضوع پر ایسے شخص سے بات کررہے ہیں جو عالم اور دانا ہے اور ہمہ جہت عبور رکھتا ہے۔ حال میں ہمارا تجربہ این آرسی اور سی اے اے کے مسئلے پر ہوا ،انھوں نے ہم سے سینکڑوں صفحات پڑھوائے، خود بھی مطالعہ کیا اور پھر اس پر جرح اتنا کیا کہ ہمارے کچھ ساتھیوں کو ایسا لگا کہ ہم کہاں پھنس گئے، لیکن ان کے ذریعہ جرح کے بعد جو موقف سامنے آیا، وہ بہت ہی واضح اور خود ہمارے لئے کافی مدد ومعاون تھا۔ وہ کسی بھی نظریہ کو ماننے سے پہلے پڑھتے تھے، این آرسی کے مسئلہ پر انھوں نے صرف اس کے سیاسی پہلو کو ہی سامنے نہیں رکھا بلکہ اس کے نقصانات کا باضابطہ تجزیہ کروایا، جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں ان کی صدارت میں دانشوروں اور وکلا کا اجتماع ہوا، وہ لگاتار سوالات پوچھتے رہے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرتے رہے، پھر جاکر ایک حتمی رائے پر پہنچے اور پوری مضبوطی سے جمعیۃ علماء ہند نے اپنا موقف رکھا کہ سی اے اے، ملک کے آئین سے متصادم ہے اور اس کی بنیاد ملک کی صلاح وفلاح پر نہیں بلکہ فساد پر قائم ہے۔ اسی طرح طلاق ثلثہ کا کورٹ میں قضیہ پیش آیا، انھوں نے شرعی اور قانونی پہلوؤں پر ہم وکلا سے سیر حاصل بحث کی، اس کی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند کا ٹھوس موقف سامنے آیا ،حالاں کہ ملک کی عدالت میں یہ مقدمہ یک طرفہ طور سے فیصل ہوا، لیکن تاریخ میں یہ بات درج

ہوگی کہ جمعیۃ علماء ہند نے کس طرح عدالت کی بحث کے دوران اور بعد میں ایک مستحکم موقف اپنایا۔ یہ جمعیۃ علماء ہند کو ہی امتیاز حاصل ہے کہ عدالت کے فیصلے بعد قانون سے سبھی پہلوؤں کا جائزہ لیا اور یہ واضح موقف اختیار کیا کہ اس سلسلے میں کوئی ابہام نہیں ہے کہ سپریم کورٹ نے 3-2 کی اکثریت سے ایک مجلس کی تین طلاق کو کالعدم قرار دے دیا ہے۔ یہ فیصلہ شریعت کے خلاف اور ملت اسلامیہ کے لئے سخت قابل تشویش ہے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے نے اگر چہ سردست واضح کر دیا ہے کہ مسلم پرسنل لاء دستور کے تحت بنیادی حقوق میں شامل ہے اور دستور اس کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، بایں معنی طلاق کی دیگر شکلیں، قانون از دواج، وراثت و دیگر موضوعات جو شریعت ایکٹ 1937 کے تحت آتے ہیں، محفوظ ہیں۔ لیکن ساتھ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تعدد از دواج، حلالہ اور دیگر امور سے متعلق الگ سے غور کیا جائے گا، اس سے شریعت کے دیگر امور میں مداخلت کا صاف اشارہ ملتا ہے۔ بنا بریں فیصلہ کے بین السطور میں مخفی خدشات کے حوالے سے جمعیۃ علماء ہند یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ ہمارے مذہبی حقوق جن کی دستور نے ضمانت دی ہے اور جو ہمارے بنیادی حقوق کا حصہ ہیں، ان پر کسی طرح کا سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا اور ہماری یہ جد و جہد ہر سطح پر جاری رہے گی۔ جمعیۃ علماء ہند تمام مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ناگزیر حالات کے بغیر ہرگز طلاق کا اقدام نہ کریں، کیوں کہ شریعت کی نظر میں طلاق مبغوض ترین چیز ہے اور خاص کر ایک مجلس کی تین طلاق سے بہر حال اجتناب کیا جائے تا کہ غیروں کو مداخلت کا موقع نہ ملے۔ اس کے علاوہ جب بابری مسجد پر سپریم کورٹ کا فیصلہ آیا، تب بھی جمعیۃ علماء ہند نے غور وفکر کے بعد جرآت مندانہ اظہار حق کیا اور برملا اس فیصلے کو ہندستان کی تاریخ کا سیاہ باب قرار دیا۔

جیسا کہ راقم نے پہلے بھی لکھا ہے کہ حضرت قاری صاحب مرحوم مستحکم فکر اور پختہ دلیل کے بغیر آگے نہیں بڑھتے تھے۔ ان کی وجہ سے ہمیں بہت کچھ مطالعہ کرنا پڑتا تھا، روزانہ اخبارات کا مطالعہ اور حقائق کی چھان بین کرنا پڑتا، جو شخص بھی ان کے ماتحت کام کرتا تھا، اس کی روزانہ

ترقی ہوتی تھی، بے کار میں بیٹھ کر ان کے سامنے غیر معقول بات کر کے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا تھا، وہ ہر چیز تحریری طور سے طلب کرتے۔ میڈیا وغیرہ میں کوئی بیان جانا ہے تو وہ بہت سنجیدگی سے لیتے تھے، وہ ہر لفظ غور سے پڑھتے اور اگر کوئی غلطی ہو جاتی تو وہ بہت دقت کے ساتھ اس کی اصلاح کرتے تھے، وہ آخر وقت تک ہمارے اچھے استاذ رہے، ہم نے ہر روز ان سے سیکھا۔ روحانی طور سے بھی کافی بلند اور صاحب نسبت شخصیت کے حامل تھے اور جو شخص بھی ان قریب ہوتا، اسے ضرور محسوس کرتا۔ سب سے بڑی بات تھی کہ ان کی مجلس میں ہمیں کبھی یہ ایسا احساس نہیں ہوا کہ ہم کمتر ہیں، بلکہ دلیل ہو تو آپ ہر ایک کی بات پوری توجہ سے سنتے، وہ بھی چاہتے تھے کہ ان کی بات پوری توجہ سے سنی جائے، وہ اپنی بات پیش کرنے کے درمیان مداخلت بے جا اور غیر ضروری بحث کو پسند بھی نہیں کرتے۔

فرشتہ صفت بزرگ

مفتی شکیل منصور القاسمی　　　مفتی شمشیر حیدر قاسمی

اس وقت رنج وغم، حزن وملال اور کرب وبلا نے دل کی دنیا میں جو طوفان برپا کر رکھا ہے، اس کی تعبیر تک رسائی سے دست الفاظ دور، بہت دور ہے، کسے معلوم تھا؟ کہ کورونا کی یہ آدم خور مہاماری اس قدر دلدوز اور جگر سوز ثابت ہوگی کہ قافلۂ علم ومعرفت کی روشن قندیلیں ایک ایک کر کے گل ہوتی چلی جائیں گی؟ دین متین کے پاسبان وجان نثار اس طرح بیگانہ ہوتے رہیں گے؟ ہم جیسوں کا مقدر رونا، بس رونا بن جائے گا؟ کیا کبھی کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات آئی ہوگی کہ عاشقانِ قرآن وسنت، شیدایانِ معرفت وطریقت جب جانا شروع کریں گے تو یکے بعد دیگرے جاتے ہی رہیں گے؟ اور خام نارسا کا کام صرف تعزیتی پیغامات قلمبند کرنا اور دل کے نہاخانے میں بھڑکنے والے شعلوں کی حکایت وترجمانی کرنا رہ جائے گا؟ ابھی تو کئی عظیم المرتبت شخصیات پر خامہ فرسائی کے لیے ہاتھ دل سے جدا بھی نہیں ہوئے تھے، کئی محسنینِ ملت کی یادوں میں اشک ہائے چشم کا سیلابی سلسلہ جاری ہی تھا کہ کل روز جمعہ ایک ایسی قیامت صغری برپا ہوگئی، جس نے دل رنجور کو غم واندوہ کی ایسی گہری کھائی میں ڈال دیا، جس سے نکلنے کی سبیل سردست مفقود نظر آتی ہے۔ درحقیقت نمونۂ سلف، فدائے ختم نبوت، عاشق قرآن وسنت، قائد قوم وملت، مربی ورہبر، محدث ومفسر استاذ محترم حضرت امیر الہند قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ حدیث اور کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیت علمائے ہند کے سانحۂ

ارتحال نے ذہن و دماغ پر ایسا لرزہ طاری کر دیا کہ یاس وقنوط کے تیرہ و تاریک سناٹے نے ہر سمت سے احاطہ کر لیا، توقعات اور تمنائیں خون خون ہوگئیں اور اب ہماری نگاہیں اداسیوں کے بھنور میں پھنسی زندگی کو حسین راہوں سے آشنا کرنے والے کی راہ ڈبڈباتی آنکھوں سے بہت ہی بے صبری کے ساتھ تک رہی ہیں:

لے گیا چھین کے کون تیرا صبر و قرار؟
بے قراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی؟

حضرت قاری صاحب قدس سرہ کی شخصیت جامعِ کمالات تھی، مبدأ فیاض نے انھیں بہت سی امتیازی خوبیوں سے نوازا تھا، ایک طرف ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے وہ پیکرِ حسن و جمال تھے، تو دوسری جانب ان کا باطن نہایت ہی پاکیزہ اور صاف شفاف تھا، ان کی طالب علمانہ زندگی مثالی تھی، ان کی زندگی کا تربیتی اور تدریسی پہلو بہت ہی دلکش اور حکیمانہ تھا، ان کی رفتار و گفتار سے سنجیدگی، متانت، بلندیِ اخلاق اور رعب و وقار کے خوبصورت اور حسین فوارے پھوٹتے محسوس ہوتے، اثنائے درس نرم لہجے میں حلِ عبارت کو ترجیح دیتے، جس سے طلبہ کے لیے نفس عبارت کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا، لاطائل بحثوں، ہوائی تقریروں اور دراز نفس فضول ابحاث کے لیے حضرت قاری صاحب کے دروس میں کوئی گنجائش نہیں تھی، ان کا انداز تربیت بھی بہت نرالا تھا، ایک مرتبہ ہمارے کمرے کے ایک رفیق کی نماز فجر فوت ہوگئی، وہ فجر بعد تک اتفاقاً سوتا رہ گیا، حضرت قاری صاحب نماز فجر پڑھ کر دارالاقامہ کا گشت کرتے ہوئے ہمارے کمرے میں آگئے اور اسے سوتا دیکھ لیا، اسے جلدی سے نمازِ فجر ادا کرنے کی تاکید کرتے ہوئے یہ ڈیوٹی دے دی کہ کل سے نماز فجر سے پہلے ہر روز تم مجھ سے ملاقات کروگے، ہمارے افتاء کے سال بزم سجاد (طلبہ بہار، اڑیسہ، نیپال کی متحرک وفعال انجمن؛ جس کی صدارت ان دنوں عاجز کے دوش ناتواں پہ تھی) کا سالانہ پروگرام تھا، مشورے سے یہ طے پایا کہ پروگرام حضرت قاری صاحب کی صدارت میں ہونا ہے، ہم تینوں رفقا (شکیل منصور، شمشیر

حیدر اور مرحوم دوست مجتبیٰ حسن) عصر بعد حضرت کے آستانے پر حاضر ہوے اور اپنی درخواست پیش کی، حضرت نے اپنی شرکت اور صدارت کی منظوری اس شرط پر معلق کر دی کہ پہلے پروگرام کی تفصیلات تحریری شکل میں دکھائیں، کل ہوکر ہم پروگرام کے تعلقات سے ایک ایک چیز کی تفصیل لکھ کر لے گئے، حضرت نے سب کو بغور ملاحظہ فرمایا، کچھ ضروی ترمیمات کی طرف اشارے دیے اور اپنی شرکت کی منظوری دے کر ہم طلبہ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

انتظامی امور میں حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی مثال آپ تھے، مفوضہ امور کو نہایت احسن طریقے پر انجام دیتے؛ اس کا حق ادا کر دیتے، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قدس سرہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ اہتمام میں جب نیابتِ اہتمام حضرت کو تفویض کی گئی تو متعدد بار ہم نے یہ مشاہدہ کیا کہ کھانا تقسیم ہوتے وقت حضرت اچانک مطبخ کی طرف تشریف لے آتے اور کھانا لے کر جا رہے طالب علم کو روک کر اس کی روٹی اپنے ہاتھ میں لیتے اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے کہ جلی کٹی تو نہیں ہے اور چمچہ لے کر شوربہ اور بوٹی کی نوعیت وکیفیت معلوم کرتے پھر مطبخ جا کر باورچیوں کو مناسب مشورے دیتے اور بوقت ضرورت مناسب تفہیم وتادیب فرماتے۔

خبر سن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے ❖ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

چند سال قبل جب کارگزار مہتمم بنائے گئے، میں (شکیل منصور قاسمی) نے سورینام سے حضرت کو فون کیا، حضرت کی خدمت میں بصد عجز ونیاز ارمغانِ تبریک وتہنیت پیش کی، حضرت نے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا، ابھی دو ماہ قبل کی بات ہے، جمعیۃ علما ہند کے ذیلی ادارۂ مباحثِ فقہیہ کے سولہویں فقہی اجتماع کے موقع پر ''مسجد عبد النبی'' کے سامنے ہم تینوں رفقاء کو حضرت سے سلام ومصافحہ کی سعادت ملی، مصافحہ کے بعد ہم نے دست بوسی کا بھی شرف حاصل کیا، ہاتھ تھامے ہوے میں (شکیل منصور قاسمی) نے عرض کر ڈالا کہ حضرت! جسم مبارک پر کچھ ضعف ونقاہت کے آثار معلوم ہوتے ہیں؟ فرمانے لگے! صحت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی، عمر بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے، اس لیے اس کے آثار تو ظاہر ہوں گے ہی۔

لیکن اف! نہیں ایسا بھی نہیں، کہ اتنی عمر ہوگئی ہو کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں اور ہم ان کے سایۂ قیادت وتربیت سے محروم ہوجائیں، مگر ہاں یہ آنے جانے کے وقت وگھڑی کا تعین انسان کے بس میں کہاں ہے، یہاں تو آنے سے پہلے ہی طے ہوچکا ہے ''کل شیءعندہ بأجل مسمی''اس میں چھوٹے، بڑے، بچے، بوڑھے جوان کی کوئی تخصیص تو ہے نہیں، بس سب کو اسی ''اجل مسمی'' میں چلے جانا ہے، جس کا علم صرف اور صرف ایک اللہ کو ہے۔

ویراں ہے مے کدہ خم و ساغر اداس ہیں ❖ تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

یوں تو جب تک چرخ کہن سال اپنے اسی موجودہ نظام کے ساتھ باقی ہے، خورشید جہاں تاب کی خوبصورت کرنوں سے دنیا مزین ہوتی رہے گی، سینِ گیتی پر افراد واشخاص کی آمد ورفت کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، ہر خالی ہونے والے عہدے ومنصب کو کوئی نہ کوئی ہستی رونق بخشتی رہے گی۔

یہ نظامِ قدرت ہے، جو ابتدائے آفرینش سے چلا آرہا ہے؛ اس لیے حضرت قاری صاحب نوراللہ مرقدہ نے جن جن شعبوں اور میدانوں کو اپنے حسنِ کارکردگی سے چمکایا اور نکھارا، وہ سب یوں ہی چمکتے اور دمکتے رہیں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)؛ خواہ درس وتدریس کا سلسلہ ہو یا نظم ونسق کا معاملہ، کوچۂ سیادت وقیادت ہو یا میدانِ تربیت وتزکیہ، دینِ مبین کی حفاظت و صیانت اور اس کی ترویج واشاعت کا مسئلہ ہو یا فرقِ باطلہ کی تردید وبیخ کنی کا مرحلہ، افراد سازی کا عظیم ترین دشوار گزار عمل ہو یا خام در بار سے صفحۂ قرطاس کو مزین کرنے کا مہتم بالشان کارنامہ! ہر جگہ، ہر عہدہ، ہر کرسی، ہر میدان کے لیے افراد واشخاص آتے جاتے رہیں گے، یقیناً ان آنے جانے والوں میں بہت سے متنوع خصوصیات وکمالات کے حامل افراد ہوں گے، ان میں سے ہر ایک اپنی خاص شناخت وپہچان سے جانا وپہچانا جائے گا؛ لیکن جن نگاہوں نے حضرت امیر الہند قاری سید محمد عثمان صاحب کو دیکھا ہے، ان کی ہمہ گیر شخصیت کو قریب سے پڑھا ہے، ان کے اَوصاف وکمالات کا مشاہدہ کیا ہے، ان کی نگاہ ہر جگہ اور ہر میدان میں خصوصیاتِ عثمان کو تلاش کرتی پھرے گی؛ کیوں کہ:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است ❖ با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

کا مصداق شخص کہاں ہے؟ ہے کوئی جو محبت اور دل سوزی کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں اور نصیحتیں سنانے والے قائد ورہبر کی ہمیں رہبری فرمادے؟ کہاں چلے گئے ہیں ہمارے وہ محسن و مربی حضرت قاری عثمان؟ جن کی شخصیت علامہ اقبال کے اس شعر کی تفسیر تھی کہ:

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو ❖ رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

ادارہ مباحث فقہیہ کے سولہویں اجتماع کی آخری نشست میں نرم دم گفتگو وگرم دم جستجو کا حامل فصیح اللسان و بلیغ المرام ملت کا یہ قائد ومحسن جب نہایت ہی پر درد اور رقت آمیز لہجہ میں وارثان انبیاء سے ہم کلام تھا تو بعض روشن دل رفقا کو یہ انکشاف ہورہا تھا کہ ''کنہ خطاب مودع''

آہ! حضرت کا وہ خطاب بھی کیسا نرالا تھا؟ جس میں گویا کہ کنواں خود ہی پیاسوں کو دعوت دے رہا تھا کہ آ ؤ اپنی تشنگی بجھالو، رخصتوں پر عمل کر کے تم آرام پسند، سہل انگار وتن آساں بن چکے ہو، آرام وراحت نے نفس کے ہاتھوں تمہیں ہلاکت وتباہی کے گڑھے تک پہنچادیا، مصلحت آمیزی نے تم سے ہمت وشجاعت کا جوہر چھین لیا، خدارا غفلت وکسل مندی کی راہ کو چھوڑو! میدان عمل میں آ ؤ، اپنے ان بزرگوں کے حالات کا مطالعہ کرو، جنھوں نے عزیمت کی راہ اختیار کر کے بڑی سے بڑی طاقتوں کو ملیا میٹ کردیا، جن کے بلند حوصلوں کے سامنے فرعونیت وقیصریت کی فلک بوس عمارتیں زمین دوز ہوگئیں۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل دردمند سے نکلنے والے وہ کلمات ہمارے دلوں میں پیوست ہوتے چلے گئے، جس نے ہمارے احساسات کے تاروں کو چھیڑ دیا، ہمارے خوابیدہ ضمیروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ہم وہاں سے اس حال میں لوٹے کہ ہمارے اندر یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کا جذبہ موج زن تھا، مگر آہ؛

کس سے دہرائیں فسانہ غم دل کا عاجز ❖ سننے والوں سے زیادہ ہیں سنانے والے

عاجز کہ جسے چین نہ تھا بستر گل پر ❖ اب چھوڑ کے سب راحت وآرام پڑا ہے

مخدوم مکرم حضرت مولانا سید قاری محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے خداد تربیتی ملکہ سے ایک جہان کو بنایا، سنوارا، سجایا اور چمکایا؛ لیکن سایۂ پدری میں پروان چڑھنے والے ان کے دونوں صاحبزادگان (گرامی قدر عالی مرتبت حضرت مولانا ومفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری اور رفیق مکرم حضرت مولانا مفتی سید محمد عفان منصور پوری) نے والد محترم کی خوبیوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔اللہ تعالی ان دونوں بھائیوں کو ہر طرح سے صحت وسلامتی عطا فرمائے اور اپنے والد محترم کے روشن کردار اور ان کی پاکیزہ روایتوں کا امین وترجمان بنائے، آمین۔

حضرت امیر الہند رحمہ اللہ کی رحلت کا صدمہ صرف ان کے خانوادے، دار العلوم دیوبند یا جمعیت العلماء کا تنہا صدمہ نہیں ؛ پورے علماء دیوبند اور ملی تنظیموں کا اجتماعی صدمہ ہے، وہ صرف مادر علمی یا جمعیت کی متاع گراں مایہ نہیں ؛ بلکہ پورے حلقہ دیوبند کا قیمتی سرمایہ تھے،ان کی وفات حسرت آیات ہم تمام کے لیے بڑا خسارہ ہے، ہم سب ایک دوسرے کی طرف سے تعزیتِ مسنونہ کے مستحق ہیں، ہاں! ان کی رحلت بالخصوص جمعیۃ علمائے ہند اور دار العلوم دیوبند کے لیے عالم اسباب میں بظاہر نا قابل بھرپائی خلا ہے؛ کیونکہ ان کی وفات سے ان دو اداروں نے اپنا ایک بے لوث ووفا شعار ہشت پہل ہیرا کھو دیا ہے، جس پہ ہم حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کے خانوادے کے ساتھ جمعیت العلماء کے ذمہ داران اور مادر علمی کے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کو سب سے زیادہ خصوصی تعزیت وتسلی کا مستحق سمجھتے ہیں اور انہیں بطور خاص تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی جمعیت العلماء اور دار العلوم دیوبند کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور لواحقین، محبین، منتسبین ومعتقدین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ہوے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے؟

ایک منفرد وجامع کمالات شخصیت

مفتی اشتیاق احمد قاسمی جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ

مرکزِ علم ودانش، ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل، مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند، ادھر قریبی چند سالوں میں جس طرح سے اپنے پختہ کار اساتذہ اور ماہرین علم وفن کی، یکے بعد دیگرے جدائی سے محروم ہوا ہے، وہ ادارہ کے لیے انتہائی المناک اور کربناک ہے، لیکن اللہ کی مشیت میں کس کا اجارہ ہے کہ وہ زبان وقلم کو ادنی جنبش دے، یہ ادارے، یہ دانش گاہیں اور بساطِ علم کی یہ درسگاہیں جب تک اللہ کو منظور ہوگا، قائم ودائم رہیں گی اور علم کے تشنہ لبوں کو سیراب وآسودہ کرتی رہیں گی، خدا کرے ان پر کوئی گہن نہ لگے، لیکن ان علمی اداروں کے لیے جو شخصیتیں جان اور آن بان شان تھیں ان کا کوچۂ آخرت اختیار کرنا ملت اسلامیہ کو بڑے صدمات سے دوچار کررہا ہے، اس دورِ قحط الرجال میں جب کہ علم وفن کے ماہرین کی پیدائش اقل قلیل درجہ میں پہنچ گئی ہے، اس لیے جو مسندیں خالی ہوجاتی ہیں، دور دور تک ان کا کوئی بدل نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کی ظاہری وباطنی ہر اعتبار سے مدد فرمائے اور اس چشمۂ علمی کے فیضان کو ہمیشہ تر وتازہ اور تازہ دم رکھے۔ (آمین) ماضی قریب میں ایک مہینہ کے اندر مادرِ علمی کو جن تین حادثات سے دوچار ہونا پڑا اور جس نے مادرِ علمی اور ان کے منتسبین کو بے حد رنجور وغمگین کیا، ان میں ادیب شہیر حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل الامینیؒ استاذ ادب عربی وچیف ایڈیٹر ماہنامہ الداعی، محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اعظمی استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند وسابق

ایڈیٹر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اور آخر میں امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحبؒ استاذِ حدیث ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند، دنیائے دنی سے رخ موڑ کر راہی آخرت ہوگئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) حضرت قاری صاحبؒ کو مبدأ فیاض نے بے پناہ خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا اور وہ اللہ کے باتوفیق بندوں میں سے تھے، جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان سے ہمہ جہت خدمات لیں، فراغت کے بعد سے ہی درس وتدریس کے شغل کے ساتھ آپ کی وابستگی ہوئی، تو یہ تادم آخر وابستگی قائم رہی اور آپ نے اس میں عروج وکمال کے منازل طے کرکے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے صف اول کے ممتاز اساتذہ میں اپنے آپ کو شامل کرایا۔ نرا علم آدمی کے لیے کافی نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس کی صحیح تربیت نہ ہو، اس پہلو پر آپ نے خصوصی توجہ دی، تو خاندان، اعزاء واقرباء اور اہل تعلق کے کچھ بچے ہمیشہ آپ کے زیرِ تربیت رہ کر اپنا علمی سفر طے کرتے رہے اور یہ اداروں میں آپ کی نگرانی وتربیت کے سوا چیز تھی، درس وتدریس کا شغل آدمی کو بالعموم اسی چہار دیواری میں مقید کردیتا ہے، اس کا ذہن انتظام وانصرام سے میل نہیں کھاتا، لیکن یہ آپ کی انفرادی شان رہی، کہ دارالعلوم دیوبند کی جو ذمہ داری آپ کے سپرد ہوئی، اس کو آپ نے متعلقہ اسباق پر ادنیٰ فرق آئے بغیر، پوری تندہی سے انجام دیا، بالخصوص دارالعلوم کی نیابت اہتمام کی ذمہ داری، جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کی ذمہ داری اور تحفظ ختم نبوت کی ذمہ داری، یہ ایسی تنہا تنہا ذمہ داریاں ہیں، جو اپنے ساتھ کسی کام کی شرکت گوارہ نہیں کرتیں، لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے بلند عزائم وحوصلوں سے راہ کے تمام پتھروں اور رکاوٹوں کو پاش پاش کردیا اور مستانہ نعرہ لگاتے ہوے آگے بڑھتے گئے ؂

مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حد پرواز سے

قاری صاحبؒ کی ان تمام محاذوں پر کامیابی میں ان کا اپنا جہد وعمل، اصول پسندی، پابندی اوقات اور ان کے اپنے بلند عزائم تھے، وہ جہد مسلسل کے قائل تھے، ان کے اپنے کام وشغل میں تعب، تھکاوٹ، کسل مندی، بےخوابی کوئی چیز رکاوٹ اور مانع نہ بنتی، اس لیے ہر کام

وقت پر پورا ہو جاتا۔ طبیعت میں اصول پسندی تھی اس لیے اصول سے انحراف نہ اپنے لیے گوارہ ہوتا، نہ اپنے ماتحتوں کے لیے، پابندیٔ وقت کے وہ خود بھی پابند تھے اور اپنے ماتحتوں سے بھی یہی چاہتے، اگر اس کے خلاف ہوتا تو وہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتا، دارالعلوم اور جمعیۃ علماء کی گراں بار ذمہ داریوں کے ساتھ اعزاء واقرباء کی خوشی غمی میں شرکت، متعلقین احباب کی ضیافت، ان کے لیے وقت فارغ کرنا، ان کی ضرورتوں کا پاس ولحاظ رکھنا یہ وہ مشاغل ہیں جن میں انسان بالعموم فراخدلی نہیں دکھا پاتا، لیکن حضرت قاری صاحبؒ ایک باتوفیق بندہ ہونے کی وجہ سے تمام کاموں کو پیشانی پر بغیر ادنی شکن کے انجام دیتے، اسی کے ساتھ ملک کے مختلف خطوں کے مدارس کے تعلق سے، جمعیۃ علماء کے تعلق سے، تحفظ ختم نبوت کے تعلق سے، تقاضے ہوتے تو اس کے لیے اسفار بھی کرتے اور وقت میں گنجائش ہوتی تو بالعموم کسی کی بات رد نہ کرتے اور حسب وعدہ پروگرام میں شرکت کرتے، انہیں تقاضوں کے پیش نظر جامعہ مسعودیہ نورالعلوم میں اور شہر بہرائچ میں آپ کی چند بار آمد ہوئی اور آپ نے لوگوں کو استفادہ کا موقع دیا۔

بہرائچ کے اسفار

امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحبؒ استاذِ حدیث ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند، آپ کے ہندوستان کے طول وعرض کے مختلف شہروں ومقامات کے مختلف نسبتوں سے بہت سے اسفار ہوے، جس میں آپ نے اپنے طویل تعلیمی وتربیتی تجربات، جمعیۃ علماء ہند کے مقصدِ تاسیس کی ترجمانی، ملت اسلامیہ کے تئیں اس کی خدمات اور فکرمندی اور اصلاح عقائد واصلاح باطن کے حوالے سے لوگوں کو آپ نے بھرپور استفادہ کا موقع دیا، چنانچہ اسفار کی طویل فہرست میں چند اسفار، دیار پورب کے مشہور شہر، بہرائچ اور جامعہ عربیہ مسعودیہ نورالعلوم کے ہوے اور لوگوں کو مختلف نوعیّتوں سے آپ سے استفادہ کا موقع ملا۔ چنانچہ ۱۴۱۶ھ میں جامعہ عربیہ مسعودیہ نورالعلوم کے ذمہ داروں کی درخواست پر جامعہ کے تعلیمی وتربیتی جائزہ کے لیے محدث کبیر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ استاذ دارالعلوم دیوبند کی معیت

میں آپ کی آمد ہوئی، تعلیمی وتربیتی جائزے کے بعد اپنے تاثرات رقم کرتے ہوئے تحریر فرمایا ''ہم دونوں نے سال ششم عربی تک کے درجات کا جائزہ لیا، بفضلہٖ تعالیٰ تعلیمی حالت قابل اطمینان وامید افزا ہے، البتہ طلبۂ عزیز کی استعدادوں کو مزید پختہ بنانے کے لیے چند امور، دوران جائزہ قابل توجہ سامنے آئے، جو اساتذۂ مدرسہ کے خصوصی مجلس میں پیش کیے گئے اور نوٹ کرلیے گئے، تاکہ آئندہ ان کا لحاظ رکھا جائے، طلبۂ عزیز کی تربیت اوران کے شب وروز کے منضبط معمولات کے ماحول سے بھی بے حد خوشی ہوئی، بہرحال ماضی کی طرح حال بھی اس مدرسہ کا قابل تحسین ہے، ذمہ داران واساتذہ کرام پوری لگن کے ساتھ جامعہ کے مقصدِ تاسیس کے مطابق اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں، خداوند کریم ان حضرات کو مزید ہمت وقوت عطا فرمائے۔(آمین)(رجسٹر معائنہ جامعہ ہذا)

دوسرا سفر: ۱۰؍ مارچ ۲۰۱۰ء کو جمعیۃ علماء ضلع بہرائچ وشراوستی کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس ''حصول انصاف کانفرنس'' (بمقام نگر پالیکا پریشد کچہری روڈ شہر بہرائچ) میں شرکت کی غرض سے ہوا۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ دہشت گردی کا رشتہ کسی مذہب یا کسی فرقہ سے جوڑنا، ملک کی فضا خراب کرنا ہے، اس سے باہمی منافرت پروان چڑھتی ہے اوراس سے ملک کی سلامتی کو خطرات لاحق ہوتے ہیں، فرقہ پرستی دہشت گردی کی راہ ہموار کرتی ہے، اس لیے دہشت گردی کے انسداد کے لیے فرقہ پرستی کو بھی کچلا جائے، آپ نے مزید فرمایا، کہ مسلمانوں کو معقول اور آبادی کے تناسب کے اعتبار سے نمائندگی دلانے کے لیے جمعیۃ علماء ہند برابر کوشاں ہے، اس کے لیے جمعیۃ علماء نے جہاں ملک وملت بچاؤ تحریک اور دستخطی مہم چلائی ہے، وہیں دوسری طرف مسلسل اجلاس عام، کانفرنس اور ارباب اقتدار سے ملاقاتیں کرکے مسلمانوں کی سماجی، تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی پسماندگی اور سرکاری ونیم سرکاری ملازمتوں میں حد درجہ قلیل نمائندگی پر توجہ دلا کر مسلمانوں کے مسائل کے حل اور ملازمتوں میں نمائندگی دلانے کی جدوجہد کررہی ہے، انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کے بہت سے ایسے سماجی، تعلیمی اور

سیاسی مسائل ہیں، جن پر فوری توجہ دے کر حل کرنے کی ضرورت ہے، تا کہ ان کے لیے ترقی اور ملک کے عام دھارے میں شامل ہونے کی راہ ہموار ہو سکے۔ (ماہنامہ نورالعلوم اپریل ۲۰۱۰ء)

اسی آمد کے موقع پر جب ۱۱/ مارچ ۲۰۱۰ء کو حضرت قاری صاحبؒ نے جامع مسجد میں فجر کی نماز پڑھائی تو نماز کے بعد درخواست پر طلبہ اور مصلیان کو اپنے پند ونصائح سے نوازا: فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ جب بناء کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کی ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (البقرۃ) (اے ہمارے پروردگار ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجئے، جو انہیں میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاکیزہ بنائے) چنانچہ اللہ نے آپ کی دعا قبول کرتے ہوئے، انہیں صفات کا حامل نبی اور رسول مبعوث فرمایا، جس کا تذکرہ اللہ نے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران) وغیرہ میں کیا ہے، جس کی صفت یہ ہے کہ وہ کتاب کی تلاوت کرتا ہے، لوگوں کے قلوب کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھلاتا ہے، یعنی اس کے معانی ومطالب کو بیان کرتا ہے، طلبہ کو نبی کے انہیں کاموں کو پڑھنے سیکھنے اور پھیلانے کے لیے منتخب کیا گیا ہے، جو ظاہر ہے کہ انتہائی سعادت کی بات ہے اور یہ صرف طلبہ ہی کے لیے سعادت نہیں ہے، بلکہ والدین عزیز واقارب، معاونین اور محبین سب کے لیے سعادت ہے، اس لیے ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور علم کے حصول کے لیے ہر قسم کی محنت اور جدوجہد کرنی چاہیے، ایک طالب علم کو صرف طالب علم ہی نہیں، بلکہ علم کا حریص ولالچی ہونا چاہیے حدیث میں آیا ہے، کہ علم کے حریص کو کبھی آسودگی نہیں ہوتی اس لیے ہمیں بھی طالب علم کے ساتھ علم کا حریص بننا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم وعمل اور اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین) (حوالہ بالا)

اکتوبر ۲۰۱۵ء میں جامعہ عربیہ مسعودیہ نورالعلوم میں آمد پر آپ نے اندرون جامعہ ہزاروں لیٹر وسعت کی ٹنکی کی بنیاد رکھی، اس موقع پر طلبہ واساتذہ کے درمیان خطاب کرتے

ہوے مدارس کے علماء، طلبہ اور عوام کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچتے رہا کرو، اس کا استحضار رکھو، اسی استحضار کے لیے آقائے مدنیؐ سے مختلف اوقات کی دعائیں منقول ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی ظاہری و باطنی نعمتیں انسانوں کو عطا کر رکھی ہیں اور انسانوں کے لیے تمام مخلوقات کو مسخر اور تابع بنا رکھا ہے، ان نعمتوں میں بعض دکھائی دیتی ہیں اور بعض نہیں دکھائی دیتی ہیں، مثلاً بھوک، پیاس لگنا وغیرہ، مولانا نے کہا کہ قرآن پاک اللہ کا عظیم الشان کلام، پیغمبر عربی کا کھلا معجزہ ہے، جو سراپا ہدایت ورحمت ہے، انھوں نے مدارس کے طلبہ کو ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوے فرمایا، کہ طالب علم کو صرف علم کا طلب کرنے والا ہی نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کو علم کا حریص ولالچی ہونا چاہیے، جو نہایت ہی محمود عمل ہے، ہر ہر سبق عمیق مطالعہ کے بعد ہی پڑھنا چاہیے، اس سے علم میں پختگی اور رسوخ پیدا ہوتا ہے۔ اس سفر کے موقع پر آپ نے جامعہ عربیہ مسعودیہ نور العلوم کی شاخ ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم بنگئی جمنہا بازار'' کی سنگ بنیاد جامع مسجد کی تقریب میں شرکت کی اور آپ کے دست مبارک سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس موقع پر آپ نے مدرسہ کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کو واضح کرتے ہوے، تعمیر مسجد کی فضلیت سے حاضرین کو روشناس کرایا اور فرمایا جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔ (ماہنامہ نور العلوم نومبر ۲۰۱۵ء)

بامقصد بنانے کی دھن

کام کے عموماً دو پہلو ہوتے ہیں ایک رسم وعادت کے طور پر کسی چیز کو انجام دینا، جس کا فائدہ وقتی اور چند روزہ ہوتا ہے اور ایک ہوتا ہے کسی کام کو مقصد بنا کر کرنا، تو اس کا فائدہ وقتی نہیں، بلکہ مستقل اور پائیدار ہوتا ہے، قاری صاحبؒ کا نظریہ ہر کام کو بامقصد بنانے کا رہتا، اس لیے وہ ہر کام کو بامقصد بنانے کی فکر کرتے، ابھی مسجد عبد النبی دہلی کے منعقدہ سولہویں فقہی اجتماع ۳، ۴، ۵ رشعبان المعظم ۱۴۴۲ھ جس میں ہندوستان کے طول وعرض سے مفتیان کرام نے بڑی تعداد میں شرکت کی، حضرت قاری صاحبؒ نے جملہ حاضرین سے ایک سوال کیا، کہ آپ

حضرات موجودہ وقت کے نہایت اہم اور پیچیدہ مسائل پر مقالات لکھتے ہیں، پھر اس پر نہایت غور وخوض اور بحث ومباحثہ اور مناقشہ کے بعد تجاویز تیار ہوتی ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ ان کو مفید اور کارآمد کیسے بنایا جائے، صرف تجاویز منظور کر لینے سے کچھ بھی حاصل نہیں، جب تک اس کی تشہیر نہ ہو اور اربابِ افتاء اس کو سامنے رکھ کر فتوے صادر نہ کریں، زور دے کر لوگوں سے اپنی رائے پیش کرنے کے لیے کہا، کچھ لوگوں نے رائے پیش کی کہ جہاں جہاں افتاء کی تعلیم ہوتی ہے وہاں ان تجاویز کو جزءِ نصاب بنایا جائے، کسی نے کوئی اور تجویز پیش کی، آخر میں آپ نے یہ فرمایا کہ بروقت کوئی ضروری نہیں، کہ اسی مجلس میں رائے دیں، بعد میں بھی غور وخوض کر کے کوئی رائے سامنے آئے تو اسے پیش کریں، اسی طرح جامعہ عربیہ مسعودیہ نورالعلوم کے جلسہ دستار بندی منعقدہ ۲۵-۲۶-۲۷ر دسمبر ۲۰۱۰ء کے موقع پر فرمایا کہ ایسے مواقع پر عوام کو کوئی دینی لٹریچر وغیرہ تیار کر کے دینا چاہیے، تاکہ وہ ان کے پاس رہے اور وہ اس سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں، جلسوں کی تقریروں کو کون ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔

اکابرین کی تصانیف کے مطالعہ پر زور

علماء دیوبند کے تصلب فی الدین رسوخ فی العلم علمی ودینی فہم وفراست ان کی دین وشریعت کی تشریح وتوضیح میں جو گراں مایہ خدمات ہیں، وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں ہیں، ان کے علم اور ان کی علمی وتحقیقی کاوشوں کے معترف صرف اہل ہند ہی نہیں ہیں، بلکہ اہل عرب بھی اس کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں، ہمارے اکابر کی تصانیف جو خالص علمی وتحقیقی ہیں، مزید براں قدیم اردو زبان میں ہیں جس کی بنا پر اہل علم کی ایک بڑی تعداد اس سے اخذ واستفادہ سے دور رہتی ہے، لیکن اکابرین کی تصانیف میں جو علوم ومعارف بیان کیے گئے ہیں، وہ انمول موتی اور ہیرے کی طرح ہیں، جو علوم ان کی مختصر تصانیف میں موجود ہیں، وہ ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کے بعد بھی ایک طالب صادق کو مل پانا مشکل ہیں، قاری صاحبؒ فقہی اجتماع کے موقع پر، علماء دیوبند کی تصانیف کے مطالعہ پر متعدد مواقع پر متوجہ کرتے نظر آئے اور اس بات سے ذہن کی مرعوبیت

دور کرتے نظر آئے، کہ یہ بات غلط طور پر ہمارے ذہنوں میں بیٹھ گئی ہے، کہ اکابر کی کتابوں سے کون استفادہ کرسکتا ہے، اگر آدمی اس بات کا تہیہ کرلے کہ ہمیں اپنے اکابر علماء دیوبند کی کتابوں سے اخذ واستفادہ کرنا ہے، تو اس کے لیے ساری دشواری آہستہ آہستہ دور ہوجائے گی، اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ موجودہ وقت میں تاریخ دعوت وعزیمت کا مطالعہ ہر شخص کو کرنا چاہئے۔

محبوبیت کی شان

آپ کی ذات کردار وعمل، سادگی ومتانت اور خلوص وللّٰہیت سے عبارت تھی اس لیے آپ کی طرف قلبی رجحان ومیلان فطری تھا، جو بھی رابطہ میں آجاتا، تو وہ بہت جلد آپ کا گرویدہ وشیدائی ہوجاتا اور جوں جوں رابطہ قوی ہوتا جاتا، عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوتا جاتا، جامعہ عربیہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے سابق مہتمم وصدر جمعیۃ علماء اتر پردیش حضرت مولانا حیات اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ جن کا راہِ سلوک میں حضرت فدائے ملتؒ سے تعلق تھا، حضرت فدائے ملتؒ کے سانحۂ وفات کے بعد آپ نے اپنا رابطہ حضرت قاری صاحبؒ سے قائم کیا، پھر عقیدت ومحبت اس درجہ غالب آئی کہ قاری صاحب سے کسی موقع پر ان کا مستعمل کرتا طلب کیا، کہ ہم اس کو اپنے کفن میں شامل کریں گے، چنانچہ وہ ان کے پاس محفوظ رہا اور ان کی وصیت کے مطابق اس کی سلائی وغیرہ توڑ کر ان کے کفن کا جز بنایا گیا۔

رحمانیہ میں ختمِ مشکوٰۃ شریف

ٹانڈہ بادلی ضلع رام پور کا، قدیم دینی ادارہ جامعہ رحمانیہ، اس کے ذمہ داروں کی تکمیل مشکوٰۃ شریف کے موقع پر رائے ہوئی کہ ختم مشکوٰۃ شریف کے لیے حضرت قاری صاحبؒ کو دعوت دی جائے، چنانچہ بندہ نے جاکر ذمہ داروں کی درخواست پیش کی، حضرت قاری صاحبؒ نے بڑی بشاشت سے درخواست قبول کی اور حسبِ پروگرام تشریف لاکر اولاً جمعہ کی نماز پڑھائی، بعدہٗ جامعہ رحمانیہ میں مشکوٰۃ شریف کی آخری حدیثوں کا درس دے کر کتاب کی تکمیل کرائی اور

حسب عادت و معمول حدیث کے ہر ہر جزء پر نہایت سیر حاصل بحث کی، جس سے علماء وطلبہ کو غیر معمولی فائدہ ہوا اور لوگ کافی محظوظ ہوئے، آپ کی معیت میں مفتی محمد عفان صاحب بھی تشریف لائے، جو ابھی تعلیمی دور میں تھے قاری صاحبؒ سے قبل ان کا بھی نہایت جامع بیان وخطاب ہوا۔ پروردگار عالم حضرت قاری صاحبؒ کے جہد وعمل وقربانیوں کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نواز کر اپنے خاص قرب کے مقام میں جگہ مرحمت فرمائے، اداروں کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور تمام پسماندگان کو اللہ صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

یادیں اور خصوصیتیں

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے
(بشیر بدر)

تحریر: حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب شیر پوری امیر شریعت وصدر جمعیۃ علماء راجستھان وصدر رابطہ مدارس صوبہ راجستھان، مہتمم وشیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم پوکرن

سفر وحضر، راحت ومصیبت کے مختلف موقعوں پر بہت قریب سے دیکھنے والے ان کے شاگردوں نے حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کا عشا بعد جلد سونے اور رات کے مختلف اوقات میں نوافل، تلاوت، تہجد اور دعا ومناجات میں مشغول ہونے کا خوب مشاہدہ کیا، حضرتؒ کے پاس تکمیلِ حفظ کی سعادت حاصل کرنے والے قائد جمعیۃ حضرت مولانا سید محمود مدنی صاحب دام ظلہ صدر جمعیۃ علماء ہند رات کے اوقات میں حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی عبادات ومناجات، ذکر وتلاوت اور مطالعہ کا حال بیان فرماتے ہیں:

> ''آپؒ شب بیدار آدمی تھے، جلدی سو جاتے تھے اور دو یا تین گھنٹے کے بعد اٹھ جاتے تھے ہم دیکھتے تھے کہ کبھی تلاوت کر رہے ہیں، کبھی تہجد میں ہیں، کبھی مطالعہ کر رہے ہیں، پھر ایک دو گھنٹے کے بعد سو جاتے تھے اور پھر اٹھ جاتے تھے۔ پوری رات ان کا یہی معمول رہتا تھا، رات کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹتے تھے'' نبی اکرمؐ کی شب گزاری کے معمولات کی طرح رات کے کسی بھی وقت میں ان کو عبادت میں دیکھا جا سکتا تھا

،حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے نورانی وعرفانی قلب وجگر کے نہا خانوں میں عاشقی کے لیے ضروری چیزیں ''جگر میں درد، کلیجے میں چوٹ'' اور ''دل میں تپش'' ہمیشہ موجزن رہتی تھیں۔ بقول شخصے:

جگر میں درد، کلیجے میں چوٹ، دل میں تپش
یہ چند باتیں ضروری ہیں عاشقی کے لیے

اور رمضان کریم میں یہ کیفیت مزید فزوں ہوجاتی تھی، حضرتؒ ہر سال اہتمام سے تراویح اور تہجد میں قرآن کریم سناتے تھے اور قرآن مجید آپ کو بہت خوب یاد تھا، لاک ڈاؤن سے کوئی دو تین سال پہلے کا یہ قصہ ذہن ودماغ میں آج بھی ہو بہو گردش کر رہا ہے کہ حضرت اقدس جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم العالیہ کی خانقاہ چھتہ مسجد میں تراویح سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت مدنی دامت برکاتہم العالیہ کے صاحبزادۂ محترم تراویح سنا رہے تھے۔ مقتدیوں میں حفاظ کی ایک کثیر تعداد بھی تھی۔ امام صاحب سے تلاوت میں کوئی غلطی ہوگئی۔ کسی نے ایک دوبار آگاہ بھی کیا؛ لیکن اللہ کو معلوم کیا وجہ رہی کہ امام صاحب صحیح نہیں پڑھ سکے۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تیسری یا چوتھی صف میں کھڑے تھے۔ بآواز بلند لقمہ دیا، تو امام صاحب آگے بڑھے۔

عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت قاری صاحبؒ کا قلب وجگر عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر آن سرشار رہتا تھا، محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث مختلف موقعوں پر بے ساختہ آنکھیں چھلک جاتی تھیں۔ محبت سوز وساز کی یہ فریفتگی مزید فزوں ہوجاتی تھی جب دارالعلوم دیوبند کی پرشکوہ دارالحدیث میں جمعہ کے دن بعد مغرب مؤطا امام مالک کے اسباق میں شیروانی زیب تن کیے ہوے پرنور وباوقار شخصیت میں مسندِ درس کو زینت بخشتے اور طلبۂ دورۂ حدیث شریف ہمہ ہوش وگوش متوجہ ہوتے تھے۔ بالخصوص پہلے اور آخری سبق کے دوران ''تحفظ ختم نبوت'' پر جانثار و پروانہ

وار عاشق کی طرح محبت نبوی ﷺ میں گفتگو فرماتے۔

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر انتہائی عظمت و احترام اور سوز و گداز سے درس، محاضرات اور خطبات میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے اور بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

الھم اجمع بیننا وبینہ کما آمنابہ ولم نرہ لا تفرق بیننا وبینہ حتی تدخلنا مدخلہ.

ان کے نہاخانوں سے نکلی ہوئی سوز و گداز کی سوزش اور منامی بشارتیں مخاطبین کو آبدیدہ کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، حضرت مولانا حسین احمد بٹالویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ، خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹیؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ وغیرہ اکابرین کی خدمات کا تذکرہ دیوانہ وار وفریفتہ ہوکر کرتے تھے اور قدرے بلند آواز میں فرماتے ''اگر تم نے ختم نبوت کی حفاظت نہیں کی، تو تم نبی اکرم ﷺ اور ان اکابرین کو کیا منہ دکھاؤ گے''۔

تم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت میں پہنچانا ہی نہیں، اسی لیے تم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں کی، ورنہ تحفظ ختم نبوت ایسی عبادت ہے، جس کا تعلق براہ راست سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے دینی و ایمانی فریضہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ ختم نبوّت کی حفاظت اور احقاق حق و ابطال باطل کے لیے ہر دم کوشاں و مستعد رہتے تھے۔ مسیحی برطانوی استعمار کے کاشت کردہ نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف کافر فرقے ''قادیانیت'' کی توڑ کے لیے ''شعبۂ تحفظ ختم نبوت'' دار العلوم دیوبند

۱۹۸۶ء میں قائم ہوا۔اس وقت سے تا دمِ حیات آپؒ ہی کی زیرِ نظامت روز افزوں ترقی کی منازل طے کرتا رہا اس دورانیہ میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ االلہ علیہ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی معیت ورفاقت میں تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی، تدریبی اور تنظیمی ہمہ جہتی زریں خدمات کا حسین تاریخی باب آپؒ نے رقم فرمایا۔ اس موضوع پر مختلف کتابیں، رسائل اور پمفلٹ اپنے مہذب قلم سے ترتیب دیے اور اپنے ماتحتوں سے بھی مختلف زبانوں میں مرتب کروائے، نیز دورافتادہ دیہی علاقوں کے اسفار بھی کیے۔ بوقتِ ضرورت قادیانیوں سے مناظرہ، متاثرہ علاقوں میں مبلغینِ اسلام کے دوروں کا انتظام اور قادیانیوں کی طرف سے کسی جگہ مقدمہ دائر کیے جانے کے موقع پر قانونی مواد کی فراہمی وغیرہ شامل ہے۔ تربیتی کیمپوں اور عام اجلاسوں میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی دلچسپی کے ساتھ تشریف لے جاتے اور شروع سے آخر تک حاضری دیتے تھے۔

دارالعلوم پوکرن میں ورودِ مسعود

شعبان ۱۴۳۲ھ مطابق جولائی ۲۰۱۱ء میں آپ مدرسہ لطیفیہ سردار شہر چورو، راجستھان ''ختم بخاری شریف'' کے موقع پر دعائیہ تقریب اور فارغین کی دستار بندی کے لیے تشریف لائے۔ اسی موقع پر احقر کی دعوت پر دارالعلوم پوکرن کو قدم رنجائی کا شرف بخشا، آپ کی معیت میں حضرت الاستاذ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی دامت برکاتہم استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا شوکت علی صاحب دامت برکاتہم ویٹ غازی آباد اور حضرت مولانا محمد عرفان صاحب دامت برکاتہم مبلغ دارالعلوم دیوبند بھی تھے۔ بعد نمازِ عصر دار العلوم پوکرن میں دفتر تحفظ ختم نبوت کے قیام کی مناسبت کے موقع سے حضرت قاری صاحبؒ نے مغربی راجستھان کے خاص طبقے کے سامنے اس موضوع کی حساسیت پر روشنی ڈالی۔

بعد نمازِ مغرب حضرت قاری صاحبؒ ہی کی زیرِ صدارت عظیم الشان اجلاسِ عام منعقد

ہوا، جو مذکورہ مہمانوں کے سحر انگیز خطابات کے بعد حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی از دل خیز دو بر دل ریز دکی حامل گفتگو اور رقت آمیز دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

اس اجلاس میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پند ونصائح کے بعد قادیانیت کا اجمالی تعارف، اس کے جھوٹے دعووں کی نقاب کشائی اور ہمارے ان اکابرین کی مساعیٔ جمیلہ کو بیان فرمایا، جنھوں نے منصب تحفظ ختم نبوت کی حفاظت کے لیے ہر دم وہر آن قربانیاں پیش کیں۔

چنانچہ ان کی مخلصانہ کاوشوں اور مقبول دعاؤں سے دارالعلوم پوکرن میں جہاں شعبۂ تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں آیا وہیں سہ روزہ ''ردفرق باطلہ'' کے عنوان سے تدریبی وتربیتی کیمپ کا انعقاد زیر تربیت حضرت مولانا ابوحنظلہ عبدالاحد صاحب قاسمی صدر آل انڈیا تحفظ سنت ومدح صحابہ، امام مرکزی مسجد سجان گڈھ، چورو، راجستھان گذشتہ چند سالوں سے ہونے لگا جس کی کارروائی باہتمام خاص حضرت قاری عثمان صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں ارسال کرتے تھے۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والے ان کے تدین، تقویٰ اور خشوع کے شاہد ہیں، معاملات کی صفائی، معاشرتی زندگی کی پاکیزگی، نماز باجماعت کا بے نظیر اہتمام، خاشعانہ کیفیت، شب بیداری، آہ سحر گاہی، بکثرت تلاوت ومناجات، دعا و انابت اور حسنِ اخلاق، حسنِ عمل، حسنِ کردار، اور انضباطِ اَوقات میں بے بدل، ہمہ وقت اشتغال، تبلیغِ دین، بیعت و ارشاد، تحفظِ شریعت، اصلاح معاشرہ، ملک کے جمہوری نظام کا تحفظ اور دارالعلوم دیوبند کے متعدد فعال ومتحرک شعبوں کی مکمل نگرانی حضرتؒ کی عملی زندگی کے روشن عناوین اور اہم مقاصد رہے ہیں، جن کا احاطہ قرطاس وقلم کے اس مبتدی کے لیے ان چند سطور میں ناممکن ہے، ہم اللہ کے حضور عجز ونیاز ہی کر سکتے ہیں کہ رب رحیم وغفور حضرت قاری صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے تابندہ نقوش کو مشعلِ راہ بنانے کی سعادت عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللّٰہ علی النبی الأمی الکریم

❍❖❍

چند بشارت آمیز خواب!

مولانا محمد اسجد قاسمی مظفرنگری، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

خواب اگرچہ کوئی شرعی دلیل یا حجت نہیں ہے، جس سے کسی حکم کو ثابت کیا جاسکے، یا خواب میں دیکھی ہوئی چیز کے سوفی صد سچ ہونے کا یقین کیا جائے؛ لیکن اَحادیث مبارکہ میں اِس کی صراحت ہے کہ ''مؤمن کا خواب عموماً جھوٹا نہیں ہوتا ہے'' اور ''سچے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمن بندہ کے لیے ایک تحفہ اور بشارت ہوتے ہیں''۔

اِسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے خوابوں کو نبوت کا جزو اور اُس کا ۴۶؍واں حصہ فرمایا ہے، پھر اگر خواب واقعہ کے مطابق بھی ہوجائے تو اُس کی صداقت بالکل واضح اور عیاں ہوجاتی ہے۔

بہت سے اَولیاء اللہ اور خداترس بندگان کے منامی اَحوال کتابوں میں موجود ہیں، جن کو بیان کرنے سے مقصود صرف اُن کی قابل تقلید زندگی اور لائق اتباع صفات کو پیش کرکے اپنی زندگی کو اُن کے سانچے میں ڈھالنے کی دعوت دینا ہے، جو اِس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اُنہوں نے اِس دنیائے فانی میں جو اپنا طرزِ زندگی اپنایا تھا، وہ ہم سب کے لیے مشعلِ راہ اور بہترین نمونہ ہے اور یہی اُن کے عنداللہ وعندالخلائق مقبول ہونے کا راز ہے، اس سے جہاں ایک طرف اپنے بزرگانِ دین کے تقویٰ اور دین داری پر مزید اعتماد پیدا ہوگا، وہیں اُن جیسے کارہائے نمایاں

انجام دینے کا حسین جذبہ بھی دل میں موج زن ہوگا۔

اس لیے طبیعت میں تقاضا پیدا ہوا کہ ذیل میں بارگاہِ الٰہی کے مقبول و مغفور بندے، اُستاذ معظم، اَمیر الہند، حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق جو غیبی منامی بشارتیں اور سچے خواب مختلف لوگوں سے معلوم ہوئے ہیں، اُن کو تحریر کردیا جائے۔

آسمان سے فرشتوں کا استقبال کے لیے اُترنا

حضرت اَمیر الہند کے انتقال کے دن ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ صبح صادق کے وقت ''نیویارک'' میں مقیم حضرت سے ایک مخلصانہ تعلق رکھنے والے امریکہ میں آپ کے میزبان جناب مولانا محمد فاروق چودھری صاحب نے دیکھا کہ ''آسمان سے بہت سے فرشتے اُتر رہے ہیں، تو معلوم کیا گیا کہ آج کیا معاملہ ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے استقبال کی تیاری ہورہی ہے''۔

(واضح ہو کہ اُسی روز عین نمازِ جمعہ کے وقت حضرت کا گڑگاؤں کے میدانتا اسپتال میں وصال کا سانحہ پیش آیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً)

خواب میں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے تعزیت

حضرت اَمیر الہند نور اللہ مرقدہٗ کے پوتے عزیزم سید محمد عدی منصور پوری لکھتے ہیں کہ احقر نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارے گھر میں بھنی ہوئی مچھلیاں آئی ہیں، جو دیکھنے میں بہت عمدہ ہیں، تو میں نے اور میرے بھائی محمد عمر نے سوچا کہ ہم لوگ اپنا اپنا حصہ پہلے لے لیں، باقی مہمان اپنا اپنا حصہ لے لیں گے۔ ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ہمارے بڑے بھائی مفتی محمد ابوبکر صدیق منصور پوری آکر کہنے لگے کہ ''یہ بھنی ہوئی مچھلیاں بہت کم ہیں اور نیچے مہمان ہیں، جن میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے ہیں، جب یہ ناشتہ اُن کے سامنے رکھا جائے گا تو برکت ہوجائے گی؛ لہٰذا ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے''۔

جیسے ہی احقر نے یہ بات سنی کہ ''ہمارے گھر کے نیچے والے حصے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، تو میں فوراً بھاگا ہوا حضرت کی زیارت کے لیے نیچے ''ابی مدظلہ'' کے کتب خانے میں آیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ سفید داڑھی اور سفید لباس میں ملبوس سفید ٹوپی لگائے ہوئے لوگوں سے پورا کمرہ بھرا ہوا ہے، مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جیسے ہی میں کتب خانہ میں داخل ہوا، سب لوگ مجھے دیکھ کر کھڑے ہوگئے، میں دنگ رہ گیا کہ نہ میں انہیں جانتا پہچانتا ہوں، پھر یہ لوگ مجھے دیکھ کر کیوں کھڑے ہوگئے؟ اِسی دوران میں نے کتب خانہ کی دائیں جانب دیکھا کہ معتکف کی طرح پردہ پڑا ہوا ہے، تو میں نے اُن میں سے ایک آدمی سے پوچھا کہ ''یہاں کون ہیں؟'' تو اُنہوں نے فرمایا کہ ''یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تعزیت کے لیے تشریف لائے ہیں''، میں یہ سن کر رونے لگا اور مجھے اَبا کی یاد آ گئی، جس پر مجھے اُن لوگوں نے رونے سے منع کیا اور کہا کہ ''رو نہیں ورنہ حضرت مرحوم کو تکلیف ہوگی''۔ اُس کے بعد میں نے اُن سے پوچھا کہ ''کیا حضور اکرم علیہ السلام سے میری ملاقات ہو جائے گی؟'' تو اُنہوں نے فرمایا کہ ''حضرت اِس وقت آرام فرما رہے ہیں''۔ اس کے بعد احقر کی آنکھ کھل گئی۔

ہمارے ساتھ اچھا معاملہ ہوا

حضرت اَمیر الہندؒ کے بارے میں ایک خواب حضرت کے دوسرے پوتے عزیزم محمد عمر منصور پوری نے دیکھا، وہ لکھتے ہیں کہ احقر نے ایک مجمع میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کو دیکھا کہ کسی کام میں مشغول ہیں، مجھے خیال آیا کہ حضرت کا تو انتقال ہوگیا ہے، چلو حضرت سے معلوم کریں کہ اُن کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو حضرت نے جواب دیا کہ اپنے دادا سے پوچھو، احقر نے دیکھا کہ دادا جان اُن کے پیچھے کھڑے ہوئے ہیں، میں نے پوچھا کہ ''اَبا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟'' تو اَبا نے جواب دیا کہ ''ہمارے ساتھ اچھا معاملہ ہوا''، یہ کہہ کر حضرت اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔

اعلیٰ علیین میں حضرت کا انوکھا استقبال

جناب مولانا محمد سالم صاحب ندوی مقیم ویٹ ضلع ہاپوڑ نے حضرت کی وفات کے اگلے دن ہفتہ کی صبح کو خواب دیکھا، فرماتے ہیں کہ میں نماز فجر کے بعد اُس دن خلافِ معمول آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا، تو میں نے دیکھا کہ میرے والد محترم جناب الحاج شیر زماں صاحب مرادپوری رحمہ اللہ- جو خانوادۂ مدنی بطور خاص حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے نہایت عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے- مجھ سے فرمارہے ہیں کہ ''تم حضرت قاری صاحبؒ کے جنازہ میں دیوبند کیوں نہیں گئے؟'' تو میں نے کہا کہ میری طبعیت ٹھیک نہیں تھی اور رات بھی زیادہ ہوگئی تھی، تو کہنے لگے کہ اگر تم اپنے بھائی کے ساتھ جانا چاہتے تو چلے جاتے، اس کے بعد فرمایا کہ ''کل ہم نے یہاں قاری صاحب کا ایسا استقبال کیا ہے کہ اب تک جتنے لوگ بھی یہاں پر آئے ہیں، کسی کا ایسا استقبال نہیں ہوا''۔ تو میں نے پوچھا کہ ''ابا! کیا وہاں اعلیٰ علیین میں بھی ایسا ہی استقبال ہوتا ہے، جیسا زندوں کا ہوتا ہے؟'' تو فرمایا کہ یہاں زندوں سے بھی زیادہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور کیا تم حدیث نہیں پڑھتے ہو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب بتادیا ہے اور حضرت قاری صاحبؒ نے مجھ سے ملاقات کے بعد کہا کہ تمہارے گھر سے میرے جنازے میں کوئی نہیں آیا اور میں نے ہی اپنے بیٹے کو تمہارے گھر بھیجا تھا۔ (یہ ایک پروگرام کی طرف اِشارہ ہے، جو اَواخر رجب ۱۴۴۲ھ یعنی گذشتہ سال مدرسہ اعزاز العلوم کے زیر اہتمام موضع ویٹ کی پٹی والی مسجد میں ہوا تھا، جس میں حضرت مولانا قاری شوکت علی صاحب زید مجدہ کی دعوت پر اُستاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری دامت برکاتہم ویٹ تشریف لے گئے تھے، جہاں ناشتہ کا نظام مولانا محمد سالم صاحب کے گھر پر تھا)

خاص دعاؤں کی وجہ سے درجات کی بلندی

جس دن مولانا سالم صاحب ندوی نے مذکورہ خواب بیان کیا تھا، اُسی دن شب میں یہ

بھی دیکھا کہ ایک شخص اُن کے پاس آ کر یوں کہتا ہے کہ میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ کا قاصد ہوں اور آپ نے حضرت قاری صاحبؒ کے استقبال کا تو تذکرہ کیا؛ لیکن یہ نہیں بتایا کہ حضرت کو یہ مقام ومرتبہ کیسے ملا؟ تو مولانا نے اس شخص سے معلوم کیا کہ بتایئے یہ بلند مقام حضرت کو کیسے ملا؟ تو اُس قاصد نے دو لمبی دعائیں پڑھ کر سنائیں اور عرض کیا کہ حضرت قاری صاحبؒ اِن دونوں دعاؤں کا کثرت سے اہتمام فرماتے تھے، اسی کی وجہ سے حضرت کو یہ بلند مقام حاصل ہوا ہے، وہ دعائیں یہ ہیں:

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ بِمَا خَلَقْتَنَا، وَرَزَقْتَنَا، وَهَدَيْتَنَا وَعَلَّمْتَنَا وَأَنْقَذْتَنَا وَفَرَّجْتَ عَنَا، لَکَ الْحَمْدُ بِالإِيْمَانِ، وَلَکَ الْحَمْدُ بِالإِسْلَامِ، وَلَکَ الْحَمْدُ بِالْقُرْآنِ، وَلَکَ الْحَمْدُ بِالْأَهْلِ وَالْمَالِ وَالْمُعَافاةِ، کَبَدْتَّ عَدُوَّنَا وَبَسَطْتَّ رِزْقَنَا، وَأَظْهَرْتَ أَمْنَنَا وَجَمَعْتَ فُرْقَتَنَا، وَأَحْسَنْتَ مُعَافَاتِنَا، وَمِنْ کُلِّ مَا سَأَلْنَاکَ رَبَّنَا أَعْطَيْتَنَا، فَلَکَ الْحَمْدُ عَلیٰ ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِيْرًا، لَکَ الْحَمْدُ بِکُلِّ نِعْمَةٍ أَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيْنَا فِيْ قَدِيْمٍ أَوْ حَدِيْثٍ، أَوْ سِرٍّ أَوْ عَلَانِيَةٍ، أَوْ خَاصَّةٍ أَوْ عَامَّةٍ، أَوْ حَيٍّ أَوْ مَيِّتٍ، أَوْ شَاهِدٍ أَوْ غَائِبٍ، لَکَ الْحَمْدُ حَتّٰى تَرْضٰى، وَلَکَ الْحَمْدُ إِذَا رَضِيْتَ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلیٰ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ، وَعَلیٰ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ.

(الورد المصفى المختار من كلام اللّٰه تعالىٰ وكلام سيد الأبرار ص: ۲-۳)

(ہر طرح کی خوبیاں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اے اللہ، اے ہمارے پروردگار! آپ کے ہمیں پیدا کرنے، رزق عطا فرمانے، ہدایت سے نوازنے، علم سے سرفراز فرمانے اور گمراہی سے نکالنے پر آپ کا (بہت بہت) شکر ہے۔ نیز ایمان سے نوازنے پر بھی آپ کا شکر ہے، اِسلام سے سرفرازی پر بھی شکر ہے، قرآنِ کریم عطا کرنے پر بھی شکر ہے، اہل وعیال، مال ودولت اور عافیت پر بھی شکر ہے۔ آپ نے ہمارے دشمن کو ذلیل کیا، ہماری روزی میں کشادگی فرمائی، ہمیں اَمن واَمان سے نوازا، ہمارے بکھرے ہوئے کاموں کو جمع فرمایا اور ہمیں بہترین

عافیت سے نوازا اور جو کچھ ہم نے آپ سے مانگا وہ سب اے ہمارے رب آپ نے ہمیں عطا فرمایا، پس ان سب نوازشات پر آپ کا بے حد شکر ہے۔ اسی طرح جو بھی نئے یا پرانے، چھپے ہوئے یا پوشیدہ، خصوصی اور عمومی، زندہ یا مردہ، حاضر اور غائب انعامات سے آپ نے نوازا، اُن پر بھی آپ کا شکر ہے، اس وقت تک آپ کی حمد وثنا ہے جب تک کہ آپ ہم سے راضی ہو جائیں اور آپ کی خوشنودی پر بھی بہت شکر ہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب پر رحمتیں نازل فرمائیں اور سلام بھیجیں، آمین)

(۲) دوسری دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِيْ وَأَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ، أَصْلِحْ لِيْ آخِرَتِيْ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَادِيْ، وَأَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِيْ، وَتَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِيْ. وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ، رَبِّ أَعِنِّيْ وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ، وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ، وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ. (الورد المصفى المختار من كلام الله تعالىٰ وكلام سيد الأبرار ص: ۳۹)

(اے اللہ! میرے لیے میرے دین کو سنوار دے جو میرے ہر کام کا محافظ ہے اور میرے لیے میری دنیا کو بھی سنوار دے جس میں میرا گزران ہے اور میرے لیے میری آخرت کو درست فرما، جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے اور جب تک میری زندگی میں بھلائی ہو مجھے زندہ رکھ اور جب میری وفات میں بھلائی ہو تو مجھے اُٹھا لینا اور میری زندگی کو میرے لیے ہر خیر میں زیادتی کا باعث بنا اور میری موت کو میرے لیے ہر شر سے راحت وآرام کا باعث بنا، اے میرے رب! میری اعانت فرمایئے اور میرے خلاف کسی کی اعانت مت فرمایئے اور میری مدد فرمایئے اور میرے خلاف کسی کی مدد مت فرمایئے اور مجھے ہدایت سے نوازئے اور میرے لیے ہدایت پر استقامت آسان فرما دیجیے)

(حضرت کے صاحب زادگان اور متعدد حضرات سے معلوم ہوا کہ واقعۃً حضرت قاری صاحبؒ اِن دعاؤں کا بکثرت ورد فرماتے تھے) (مرتب)

حضرت کے سر پر نہایت نورانی تاج

حضرت کی وفات کے بعد دارالعلوم کے ''شعبۂ تنظیم وترقی'' کے ناظم جناب مولانا محمد راشد صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت والا مسندِ اہتمام پر تشریف فرما ہیں اور سر پر ایک نہایت نورانی تاج رکھا ہوا ہے، یہ اُسے حیرت سے بار بار دیکھ رہے ہیں، تو حضرت نے خود ہی فرمایا کہ ''یہ دو تاج بھیجے گئے تھے، ایک حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کے لیے اور ایک میرے لئے''۔

اللہ اکبر! کیسا سچا خواب ہے، آپ نے زندگی کا بڑا حصہ تاجِ ختم نبوت کی حفاظت میں صرف فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخرت میں نورانی تاج سے سرفراز فرمایا، فالحمد کلہ للہ۔

حضرتؒ کا ایک نومولود کی شکل میں نہایت روشن چہرہ کے ساتھ ظاہر ہونا

یہ خواب جناب مولانا مہدی حسن عینی (مقیم دیوبند) نے کئی مرتبہ دیکھا، لکھتے ہیں کہ اُستاذ محترم حضرت امیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیۃ علماء ہند کی آج تیسری مرتبہ خواب میں زیارت ہوئی ہے۔ حضرت ایک معصوم نومولود بچے کی شکل میں عیدگاہ میدان دیوبند میں نظر آتے ہیں، جسم پر سفید کپڑا لپٹا ہوا ہے، سر سفید رومال سے ڈھکا ہوا ہے، چہرہ اِس قدر خوب صورت اور دمکتا ہوا ہے کہ نظر نہیں ٹھہرتی، احقر اُنہیں گود میں لے لیتا ہے، کافی دیر تک یہی کیفیت رہتی ہے کہ دور سے حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند کی آواز آتی ہے کہ یہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ ہیں، ان کو مفتی سلمان صاحب یا مفتی عفان صاحب کے یہاں پہنچادو۔ اِس سے پہلے پہلی مرتبہ خواب میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی جملہ دہرایا تھا۔ حق تعالیٰ جل شانہ حضرت الاستاذ کو غریق رحمت فرمائیں، اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائیں، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

حضرت کا خوبصورت سفید لباس میں طویل القامت نظر آنا

ایک شخص نے حضرت والا علیہ الرحمہ کے بارے میں رات تقریباً دو تین بجے کے درمیان یہ خواب دیکھا، کہتے ہیں کہ ''حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ میرے کمرے میں آئے، بہت لمبے خوب صورت سفید لباس میں تھے، میرے ہاتھ میں ایک کٹورہ ہے اور اس میں پانی ہے (وہ کٹورہ میرے پاس ابھی بھی استعمال میں ہے) حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''کیا ہے دیکھیں!''، میں نے کٹورہ آگے کر دیا، کہنے لگے ''یہ تو بہت گرم پانی ہے، ایسا ہے اس میں چائے پتی ڈال کر بہترین چائے بناؤ''، میں بنانے لگا، حضرتؒ پھر کدھر چلے گئے؟ جاتے ہوئے میں دیکھ رہا ہوں؛ لیکن پوچھ نہ سکا (حضرتؒ اتنے لمبے تھے کہ میرے کمرے میں جھک کر داخل ہوئے اور اکڑو بیٹھ کر معلوم کیا کہ کیا ہے؟)

دارالعلوم کی دارالحدیث میں

بنگلہ دیش کے نہایت صالح عالم دین مفتی محمد صابر صاحب (تنگائل) نے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کے چار پانچ دن کے بعد یہ خواب دیکھا کہ ''دارالعلوم کی دارالحدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ تشریف فرما ہیں اور بڑے اِنہماک کے ساتھ دارالعلوم کے کاموں میں مشغول ہیں؛ لیکن آپ علیہ السلام کا حلیہ اور صورتِ مبارکہ بالکل حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی طرح ہے''۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

نہایت نورانی چہرہ کے ساتھ مہمانوں کے استقبال کی تیاری

دیوبند کے رہنے والے حضرتؒ کے ایک خادم محمد عاکف عمر نے حضرت مرحوم کو اس

طرح دیکھا کہ حضرت چھتہ مسجد سے متصل اپنے مہمان خانہ (خلوت گاہِ قاسمی) کی صفائی کرا رہے ہیں، مہمانوں کی آمد کی وجہ سے تیاریوں میں لگے ہوے ہیں، شاندار قالین بچھوائی اور آپ کا چہرہ بہت زیادہ روشن ہے، چہرے پر نور ہی نور نظر آ رہا ہے، وہی فکر وہی محبت وہی مہمانوں کی مہمان نوازی کا جذبہ نظر آیا، ایک ایک چیز کی صفائی کرائی، کچھ دیر کے لیے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت قاری صاحبؒ یہی ہیں۔

حضرت کا خواب میں دوبارہ زندہ ہوجانا

دارالعلوم حیدرآباد کے اُستاذ حدیث مولانا تبریز عالم صاحب قاسمی نے ۲۰؍شوال ۱۴۴۲ھ بروز بدھ کو حضرت اُمیر الہندؒ کو اِس طرح خواب میں دیکھا، لکھتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت کی وفات ہوچکی ہے اور ایک کمرہ میں- جو میری پرانی درس گاہ ہے- آپ کا جسد خاکی رکھا ہوا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری زید مجدہ، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور راقم الحروف (محمد تبریز عالم) موجود ہیں، کمرے کے باہر کچھ لوگ بیٹھے ہوے ہیں، اتنے میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کمرے میں تشریف لائے، تو اچانک حضرت قاری صاحبؒ اُٹھ کر بیٹھ گئے، یعنی زندہ ہوگئے، ہم سب خوش بھی ہیں اور سب کو حیرت بھی ہورہی ہے، یہ منظر دیکھ کر میں نے سوچا کہ باہر بیٹھے ہوے لوگوں کو یہ بات بتاؤں، اتنے میں قاری صاحب دوبارہ ویسے ہی لیٹ گئے جیسے پہلے بے روح لیٹے ہوے تھے، پھر میری آنکھ کھل گئی۔

مکہ مکرمہ میں تدفین کی تمنا

میوات کے رہنے والے حضرت کے ایک عقیدت مند جناب محمد عالم گمٹ میواتی نے حضرت امیر الہندؒ کے متعلق اپنا ایک خواب اس طرح بیان کیا کہ ''ایک بہت شان دار باغ ہے، جس میں نہایت خوب صورت ندی بہہ رہی ہے اور اس کا پانی نہایت سفید چمکتا ہوا اتنا حسین ہے

کہ میں نے آج تک ایسا پانی نہیں دیکھا، وہ ندی بہتی ہوئی مکہ مکرمہ پہنچتی ہے اور حضرت قاری صاحب کی یہ تمنا ہے کہ حضرت کو مکہ مکرمہ میں دفنایا جائے؛ چناں چہ اس وصیت کو پورا کرنے کے لیے میں نے اور مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری نے بیچ ندی میں ایک بلند جگہ سے حضرت کے جسد خاکی کو اس ندی میں بہادیا''۔

اِس کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے نہایت شان دار حال میں حضرت کی خواب میں زیارت کی ہے، سر دست اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بے حد بلند فرمائیں اور ہم سب کو حضرت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اخلاقِ حمیدہ، خدماتِ جلیلہ

از: مفتی نذیر احمد کشمیری مفتی دارالعلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ، کشمیر

کسی بھی شخصیت کی عظمت کی تشکیل وتعمیر میں جو عناصر وعوامل کارفرما ہوتے ہیں، ان میں یہ تین عوامل سب سے اہم، مؤثر اور نہایت مثمر ہوتے ہیں: ایک خاندانی اثرات، دوسرے عظیم اساتذہ اور اداروں سے اکتسابِ فیض اور تیسرے خود کا جوہر قابل اور صلاحیت وصالحیت سے مزین دل ودماغ۔

امیر الہند، صدر جمعیۃ علماء، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کے ناظم، دار العلوم دیوبند کے مختلف اہم عہدوں پر فائز اور اخیر میں معاون مہتمم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری ان تینوں عوامل کے پائے جانے کی بنا پر ایمانی، علمی وعملی ہر ہر اعتبار سے ایک کامیاب زندگی گزار کر اپنے مولا سے جاملے۔ اللہ تعالی ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلی مقام پر فائز فرمائے۔ آمین

حضرت کے خاندانی انتساب کی عظمتوں کا عالم یہ ہے کہ اس کائنات کے سب سے معزز، محترم اور تمام اوصافِ انسانی سے آراستہ خاندانِ سادات کے آپ گلِ سرسبد تھے۔ پھر دارالعلوم دیوبند جیسے مردم ساز ادارے میں حصولِ علم کی توفیق عطا ہوئی اور شیخ الاسلام والمسلمین، قدوۃ الواصلین، سید العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، جامع المنقول والمعقول علامہ ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین

احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم شخصیات سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا اور قراءت اپنے وقت کے عظیم قاری؛ حضرت قاری حفظ الرحمٰن سے پڑھی۔

اور تیسرا اہم عامل خود کا شوقِ علم، ذوقِ محنت، مزاج کا ورع وتقوی اور نفس کی اصلاح و تطہیر، جو وافر مقدار میں مبدء فیاض نے عطا فرمایا تھا؛ اس کے لیے جن اخلاقی خصائل اور طبعی اوصاف کی ضرورت تھی، وہ خاندانی شرافت وکرامت پر سونے پر سہاگہ کا کام کرگئیں۔ اس لیے آپ قیمتی جوہر بن گیے اور ہر کامیابی کا سہرا لے کر رخصت ہوگئے۔

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کے اخلاقِ حمیدہ اور خدماتِ جلیلہ کے نقوش ہر چہار سو روشن ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے در و دیوار، جمعیۃ علماء کے دفاتر، تحفظ ختم نبوت کے لیے ملکوں ملکوں اور شہروں وقصبات کے اسفار، آپ کی دینی وملی خدمات کے اثرات وثمرات کا خاموش مگر برملا اعلان ہیں۔

راقم الحروف کو حضرت امیر الہند کی معیت وظلِ عاطفت میں ختم نبوت کے سلسلے میں متعدد طویل اسفار کی سعادت ملی ہے۔ جموں وکشمیر میں جموں، سرینگر، ڈوڈہ، بھدرواہ، بانہال وغیرہ اور اس کے مضافات میں دشوار گزار پہاڑی سفر میں آپ کے ساتھ خادمانہ طور پر شرکت کے تمام نقوش آج بھی قلب ودماغ میں زندہ وتابندہ ہیں۔

جموں کشمیر کے قصبہ بھدرواہ جہاں مرزائیوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے اور جن کی سرگرمیاں ہمیشہ جاری رہتی ہیں، اسی قصبہ میں ختم نبوت کے عنوان پر ایک پروگرام رکھا گیا۔ اس میں شرکت کے لیے آپ کی تشریف آوری پورے خطے میں ختمِ نبوت کے مشن کو مضبوط بنانے کے لیے ایک سنگِ میل ثابت ہوئی۔ اس پورے سفر میں حضرت کے مزاج، اخلاق، طبعی شرافت، خورد نوازی، کسرِ نفسی، تواضع، وقار، صبر ومتانت اور خود ایک عظیم شخصیت ہونے کے باوجود ہم اور ہم جیسے چھوٹوں کہ جو نہ حفظِ مراتب سے واقف اور نہ بڑوں کی عظمتوں کے حقیقی قدر شناس ہیں، مگر حضرت شاداں وفرحاں ہر تلخ وترش کی پرواہ کیے بغیر پورے سفر ایک ہی تڑپ لیے

محوِ سفر رہے کہ کسی طرح ختم نبوت کا جھنڈا ہر جگہ بلند رہے۔

خاندانِ سادات کی شرافت، غیرت وحمیت، ترحم وتواضع، نرم مزاجی مگر متانت وسنجیدگی، غیر ضروری گفتگو اور بے سود مجلس آرائی سے نفور، نہ کسی کی غیبت، نہ کسی پر طعن وتشنیع، نہ ابتذال، نہ سوقیانہ پن، نہ اکل وشرب کے تنوعات کے شائق اور نہ غیر مفید مشاغل میں وقت کا ضیاع۔ ان تمام اوصاف کا مشاہدہ خوب ہوتا رہا اور یہ آپ کی اخلاقی زندگی کے روشن نقوش ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت قاری صاحب اپنے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ طبعیہ کے اعتبار سے ہم سب کے لیے ایک عمدہ مثال تھے۔ کشمیر میں سیرتِ طیبہ کی ایک پر وقار مجلس، امارتِ شرعیہ اور محاکم شرعیہ کے قیام کے سلسلے میں آپ کی تشریف آوری، جموں میں علماء دیو بند کی خدمات پر منعقدہ سیمینار میں آپ کی صدارت، ان تمام مواقع پر آپ کے اخلاقِ کریمہ کا خوب خوب مشاہدہ ہوا۔

حضرت امیر الہند رابع اخلاقِ حسنہ سے مزین تھے۔ اخلاقِ حسنہ میں اہم ترین وصف صاحب عظمت ہونے کے باوجود تواضع وکسر نفسی ہے، حضرت خاندانی عظمت اور علمی مقام و مرتبہ اور عظیم عہدوں کا تاج اپنے سر پر رکھنے کے باوجود متواضع بھی تھے اور کریم النفس بھی۔

اخلاق حمیدہ کی ایک اہم نوع عدمِ ایذا بھی ہے، حضرت والا نہ اپنی زبان سے، نہ طرز عمل سے، نہ ہی اپنے رویہ سے کسی کی ایذا رسائی کا سبب بنتے تھے اور نہ ہی کسی فرد کو آپ کی ذات سے کسی بھی قسم کا کوئی گلہ شکوہ تھا۔ ہم نے آپ کی معیت میں کیے گئے کئی اسفار میں دیکھا کہ کوئی ناگوار امر یا زحمت پہنچانے والا کوئی فعل کسی سے سرزد ہوا مگر آپ کی جبینِ سعادت پر ادنی سا تکدر بھی محسوس نہ ہوا۔ دورانِ سفر ایک ادارے میں ضروری راحت کی اشیاء بھی میسر نہ تھیں اور ادارے کے ذمہ داروں کو اپنے لا ابالی پن یا غفلت کی بنا پر اس کا احساس بھی نہ تھا۔ حضرت والا کو کئی طرح کی زحمتیں پہنچنے کا یقینی مشاہدہ ہم رکاب افراد کرتے رہے اور شرم سے پسینہ پسینہ ہوتے رہے، مگر حضرت قاری صاحب نے اس پندرہ گھنٹے کے قیام میں اس کا احساس تک نہیں ہونے دیا اور نہ چہرے بشرے سے اس کا اظہار ہونے دیا۔

سفر کے دوران کچھ شرکاء غیر مفید فضول گوئی کے مرتکب ہوے؛ مگر ہم نے دیکھا کہ حضرت والا یا تلاوت میں مشغول ہوتے یا کسی غور وفکر میں شرکاء کے مزاج کی گفتگو سن کر صرف ہونٹوں پر تبسم ہوتا، مگر خشک مزاجی کا اظہار کرتے ہوے نہ کوئی ناگواری ظاہر فرماتے اور نہ ہی زجر وتوبیخ۔ گفتگو میں سنجیدگی، وقار اور متانت ہر حال میں قائم رہتی، ایک ادارے میں علاقہ کے بہت سارے نوعمر علماء جمع تھے اور مختلف فرقوں کی سرگرمیوں کی روداد سنا سنا کر بار بار یہ مطالبہ کرتے کہ باہر کے علماء یہاں نہیں آتے اور ہم ان فرقوں کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ حضرت قاری صاحب نے خاموشی سے پوری توجہ اور پورے غور کے ساتھ احوال سنے پھر فرمایا کہ ''باہر کے علماء سے شکوہ اوران کی بار بار آمد کا مطالبہ ایک حد تک صحیح ہے؛ مگر کام کا اصل طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں''، چناں چہ اس پورے علاقے کے لیے ایک مجلس کا قیام عمل میں لانے کی تجویز دی۔ اسی وقت مجلس کی تشکیل ہوئی۔ ارکان طے ہوے اور ماہانہ مجلس منعقد کرنے کی ترتیب قائم ہوئی۔ چناں چہ چند ہی ماہ میں علاقے کے ان فتنوں کی سرگرمی میں متحرک افراد مضمحل ہوگئے اور مسلکِ حق حفاظت کے حصار میں آ گیا۔

اس مجلس کے قیام کے سلسلے میں عہدوں کے متعلق رسہ کشی کا خطرہ ہم سب کو محسوس نہیں ہوا؛ بلکہ کہ صرف حضرت قاری صاحب کو محسوس ہوا، آپ نے اس وقت ایک بصیرت افروز گفتگو فرمائی اور جمعیۃ العلما کے اکابرین حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاںؒ کے چند واقعات اوران کی بے نفسی اور جذبہ خدمت کے احوال سنائے۔ اس طرح وہ مجلس وحدتِ فکر اور جذبہ اطاعت کے ساتھ تشکیل پائی اور وہ کام کے لیے متحرک ہوگئی۔

حضرت قاری صاحب گفتگو سے زیادہ کام پر توجہ دیتے، مزاج میں ایک سکون اور ٹھہراؤ کی حالت رہتی اور کتنے ہی شعبوں کے کام اپنے سر پر لینے کے باوجود نہ ہڑبڑاہٹ، نہ چڑچڑا پن، نہ عجلت پسندی، نہ بے صبری، نہ مواخذہ ومحاسبہ۔ بس نہایت سکون ووقار کے ساتھ ہر ہر ذمہ

داری کو نہایت درجہ اصول کی پابندی اور ہر شعبہ کے دستور کی رعایت کے ساتھ انجام دیتے۔ نہ عہدوں کی طلب اور نہ ہی ذمہ داری لینے سے اعراض یا پہلو تہی۔

مزاج میں صلابت، طبیعت میں استحکام اور کام کو اپنے وقت پر انجام دینے کی فکر آپ کی شخصی زندگی کا اہم پہلو ہے۔ چناں چہ ادارہ مباحث فقہیہ کے سالانہ فقہی اجتماعات تسلسل کے ساتھ ہوتے رہے اور اس درجہ کا تسلسل اگر چہ حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی (جانشین شیخ الاسلام) کے عہد میمون میں ہی شروع ہو گیا تھا؛ مگر حضرت قاری صاحب نے اس تسلسل میں جو استحکام پیدا کیا وہ پہلے سے ممتاز ہے۔ چناں چہ ادارہ مباحث فقہیہ کے اجتماعات کشمیر، حیدرآباد، بمبئی، دلی اور مدراس میں جس کامیاب انداز میں ہوے وہ یقیناً حضرت کے حسنِ انتظام کا شاہکار اور آخرت کے لیے بہترین ذخیرہ ہوں گے۔

حضرت کے مزاج میں سلامتی، طبعیت میں لینت وتقدس، رویے میں ملائمت، اپنے تمام اکابرین کی اعتدال کے ساتھ عقیدت، اپنے معاصرین کے ساتھ ادب ومحبت، حفظِ مراتب اور اصاغر وتلامذہ متعلقین (چاہے وہ خاندانی اعتبار سے اصحاب تعلق ہوں یا انتظامی شعبوں سے وابستہ افراد ہوں) سب کے ساتھ شفقت، خوردنوازی اور اپنائیت وترحم کا معاملہ تھا اور سب سے کام کرانے کا شفقت آمیز رویہ۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا مزاج کی تمام خصوصیات اور اخلاق جمیلہ کے تمام نقوش کے بیان کا حق آپ کے ان متعلقین (خصوصا آپ کے صاحب زادگانِ کرام) کا ہے جو آپ کی پوری حیات کے عینی شاہد ہیں۔

حضرت امیر الہند کی خدمات جلیلہ کے متعدد میدان ہیں۔ پہلا اہم ترین شعبہ آپ کی خدمتِ تدریس ہے۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد سے سانحۂ ارتحال تک پوری زندگی تعلیم و تعلم میں گزری اور اِس طویل؛ بل کہ ساری زندگی میں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر اور تجوید قرآن آپ کی تدریس کے فنون رہے۔ اندازِ تدریس دل

نشین، نہ طول طولانی، نہ اس درجہ اختصار کہ طلبہ صرف عبارت سن پائیں۔ حشو وزوائد سے پاک، غیر ضروری مباحث، غیر متعلقہ مضامین سے مبرا، حل عبارت پر خاص زور جو درحقیقت استعدادِ علمی پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ علمی رسوخ اس درجہ کہ بہت سارے مقامات ومباحث میں انحرافات کی نشان دہی فرماتے؛ چناں چہ ایک نوجوان صاحب علم نے قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کا مہتم بالشان کام شروع کیا تو حضرت قاری صاحب نے نہایت باریک اغلاط وانحرافات کی نشان دہی فرمائی۔

خدمات عظیمہ کا دوسرا اہم ترین میدان تحفظ ختم نبوت کا عظیم کام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں قائم ہونے والا شعبہ تحفظ ختم نبوت تمام حضرت قاری صاحب کی محنت وسعی کی جولا نگاہ ہے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) محدث کبیر حضرت مولانا سعید احمد پالنپوریؒ (سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) اور حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بلاشبہ اس شعبہ کے سرپرست اور صدر رہے، مگر بحیثیتِ ناظم اس شعبہ کی تمام علمی، تربیتی اور ردقادیانیت کے سلسلے میں تمام کاوشوں کا نفسِ ناطقہ آپ ہی تھے۔

ختم نبوت کے سلسلے میں بڑی بڑی کانفرنسیں، مختلف صوبوں میں قائم ہونے والے شعبۂ ختم نبوت اور اس سلسلے میں لٹریچر اور خصوصاً کتابوں کی اشاعت کا سہرا آپ کے سر ہے۔ نئے فضلاء کو تربیت کی غرض سے ردِقادیانیت کے لیے تربیتی کیمپ قائم کرنے کا سلسلہ بھی آپ کا کارنامہ ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور چنیوٹی کو پاکستان سے دیوبند کا سفر کروا کر تربیت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت قاری صاحب کی نگاہِ دور بین کا شان دار مظہر ہے۔ حضرت مولانا منظور چنیوٹی ردِقادیانیت کے سلسلے میں اتھارٹی تسلیم کیے جاتے تھے۔ انہوں نے تربیت کے لیے ایک کاپی تیار کی تھی اور اسی کاپی کو سامنے رکھ کر وہ تربیت دیا کرتے تھے۔

راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا چنیوٹی نے وہ کاپی اپنی آمد سے پہلے ہی بھیج دی تھی اور حضرت قاری صاحب نے اس کاپی کو بہت سادہ انداز میں لیتھو کی چھپائی کے ساتھ چھپوا دیا تھا۔ چناں چہ حضرت قاری صاحب نے افتتاح میں فرمایا:

> ''یہ حضرت مولانا منظور صاحب کی کاپی ہے، اگر چہ یہ چھپوا دی گئی ہے؛ مگر یہ اب بھی کاپی ہی ہے، اس لیے کہ یہ اشاعت عام نہیں ہے بل کہ صرف شرکاء کی تربیت کے لیے اس کی نقلیں تیار کی گئیں ہیں''۔

راقم کو یاد ہے کہ دو دن تک شرکاء ردِ قادیانیت کا مطالعہ کرتے رہے مگر ردِ قادیانیت کا کوئی واضح نقشہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تیسرے دن جب حضرت مولانا منظور چنیوٹی نے ردِ قادیانیت کے سلسلے میں مربوط انداز میں تربیت دینی شروع کی تو صرف تین دن کی تربیت سے تمام شرکاء میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور قادیانیوں سے مناظرہ اور بحث کرنے کے وہ گر ہاتھ آئے کہ ہر شریک یہ محسوس کرنے لگا کہ اگر ساری دنیا کے قادیانی اب مناظرہ کے لیے آئیں تو میں ان کے لیے کافی ہوں۔

مولانا منظور چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ کاپی آگے چل کر حضرت مولانا سید محمد سلمان منصور پوری نے ''ردمرزائیت کے زریں اصول'' کے نام سے مرتب کی اور اب وہ کتاب اس میدان میں کام کرنے والوں کے لیے مکمل اسلحہ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے بہت کم کسی دوسری کتاب کی ضرورت ہے۔

شعبہ ختم نبوت کی طرف سے شائع ہونے والی عظیم کتابوں پر پروفیسر الیاس برنی کی عظیم علمی کتاب ''قادیانیت کا علمی محاسبہ'' جو پہلے ''قادیانی مذہب'' کے نام سے موسوم تھی، شائع کی گئی۔ یقیناً یہ حضرت قاری صاحب کی تحفظ ختم نبوت کی خدمت کا ایک پہلو ہے، جو اس شعبہ کی باقیات صالحات میں سے ہیں۔ پورے ملک میں قادیانیوں کی سرگرمیاں کہاں کیا کیا ہیں؟ اس پر نظر رکھنا، پھر ان علاقوں کے علماء کو متحرک کرنا اور پھر وہاں ختم نبوت کے پروگرام ترتیب دینا اور دوسرے علماء کے ساتھ خود مسلسل اسفار کرنا یقیناً حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ

میں آپ کے قرب وقبولیت کا عظیم سرمایہ ہوگا۔

حضرت قاری صاحب کی خدمتِ دین کا تیسرا اہم ترین میدان جمعیۃ علمائے ہند ہے۔ خصوصاً حضرت فدائے ملت، جانشینِ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے بعد جب آپ صدر جمعیۃ کے عہدے پر فائز ہوے اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کے سانحۂ ارتحال کے بعد جب آپ نے امیر الہند کا کلاہ زیب تن کیا تو اپنے اسلاف کی عظیم خدمات وروایات کے ان عظیم عہدوں کی نزاکتوں سے عہدہ برآ ہونا یقیناً نہایت مشکل صبر آزما اور نوع بنوع کی صفات کی حامل شخصیت ہونے کا متقاضی تھا۔ مگر آفرین ہے حضرت کو، جس منصب پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حضرت فخر المحدثین اور حضرت فدائے ملتؒ فائز رہے، اس منصب کی ذمہ داریوں کا تمام پہلوؤں کی رعایت کے ساتھ نبھانا اللہ کی توفیق، خود کے اخلاص واستقامت کے بغیر ممکن نہیں اور آپ اس میں ہر طرح سرخ رو رہے؛ چناں چہ جمعیۃ کے تمام شعبے انھیں سرگرمیوں کے ساتھ کام کرتے رہے، بل کہ بعض شعبوں میں مزید حرارت اور فعالیت پیدا ہوئی۔

اکابرینِ جمعیۃ کی حیات وخدمات پر عظیم سیمینار منعقد ہوے اور پھر ان سیمیناروں کے تمام مقالات کی اشاعت ہوئی اور اس طرح مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی ذات سے لے کر حضرت فدائے ملت کی ذات تک اہم شخصیات کی سوانح کے متعلق نہایت علمی مواد اور کارناموں کے تمام شعبوں پر مشتمل دستاویزات اشاعت پذیر ہوئیں۔ یہ حضرت قاری صاحب کا وہ کارنامہ ہے کہ اس سے پہلے یہ کام اس پیمانے پر نہ ہوسکا تھا۔ حق یہ ہے کہ صدر جمعیۃ اور امارت ہند کے ان دونوں عہدوں کے نتیجے میں آپ کی خدمات متنوع بھی ہیں اور مؤثر بھی۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ کے زیر اہتمام فقہی اجتماعات کا تسلسل سے انعقاد اور پورے ملک اور دوسرے ملکوں کے اہلِ علم کی ان اجتماعات میں شرکت کر کے فیصلے کرنے تک ہر ہر مرحلے میں آپ کی نگرانی اور شرکت نعمتِ مغتنم تھی۔ فقہی اجتماعات کے اختتام پر جب تجاویز مرتب ہوتیں تو بارہا یہ مشاہدہ ہوا کہ حضرت والا کی نگاہ اس نکتہ کی طرف چلی گئی جس کی طرف

دوسروں کا دھیان تک نہیں جاتا تھا۔

جمعیۃ علمائے ہند کے صدر کی حیثیت سے آپ نے جمعیۃ کے تمام شعبوں کو اسی طرح فعال رکھا جو جمعیۃ کے اکابرین کا طرۂ امتیاز تھا۔ پھر ادارۃ المباحث الفقہیہ کے اجتماعات ہوتے یا جمعیۃ علماء کے اجلاس ہوتے، آپ کا خطبۂ صدارت برمحل، مختصر لیکن جامع، موضوع پر حاوی، اغلاق سے محفوظ، سطحیت سے پاک، موقع کی ضروریات اور نزاکتوں کی رعایتوں سے آراستہ، دل نشین، ایمان افروز اور بصیرت افروز ہوتا۔

حضرت قاری صاحب کی خدمت کا ایک اہم میدان دارالعلوم دیوبند کی مختلف انتظامی ذمہ داریوں کو نہایت عمدہ اصول وضوابط کے ساتھ نبھانا ہے؛ چناں چہ آپ دارالاقامہ اور تعلیمات کے ذمہ دار بھی رہے اور شعبۂ اہتمام کے سب اہم عہدہ نیابت اہتمام اور اخیر میں معاون مہتمم بھی رہے۔ ان تمام انتظامی شعبوں میں آپ کی خدمات زریں ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی صاحب خود فرماتے ہیں کہ:

> ''پہلے کبھی ناظم دارالاقامہ، کبھی ناظم تعلیمات کے عہدے پر رہے اور جس شعبہ میں رہے، بہت کامیابی کے ساتھ انہوں نے ذمہ داری کو انجام دیا''۔

حضرت مہتمم صاحب آگے فرمارہے ہیں:

> ''حضرت قاری صاحب کی شرافت ان کی سوجھ بوجھ ان کی اصول پسندی نے ان کو نمایاں کیا تھا۔ ان کا تجربہ بھی طویل تھا، چناں چہ بطور معاون مہتمم ان کا نام تجویز کیا گیا اور معزز اراکین شوری نے تجویز منظور کی اور اس طرح دارالعلوم دیوبند کی ایک اہم ترین ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آ گئی۔ پھر جتنے دن بھی اس عہدے پر رہے پورے شعبے میں نئی روح دوڑ گئی۔

اس عہدے پر فائز ہوکر جب لاک ڈاؤن کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہوا تو دارالاہتمام کی طرف سے حضرات اساتذہ کو جو اہم علمی ودعوتی کام تفویض ہوئے، ان میں سے ہر کام کے ذمہ دار حضرت قاری صاحب قرار پائے؛ چناں چہ اصلاح معاشرہ کی کمیٹی بنائی گئی تاکہ دیوبند

اور اس کے مضافات میں اصلاح معاشرہ کا کام کیا جائے، اس کمیٹی کے ذریعہ معاشرے کے سدھار کے مساجد میں تین کام تجویز کیے گیے : پہلا مساجد میں درسِ قرآن و درسِ حدیث اور مسائل کے درس ہوں۔ دوسرے معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کی نشان دہی اور ان کی اصلاح کے لیے مجالس وعظ منعقد ہوں۔ اور تیسرے تعلیمِ قرآن و تصحیحِ قرآن کے مکاتب قائم ہوں، اس کمیٹی کے ذمہ دار اور سرپرست حضرت قاری صاحب ہی تھے۔

دوسری تحقیق و تصنیف کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کے زیر اہتمام اساتذۂ کرام سے دینی و اصلاحی کتابیں تصنیف کرائی جائیں اور اکابر کی نایاب تصنیفات کی از سرِ نو اشاعت کی جائے۔

اس اہم ترین کمیٹی کے سربراہ حضرت قاری صاحب اور تیسری کمیٹی کتب خانہ کی ترتیب نو کی کمیٹی بنائی گئی۔ اس کی ذمہ داری انہی کے سر پر ڈالی گئی؛ چناں چہ حضرت نے نہایت تندہی سے یہ سارے کام شروع کیے اور جوانوں کی تندہی کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آپ نے قدم اٹھائے مگر داعیِ اجل کا بلاوا آ گیا کہ شرافت و نجابت کا مجسمہ، اخلاق کریمانہ کا پتلا اور نوع بنوع دینی، ملی، سیاسی اور علمی خدمات کا سرمایہ لے کر ختم نبوت کی محنت کا سہرا سر پر سجائے، پوری عمر تدریس، وعظ، اصلاحِ ذات و اصلاحِ امت کے لیے ہر دم متحرک رہنے والا یہ سید زادہ، شیخ الاسلام و فخر المحدثین کا تلمیذِ ارشد، فدائے ملت کا خلیفۂ اجل اور دو اصحابِ علم و فضل صاحب زادوں کا شفیق والد اس دنیائے فانی سے سفر کر کے نانا جان علیہ الصلوۃ والتسلیم الف الف مرۃ کے سایۂ عاطفت پائے رہ گزار آخرت ہو گئے۔

اللّٰهم تقبل حسناته وارفع درجاته. يا رب العالمين

روشن ستارہ

مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی مدیر ماہ نامہ التبیان، مدرسہ دار الہدی، بمنہ، سری نگر کشمیر

حضرت قاری صاحب حقیقی معنی میں اکابر اہل سنت کے مسلک ومشرب کے جانشین تھے، آپ بیک وقت دار العلوم دیوبند کے استاذ حدیث، برصغیر کی ممتاز اور نہایت ہی قابل قدر دینی وملی تحریک جمعیۃ علماء ہند کے صدر، مرکز علم وعرفان دار العلوم دیوبند کے کارگزار مہتمم، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ رہے، نیز سیکڑوں مدارس اسلامیہ کے سرپرست اعلیٰ کی حیثیت سے اپنی خدمات جلیلہ انجام دیتے رہے، آپ ذاتی اعتبار سے نہایت متواضع، شرافت وکرامت کا مجسم نمونہ، طہارت وتقویٰ کا پیکر اور علم وعمل کا خوبصورت گلدستہ تھے، بڑے تو بڑے اپنے چھوٹوں کے ساتھ بے انتہا شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے، ہدیہ لینا تو سنت ہے مگر حضرت نے ہدیہ دینے کا بھی خوبصورت اور زبردست ذوق پایا تھا۔

آپ نے مارچ ۲۰۰۸ء میں جمعیۃ علماء ہند کے منصب صدارت کو سنبھالا، مارچ ۲۰۰۸ء سے مئی ۲۰۲۱ء تک آپ کا دورِ صدارت تاریخ کا ایک روشن باب ہے، حضرت کی خدمات کا اعتراف قابل فخر انداز سے ساری دنیا میں کیا جا رہا ہے، سچ یہ ہے کہ آپ کی شخصیت صحیح معنوں میں یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم کا آئینہ تھی، آپ نے ہمیشہ ملت اسلامیہ کے مفادات کو اپنی ذات پر مقدم رکھا، حضرت قاری صاحب کو اہلیان کشمیر سے کافی زیادہ قلبی لگاؤ تھا، کشمیر کے تعلق سے ہمیشہ فکرمند رہتے اور حالات ومسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ

ہمیشہ محبت بھری دعاؤں سے نوازتے رہتے، کثرت مشاغل اور دینی، علمی، سماجی وملی مصروفیات کے باوجود جب بھی کبھی کشمیر تشریف آوری کا تقاضہ رکھا جاتا تو اوقات کی ترتیب ورعایت کے ساتھ ہمیشہ شرف قبولیت بخشتے، حضرت قاری صاحب کا پہلا سفر کشمیر تو جموں وکشمیر وقف بورڈ کی دعوت پر سیرت پروگرام کے عنوان سے ہوا ہے اور پھر مدارس کے عنوان سے پہلا سفر کشمیر حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا غلام نبی صاحب رحمہ اللہ کی معیت میں احقر کی دعوت پر فرمایا تھا، اور اس کے بعد یہ سلسلہ ۲۰۱۹ء تک تسلسل کے ساتھ جاری رہا، ۲۰۱۹ء کے ماہ اگست کے وسط میں آپ کا سفر نہ صرف طے تھا بلکہ آمد ورفت کا ٹکٹ بھی بن چکا تھا، اسے حالات کی ستم ظریفی کہیے کہ ۴؍اگست ۲۰۱۹ء کو پورے کشمیر میں ایسا لاک ڈاؤن لگایا گیا کہ کشمیر آنا تو دوران ٹکٹوں کو کینسل کرانا بھی ممکن نہ ہوا اور وہ ٹکٹیں یوں ہی ضائع ہوگئیں، اس کے بعد سے آج تک حضرت قاری صاحب کی تشریف آوری کی بس تمنا ہی رہی:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ است

حضرت قاری صاحب نے چونکہ اپنی مبارک زندگی کا ایک قابل قدر حصہ تاج ختم نبوت اور ناموس رسالت کی حفاظت وصیانت میں گزارا، اس سلسلے میں کئی بار یہ شرف حاصل رہا کہ آپ کی معیت میں کشمیر کے دور دراز اور پہاڑی علاقوں کا سفر کیا، ان تکلیف دہ اور مشکل گزار راہوں میں حضرت قاری صاحب کی جولانی اور مستعدی دیدنی ہوتی تھی، سچ یہ ہے کہ خاندانِ سادات کا خادم اور چشم وچراغ ہونے کا حق ادا کردیا، ہم نے بارہا اس حقیقت کا بغور مشاہدہ کیا کہ کوئی بھی پروگرام ہو حضرت قاری صاحب اکثر ختم نبوت مضمون کے ضرور ذکر فرماتے۔

۲۰۲۰ء کے ماہ جنوری میں جمعیۃ الائمہ والعلماء جموں وکشمیر سے وابستہ علماء کرام کا ایک وفد دارالعلوم دیوبند حاضر ہوا، اس سلسلے میں حضرت قاری صاحب سے ملاقات کی خواہش کی گئی حضرت نے کئی گھنٹوں پر محیط شرفِ ملاقات بخشا اور ٹھنڈے دماغ سے تسلی بخش انداز میں ہماری تیز وتند گفتگو کو سماعت فرمایا، ہمیں شدت سے یہ محسوس ہوا کہ گفتگو کا یہ انداز شاید نامناسب تھا، مگر

جب ہم نے حضرت قاری صاحب سے معذرت فرمائی تو آپ کا جواب اس قدر تسلی بخش تھا کہ ہم حیرت سے تکتے رہ گئے، آپ نے فرمایا کہ یہ تو آپ کا حق ہے، اس لیے معذرت کی کوئی حاجت نہیں۔

زندگی میں کئی بار ایسا ہوا کہ کوئی مشکل درپیش ہوتی اس سلسلے میں جب بھی حضرت قاری صاحب سے متعینہ معاملے میں دعا کی درخواست کی، یقین جانیے وہ معاملہ حضرت کی دعا سے حل ہوگیا، آپ کہہ سکتے ہیں حضرت یقیناً مستجاب الدعوات تھے، حضرت سے ہم نے مدرسہ سبیل الہدیٰ کے سلسلے میں سرپرستی کے کے لیے گزارش کی تھی جسے حضرت نے ازراہِ شفقت قبول فرمالیا۔

مارچ ۲۰۲۱ء کے وسط میں ادارۃ المباحث الفقہیہ کے علمی وفقہی سیمینار میں حضرت قاری صاحب سے ہماری آخری ملاقات ہوئی، کسے معلوم تھا کہ حقیقی معنوں میں حضرت قاری صاحب اس علماء کی منتخب جماعت سے ہمیشہ کے لیے رخصت لے رہے ہیں۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

ڈاکٹر مولانا مسعود احمد الاعظمی استاذ جامعہ مظہر العلوم، بنارس

اس وقت جن دل گداز سانحوں سے ہم کو دوچار ہونا پڑا ہے، ان میں ایک بڑا سانحہ امیر الہند رابع حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری صدر جمعیۃ علماء ہند کا حادثۂ وفات ہے، جس سے نہ صرف بزم علم ومعرفت سونی ہوئی ہے، بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کی صف قیادت میں بھی ایک بڑا اور تشویش آمیز خلا واقع ہوا ہے۔ ان کی وفات سے اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند اپنے ایک باوقار استاد اور منصب اہتمام کے معاون سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے، تو دوسری جانب جمعیۃ علماء ہند اپنے صدر نشیں، طالبان دارالعلوم ایک مشفق استاد اور مسلمانان ہند اپنے میر کارواں سے محروم ہو گئے ہیں۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیت ظاہری و باطنی اوصاف وکمالات کا مجموعہ اور حسن صورت وسیرت سے آراستہ تھی۔ قد وقامت، رنگ روپ اور سراپا حسین وجمیل، مرصع، جاذب نظر اور دل نواز تھا، جامہ زیبی بلائیں لیتی تھی، لیکن جن حقیقی اور واقعی خوبیوں نے آپ کو بلند مقام عطا کیا تھا، وہ علم وعمل کی پختگی، کردار کی پاکیزگی، شرافت ونجابت اور متانت وسنجیدگی، اخلاق کی بلندی اور وہ محاسن وکمالات تھے جو آپ کی سیرت اور کیرکٹر کا حصہ تھے۔ آپ کی شخصیت علم وعمل کی جامعیت، زہد وتقوی، اخلاص وللّٰہیت، سادگی وبے لوثی، انکسار وتواضع اور وضع داری کا پیکر تھی۔ جمعیۃ علماء ہند جیسی مؤقر اور عظیم تنظیم کے صدر اور امیر الہند کے منصب پر

فائز ہونے کے باوجود ان کی سادگی اور انکسار وفروتنی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ان عہدوں پر فائز ہونے سے پہلے ان کا جو انداز اور اخلاق وکردار تھا، اس کے بعد بھی اسی طرح باقی رہا۔ان کے علم میں تعمّق، مطالعہ میں وسعت وگہرائی اور فکر ونظر میں کشادگی تھی۔وہ نسبتاً خاموش طبیعت کے آدمی تھے، ان کے اندر علم یا منصب کا غرور وپندار نہیں تھا، بیک وقت نہ جانے کتنی ذمہ داریاں ان کے دوش پر رہتیں لیکن خاموشی اور استقلال و پامردی کے ساتھ وہ ان کو انجام دیا کرتے تھے۔گفتگو زیادہ نہیں کرتے، لیکن جو بات بولتے نپی تلی اور نرم وملائم لہجے میں متانت کے ساتھ بولتے۔وہ درحقیقت گفتار کے نہیں کردار کے غازی اور عملی دنیا کے آدمی تھے۔

ذہانت وذکاوت

قاری صاحب کو ذہانت وفطانت، ذکاوت اور زیرکی سے حظ وافر ملا تھا اور انھوں نے قدرت کی عطا کردہ اس نعمت کا بہترین استعمال کیا، انھوں نے اس عطیہ خداوندی کو علم وفن کی تحصیل، ان کی تدریس واشاعت، دین ومذہب کی سربلندی اور قوم وملت کی خدمت میں صرف کیا۔ان کی ذہانت چہرے بشرے سے ظاہر تھی اور اس کا اندازہ ان کی گفتگو، بات چیت اور طرز عمل سے ہوتا تھا۔

علمی مقام

علمی اعتبار سے حضرت قاری صاحبؒ نہایت بلند مقام پر فائز تھے، بیشتر اسلامی علوم وفنون میں ان کو دسترس حاصل تھی اور انھوں نے اپنی متاع حیات ان کی خدمت، نشر واشاعت اور درس وافادہ میں صرف کردی۔انھوں نے عمر بھر تدریسی خدمت انجام دی اور تشنگان علم وفن کی ایک بڑی تعداد ان کے سرچشمۂ علمی سے فیض یاب ہوئی، ان کے خرمن علم کے خوشہ چیں اور فیض یافتہ تلامذہ ملک وبیرون ملک کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں بڑی تعداد ان شیفتگان علم ومعرفت کی بھی ہے جو کہیں نہ کہیں بساطِ درس وتدریس بچھائے ہوئے یا

علم کی شمع فروزاں کیے ہوے ہیں۔

دینی حمیت اور مسلکی پختگی

حضرت قاری صاحب مذہب ومسلک کے سخت پابند تھے اور اس میں کسی قسم کی مداہنت اور نرمی کے قائل نہیں تھے، دارالعلوم کے متعدد ایسے شعبے جن کا تعلق مذہب ومسلک کی حفاظت یا ان کے دفاع سے تھا، ان میں ان کی ذمہ داری، سرپرستی یا سرگرمیاں اور کارنامے ان کے اس مزاج یا وصف کے شاہدِ عدل ہیں۔ تحفظ ختم نبوت، رد قادیانیت، شعبۂ مناظرہ اور اس جیسے دوسرے شعبوں میں ان کی قابل ذکر سرگرمیاں رہی ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے صدر ہونے کی حیثیت سے قومی وملی مسائل ومعاملات میں وسیع المشربی اور فکر ونظر کے اندر اعتدال وتوازن کو برقرار رکھتے ہوے انھوں نے کبھی مسلکی پختگی یا دینی ومذہبی غیرت وحمیت پر حرف نہیں آنے دیا۔

دقتِ نظر

قاری صاحب علیہ الرحمہ کی نظر دقیق اور باریک تھی، مسائل اور جزئیات پر ان کی نگاہ نہایت گہری اور دقیقہ رس تھی، باوجودیکہ وہ سیاست وریاست کی غلام گردشوں کے آدمی نہیں تھے، لیکن قومی وملی مسائل، سیاسی معاملات اور ملکی وغیر ملکی حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے دستور، اس کی جزئیات ودفعات اور شقوں کے ایک ایک پہلو پر دقیق اور عمیق نگاہ رکھتے تھے اور جماعتی مسائل میں جو گفتگو کرتے، دستور اور اس کی دفعات کی روشنی میں کرتے تھے اور پیش آمدہ مشکلات ومسائل کا اسی کی روشنی میں حل تلاش کرنے کے قائل تھے۔

اُصول پسندی

قاری صاحب نہ صرف اپنے معمول بلکہ اصول وضوابط کے بھی حد درجہ پابند تھے، اصول وضوابط کی خلاف ورزی انھیں ہرگز پسند نہیں تھی، عام معاملات ہوں یا جمعیۃ علماء ہند کے تنظیمی وجماعتی امور، اصول وضوابط سے ہٹ کر اور ان کے خلاف کام کرنا انھیں گوارا نہ تھا، اس

کے لیے خواہ انھیں کسی کی بھی مخالفت اور ناگواری کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑتا، لیکن ضابطہ شکنی اور اصول کی خلاف ورزی ان کو گوارا نہ تھی، وہ اصولی آدمی اور بے اصولی یا بے ضابطگی کو ان کا مزاج قبول نہیں کرتا تھا۔

فکر و نظر کی بلندی

فکر و نظر میں وسعت اور بلندی، طبیعت میں تسامح اور مزاج میں رواداری تھی، لیکن مذہب و مسلک، مشرب اور اپنے افکار و نظریات سے روگردانی اور انحراف کر کے نہیں، بالخصوص دارالعلوم دیو بند کی جو فکر اور جمعیۃ علماء ہند کا جو نظریہ تھا، اس سے سرمو انحراف انھیں گوارا نہیں تھا۔

بحیثیت مربی

قاری صاحب نور اللہ مرقدہ بہت سی خصوصیات کے جامع ہونے کے ساتھ وہ ایک اعلی درجہ کے صاحب بصیرت مربی بھی تھے، ان کی حسنِ تربیت کا نمونہ ان کے صاحبزادگان مولانا مفتی محمد سلمان و مفتی محمد عفان صاحبان کی ذات گرامی ہے، جو علم و فضل کی دنیا میں ایک مقام رکھتے ہیں۔

خوش اخلاقی

حضرت قاری صاحبؒ بہت بلند اخلاق و کردار کے حامل تھے، اس سیہ کار کی نہ جانے کتنی ملاقاتیں ان سے ہوئی ہیں اور انھوں نے ہمیشہ جس خوش اخلاقی، خندہ پیشانی اور اخلاق و مروت کا مظاہرہ کیا ہے، وہ آج بھی احقر کے لوح قلب پر مرتسم ہے اور کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ بارہا جمعیۃ علماء ہند کی مختلف تقریبات، نشست و برخاست، مختلف مواقع، چائے، ناشتہ اور کھانے وغیرہ پر ان کے ساتھ ان کے دستر خوان پر بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے اور ان کی طرف سے بلند اخلاقی، شفقت و محبت اور ذرہ نوازی کا برتاؤ اور سلوک رہا ہے حضرت مرحوم کے اس اخلاق و کردار، شفقت و مہربانی اور اب ان سے محرومی کے احساس سے دل آزردہ ہو جاتا ہے۔ ان سے

آخری ملاقات کا شرف ادارۃ المباحث الفقہیۃ کے سولہویں اجتماع منعقدہ ۱۷-۱۹؍مارچ ۲۰۲۱ء کے موقع پر دفتر میں واقع ان کے کمرے میں جامعہ مظہر العلوم بنارس کے صدر المدرسین استاد محترم حضرت مولانا خورشید انور صاحب مبارک کی معیت میں حاصل ہوا تھا، کیا پتہ تھا کہ رخ روشن کی زیارت اب جیتے جی کبھی نہیں ہو سکے گی۔

قوت ارادی

میری کوتاہ نظر میں حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کا سب سے خاص وصف یہ تھا کہ وہ زبردست قوت ارادی کے مالک تھے، ان کا یہ وصف مثالی تھا اور غالباً اسی کا یہ اثر تھا کہ کسی کام اور ذمہ داری سے وہ گھبراتے نہیں تھے۔ مشکل سے مشکل حالات اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل سے وہ بحسن وخوبی نمٹنا اور بہتر طور سے ان کو انجام دینا جانتے تھے، وہ حالات پر گہری نظر رکھتے تھے اور استقلال وپامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے، ان کے سامنے سپر انداز نہیں ہوتے تھے۔ جس کام کا عزم وارداہ کر لیتے تھے، یا جو ذمہ داری ان کے سپرد کر دی جاتی، اس کو انجام دینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی۔

جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام اس کے معماروں اور متعدد کلیدی شخصیات پر قومی سطح کے سیمیناروں کے انعقاد کا لائحۂ عمل تیار ہوا، اس سلسلے کا ایک اہم سیمینار محدث جلیل، محقق یگانہ ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی علیہ الرحمہ پر طے کیا گیا، جس کے کنوینز شپ کی ذمہ داری جمعیۃ علماء ہند کے اس وقت کے جنرل سیکریٹری اور موجودہ صدر مولانا سید محمود اسعد مدنی زید مجدہ نے خاکسار کے کمزور کاندھے پر ڈالی، یہ سیمینار ۲۴؍فروری ۲۰۱۹ء کو بنارس کے مشہور تاریخی مقام سارناتھ میں منعقد ہوا۔ اس سیمینار کے انعقاد اور اس کی ترتیب اور اس کے تعلق سے دیگر امور میں حضرت قاری صاحب نے پوری طرح سرپرستی اور شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا تھا، حالانکہ جس وقت یہ سیمینار منعقد ہوا تھا، اس وقت ملک کے حالات نہایت سنگین تھے، اس سے چند ہی دنوں پہلے کشمیر کے مقام پلوامہ کا افسوسناک حادثہ ہوا تھا، جس میں ہندوستانی فوج پر

دہشت گردانہ حملہ ہوا تھا اور فوجیوں کی ایک بڑی تعداد لقمۂ اجل بن گئی تھی۔ سیمینار کی تیاریاں پوری طرح کی جا چکی تھیں، لیکن اچانک حالات ایسے ہو گئے تھے اور سیاسی و سماجی پارہ اتنا گرم ہو گیا تھا، کہ بظاہر سیمینار کا انعقاد مشکل نظر آ رہا تھا اور ان حالات ہی کی وجہ سے چند اہم شخصیات سیمینار میں شریک بھی نہیں ہو سکی تھیں، لیکن حضرت قاری صاحبؒ اور جناب مولانا محمود اسعد مدنی صاحب کے عزم و ارادہ میں کوئی فرق نہیں آیا اور سیمینار اپنے وقت اور جگہ پر پورے اہتمام کے ساتھ منعقد ہوا اور دونوں حضرات سفر کر کے بنارس تشریف لائے اور سیمینار میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر حضرت قاری صاحب نے جو خطبۂ صدارت پیش کیا تھا (جو بعد میں ''تذکرۂ حضرت محدث الاعظمی'' میں شائع بھی کیا گیا) وہ نہایت پر مغز، جامع اور حضرت محدث الاعظمیؒ کے ساتھ والہانہ تعلق اور فرطِ عقیدت کا غماز تھا۔

یہ ٹوٹی پھوٹی چند سطریں نہایت عجلت اور عدیم الفرصتی کی حالت میں سپردِ قلم کی گئیں راقم آثم کے قلبی تاثرات اور ایک بے بضاعت کا خراجِ عقیدت ہے، اس میں حضرت مرحوم کے حالات ہیں نہ شخصیت کی پوری تصویر کشی، بس کچھ تاثرات ہیں جو قلب سے نکل کر قلم کے ذریعہ صفحۂ قرطاس پر جذب ہو گئے ہیں۔

جان کر منجملۂ خاصان مے خانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

مولانا مفتی حارث عبدالرحیم قاسمی اُستاذ حدیث وفقہ جامعہ عربیہ بیت العلوم بہرائچ

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو گونا گوں صفات سے نوازا تھا، علم و تحقیق میں حضرت اپنی مثال آپ تھے۔ پختہ ومضبوط علم کی شہادت حضرت کے اسباق وخطابات دیتے تھے۔ علم کی گہرائی وگیرائی کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت مختصر المعانی، سلم العلوم، مقاماتِ حریری جیسی مشکل کتابوں اور بیضاوی جیسی دقیق اور لاینحل سمجھی جانے والی کتاب کی تدریس برسہا برس از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں فرماتے رہے۔ تواضع وتحمل اور اخلاق عالیہ میں حضرت اپنے ہم عصروں سے بہت آگے تھے، بڑے سے بڑا، چھوٹے سے چھوٹا اِن اوصاف اور خوبیوں کا نہ صرف معترف تھا؛ بلکہ گرویدہ بھی تھا اور یہ صرف شنیدہ نہیں ہے بلکہ احقر کا عملی تجربہ اس پر شاہد ہے، ہوا یوں کہ شعبۂ افتا میں داخلہ کے لیے احقر کے مطلوبہ نمبرات میں کچھ کمی رہ گئی تھی، جس کی بنا پر ابتدائی مرحلہ میں احقر کا نام شعبۂ افتا کے خوش نصیب طلبہ میں شامل نہ ہوسکا۔ دیگر طلبہ کی طرح احقر بھی داخلہ کے لیے سفارشی خطوط حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا، احقر کا کسی رکنِ شوریٰ سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا اس لیے وہاں تک رسائی تو ناممکن تھی، اتفاقاً ایک مشفق دوست حضرت مولانا مفتی ارتقاء الحسن صاحب رتی کاندھلوی دامت برکاتہم کا خیال آیا کہ موصوف عارف باللہ عالمِ ربانی حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کے خانوادے کے مخصوص وممتاز فرد ہیں، شاید حضرت سے کوئی سفارشی رقعہ ان کے توسط سے ہاتھ آجائے؛ چناں چہ

احقر نے کاندھلہ کا سفر کیا اور برادرِ مکرم حضرت مفتی رقی صاحب زید مجدہ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ مفتی صاحب نے بھر پور حق رفاقت ادا کرتے ہوئے حضرت اقدس مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کی جانب سے ایک خط حضرت قاری صاحب کے نام تحریر کرا دیا۔ احقر نے وہ خط اپنی درخواست کے ہم راہ دفترِ اہتمام میں جمع کرا دیا۔ شوریٰ کی میٹنگ کی صبح معلوم ہوا کہ احقر کی درخواست خواہش مند طلبہ کی درخواستوں میں موجود ہی نہیں ہے۔ یہ خبر واقعی بہت کربناک تھی، احقر دفترِ اہتمام کے قریب ہی کھڑا ہو گیا کہ حضرت قاری صاحب کی خدمت میں کچھ عرض کر سکے۔ حضرت دفتر سے باہر تشریف لائے، تو احقر نے امید وبیم کی حالت میں حضرت کی خدمت میں صورتِ حال عرض کی، میں قربان جاؤں اس بلند اخلاقی اور کمالِ شفقت پر۔ حضرت اہتمام میں تشریف لے گئے اور مجھے بلوا کر فرمایا کہ تمہاری درخواست اور خط دونوں الگ الگ رکھے تھے میں نے دونوں کو یکجا کر کے جمع کرا دیا ہے، چناں چہ احقر کا داخلہ بحمد اللہ شعبۂ افتا میں حضرت کی شفقت وعنایت سے ہو گیا۔

فجزاه الله احسن الجزا و جعل الجنة مثواه، آمين

حضرت علیہ الرحمہ کی وفات سے نہ صرف دار العلوم دیوبند کی مسندِ حدیث سونی پڑ گئی؛ بلکہ اس کے منظّم اور مربوط نظام کو شدید دھچکا لگا، جو حضرت کی حسنِ تدبیر سے رواں دواں تھا۔ نیز قومی وملی مسائل میں مسلمانانِ ہند کی محبوب جماعت جمعیۃ علما ہند کی مسندِ صدارت کی رونق ماند پڑ گئی۔ اس سب سے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر شب خون مارنے والوں کی سرکوبی کرنے والا ہراول دستہ اپنے مخلص قائد اور باہمت سپہ سالار سے محروم ہو گیا، جس کے پختہ عزم اور جہد مسلسل سے نہ جانے کتنے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کا تحفظ ہوا۔ افسوس حضرت علیہ الرحمہ کی وفات سے ان تمام شعبوں کو نقصان ہوا۔ شاید ایسے ہی جانکاہ حادثہ سے متاثر ہو کر شاعر نے کہا تھا:

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

چند دنوں قبل احقر حضرت علیہ الرحمہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ دورانِ تلاوت حضرت علیہ الرحمہ کی ہمہ جہت صفتیں ذہن میں گردش کرنے لگیں، جس کی بنا پر اتفاقاً حسین بن مطیر کا شعر کچھ ترمیم کے ساتھ ذہن میں آ گیا جو اس نے عرب کے مشہور سخی معن بن زائدہ شیبانی کے مرثیہ میں کہا تھا:

ایـا قبـر عثـمان کیف واریت جوده

و قـد کـان مـنـه البر و البحر مترعا

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بال بال مغفرت فرمائے، کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، اعلیٰ علّیین میں جگہ نصیب فرمائے، اہلِ خانہ کو خصوصاً اور تمام اخلاف کو عموماً صبر جمیل عطا فرمائے۔ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علما ہند کو ان کا بدل نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العلمین۔ یوں تو دنیا سے نہ معلوم کتنے لوگ چلے گئے؛ لیکن بعض جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے نقوشِ قدم انسان کو کامیابی وکامرانی کی منزل تک پہنچا تے ہیں۔

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے

جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

وصلی الله علی سیدنا محمد وعلی آله وصحبه اجمعین

اے تو مجموعۂ خوبی! بچہ نامت خوانم

ابن مالک ایوبی متوطن: بنارس

عہدِ حاضر کا کوہ کن

قاری صاحب ہمارے عہد کے وہ جفاکش اور مصروف ترین شخص تھے، جن کو اس عہد کا کوہ کن کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، جن کی کوہ کنی و جہدِ مسلسل کی شہادت ان سے ہر ملنے جلنے والا شخص دیتا ہے، حضرت کے شب وروز اس بات کے گواہ تھے، کہ ان کا ایک لمحہ بھی بیکار یا خالی نہیں گزرتا تھا، انہوں نے مصروفیات کو اس طرح اوڑھ لیا تھا کہ فرصت وفراغت نام کی کوئی شے ان کی زیست کا حصہ نہ رہی تھی۔

ان گنت قافلوں کا واحد سالار

قاری صاحب ایک طرف جمعیۃ علماء ہند جیسی ملک گیر تنظیم کے صدر تھے، جو اپنے آپ میں ایک بہت بڑا اعزاز ہونے کے ساتھ بہت بڑی ذمہ داری بھی تھی، تو دوسری طرف دار العلوم دیوبند جیسی عظیم مذہبی یونیورسٹی کے استاذِ حدیث وادب تھے، غور کیا جائے تو یہ اس قدر مشکل ترین کام ہے، جس کو فرہاد صفت انسان ہی انجام دے سکتا ہے؛ کیونکہ انتظام وانصرام اور درس و تدریس دونوں بالکل الگ شعبے ہیں۔ اول الذکر مکمل طور پر میل جول، دیکھ ریکھ اور حرکت وعمل چاہتا ہے اور ثانی الذکر کلی یکسوئی وخلوت کا متقاضی ہے، ان دو مختلف ذمہ داریوں کا بوجھ اس وقت اور بڑھ جاتا ہے، جب دونوں کا تعلق دو مختلف اداروں سے ہو۔

اوران میں تدریس بھی حدیث جیسے اعلیٰ فن کی کہ جس میں اعلی درجے کا مطالعہ، وسعتِ علمی اوراحتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، بہرحال دونوں کام کئی اعتبار سے جدااورایک دوسرے کے لیے رکاوٹیں پیدا کرنے والے تھے، یہ قاری صاحب کا ہی حوصلہ تھا، جو دونوں ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

ان دومہتم بالشان ذمہ داریوں کے علاوہ قاری صاحب نے چھوٹی بڑی بے شمار ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا رکھا تھا، ایک طرف حضرت دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم تھے، دوسری طرف امارتِ شرعیہ ہند کے سربراہِ اعلیٰ تھے، جہاں ان کے سرمجلس تحفظ ختم نبوت کی ذمہ داری تھی، وہیں دارالعلوم دیوبند کی سطح پر النادی الادبی اور بزم شیخ الاسلام حسین احمد مدنی دارالمطالعہ جیسی ہمہ گیرانجمنوں کی سرپرستی بھی فرماتے تھے۔

ان سب کے علاوہ دسیوں چھوٹی بڑی ذمہ داریاں قاری صاحب اکیلے انجام دے رہے تھے؛ اورمجال ہے، جوان کی نگرانی میں داخل کسی شعبے یاادارے میں کوئی کام رواروی میں یا سرسری طور پر ہو جائے، ہر کام کا جائزہ بذات خود لیتے، اس کی تمام میٹنگوں اور جلسوں میں شریک ہوتے اوران کی دستاویزات کا خودمعاینہ کرتے تھے۔

خوش نصیبی اورکم مائیگی

ہم نے حضرت قاری صاحب کا نام بچپن سے ہی سن رکھا تھا، پھر جب باشعور ہوئے تو جمعیۃ علمائے ہند کے صدر کی حیثیت سے کئی باران کومختلف پروگراموں میں سرسری طور پر دیکھنے اور سننے کا موقع ملا، ان کی ذات میں ایک قسم کا ٹھہراؤاور وقار تھا، ان کی زندگی متانت وطمانینت کی واضح مثال تھی، ہر کام کوانتہائی سنجیدگی اور بنا کسی جلد بازی وہڑبڑاہٹ کےانجام دیتے تھے، خواہ کام کی کیفیت وکمیت کتنی زیادہ ہو؛ ان کی ذات کی طرح ان کی تقریر بھی متانت وسنجیدگی کا مرقع ہوتی تھی، ٹھہرٹھہر کر بولتے، آواز والفاظ کا زیروبم معتدل وسادہ ہوتا؛ اس لیے آتش بیاں اورشعلہ بارمقررین کو پسند کرنے والے قاری صاحب کی تقریر میں کوئی کشش محسوس نہ کرتے،

میں بھی شاید انہیں میں تھا، جس نے عام طور پر قاری صاحب کے بیانات پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔

سیاسی بصیرت اور بے باک رائے

البتہ ۲۰۱۸ء کی بات ہے، جمعیۃ علمائے ہند کی جانب سے صد سالہ جشن کے حوالے سے ملک کے مختلف حصوں میں جمعیۃ کے گزشتہ اکابر کی حیات وخدمات پر مختلف سمیناروں کے انعقاد کا لائحۂ عمل طے کیا گیا، اس کا سب سے پہلا سیمینار دسمبر ۲۰۱۸ء میں ماؤلنکر ہال، دہلی میں منعقد ہوا، جس میں ملک و بیرون ملک کے مؤقر ومعتبر علما ودانشوران تشریف لائے تھے، پاکستان سے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے مولانا اسعد محمود رکن قومی اسمبلی پاکستان کے علاوہ جمعیۃ علماء اسلام کے مختلف نمائندہ علما، نیز دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد، ندوۃ العلماء لکھنو اور مختلف دینی وعصری مراکز سے تشریف لانے والوں میں مولانا ارشد مدنی، مولانا برہان الدین سنبھلی رحمہ اللہ، مولانا سفیان قاسمی، مفتی شبیر صاحب قاسمی، پروفیسر اختر الواسع، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور ڈاکٹر سعود عالم قاسمی وغیرہ خاص طور پر شامل تھے، اس سیمینار کی آخری مجلس میں قاری صاحب کا انداز بالکل نیا اور جداگانہ تھا، قدرے جوشیلے انداز میں قاری صاحب موجودہ حالات کی نزاکتوں پر لب کشائی فرمارہے تھے، اس وقت تک ملک میں ہجومی تشدد کے کئی واقعات رونما ہوچکے تھے اور وہ شاید پہلا موقع تھا جب قاری صاحب نے انفرادی طور پر حالات کے متعلق اتنی وضاحت سے اپنا عندیہ دیا تھا، جس کا لب لباب یہ تھا کہ ''ہم نصرانیت یا بودھ ازم کے دعوے دار نہیں ہیں، جس کی رو سے اگر کوئی ایک گال پہ تھپڑ مارے تو ہم دوسرا گال پیش کردیں؛ بلکہ اسلام اوّلاً امن وآشتی کی تعلیم دیتا ہے اور بلا وجہ کسی کو چھیڑنے سے منع کرتا ہے؛ لیکن کوئی امن کو بالائے طاق رکھ کر سرکشی وطغیان کا مظاہرہ کرے تو اسلامی تعلیم یہ ہے کہ اس کو اسی کے انداز میں جواب دیا جائے اور اس سلسلے میں ادنی توقف یا جھجک بزدلی کی علامت ہے''۔

اور چونکہ کچھ عرصہ قبل مولانا محمود مدنی صاحب اس وقت کے جنرل سیکرٹری جمعیۃ علماء ہند کا اسد الدین اویسی کے متعلق یہ بیان آیا تھا کہ ''انہیں اپنی سیاست تلنگانہ تک محدود رکھنی

چاہیے''۔ اِس مناسبت سے قاری صاحب نے عمدہ انداز میں فہمائش کی اور فرمایا کہ ''ہم کون ہوتے ہیں کسی کو روکنے والے؟ آج ضرورت اِس بات کی ہے کہ سیاست کے اسٹیج سے بھی مسلمان خود کو مضبوط کریں، اور دیگر راستوں کو بھی کلی نہ چھوڑیں''۔ اِس درمیان مولانا محمود مدنی صاحب نے کہا کہ حضرت! ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا ہے، دعا کرا کے مجلس ختم کر دیں۔ اس پر حضرت نے جواباً کہا کہ ''ہم مسافر ہیں، آپ شریکِ جماعت ہو جائیں، ہم اپنی قصر نماز پڑھ لیں گے''۔ اِس طرح بڑی دیر تک قاری صاحب کا بیان چلتا رہا اور ہندوستان بھر سے تشریف لانے والے علما و اکابر اس روز کی بے باکانہ باتوں سے خوب محظوظ ہوئے۔

بہرحال! وہ پہلا موقع تھا جب قاری صاحب کو قریب سے سننے اور سمجھنے کا موقع ملا، وہ چونکہ فقط علما و دانشوران اور جمعیۃ کے ذمہ داران کی مجلس تھی؛ اس لیے اس مجلس میں قاری صاحب نے بہت سی ایسی باتیں بیان کیں، جو عام بیانات کا حصہ نہیں ہوتی تھیں۔

شرفِ شاگردی

اس کے بعد وہ وقت بھی آیا، جب حضرت قاری صاحب سے علمی استفادے کا موقع ملا، حضرت برسوں سے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں اصولِ حدیث پر مشتمل مقدمہ شیخ عبدالحق اور نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، حدیث میں مشکاۃ شریف اور طحاوی شریف اور عربی ادب میں اسالیب الانشاء کا درس دے رہے تھے، ہم نے قاری صاحب سے اول الذکر تین کتابیں پڑھیں۔

طریقِ تدریس

قاری صاحب کا درس مختصر اور واضح ہوتا تھا، تفصیلی موشگافیوں میں پڑنے کی انھیں عادت نہ تھی، اختلافی مقامات میں بھی اہل مذاہب کا مکمل احترام ملحوظ رکھتے، روزانہ درس کا وقت شروع ہونے سے نصف گھنٹہ تاخیر سے آتے اور وقت ختم ہونے کے بعد تقریباً آدھا، پون گھنٹہ مزید درس دے کر رخصت ہوتے، قاری صاحب کا یہ برسوں پرانا اصول و معمول تھا، کیونکہ ادارے کی جانب سے انہیں صبح کا چوتھا گھنٹہ دیا گیا تھا اور تیسرے گھنٹے تک طلبہ مسلسل درس کی

وجہ سے تھک جاتے تھے، اس لیے طلبہ کی رعایت میں تھوڑی تاخیر سے آتے۔

قاری صاحب درست حوالہ جات اور مراجع کی من وعن عبارات کا بہت خیال رکھتے تھے اور کسی امام یا محدث کا کوئی قول اپنی زبان میں بیان کرنے کے بجائے، خود اس امام یا محدث کی عبارت کو ترجیح دیتے تھے؛ اسی لیے طویل عبارات کو بسا اوقات طلبہ کی تشفی و استعداد سازی کے لیے لکھ کرلاتے اور طلبہ کو بعینہٖ نوٹ کرنے کا حکم دیتے۔

یہ طریقہ حدیث کی روایت ودرایت اور اس کے اصول ومعانی کے بیان میں اعلیٰ درجے کی امانت داری کی بنا پر تھا، اسلاف محدثین میں اکثر و بیشتر حضرات اس طریقے کو اپناتے تھے، آج کتابوں کی فراہمی نے اس کا رواج تقریباً ختم کردیا ہے؛ لیکن اس کے باوجود قاری صاحب کسی حد تک انہیں محدثین کی روش پر قائم تھے، جو علم کی ترسیل میں نوٹس اور کاپیوں پر اعتماد کرتے ہیں۔

عدیم النظیر استحضارِ علمی

درس کے حوالے سے قاری صاحب کے اندر ایک بالکل الگ اور نئی چیز دیکھنے کو ملی، سبق میں آنے والی بحثوں یا حدیثوں کے لفظی ومعنوی مماثل کوئی اور بحث وحدیث پوری کتاب میں کہیں اور درج ہو، تو ساتھ میں وہ بھی پڑھاتے، یہ اعلی درجے کا استحضار بھی تھا اور احادیث کے تعلق سے طلبہ کی ذہن سازی بھی؛ کیوں کہ آج کے مادی دور میں، جس میں ٹیچر صرف سبق بھر کتاب کا مطالعہ کرتا ہے، اس دور میں پوری کتاب کا احاطہ اور اس کے مشمولات کا استحضار؛ بلکہ ان حصوں کا بھی احاطہ، جو نصاب میں شامل ہی نہ ہوا نتہائی گہری صلاحیت اور علمی تفوق کی بات ہے، ضعف ونقاہت اور قدیم نزلے کی وجہ سے اور کچھ طلبہ کی زیادتی کی بنا پر، ہفتم اولی میں ڈھائی سو سے اوپر طلبہ تھے درسگاہ کی اخیر کی قطاروں میں بیٹھنے والے طلبہ تک حضرت کی آواز مکمل صاف نہیں پہنچ پاتی تھی، جس سے ان طلبہ کو کسی قدر زیادہ توجہ کی ضرورت پڑتی تھی، اس لیے مشکاۃ کے درس میں بعض پچھلی قطار والے طلبہ نے ان کی کما حقہ قدر نہ کی، البتہ اصولِ حدیث کی دونوں کتابیں بحمد للہ تمام طلبہ انتہائی بشاشت ومحنت سے پڑھتے تھے۔

محاضرہ برموضوع ردّ قادیانیت

دارالعلوم کے اندر تعلیم ہی کا ایک جز ،فتن و مذاہب کے متعلق مجلسِ محاضرات کا سلسلہ وار انعقاد ہے، جو مخصوص طلبہ کے لیے منعقد ہوتی تھی۔ قاری صاحب چونکہ مجلس تحفظ ختمِ نبوت کے ذمہ دار تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت قاری صاحب کی زندگی کا ایک تابناک ورق ہے، حضرت کے سامنے اس مجلس کا قیام عمل میں آیا تھا اور اس وقت سے مرتے دم تک اس کے نگراں رہے اور اس کے تحت وہ کارنامے انجام دیے، جس کے لیے مفصل کتاب کی ضرورت ہوگی اور اس موضوع سے آپ کو شغف تھا، اس لیے آپ اس محاضراتی نظام میں ''قادیانیت'' پر وقیع و مدلل محاضرات پیش کرتے تھے، جو کہ خود آپ کی اپنی تحقیق وکاوش کا نتیجہ تھے اور مستقل کتاب کی شکل میں بھی شائع ہو گئے تھے۔

اتباعِ سنت اور سادگی

قاری صاحب اپنی ذات میں بہت ساری خوبیوں کے ساتھ سادگی و اتباعِ سنت کا بہترین نمونہ تھے، رتبے کے اعتبار سے ملک گیر شناخت کے حامل ہونے کے باوجود، حد درجہ سادہ دل اور منکسر المزاج تھے اور ان کی ذات کا یہ پہلو اتباعِ سنت کا نتیجہ تھا، ان میں اتباعِ سنت کا عملی اظہار اس قدر تھا کہ ظاہرِ نظر سے دیکھنے والے بھی اس چیز کو محسوس کرتے، چنانچہ چلتے وقت آپ کی آنکھیں ہمیشہ پست ہوتیں، آنکھیں پست کیے خاموشی سے اپنے راستے پر چلتے جاتے اور آس پاس کے راہگیروں کو بھی اکثر احساس نہ ہوتا کہ قاری صاحب گزر رہے ہیں۔

ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی ایک صفت یہ بیان کی جاتی ہے، کہ انہیں دور سے دیکھنے والا اگر دیکھے تو فراز سے نشیب کی جانب اترتا محسوس کرے، قاری صاحب کی چال بھی بالکل ایسی ہی تھی، چلتے ہوئے تواضع سے جھکے جاتے تھے اور ہمیں لگتا کہ قاری صاحب کسی بلند جگہ سے نیچے اتر رہے ہیں۔

نیز سادگی و اتباعِ سنت کے امتزاج نے انہیں انتہائی خوش اخلاق اور مستقل مسکرانے والا بنا

دیا تھا، خواہ کسی سے ذاتی گفتگو کر رہے ہوں، درسگاہ میں درس دے رہے ہوں یا جلسہ گاہ میں تقریر کر رہے ہوں۔ ان کا چہرہ ہمیشہ کھِلا رہتا تھا، ان کے ہونٹوں سے تبسم کے آثار ختم نہ ہوتے تھے۔

اُصول پسندی

آپ کے اندر بہت بڑی بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ انتہا درجہ کے اصول پسند اور معمول کے پابند آدمی تھے، جس شعبے یا ادارے میں جو اصول ہوتا، اس سے ادنی درجے کا انحراف آپ کو منظور نہیں تھا، حضرت کے بے شمار اور طویل سے طویل سفر ہوتے تھے، کبھی جمعیۃ علماء کے تحت اور کبھی تحفظ ختم نبوت کے تحت؛ لیکن خواہ کیسا ہی سفر کر کے آئے ہوں، درس کا ناغہ کبھی نہ ہوتا۔

مالی معاملات میں احتیاط کا پہلو

آپ کی اصولی شخصیت کے اندر معاملات کی صفائی کا پہلو بھی تابناک رہا ہے، آپ کی جانب سے مالی معاملات میں کسی قسم کی بے احتیاطی کسی بھی معاصر یا خورد سے سننے میں نہیں آئی۔ اسی حوالے سے آنکھوں دیکھا ایک واقعہ حضرت کی امانت داری کا آئینہ دار ہے، ایک مرتبہ سردی کے موقع پر بعض طلبہ نے حضرت کے ضعف وسن رسیدگی کے پیش نظر، ایک بجلی کا ہیٹر لاکر مسندِ درس کے پاس رکھ دیا، کیونکہ مادر علمی میں ہفتم اولی کی درسگاہ سابق دارالحدیث فوقانی اس طرز کی ہے کہ اس میں چاروں جانب دروازے ہیں اور اساتذہ دروازے کے پاس ہی بیٹھ کر درس دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ دروازے کے قریب سردی کا احساس بہ نسبت اندرونی و درمیانی جگہوں کے، زیادہ ہوتا ہے، اس لیے طلبہ نے استاذ کی راحت کے خیال سے یہ قدم اٹھایا، ان کا جذبہ بھی غلط نہیں تھا، لیکن حضرت نے درسگاہ میں آتے ہی دریافت کیا کہ یہ کس کا ہے اور کس نے رکھا ہے؟ طلبہ نے بتایا کہ فلاں طالب علم کی جانب سے ہے، تو ناراض ہوے، فوراً اسے ہٹوایا اور کہا کہ ادارے نے اپنے وسائل بجلی وغیرہ سے جس قدر سہولیات بلب اور پنکھے حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اس میں ذرہ بھر زیادتی غلط ہے۔

حلیم مربی

ان خصوصیات کے علاوہ آپ حلم کی صفت سے بھی متصف تھے، شدید ترین مواقع میں بھی آپ ''نرم دمِ گفتگو'' کی تفسیر بنے رہتے تھے۔ نیز تعلیم کے ساتھ آپ کے یہاں تربیت بھی لازمی جزو تھا، کسی بھی غلط یا ہلکی چیز کو دیکھتے تو فوراً ٹوکتے، درسگاہ، جلسہ گاہ، انجمن یا عام مواقعِ گفتگو ہر جگہ آپ کا یہ عنصر نمایاں ہوتا، آپ ایک عظیم معلم ہونے کے ساتھ شفیق مربی بھی تھے۔

یادگارِ مدنی کا روحِ رواں

حضرت قاری صاحب کی جدائی کا خیال آتے ہی نہ جانے کیوں ذہن کے پردوں پر کہیں بزم شیخ الاسلام مدنی دارالمطالعہ بھی اس خیال کا جز بن جاتی ہے، یہ دارالعلوم دیوبند کی سب سے بڑی اور پورے ادارے کا احاطہ کرنے والی انتہائی متحرک و فعال انجمن؛ بلکہ ادارہ ہے، حضرت قاری صاحب اس کے روحِ رواں تھے، کیوں کہ انجمن کا ہر فیصلہ قاری صاحب پر موقوف ہوتا تھا، گزشتہ برسوں میں قاری صاحب نے کامل توجہ سے اس چمنستان کی آبیاری کی، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ پرانی چیزوں میں وہ بانکپن اور جوش نہیں ہوتا، لیکن قاری صاحب نے اس انجمن کے قدیم ہونے کے باوجود اس کے بانکپن کو برقرار رکھا تھا، قاری صاحب کی رخصت سے یہ انجمن بھی یتیم ہوگئی ہے...

جس کی سانسوں سے مہکتے تھے در و بام ترے
''انجمن''، بول کہاں اب وہ مکیں رہتا ہے

کربِ جدائی

قاری صاحب ہمارے درمیان سے چلے گئے، اس خیال سے ہی کلیجہ منھ کو آتا ہے، اب وہ درسگاہیں، انجمنیں اور محفلیں کیسی لگیں گی، جہاں گزشتہ تقریباً چار دہائیوں سے قاری صاحب جلوہ آرا تھے، جن کی صورت ہی مساہمین و سامعین کو ایک طرح کے جوش و جذبے سے بھر دیتی

تھی، جن کی موجودگی ہی حاضرین کے قلب ودماغ کو معطر کردیتی تھی، کیوں کہ قاری صاحب کا سراپا ہی اس قدر پرنور، جمال وشائستگی سے معمور اور علمی وقار وتمکنت سے بھرپور تھا، کہ جہاں سے گزر جائیں راہگیر خوشگوار حیرانی کے ساتھ دیکھتے رہ جائیں، جس مجلس میں بیٹھ جائیں حاضرین کی نظریں انہیں کے پیکرِ جمال کے گرد طواف کرتی رہیں اور جب لب کشائی کریں، تو لہجے والفاظ کی پاکیزگی وشگفتگی سامعین کی سماعتوں میں رس گھول دے۔

کتنے اچھے لوگ تھے کیا رونقیں تھیں ان کے ساتھ
جن کی رخصت نے ہمارا شہر سونا کر دیا

حضرت کی رحلت اور کرنے کا کام

حضرت کی دائمی رخصت پہ شاید ہمیں تسلی دینے والا بھی کوئی نہیں، کہ ہر شخص ان کی جدائی پر آبدیدہ اور دلگیر ہے، ہر شخص ان کے پسماندگان کا حصہ ہے، ان کا روحانی وارث وفرزند ہے اور اسی لیے ہر اس عمل وفکر کو آگے بڑھانا بھی ہر شخص کی ذمہ داری ہے، جس کے لیے قاری صاحب نے اپنی زندگی کھپا دی اور تادمِ واپسیں اس مشن سے پیچھے نہیں ہٹے۔

اللہ حضرت کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، ان کے نسبی وروحانی فرزندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور دارالعلوم دیوبند سمیت ملت کو ان کا بدل عطا فرمائے۔ آمین

صاحبِ عزیمت شخصیت

مفتی اسعد قاسم قاسمی سنبھلی بانی ومہتمم جامعہ شاہ ولی اللہ مراد آباد

شوال کے آغاز میں جب نمونۂ اسلاف حضرت مولانا سید قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری قدس سرہ کی علالت کی خبر ملی، تو دل کو ایک دھڑ کا سا لگا، اندیشوں نے سر اٹھایا اور تشویشناک صورتِ حال نے اہل تعلق کو فکر مند کر دیا کہ ابھی دار العلوم کے مایۂ ناز استاذِ حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا غم غلط نہیں ہوا کہ ہمارے دوسرے عظیم المرتبت استاذ کی بابت نرم وگرم خبریں آنے لگیں، اللہ خیر فرمائے اپنی شامت اعمال کے نتیجہ میں کیا ہم ایک اور شفیق ومثالی مربی سے محروم ہو جائیں گے یہ اندیشہ بڑا ہی کربناک تھا اور اسے ذہنوں سے جھٹکنا آسان نہ تھا لیکن مخلصین وتلامذہ بڑی الحاح وزاری کے ساتھ دعائے صحت میں مشغول ہو گئے، افاقہ کی خبر آتی تو مولیٰ کا شکر ادا کرتے اور طبیعت میں ذرا بھی گراوٹ ہوتی تو دل پکڑ کر بیٹھ جاتے، امید ویاس کی اسی حالت میں جب ایک ہفتہ گزر گیا تو اچانک ۸ر شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ر مئی ۲۰۲۱ء کو نماز جمعہ کے وقت قضائے الٰہی کا ظہور ہوا اور حضرت الاستاذ ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے مولیٰ کے دربار میں پہنچ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت والا دار العلوم دیوبند کے مؤقر استاذ، مسندِ درس کے مفسر ومحدث، جمعیۃ علماء ہند کے صدر، تحریک ختم نبوت کے بلند پایہ قائد اور ہندوستان کے نامور عالم ورہنما تھے اس لیے ان کی مفارقت کا داغ بڑا کاری ثابت ہوا اور حضرت کی وفات پر کوئی ایک خاندان یا حلقہ نہیں پورا برصغیر تڑپ اٹھا۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بہت عظیم وہمہ جہت تھی اس لیے مرحوم کی دینی خدمات کسی ایک شعبہ تک محدود نہیں رہی؛ بلکہ ہر وادی میں انہوں نے آبلہ پائی کی، ہر جادے پر اپنا نقشِ قدم چھوڑا اور پوری نصف صدی تک وہ بڑے توازن اور استقلال کے ساتھ اپنی منزل کی سمت رواں دواں رہے، یہ واقعتاً ایک بڑی طویل مسافت ہے جس کا ہر سنگِ میل ان کی کتابِ حیات کا ایک روشن باب ہے ہمیں توقع ہی نہیں کامل یقین ہے کہ مستقبل میں حضرت مولانا کی شخصیت بہت زیادہ موضوعِ سخن بنے گی اور اہلِ قلم تلامذہ نظم ونثر مین دردِ دل کا ایک دریا بہادیں گے۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فطرتاً بڑے نرم خو، رحم دل، کم سخن اور نہایت باوقار عالم تھے ان کی گفتگو، نشست وبرخاست اور جلوت وخلوت میں ایک قسم کا ٹھہراؤ اور اطمینان سا محسوس ہوتا تھا، ان کی ہر ادا سے شرافت جھلکتی تھی، قدیم علماء کی طرح وہ شہرت کو بالکل پسند نہ کرتے تھے، بس خاموشی کے ساتھ کام کرنے پر یقین رکھتے، اپنی شخصیت کا اظہار کرتے نہ کوئی دعوی ان کی زبان پر آتا اور دیوبند سے دہلی تک تمام بلند مناصب پر فائز ہونے کے باوجود ان کے طور طریقوں میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا، وہی روزمرہ کے علمی معمولات، وہی تدریس ومطالعہ کا شغف اور نیازمندوں سے وہی الفت ومحبت کا برتاؤ، لیکن ان تمام شفقتوں کے باوجود حضرت قاری صاحبؒ کی شخصیت میں ایسی تاثیر وتمکنت بھی تھی جو زائرین کو مبہوت کردیتی اور ملاقات کے لیے انہیں ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کرنا پڑتا تھا۔

علماء نیابتِ رسول کے منصب پر فائز ہیں اس لیے اخلاق وکردار میں وہ اسلاف واکابر کا آئینہ ہوتے ہیں ہم نے عہد گذشتہ کے بلند مقام مشائخ نہیں دیکھے، بس طبقات وتراجم کی ضخیم کتابوں میں ان کی شخصیات کا دیدار کیا ہے، لیکن تحریر بہرحال تحریر ہوتی ہے قلم کار کتنی ہی لیاقت دکھائے وہ کسی شخصیت کو مجسم پیش نہیں کرسکتا، ان کے اوصاف وکمالات کا صحیح اندازہ تو اسی وقت ہوتا ہے جب ہم معاصر شخصیات کے آئینے میں عہد گذشتہ کے کرداروں کو سمجھنے کی کوشش کریں اس وقت یقیناً پچھلی صدیوں کے علماء ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے نظر آئیں گے پھر اندازہ ہوگا کہ ایک عالم کی شان کیا ہوتی ہے، علم وعمل اسے کیسا تقدس عطا کرتے ہیں، اس کی

جلوت وخلوت کتنے اسرار ورموز سے پردہ اٹھاتی ہیں، اس کی مثالی زندگی نوخیز طلبہ کے دلوں میں عزیمت کا کیسا صور پھونکتی ہے، دین کی بے کسی اس سے دیکھی نہیں جاتی، اسی طرح بزرگوں کا احترام کیا ہوتا ہے، چھوٹوں پر شفقت کیسے کی جاتی ہے، غمزدوں کو کس طرح تسلی دی جاتی ہے؟ یہ سب کچھ اس کی حیاتِ مستعار کی جھلکیاں دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے، راقم کے نزدیک حضرت مولانا سید قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری نوراللہ مرقدہ اسی سنہری زنجیر کی ایک روشن کڑی تھے جو علم وعمل کی شاہ راہ پر اصاغرین کو اکابرین سے مربوط کر کے اسلاف کی سوانح کے تمام نقوش بھی اجاگر کر دیتی ہے، قاری صاحبؒ کی بابت راقم کو زمانۂ طالب علمی میں بھی یہ احساس ہوتا تھا اور اس کے بعد کی ملاقاتوں سے بھی یہ تأثر قوی سے قوی تر ہوتا گیا کیونکہ ان کی صحبت ہمیشہ اس کی سعادت وتوفیق کا باعث بنی۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا باب بڑا طویل ومتنوع ہے جس کا مختصر تحریر میں احاطہ ممکن نہیں لیکن قارئین کو یہ احساس دلانا بھی ضروری ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ ان کا محبوب مشغلہ بلکہ دائمی مشن تھا، انہوں نے عشقِ نبوت سے سرشار ہوکر پینتیس سال تک جس طرح قادیانی عفریت کا پیچھا کیا اور ہندوستان کے طول وعرض میں گھوم کر خوابیدہ امت کو جگایا وہ یقیناً ایسا عظیم کارنامہ ہے جو قیامت کے دن نیکیوں کے پلڑے کو جھکا کر رحمت الٰہی کو متوجہ کرے گا اور فرشتے حضرت الاستاذ کو ﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ کا مژدہ سنائیں گے، اِن شاءاللہ۔

راقم کا زمانۂ طالب علمی سے ہی استاذ مرحوم سے بڑا نیازمندانہ تعلق تھا اور فراغت کے بعد بھی وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر حضرت کی دعاؤں سے اپنا حصہ وصول کرتا رہا لیکن اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں جب مہدئ کذاب شکیل بن حنیف کے فتنہ نے زور پکڑا اور راقم نے نیٹ پر مناظرہ کر کے اسے سب سے پہلے شکست فاش سے دوچار کیا، تو احقر کی طرف حضرت قاری صاحب کی توجہ مزید مبذول ہوئی؛ چنانچہ دو تین سال قبل ہندوستان کے عظیم المرتبت عالم حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق خاں صاحبؒ نے جب بھوپال کے اقبال میدان میں ختم نبوت پر ایک عظیم الشان تاریخ ساز کانفرنس منعقد کی تو قاری صاحب ہی نے اس کی

صدارت فرمائی اور راقم کی مفصل تقریر کے بعد حضرت کا علمی خطاب ہوا، اس ملاقات پر استاذ مرحوم نے احقر کو بتایا کہ وہ اس کی تمام کوششوں سے واقف ہیں اور شکیل کے خلاف اس کی تحریریں بھی پڑھ چکے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ریکارڈ میں تمہاری سرگرمیوں کا اندراج ضروری ہے اس لیے ہندوستان کے طول وعرض میں احقر نے جہاں بھی کسی کانفرنس یا جلسہ کو خطاب کیا اس کی مفصل رپورٹ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے نام وہ ضرور بھیجے۔ چنانچہ اس حکم کی فوری تعمیل کر کے راقم نے حضرت کی مزید دعائیں لیں اور وہ بہت خوش ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت الاستاذ سے راقم نے اسالیب الانشاء پڑھی پھر مرادآباد میں جب تکمیلِ ادب کا شعبہ قائم کیا تو ایک عرصہ تک یہی کتاب پڑھانے کا موقع ملا، دورانِ تدریس اسے بار بار محسوس ہوا کہ مذکورہ کتاب الفاظ وتعبیرات سے لبریز تو ضرور ہے لیکن اسلامی فکر کے فقدان، بے تکے موضوعات اور اسلوب کی قدامت کی بنا پر وہ عربی مدارس کے طلبہ کے لیے زیادہ مفید نہیں، انہیں تو ایسے مجموعے کی ضرورت ہے جو معاصر اسلوب میں دینی مواد فراہم کرے، بس اسی احساس نے ایک نئی اسالیب مرتب کرنے کی تحریک دی اور چند سالوں کی محنت کے بعد جب اس کی تکمیل ہوئی تو راقم کی درخواست پر حضرت الاستاذ نے بڑا طاقت ور مقدمہ لکھا، احقر کی خواہش تھی کہ اس کا رسمِ اجراء حضرت الاستاذ ہی کے مبارک ہاتھوں سے ہو لیکن افسوس لاک ڈاؤن نے سارے منصوبے تلپٹ کر ڈالے اور کتاب کی طباعت سے پہلے ہی وہ آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے، اس محرومی کا راقم کو مدتوں احساس رہے گا، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرما کر انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کے بلند مقام جانشینوں کو ایسے تمام منصوبوں پر کام کرنے کی توفیق بخشیں جو حضرت قاری صاحب کی زندگی کا مشن تھا اور جس کی تکمیل کی حسرت لیے وہ دنیا سے چلے گئے۔ آمین یارب العالمین

❑❖❑

وابستہ یادیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت والد ماجدؒ کا شہر امروہہ سے ربط

محمد عفان منصور پوری

''مدرسہ اِسلامیہ عربیہ جامع مسجد اَمروہہ'' ملک کے اُن قدیم، تاریخی اور بافیض دینی اِداروں میں سے ایک ہے جن کی تاسیس حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ کی تحریک پر عمل میں آئی۔ حضرت نانوتویؒ اَمروہہ تشریف لاتے رہتے تھے؛ کیوں کہ یہ شہر اگر ایک طرف آپ کے عزیز ترین شاگرد اور آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہی رحمہ اللہ کا مسکن تھا، تو دوسری طرف سلسلۂ سلوک کے چند اَہم مشائخ یہاں آرام فرما تھے۔ اِسی روحانی رشتہ کی بنا پر حضرت نانوتویؒ نے شہر کے بعض اہل علم اور اَصحابِ خیر کو اِس جانب متوجہ کیا کہ جس سرزمین سے حضرت شاہ عضدالدینؒ، حضرت شاہ عبدالہادیؒ، حضرت شاہ عبدالباریؒ اور شاہ محمد مکی صاحبؒ جیسے اَصحابِ فضل وکمال نے اپنے فیوض وبرکات کو ساری دنیا میں پھیلایا ہے؛ کیوں نہ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے۔

چناں چہ شہر کے حساس مسلمانوں اور حضرت کے متوسلین نے ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء کے کچھ عرصہ بعد حضرت نانوتویؒ کی تشریف آوری کے موقع پر شہر کی جامع مسجد میں مدرسہ کی داغ بیل ڈالی۔

مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ

۱۲۹۶ھ اور اُس کے بعد تک یہ مدرسہ ''تاج المدارس'' اور ''قاسم العلوم'' کے نام سے

چلتا رہا۔ شروع میں ابتدائی اور متوسط درجہ کی تعلیم اِس میں دی جاتی رہی؛ یہاں تک کہ ماہِ ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کے تلمیذ خاص اور معتمد سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ (متوفی: ۱۳۹۷ھ) مدرسہ شاہی مرادآباد سے استعفیٰ دے کر امروہہ تشریف لے آئے اور اس مدرسہ میں (جو ابھی تک بہت محدود اور چھوٹے پیمانے میں کام کر رہا تھا) جملہ علوم وفنون کی تعلیم کا منظّم بندوبست کیا اور دورۂ حدیث شریف کا آغاز کردیا، پھر اس مدرسہ نے بہت جلد ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ'' کے نام سے شہرت حاصل کرلی۔

حضرت نانوتویؒ اور حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کی نسبت سے مدرسہ کے عمدہ تعلیمی اور تربیتی نظام کا چرچا عام ہوگیا اور قریب وبعید سے طالبانِ علوم نبوت کی آمد کا جو سلسلہ شروع ہوا بحمد اللہ تعالیٰ وہ اَب تک جاری ہے اور آئندہ بھی فیض رسانی کا یہ سلسلہ نہیں تھمے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہیؒ کے علاوہ مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد خاں صاحب فیض آبادیؒ، حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب امروہیؒ اور اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ معاون مہتمم واُستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند جیسے جبالِ علم بھی اِس قدیم علمی مرکز کے مناصب تدریس سے وابستہ رہ چکے ہیں۔

علاوہ اَزیں اِس اِدارے کے خوشہ چینوں میں وقت کے مشاہیر کا نام آتا ہے۔ فخر الاماثل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی تعلیم کا آغاز یہیں سے کیا تھا۔ ہندوستان کے معروف مجود حضرت مولانا قاری ضیاء الدین الٰہ آبادیؒ نے بھی یہیں سے سندِ فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب سابق وزیر اعلیٰ

صوبہ سرحد (پاکستان) اور حضرت مولانا محمد طاسین صاحب صدر مجلس علمی کراچی نے بھی صحاحِ ستہ کی تکمیل کے بعد حافظ عبدالرحمٰن امروہیؒ سے ہی سندِ فراغت حاصل کی تھی۔

باری تعالیٰ کے فضل وکرم اور اکابر اہل علم کی روحانی توجہات، فیوض و برکات کے صدقہ میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ شاہ راہ ترقی پر گامزن ہے اور ہمہ جہت دینی خدمات انجام دے رہا ہے، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

فی الوقت مدرسہ میں تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں، حفظ و ناظرۂ قرآن کریم، شعبۂ تجوید، دینیات و فارسی کے علاوہ ابتدائی عربی درجات سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک تعلیم کا معقول اور معیاری بندوبست ہے۔ اسی کے ساتھ بحمداللہ تخصص فی الفقہ، تخصص فی التفسیر اور تخصص فی الادب العربی اور انگریزی ادب کے شعبے بھی قائم ہیں۔

مرکزی حیثیت

اِس مدرسہ کو روزِ اول سے ہر اعتبار سے شہر اور علاقہ میں مرکزیت کا مقام حاصل رہا، ملی تحریکات ہوں یا سماجی خدمات، آزادیِ وطن سے متعلق سرگرمیاں ہوں یا کسی اہم موڑ پر قوم و ملت کی رہنمائی مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کا کردار نمایاں رہتا تھا۔

۱۹۳۰ء میں منعقد ہونے والا جمعیۃ علماء ہند کا نواں تاریخ ساز اجلاس جس میں پہلی مرتبہ مکمل آزادیِ وطن کے مطالبے کا ریزولیشن پاس ہوا تھا، اسی مدرسہ میں ہوا اور اپنے وقت کے نامور اور پایہ کے علماء کرام نے اس میں شرکت فرمائی جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، حافظ عبدالرحمٰن امروہوی، مولانا معین الدین اجمیریؒ وغیرہم کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

مدرسہ کو اکابر اہل علم اور اولیاء اللہ کی سرپرستی کا شرف برابر حاصل رہا اور انتہائی بالغ نظر

اور ماہرفن اساتذۂ کرام کی خدمات سے بھی طلبہ عزیز خوب مستفید ہوتے رہے۔

حضرت والد صاحبؒ کی امروہہ آمد

والد ماجد حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ بھی دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ۵؍سال مدرسہ قاسمیہ گیا (بہار) میں تدریسی ذمہ داریوں کو انجام دے کر ۱۹۷۱ء میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ تشریف لے آئے اور پھر ۱۹۸۲ء تک یہیں قیام رہا۔ امروہہ میں ایک دہائی سے زائد آپ کا قیام تعلیمی، تربیتی، تدریسی اور ملی خدمات سے متعلق مشاغل سے معمور رہا، اِس دوران درجہ وسطیٰ سے علیا تک کی مختلف علوم وفنون کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، خاص طور پر تفسیر جلالین، سنن ابوداؤد اور مختصر المعانی کا درس بہت مقبول رہا۔

اِس مدت میں آپ نے اپنے ذوقِ تربیت سے جن خوش نصیب افراد کو کندن بنایا، وہ ملک و بیرون ملک میں دینی خدمات میں مصروف رہ کر جہاں آپ کے لئے نیک نامی کا ذریعہ ہیں، وہیں بہترین صدقۂ جاریہ بھی ہیں۔

امروہہ کے زمانۂ قیام میں مدرسہ ہٰذا سے جن ممتاز علماء کرام نے استفادہ کیا، اُن میں سے چند حضرات کے اَسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی دیوبند، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب جنوبی افریقہ، حضرت مولانا عمر فاروق صاحبؒ مالیگاؤں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امروہوی رحمہ اللہ سابق استاذِ حدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ سابق استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، حضرت مولانا اخلد رشیدی صاحب مقیم حال مدینہ منورہ، حضرت مولانا سید ازہد مدنی صاحب بن حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی، حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا عزیز الحق صاحب میسور، حضرت مولانا امان اللہ صاحب دربھنگہ،

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رانچی، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب آروی مقیم مدراس، حضرت مولانا قاری محمد الیاس صاحب میرٹھ، حضرت مولانا محمد اسلم صاحب صدر جمعیۃ علماء نجیب آباد، حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب میرٹھی، حضرت قاری حسین صاحب امروہہ، حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مفتی واستاذِ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، حضرت مولانا مفتی محمد حارث صاحب خانجہاں پوری (مقیم حال مدینہ منورہ)، حضرت مولانا اسداللہ صاحب شیخ الحدیث مدرسہ حسینیہ چلہ امروہہ، حضرت مولانا مصلح الدین صاحب بھاگلپوری استاذ مدرسہ حسینیہ جون پور، حضرت مولانا حمیداللہ صاحب آروی برن پور آسنسول، حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب امروہہ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب امروہہ وغیرہم۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں آپ نے اپنی حیات مبارکہ کا وہ حصہ گزارا ہے جس کو یقیناً جوہرِ زندگی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ روزانہ صبح صادق سے عشا کے بعد تک آپ اپنے تلامذہ کی نگرانی، تربیت اور تعلیم میں ایسے مصروف رہتے کہ دوسرے کسی کام کے لئے وقت فارغ کرنا مشکل ہوتا۔

ان تلامذہ میں وہ طلبہ تو تھے ہی، جو مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھے، ان کے علاوہ قریبی اعزاء اور بعض متعلقین کے بچے بھی تھے جن کا مستقلاً قیام وطعام حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ گھر ہی پر تھا، وہ ایک فیملی ممبر کی طرح رہتے تھے اور ان کی پوری نگہداشت حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے، کسی کو قرآن پاک حفظ کرا رہے ہیں، دوسرے کا سبق سن رہے ہیں، تیسرے کو فارسی اور ابتدائی عربی کتابیں پڑھا رہے ہیں، کوئی وقت ایسا تھا ہی نہیں، جس میں وہ اپنے ماتحت رہنے والے افراد یا طلبہ عزیز کی نگرانی وتربیت سے غافل ہوں، ان کو کسی چیز کا شوق نہیں تھا، اگر شوق تھا تو اپنے کام میں مگن اور مصروف رہنے کا اور اپنے تلامذہ کے مستقبل کو تابناک سے تابناک تر بنانے کا۔

سنہرا دور

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں آپ کے قیام کا زمانہ مدرسہ کے لئے سنہرے

دور کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ تعلیمی نظام کے استحکام اور امتحانات کی شفافیت اور ترتیب پر بھرپور توجہ دی، جس کے نتیجہ میں مدرسہ کے ماحول میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ علمی و تربیتی فضا کے چرچے ہوئے اور خاصی تعداد میں طالبانِ علوم نبوت حصولِ علم کی خاطر امروہہ کا رخ کرنے لگے۔

''النادی العربی'' کا قیام

تعلیم کے ساتھ ساتھ زبان وقلم میں طلبہ کی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے اور ان کی زندگی میں سلیقہ اور نظم وضبط لانے کے لئے آپ کی زیر سرپرستی مدرسہ میں انجمنوں کا قیام عمل میں آیا، جس کے پروگراموں میں شرکت کی آپ طلبہ کو ترغیب دیتے اور اسے بھی سبق کا ایک حصہ قرار دیتے۔

طلبہ میں عربی ذوق پروان چڑھانے کے لئے آپ نے مدرسہ میں ''النادی العربی'' کے نام سے ایک عربی انجمن قائم فرمائی، جس کے ہفتہ واری، افتتاحی، ششماہی اور سالانہ پروگرام ہوتے، عربی درجات کے تمام طلبہ کو اس کے تقریری وتحریری پروگراموں میں شرکت کی اجازت ہوتی۔ اختتامی اجلاس کے موقع پر بیرونی مہمانان کرام بالخصوص حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی نوراللہ مرقدہٗ کی تشریف آوری ہوتی جن کی تحریک پر ''النادی العربی'' کا قیام عمل میں آیا تھا۔

حضرت مولانا کیرانوی رحمہ اللہ سے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو گہرا لگاؤ تھا، طلبہ کے درمیان گفتگو کرتے ہوئے عام طور پر آپ کسی نہ کسی پہلو سے اپنے استاذِ محترم حضرت مولانا وحیدالزماں صاحبؒ کا تذکرہ ضرور فرماتے، ان کے جملوں کو نقل کرکے اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے اور خاص طور پر ''النادی العربی'' کے پروگراموں میں تو حضرت کیرانویؒ کا ذکرِ خیر بار بار ہوتا۔ استاذ محترم بھی اپنے شاگرد رشید حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کے سلسلے میں بڑے وقیع جملے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

چناں چہ حضرت مولانا کیرانوی رحمہ اللہ کی درج ذیل تحریر سے جو آپ نے مدرسہ کے معائنہ کے طور پر رقم فرمائی تھی، اس تعلق خاطر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جو آپ کو حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ سے ان کی عربی ادب سے دلچسپی کی وجہ سے تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً:

دیرینہ آرزو تھی کہ ''جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ'' میں حاضر ہوکر اس تاریخی اور قدیم علمی و دینی مرکز کا عیاناً مشاہدہ کروں، جس کے متعلق مسلسل بہت کچھ سنتا رہا ہوں، اس مدرسہ کی زیارت کی خواہش اس وقت سے اور بھی بڑھی، جب سے یہاں حضرات منتظمین کی توجہ اور دلچسپی کی بدولت برادر محترم مولانا محمد عثمان صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند نے طلبہ میں عربی زبان وادب کا مستحسن ذوق پیدا کیا۔ الحمد للہ مؤرخہ ۱۶؍رجب ۱۳۹۵ھ کو یہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور اس مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ سے ملاقات کا موقع ہی نہیں ملا؛ بلکہ مفید گفتگو اور بات چیت کا سلسلہ متعدد مجلسوں میں چلتا رہا۔ اس مدرسہ کے طلبہ کی انجمن ''النادی العربی'' کے سالانہ اجلاس میں بھی شرکت سے بہرہ ور ہوا جس کے عربی پروگرام جو طلبہ نے اپنے ذوق اور کاوشوں کے نتیجہ میں مرتب کیا تھا۔ ماشاء اللہ متعدد درجوں کے طلبہ نے جس عمدگی اور سلیقہ کے ساتھ عربی مشق کا مظاہرہ کیا وہ ہر اعتبار سے قابل ستائش اور حضرات منتظمین اور خاص طور پر مولانا محمد عثمان صاحب کے لئے قابل مبارک باد ہے جن کی محنت اور کاوش سے اس مدرسہ میں عربی زبان کا یہ شجرۂ طوبیٰ لگایا گیا۔ جس کے برگ و بار تابناک مستقبل کی نشان دہی کررہے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

مدرسہ کے متعلق تعلیمی، تعمیری اور تربیتی جو معلومات مجھے حاصل ہوئیں، وہ میرے خیال وگمان سے بالا تھیں۔ یہ مدرسہ جس طرح اپنی پشت پر عظیم تاریخ رکھتا ہے اور جس کی آبیاری ہمیشہ ہی اکابر علماء اور اہلِ تقویٰ وطہارت نے کی ہے۔ آج بھی ثابت قدمی اور خالص دینی عزائم کے ساتھ اپنی منزل کی طرف تیز گام ہے۔ یقین ہے کہ حضرت مولانا سید اعجاز حسنین صاحب مہتمم مدرسہ اور حضرت مولانا قاری فضل

الرحمٰن صاحب ناظم مدرسہ کی موجودہ توجہات اور مساعی کے نتیجہ میں خدا کی مدد سے مستقبل قریب میں نہ صرف یہ کہ ترقی کرے گا؛ بلکہ ہندوستان کے جید مراکزِ دین میں سے ایک ہوگا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ نے جس حسنِ اخلاق اور حسنِ ضیافت کا برتاؤ مجھ حقیر کے ساتھ کیا، وہ بھی اس مدرسہ کی تعلیمی وتربیتی خصوصیات کا عکس ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے مراکز اور مدارس کو روزافزوں ترقی عطا فرمائے۔

اخیر میں حضرت مہتمم صاحب، حضرت مولانا قاری فضل الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا طاہر حسن صاحب شیخ الحدیث جامعہ اور برادر مولانا محمد عثمان صاحب کا خصوصیت سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان حضرات نے مجھ حقیر کو زیارتِ مدرسہ کا موقع عنایت فرمایا اور نہایت کریمانہ ومشفقانہ برتاؤ کیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

وحید الزماں قاسمی
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۷رجب ۱۳۹۵ھ

امروہہ جامع مسجد میں حضرت والد صاحب کے زمانے میں عام طور پر جمعہ کی نماز کے بعد ''النادی العربی'' کا پروگرام ہوتا تھا، جس میں علماء وطلبہ کے علاوہ اہل شہر بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود رہتے تھے، اُن کے لئے عربی پروگراموں کے اُردو میں تلخیص کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا تھا اور کئی دن پہلے سے پروگرام کی تیاریاں، عربی اور اُردو زبانوں میں اعلانات، کتبے اور بینر آویزاں کیے جاتے تھے، جس کی وجہ سے شہر کے لوگوں میں پروگرام کے حوالے سے جوش وخروش دوبالا ہوجاتا تھا۔

محبوبیت ومقبولیت

کردار کی بلندی، ظاہری وباطنی نفاست، تواضع اور خوش اخلاقی وہ صفات تھیں، جن کی بنا پر شہر واطراف کے لوگ بھی حضرت والد صاحبؒ سے حد درجہ تعلق رکھتے اور احترام کا معاملہ فرماتے تھے۔

امروہہ میں آپ کا قیام محلّہ جھنڈا شہید میں ماسٹر سید اطہر حسین صاحب کے مکان میں

رہا، اُسی کے قریب مسجد میں مشہور درویش صفت بزرگ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی نوراللہ مرقدہٗ قیام پذیر تھے، جو حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا بے حد خیال فرماتے تھے۔ اکثر جماعت کی نماز میں حضرتؒ کا انتظار فرماتے اور کوئی بھی اہم مسئلہ یا معاملہ ہوتا، تو حضرت والد صاحبؒ کو ضرور مشورہ میں شامل فرماتے اور آپ کی رائے کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے۔ اکثر علاقے اور اطراف کے دینی و اصلاحی پروگراموں میں حضرتؒ کو ساتھ لے کر تشریف لے جاتے اور بیانات کو بغور سماعت فرماتے تھے اور اُس پر کلماتِ تحسین بھی پیش فرماتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ تعلق تا دمِ آخر برقرار رہا، آپ دیوبند اور منصور پور بھی حسبِ موقع تشریف لاتے رہے۔

امروہہ سے دیوبند چلے جانے کے بعد بھی آپ نے ان تعلقات کو بھرپور انداز میں نبھایا، برابر امروہہ آمد و رفت رہی اور متعلقین سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

خاکسار کے امروہہ حاضر ہوجانے کے بعد سے تو آپ کی تشریف آوری پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہونے لگی تھی۔ آپ امروہہ آکر بہت خوش رہتے، اپنے پرانے متعلقین اور ان کے اہلِ خانہ کے بارے میں دریافت فرماتے، موقع ہوتا تو مختلف حضرات کے گھروں میں بھی تشریف لے جاتے، بارہا ایسا بھی ہوا کہ مجھ سے فرماتے کہ تم مدرسہ جاکر سبق پڑھالو، میں فلاں صاحب کے یہاں جا رہا ہوں؛ چناں چہ آپ تنہا یا کسی کو ساتھ لے کر تشریف لے جاتے اور ہم پڑھانے کے بعد پہنچتے۔

اسی طرح حضرت والد صاحبؒ کا امروہہ کے معروف و مشہور اور غریب پرور ڈاکٹر الحاج محمد زاہد خاں صاحب نیازی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ خاص حضرت فدائے ملتؒ) اور اُن کے والد گرامی الحاج عبدالغفار صاحبؒ عرف ''حاجی ابا'' سے خاص تعلق تھا۔ جس کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امروہہ کے زمانۂ قیام میں اگر حضرت والدہ صاحبہ مدظلہا گھر میں تشریف فرما نہ ہوتیں، تو روزانہ دونوں وقت کا پر تکلف کھانا مسلسل ڈاکٹر صاحب کے گھر سے آیا کرتا تھا اور اکثر گھر پر یا مدرسہ میں جمعرات کی شام کو اکابر اور اَحباب اپنے ناشتہ دانوں کے ساتھ کھانے پر جمع ہوتے تھے، جن میں ڈاکٹر صاحب کی شرکت لازمی ہوتی تھی، یہ بے تکلف مجلسیں آج بھی لوگوں کو یاد ہیں۔

جب تک ڈاکٹر صاحب باحیات رہے، حضرت والد صاحبؒ امروہہ تشریف آوری کے موقع پر اُن کے یہاں ضرور تشریف لے جاتے، ڈاکٹر صاحب کے وصال کے بعد ان کے فرزند جناب ڈاکٹر محمد علی صاحب سے بھی ایسے ہی ربط و تعلق رکھتے، ایسا بہت کم ہوتا کہ آپ امروہہ تشریف لائیں ہوں اور ڈاکٹر محمد علی صاحب کو گھر پر نہ بلایا ہو یا ان کے گھر نہ تشریف لے گئے ہوں۔ آپ کا امروہہ کا آخری سفر بھی ڈاکٹر محمد علی صاحب کی صاحب زادی کے نکاح میں شرکت کے لئے ہوا۔

اِسی طرح آپ اپنے عزیز شاگرد و تربیت یافتہ مولانا محمد یوسف صاحب امروہویؒ سے بھی خاص تعلق رکھتے تھے اور امروہہ میں ان کے گھر بھی اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

نیز حضرت مولانا سراج احمد خاں صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا سید اعجاز حسنین صاحبؒ مہتمم مدرسہ، حضرت مولانا قاری فضل الرحمٰن صاحبؒ ناظم مدرسہ، حضرت مولانا سید حامد حسن صاحبؒ نائب مہتمم مدرسہ اور ان کے اہل خانہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا شبیہ احمد صاحب فیض آبادیؒ، حضرت مولانا عزت اللہ صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا محمد راشد صاحب امروہوی، حضرت مولانا مشرف حسین صاحب سنبھلیؒ، حضرت مولانا منظور احمد صاحب ڈھکویؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر شبیر احمد صاحب جویاویؒ اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب جویاوی حال نائب مہتمم وغیرہ جیسے اَربابِ علم و فضل سے قیام امروہہ کے دوران آپ کے گہرے روابط رہے۔ امروہہ میں اکثر کپڑے حضرت مولانا راشد صاحب کی دوکان پر خود تشریف لے جا کر خریدتے تھے۔

امروہہ کے قیام کے زمانہ میں شہر کے علاوہ قرب وجوار کے دیہات میں بھی آپ کی آمد و رفت رہا کرتی تھی، جمعیۃ علماء ہند کی تحریکات اور سرگرمیوں میں بھی آپ برابر حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۷۹ء میں جب وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی کے خلاف جمعیۃ علماء ہند نے ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' چلائی تھی، تو آپ ایک جتھے کی قیادت کرتے ہوئے جیل بھی گئے تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے دعوتِ تدریس

مدرسہ اِسلامیہ عربیہ جامع مسجد اَمروہہ میں ۱۱؍سالہ سنہرا دور گذار کر ۹؍ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ کو دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کی جانب سے وہ تحریر موصول ہوئی، جس میں بذریعہ مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند آپ کے اُستاذِ عربی کے طور پر منتخب ہونے کی اطلاع دی گئی تھی۔ اِس تحریر کے جواب میں حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ۱۲؍ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ کو حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام ایک تاریخی خط اِرسال فرمایا تھا، جس کا مضمون ذیل میں درج ہے:

محترم المقام حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاجِ گرامی!

آنجناب کا مکتوب گرامی موصول ہوکر سرمایۂ عزو افتخار بنا، حضرات اکابر و اساتذہ کرام نے احقر کا نام برائے خدمت تدریس دارالعلوم منتخب فرما کر مجلس شوریٰ میں پیش فرمایا اور مجلس کے مؤقر اراکین نے اس کی منظوری عنایت فرمائی۔ اس ذرہ نوازی پر احقر آپ تمام حضرات کا صمیم قلب سے شکرگزار ہے، مادرِ علمی کی خدمت کا جو موقع بھی میسر آجائے، باعث سعادت ہے بالخصوص خدمت تدریس اور وہ بھی بزرگوں کی طرف سے انتخاب وتجویز کی صورت میں جس سے یقین ہوتا ہے کہ مفوضہ خدمت کی انجام دہی میں نصرتِ خداوندی شامل حال رہے گی۔

آنجناب کا یہ مکتوب گرامی محررہ ۵؍ذی قعدہ احقر کو ۹؍ذی قعدہ کو موصول ہوا اور آپ کے علم میں ہے کہ احقر جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے وابستہ ہے اور امسال تعلیمی سال کے آغاز پر حسب ضابطہ ۱۲؍شوال سے مدرسہ میں حاضری دے چکا ہے اور یکم ذی قعدہ سے اسباق بھی شروع کردیے ہیں ان حالات میں احقر ذمہ داران مدرسہ کی اجازت کے بغیر مدرسہ سے نہیں جاسکتا۔ اس لئے مدرسہ کے اربابِ حل وعقد کے سامنے آپ کا مکتوب گرامی برائے حصولِ اجازت پیش کیا، تو ان حضرات

نے مجلس عاملہ بلا کر اس مسئلہ پر غور کیا اور طے کیا کہ آپ کی خدمت میں مدرسہ کا ایک وفد جائے، جو آپ سے درخواست کرے کہ ان کو (احقر کو) ہمارے مدرسہ سے نہ بلائیں، کیونکہ ایسی صورت میں مدرسہ کو شدید نقصان پہنچے گا۔

بہرحال یہ حضرات عنقریب آپ کی خدمت میں پہنچنے والے ہیں، ان سے گفتگو فرمائیں اور جو مناسب ہو، طے فرمائیں۔ والسلام

احقر محمد عثمان عفی عنہ

۱۴؍ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ

اس خط کو پڑھنے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امروہہ میں رہتے ہوئے آپ نے اپنی محنت و لگن اور مدرسہ کی جانب سے مفوضہ ذمہ داریوں کو دلچسپی اور خلوص کے ساتھ انجام دیتے ہوئے ایسا مقام بنایا کہ آپ کے دیوبند جانے کی خبر نے ذمہ دارانِ مدرسہ کو فکر و تشویش میں مبتلا کر دیا اور ایک وفد حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کے لئے دارالعلوم دیوبند گیا؛ لیکن دارالعلوم کی ضرورت کو مقدم رکھتے ہوئے اُس کی کوشش بارآور نہ ہوئی۔

بہرحال ۱۹؍ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ کو آپ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تشریف لے آئے؛ لیکن مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے آپ کا برابر رابطہ اور آنا جانا رہا۔ مختلف امور میں ذمہ داران آپ سے مشورے بھی فرماتے رہے اور مدرسہ کے سالانہ اجلاسوں میں دستار بندی کے مواقع پر بالخصوص ''النادی العربی'' کے پروگراموں میں شرکت کے لئے آپ وقت نکالتے رہے۔ پچھلے چند سالوں سے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دینے کے لئے بھی آپ تشریف لاتے تھے اور آپ ہی کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوتا تھا۔

موجودہ مہتمم مدرسہ حضرت مولانا ڈاکٹر سید محمد طارق صاحب مدظلہ العالی کے دورِ اہتمام میں ۲۰۰۸ء سے آپ مدرسہ کی مجلس شوریٰ میں بھی بہ حیثیت رکن شریک ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے وصال پر جس طرح دارالعلوم دیوبند میں رنج و غم کا ماحول رہا، ایسے ہی جامع مسجد امروہہ کی فضا پر بھی اس کا اثر دیر تک محسوس کیا جاتا رہا اور ایصالِ ثواب کا اہتمام ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا، اِن شاء اللہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ، نور اللہ مرقدہٗ و برد اللہ مضجعہ و عظم اجرہ۔

یادوں کے نقوش

مولانا مفتی اشتیاق احمد صاحب اُستاذ دارالعلوم دیوبند

میرے گرامی قدر استاذ محترم حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بالکل خاموشی سے جوارِ رحمت میں چلے گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ایسا نہیں لگتا تھا کہ اتنی جلدی نکل جائیں گے، خیر تقدیر الٰہی، جس کو کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ ہی خالقِ ہر دو جہاں ہیں اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہر ذرہ ہے، حضرت کی وفات سے عجیب سناٹا چھا گیا، دارالعلوم سونا سونا لگ رہا ہے، مسندِ اہتمام سونی دکھ رہی ہے، مسند حدیث کی رونق چلی گئی، تحفظ ختم نبوت کے شعبے کا سر بے تاج نظر آرہا ہے، منحرف فرق اور باطل مکاتبِ فکر کی سرکوبی کا شعبہ ''محاضراتِ علمیہ'' بے سرپرست نظر آرہا ہے، قادیانیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کا جذبہ رکھنے والا مجاہد میدانِ کارزار میں نظر آرہا ہے، وہ میکینک جس کی جادوئی حکمت و تدبیر سے دارالعلوم کی مشین کا ہر پرزہ اپنی جگہ متحرک نظر آرہا تھا اب وہ خود اپنی دوکان بڑھا گیا ہے۔

ان کی رحلت پر وہ مالی بھی غمگین ہے جو روزانہ گلشن دارالعلوم کے گلہائے رنگارنگ کا ایک گلدستہ تیار کر کے دفتر اہتمام میں حضرت کے سامنے رکھتا تھا اور اپنی خدمت پر نازاں تھا، ایک دن حضرت نے پوچھا: کیا کام کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: چمن بندی کے شعبے میں ہوں، گلشن کی دیکھ ریکھ کرتا ہوں، مختلف قسم کے پھول لگاتا ہوں، پوچھنے پر بہت سے پھولوں کے نام گنوائے، اس پر فرمایا: اتنے پھول کس کام کے؟ کبھی دکھایا بھی تو کرو، چنانچہ وہ روزانہ ایک گلدستہ تیار کرتا اور میز پر جا کر رکھ دیتا، آج ان کی رحلت پر وہ بھی بہت غم زدہ ہے اور وہ میز بھی

بے رونق دکھ رہی ہے، جس پر گلدستہ سجتا تھا۔

آخری ملاقات

رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کا دوسرا عشرہ تھا، کسی جنازے کے لیے حضرت احاطۂ مولسری میں تشریف لائے تھے، اس وقت معلوم ہوا کہ ایک اور جنازہ آنے والا ہے، انتظار میں سب لوگ کھڑے تھے، شمال کی مولسری کے پاس حضرت قاری صاحب کھڑے تھے، جب انتظار کا وقفہ زیادہ ہونے لگا تو ہم نے سوچا کہ حضرت کے لیے کرسی لائی جائے، شعبۂ کمپیوٹر کے ایک ملازم نے جلدی سے ایک کرسی نکالی، میں لے کر دوڑا ہوا خدمت میں پہنچا تو فرمایا: نہیں، نہیں، ضرورت نہیں، مجھے کھڑے رہنے میں کوئی زحمت نہیں ہے، لے جاؤ، میں رکا ہوا اصرار کرتا رہا، ادھر دوسرا جنازہ آ گیا، فرمایا: دیکھو آ گیا اب لے جاؤ؛ چناں چہ میں واپس لے کر آ گیا، چوں کہ سارا مجمع کھڑا تھا تو حضرت کو بیٹھنے میں تکلف ہوا؛ حالاں کہ اس دن قدرے نقاہت بھی محسوس ہو رہی تھی۔

اس سے کئی دن پہلے مسجد قدیم سے ظہر کی نماز پڑھ کر لوٹ رہے تھے، میں پیچھے تھا، متوجہ ہوے اور پیار سے فرمایا: مولوی اشتیاق! میں جی کہہ کر قریب ہوا، فرمایا: تمہارے والد صاحبؒ کی وفات کی خبر ملی تھی، بڑا قلق ہوا، دفتر اہتمام میں دعا بھی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں، میں نے اس پر آمین کہی اور پیچھے پیچھے چلتا رہا؛ یہاں تک کہ وہ مطبخ کی طرف اپنی رہائش گاہ کے لیے مڑ گئے، چند دنوں کے بعد طبیعت ناساز ہوئی اور بہت زیادہ بھی نہیں، گھر پر ہی علاج چلتا رہا، مگر اللہ کی طرف سے طے شدہ وقت قریب آتا گیا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

شفقت ومناسبت

اساتذہ سب ہوتے ہیں جن کے سامنے کتاب کھول کر پڑھی جاتی ہے، زانوے تلمذ تہہ کیا جاتا ہے؛ مگر مناسبت اللہ کا انعام ہے، ہر ایک سے نہیں ہوتی، جس استاذ کی شفقت وعنایت جتنی زیادہ ہوتی ہے اسی سے اتنی ہی عقیدت پھر مناسبت کے بعد محبت بھی ہو جاتی ہے، حضرت

استاذ محترمؒ کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا جب موطا امام محمدؒ کا سبق متعلق ہوا، گھنٹے کے بعد قدرے انتظار کرنا پڑتا، جب سارے طلبہ سراپا اشتیاق ہو جاتے تب تشریف لاتے، شیروانی زیب تن ہوتی، نگاہیں نیچی رکھے مسند تدریس پر بیٹھتے اور حدیث شریف کی سند پر گفتگو کرتے، پھر اجزائے حدیث کو الگ الگ سمجھاتے، پھر مسالک بیان کرتے، امام محمدؒ کی تعبیر کی خوبی کا مسلک سمجھاتے اور احناف کی ترجیحات بڑے اعتدال سے ذکر کرتے، الفاظ وتعبیرات میں برجستگی اور شگفتگی دل آویز رہتی تھی، حضرت الاستاذ کا یہ انداز بڑا اچھا لگا، عقیدت کے بعد مناسبت بھی پیدا ہونے لگی، دورۂ حدیث شریف سے امتیازی نمبرات کے ساتھ کامیابی حاصل ہوئی، پھر افتاء میں داخل ہوا، محاضرات کا سلسلہ شروع ہوا، اس زمانے میں قادیانیت ملک کے گوشے گوشے میں دندنا رہی تھی، ارادہ ہوا کہ ''ردقادیانیت'' کے موضوع کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے، آخر یہ کیا بلا ہے، جو اپنے سیلاب بلاخیز میں آبادی کی آبادی کو بہالے جارہی ہے؟ اس کے لیے ایک تو ''شعبۂ مناظرہ'' میں داخلہ لیا، دوسرے ''ردقادیانیت'' پر پیش کیے گئے حضرت کے محاضرات کو سامنے رکھ کر مضمون نگاری شروع کی، اس سے اور بھی مناسبت میں اضافہ ہوا، پھر جب محاضرات کے اسباق شروع ہوئے تو ہمہ تن گوش ہو کر حضرت قاری صاحب کی باتیں سنتا اور نئی باتوں کو نوٹ بھی کرتا تھا، اس طرح افتاء کا سال پورا ہوا اور حضرت قاری صاحب سے محبت ہو گئی، اب جہاں کہیں سے گزرتے، دیکھتا تو رک کر دیکھنے لگتا، مجھے ان کی شخصیت میں کشش کی بہت سی جہات نظر آتی تھیں؛ لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ آپ کی نظر عنایت بھی میری طرف ہے اور اسی کا یہ اثر ہے، غرض یہ کہ اگلے سال ''تدریب افتاء'' میں داخلہ ہوا اور تمرین افتاء حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن بلند شہری مدظلہ العالی کے پاس تھی، ''ردقادیانیت'' کے موضوع پر ملک بھر میں پروگرام ہوتے تھے، دہلی میں جمعہ کے دن بہت سی مسجدوں میں اس موضوع پر بیان کا نظام حضرت نے بنایا، اس کے لیے اساتذۂ کرام کے ساتھ تخصص وتکمیلات کے طلبہ کی بھی ترتیب بنی، اس میں میرا نام بھی تھا، ہم لوگ صبح چار بجے والی فاسٹ پیسنجر سے دہلی پہنچے، میرا انتخاب حضرت قاری صاحب کی خدمت کے لیے ہوا، ساتھ میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ بھی تھے،

دفتر جمعیت کے پاس سے ایک آٹو رکشہ پر بیٹھے، اس نے ایک جگہ لے جا کر اُتار دیا، اترنے کے بعد معلوم ہوا کہ مسجد یہاں سے دور ہے، تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر ہے۔

نادر تواضع

اتنے میں ایک ٹھیلی والا آیا جو اینٹ ڈھو رہا تھا، اس پر اینٹ کی سرخیاں بڑی مقدار میں پڑی تھیں، ہم نہا دھو کر اچھا کپڑا پہنے نماز کے لیے جا رہے تھے، ٹھیلی والے نے کہا: حضرت! مسجد بہت دور ہے، یہاں رکشہ بھی نہیں ہے، نماز کا وقت قریب ہے، آیئے! اس پر بیٹھیے، میں مسجد تک پہنچا دیتا ہوں، دھوپ میں پیدل چل کر بہت پریشان ہو جائیں گے، حضرت نے اس کی معقولیت بھری تقریر سن کر کہا: چلو اسی سے چلتے ہیں، مجھے اس پر بیٹھنے میں ادنیٰ تأمل ہوا کہ کپڑے سرخی سے گندے ہو جائیں گے؛ لیکن میں نے کسی طرح سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا، حضرت قاری صاحب کو کشف ہو گیا، آہستہ سے اپنا خوبصورت نفیس سفید رومال سر سے اتارا اور اس ٹھیلی پر بچھا دیا، ارشاد فرمایا: مولوی اشتیاق تم اس پر بیٹھو! کپڑے گندے ہو جائیں گے، میں بڑا پشیمان ہوا اور جلدی سے رومال اٹھا کر جھاڑا اور ادب سے حضرت کو پیش کیا، ٹھیلی پر بیٹھ گیا، پسینہ کچھ زیادہ ہی آنے لگا، حضرت کی تواضع کا تأثر مجھے اندر سے جھنجھوڑ چکا تھا، غرض ہم تینوں مسجد پہنچے، نماز کا وقت قریب تھا، حضرت سیدھے منبر پر پہنچے اور بیان شروع کر دیا، نہایت ہی سادہ انداز میں میں مرزا غلام قادیانی کی حماقتوں کو سمجھایا، اس کے دعویٔ نبوت کا مطلب سمجھا کر اس کی تردید کی، ''کلمۂ قادیانیت'' کا مفہوم سمجھا کر ''کلمۂ توحید'' سے اس کا تقابل پیش کیا، جس سے سامعین نے صاف سمجھ لیا کہ قادیانیت اسلام کے مقابل ایک مستقل مذہب ہے اور قادیانی ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتے، غرض تقریر کے بعد خطبہ پھر نماز ہوئی اور سنت و نفل کے بعد واپسی کا ارادہ ہوا، مسجد کے باہر ایک رکشہ نظر آیا، اس سے آئی ٹی او لے جانے کی بات ہوئی۔

گرم رکشے پر شبنمی نصیحت

حضرت بائیں طرف بیٹھ گئے، نہایت ہی اطمینان سے بیٹھ کر اشارہ کیا، آجاؤ، میں بیٹھتے ہی

چونک سا گیا، دھوپ میں رکشہ توے کی طرح گرم ہوگیا تھا، تعجب تھا کہ اتنی نازک شخصیت کس طرح پرسکون ہوکر بیٹھی ہے، اس تصور سے میں بھی بے تکلف اطمینان سے بیٹھا رہا، رکشہ جب آگے بڑھا، تو حضرت نے گفتگو شروع کی، ''ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ ہمیں تو دھوپ میں رکشہ بھی نصیب ہے، تصور کرو، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی چلچلاتی دھوپ میں گرم پتھروں اور پہاڑوں پر کیسے پیدل چلے ہوں گے، دین کی تبلیغ کے لیے کتنی مشقتیں اٹھائی ہوں گی، طائف کی (ساڑھے پانچ سو فٹ) اونچی پہاڑی پر کیسے چڑھے ہوں گے، آہستہ آہستہ حضرت نے چند جملے ایسے ارشاد فرمائے کہ گرم رکشہ لطف دینے لگا اور چند لمحوں میں ٹھنڈا محسوس ہونے لگا، اس شبنمی نصیحت نے بڑا متاثر کیا، اکابر بزرگوں کی لمبی لمبی تقریریں بارہا سنی ہیں، مگر جتنا اثر حضرت قاری صاحب کے چند جملوں نے کیا اتنا کسی نے نہیں کیا۔

ادنیٰ سی ضیافت پر خندہ پیشانی

وہاں سے ایک مدرسہ میں آئے، جہاں کھانا طے تھا، دیکھا تو دسترخوان پر نہ تو سلیقے کے پلیٹ، کٹورے تھے اور نہ ہی کھانا مزیدار، سلاد میں کھیرے اور پیاز کی کتلیاں بھی ایسی تھیں جیسے چاقو کے علاوہ کسی اور چیز سے کاٹی گئی ناشپاتی کے بدشکل ٹکڑے؛ لیکن حضرت نے بڑی قدر دانی اور خندہ پیشانی سے تھوڑا تھوڑا اٹھاتے اور میزبان کو خوش کرتے ہوے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کر رہے تھے، ہاں اخیر میں ''پیپسی'' ضرور آئی، اس زمانے میں یہی کالا مشروب بازاروں میں ملتا تھا اور لوگ بڑی خوشی سے پیتے تھے، بعد میں اس سے اچھے مشروب آئے، پھر امریکی مصنوعات کے بائیکاٹ نے اس کی اہمیت کو اور گھٹا دیا، غرض میں نے یہ سوچا کہ حضرت اس کو ضرور پسند فرمائیں گے، مگر آپ نے آہستہ سے منع کر دیا، بعد میں اس کی مضرتوں سے دنیا واقف ہوئی اور دور ہوئی، تب معلوم ہوا کہ ہمارے اکابر کتنے دوررس ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں۔

تواضع

حضرت قاری صاحب اصول پسند اور بڑی متواضع شخصیت کے حامل تھے، دار العلوم

دیو بند میں علیا کے مدرس ہونے کے باوجود ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے بڑا متواضعانہ سلوک کرتے تھے، یہ آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔

الف:- درجۂ علیا کے مدرس، دارالاقامہ اور تحفظ ختم نبوت کے ناظم ہونے کے باوجود حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے اسباق بخاری شریف میں حاضر ہوتے اور خوب استفادہ فرماتے تھے، جب ہماری جماعت کو بخاری شریف کتاب الایمان تبرکاً پڑھانے کے لیے حضرت تشریف لائے، تو دیکھا کہ حضرت قاری صاحب پیچھے پیچھے آرہے ہیں، پورا گھنٹہ بیٹھ کر استفادہ کیا، پھر ساتھ ہی واپس ہوے اور غالبًا نسائی شریف کی کتاب الطہارۃ والصلاۃ کے اسباق میں بھی تشریف لاتے تھے، اس سے حضرت کی بے نفسی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ب:- ''تحفظ ختم نبوت'' کے ناظم اعلیٰ حضرت استاذ محترم مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ سے مشورے کے لیے سیدھے مکان پر تشریف لے جاتے، ساتھ میں فائلیں ہوتیں، طلبۂ کرام کے انتخاب کے لیے سب کو لے کر وہیں پہنچتے، مسودات و مقالات پر رائے لینے کے لیے بھی بارہا میں نے دیکھا، اس میں ذرہ برابر تکلف نہیں فرماتے تھے۔

سفر میں دل داری اور نماز کا اہتمام

چار اسفار میں ناچیز کو حضرت کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، اس میں کئی چیزیں متأثر کن دیکھیں:

الف:- نماز کا خوب اہتمام فرماتے، دہلی جیسے سفر میں پانچ چھ گھنٹے اس لیے لگتے تھے کہ صحیح وقت پر نماز باجماعت اطمینان سے ادا فرماتے ہوے جاتے تھے، ساتھ میں چھوٹی جائے نماز اور بڑا مصلیٰ ہوتا تھا، اطمینان سے رکتے اور معمولات پورے کرنے کے بعد چلتے۔

ب:- راستے میں گزرتے ہوے اگر کوئی چائے کے بہانے رکتا تو اس کی ضرور دلداری فرماتے، کھاتے تو بہت کم تھے، مگر سامنے والے کا دل خوش کر دیتے، ان کے لیے دعائیں کرتے۔

ج:- وقت ضائع نہ کرتے، چلتے ہوے یا تو خاموش تسبیحات پڑھتے رہتے، یا کوئی کتاب اٹھالیتے،غرض خالی نہ رہتے تھے۔

د:- ساتھ رہنے والوں کا بھی خوب خیال رکھتے،خصوصاً دسترخوان پر بڑی محبت سے کھلاتے، جی خوش ہوجاتا تھا،ان اداؤں کو یاد کر کے آنسو آنے لگتے ہیں۔

حیدرآباد کا سفر

دارالعلوم حیدرآباد میں عظمت صحابہ سیمینار تھا، مجھے خدمت کے لیے حضرت کے ساتھ رکھا گیا،اس میں کئی چیزیں بڑی متأثر کن تھیں:

الف:- سب سے پہلے ٹکٹ وغیرہ کی تفصیلات معلوم کیں، دیوبند سے دہلی پھر واپسی وغیرہ کا انتظام معلوم کیا،ادارے نے جہاز کے ٹکٹ کے ساتھ ٹیکسی کا کرایہ پہلے بھیج دیا تھا، واپسی میں حضرت کو دہلی سے دیوبند کے لیے ٹیکسی لینی نہیں تھی،کوئی اور انتظام تھا تو آپ نے دارالعلوم حیدرآباد کے ذمہ دار کو واپسی کا کرایہ واپس فرمایا اور ضرورت نہ ہونے کی صراحت فرمائی، یہ تھی معاملے کی صفائی، منتظمین بہت متاثر ہوے۔

ب:- اسی سفر میں حضرت کو دیکھا کہ جہاز میں سوار ہوتے ہی ایک کتاب نکالی اور اس کو پڑھتے رہے، اس میں سے نوٹ لکھتے رہے، پوری کتاب میں سے اپنا مطلوبہ حصہ پڑھ ڈالا، جب سیمینار میں حضرت کو بلایا گیا تو حضرت نے ڈائز پر اس نوٹ کو رکھ لیا اور نہایت ہی مرتب انداز میں بڑے اہم نکات پر گفتگو فرمائی، سامعین میں اہل علم وقلم کی تعداد اچھی خاصی تھی، سب نے حضرت کی گفتگو کی انفرادیت کو تسلیم کیا، منتظمین نے اس کو ریکارڈ کیا، حضرت کی خواہش تھی کہ کاغذ پر منتقل ہوکر مرتب ہوجائے، منتظمین نے اس کا وعدہ بھی کیا، مگر افسوس کہ وہ پورا نہ ہوسکا۔

ج:- تقریر وتحریر میں کبھی حضرت کو تکلف کرتے ہوے نہیں دیکھا، بالکل سادہ انداز میں لکھتے اور بولتے تھے، باتیں ترتیب وار ہوتیں، پھر اخیر میں خلاصہ بھی پیش فرماتے تھے، سادہ

اسلوب کے ساتھ موضوع اور مبحث کی ترکیز بھی ہوتی تھی، وہ ادھر ادھر نہیں بہکتے تھے، اس سے سامعین میں یکسوئی باقی رہتی تھی، یہ بات اس پروگرام میں بھی نظر آئی، صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں امت کے معتدل موقف کو نہایت ہی مدلل انداز میں پیش فرمایا تھا۔

اسی طرح اردو زبان میں بغیر مجبوری کے انگریزی الفاظ سے آپ بہت اجتناب کیا کرتے تھے اور اس کی نصیحت بھی کرتے تھے۔

درسِ مشکوٰۃ کا امتیاز

دارالعلوم دیوبند میں حضرت نے دسیوں سال مشکوٰۃ شریف کا سبق پڑھایا ہے، یہاں آپ کا یہ امتیاز تھا کہ احکام کی افادیت کو بڑے اطمینان بخش انداز میں پڑھاتے تھے، مسلک کے موافق اور اس کے معارض دلائل کو سامنے لاتے اور بحث کرتے، وہ حدیث مشکوٰۃ کی تینوں فصلوں میں جہاں کہیں ہوتی اس کی نشاندہی فرماتے، پھر احناف کی ترجیحات کو پیش کرتے تھے، اس لیے طلبہ کرام ان کو اپنی کاپیوں میں نوٹ کرتے تھے اور اسباق کی پابندی بھی خوب کیا کرتے تھے اور چھوٹ جانے پر افسوس کا اظہار بھی کرتے، میری یہ تمنا تھی کہ حضرت کے اسباق مرتب ہو کر شائع ہوں، میں نے ایک بار ملاقات کر کے اپنی تمنا کا اظہار کیا تو فرمایا: ٹھیک کہتے ہو، میرا جی بھی یہ چاہ رہا ہے، دیکھو اللہ تعالیٰ کیا اسباب پیدا فرماتے ہیں، دارالعلوم دیوبند میں پانچ گھنٹے پڑھانے کی وجہ سے میرے لیے سبق میں حاضر ہو کر مرتب کرنا بہت مشکل تھا، اس لیے میں یہ چاہتا تھا کہ کوئی پابند اسباق طالب علم سال بھر یہ کام کرے، پھر اس کی ترتیب کی کوئی صورت بنے اور حضرت الاستاذ کی خدمت میں پیش ہو؟ مگر ہر تمنا بر نہیں آتی۔

ممتاز تربیت

حضرت قاری صاحب کے جملہ اوصاف میں نونہالوں کی تربیت کا پہلو بھی اپنا ایک امتیاز رکھتا ہے:

الف:- ہماری ''معین مدرسی'' کا زمانہ تھا، حضرت نے اپنے ایک عزیز کو میرے

ساتھی مفتی خالد پنچوی مدظلہ کے سپرد کیا کہ اس کو فلاں فلاں کتاب اپنے کمرے میں پڑھا دیا کرو اور اسی عزیز کے ذریعہ ایک کاپی بھجوائی کہ روزانہ کی حاضری اس میں نوٹ کرو اور ہفتہ میں ایک بار میرے پاس بھیج دیا کرو؛ تاکہ میں دیکھ لوں کہ پابندی کر رہا ہے یا نہیں؟ یہ انداز مجھے بڑا اچھا لگا کہ طالب علم خواہی نخواہی پابند ہو گیا اور چل پڑا۔

ب:- حضرت دارالاقامہ کے ناظم تھے، ایک دن فجر کی نماز کے بعد دیکھا کہ دو تین طلبہ دارِ جدید میں حضرت کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، لنگی بنیائن میں ہیں، اپنے سر پر بستر لیے ہوے ہیں، طلبہ کو دیکھ دیکھ کر سب مسکرا رہے ہیں، میں نیا طالب علم تھا، قریب والے سے پوچھا یہ کون شخصیت ہیں؟ تو طلبہ نے حضرت کا نام بتا دیا اور بتایا کہ ناظم دارالاقامہ ہیں، ہفتہ دس دن میں ایک آدھ بار اس طرح ہو جاتا تھا، تو پورا دارالعلوم نماز کا پابند رہتا، بلا کسی ڈانٹ، پٹائی اور کھانا بند کیے مقصد حاصل۔

ج:- اسی طرح ایک بار دیکھا کہ فجر کے بعد حضرت اچانک کسی کمرے میں پہنچ جاتے، نماز نہ پڑھنے والے طلبہ کو جگاتے، جلدی نماز پڑھو، بہت تھوڑا وقت بچا ہے اور ساتھ ہی یہ فرماتے، تیسرے گھنٹے میں دفتر دارالاقامہ میں آ جانا، جب طالب علم وہاں پہنچتا تو اس سے ایک درخواست لکھواتے کہ میں باجماعت نماز کے چھوٹنے پر شرمندہ ہوں، ایک ماہ تک روزانہ فجر کی اذان کے بعد آپ کے گھر حاضری دوں گا، اس طرح خود بخود طالب علم نماز کا پابند ہو جاتا تھا۔

راقم حروف پر نظرِ کرم

میں ان خوش قسمت طلبہ میں سے ہوں جن پر حضرت استاذ محترم کی نگاہ تھی، وہ میری ترقی کے لیے کوشاں تھے:

الف:- جب ''تدریب افتاء'' کا دوسرا سال پورا ہوا تو ایک دن حضرت نے دفتر اہتمام بلایا، جب وہ نائب مہتمم تھے، ارشاد فرمایا: کہ اگر اگلے سال حضرت مولانا محمد طاہر گیاوی مدظلہ کے مدرسے میں چلے جاتے تو اچھا ہوتا، وہاں ایک فتویٰ نویس مفتی کی ضرورت ہے، انھوں

نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر کوئی ذی استعداد طالب علم ہو تو بھیجیے، لیکن چوں کہ میرا ارادہ مادر علمی میں ''معین مدرسی'' کا تھا، اس لیے وہاں جانے کا اتفاق نہ ہوا۔

ب:- ''معین مدرسی'' کے بعد دار العلوم حیدر آباد چلا گیا، وہاں سے ایک مرتبہ مادر علمی آنا ہوا تو حضرت سے ملاقات کے لیے جب حاضر ہوا تو بہت خوش ہوے اور خبر خیریت کے بعد کہا: کیا تم کچھ انگریزی زبان بھی جانتے ہو؟ میں نے کہا: جی! تھوڑا موڑا جانتا ہوں، کام چل جاتا ہے، فرمایا: مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانیؒ ''مفتی پنجاب'' ہیں، اب وہ ریٹائرڈ ہو رہے ہیں، وہاں ایک مفتی کی ضرورت ہے، اگر تم چلے جاتے تو اچھا ہوتا، میں نے کہا: ٹھیک ہے حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ سے مشورہ کر لیتا ہوں، اگر ان کی رائے ہوئی تو چلا جاؤں گا، لیکن جب حضرت سے پوچھا تو فرمایا: نہیں، مت جاؤ، میں تمہیں اچھا مدرس دیکھنا چاہتا ہوں، دار الافتاء کا ایک خاص سرکل ہوتا ہے اور مدرسی میں مطالعہ کی آفاقیت ہوتی ہے؛ اس لیے وہاں کی رائے نہیں بنی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر اساتذۂ کرام کی بال بال مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں۔

(الجمعیۃ امیر الہند رابع نمبر ۱۸۱-۱۸۵)

زندگی کے نقوش تاباں

حضرت مولانا مفتی اشرف عباس قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند

اوصاف واخلاق

حضرت الاستاذ قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ اسلامیان ہند کا قیمتی سرمایہ اور کاروانِ ملت اسلامیہ کے قافلہ سالاروں میں تھے۔ جمعیۃ علما ہند کے صدر عالی قدر اور دارالعلوم دیوبند کے کئی شعبوں کے روحِ رواں تھے۔ وہ خانوادہ نبوت سے تعلق رکھنے والے ایک خوش اخلاق، اعلی اقدار کے حامل با کردار انسان تھے۔ ان کے ایک ایک عمل، ظاہری رکھ رکھاؤ اور چہرے بشرے سے شرافت ونجابت عیاں تھی۔ وہ ایک اصول پسند مہتمم، طلبہ سے بے انتہا محبت کرنے والے اور ان کی بہتری وراحت کے لیے اپنے آرام کو تج دینے والے مشفق استاذ، ماتحتوں کا خوب خیال رکھنے والے منتظم، ملت کی زبوں حالی اور معاشرے کے بگاڑ پر تڑپنے اور اس کی بہبود کے لیے ہمہ وقت منصوبہ بندی کرنے والے مدبر ومفکر اور بالغ نظر و بابصیرت عالم دین تھے، آپ کی رحلت سے دارالعلوم دیوبند اور اس کے مختلف شعبوں کا جتنا بڑا نقصان ہوا ہے، شاید ہی کسی اور شخصیت کے جانے سے اتنا زیادہ نقصان ہوا ہو۔

حضرت قاری صاحبؒ سے ۱۹۹۹ء میں ہمیں مؤطا امام مالک پڑھنے کا موقع ملا، اس وقت آپ استاذ حدیث ہونے کے ساتھ دارالعلوم کے نائب مہتمم بھی تھے، ہمارے رفقاء درس میں آپ کے فرزند گرامی جناب مفتی عفان صاحب بھی تھے، جو شرافت ونجابت اور صلاح وصلاحیت میں والد گرامی قدر کے عکس جمیل ہیں۔

طلبہ پر شفقت اور انداز تربیت

طلبہ کے لیے آپ کی شفقت مثالی تھی۔ معمولی طالب علم بھی اپنا دکھڑا لے کر حاضر ہوتا تو اس کی بات بھی بڑی توجہ سے سنتے جس سے اس کا دل بڑا ہو جاتا تھا۔ طلبہ کی تقریری وتحریری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے، چنانچہ طلبۂ دار العلوم کی دو مرکزی انجمنوں النادی العربی اور مدنی دارالمطالعہ کے تا دمِ آخر نگراں وسرپرست رہے اور آپ کے یہاں اعزازی یا رسمی نگرانی یا کسی مقالے اور کتاب پر سرسری نظر ثانی کا کوئی خانہ نہیں تھا، بلکہ نظر ثانی اور نگرانی کا حق ادا کر دیا کرتے تھے، انجمنوں کے پروگراموں کی جزئیات تک پر آپ کی گہری نظر تھی۔ دارالحدیث میں پیرانہ سالی، ضعف اور مشغولیت کے باوجود دو دو بجے رات تک پروگرام سماعت فرماتے اور کسی بھی طرح کی اصلاح وتربیت سے دریغ نہیں کرتے۔

عربی زبان سے والہانہ محبت

کتاب وسنت کی زبان عربی سے آپ کو خاص شغف تھا، اپنے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ کے بے انتہا مداح، ان کے اسلوب تعلیم وتربیت سے متاثر اور اپنے تلامذہ کو آگے بڑھانے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ ''النہضۃ الادبیۃ'' آپ ہی کی تحریک پر شائع ہو رہا ہے، النادی کے پروگرام میں عربی میں آپ کا کلیدی خطاب ضرور ہوا کرتا تھا، نصف شب گزر جانے کے باوجود بھی آپ کا عربی خطاب سارے سامعین کو بہ گوش ہوش سننا پڑتا تھا؛ کیوں کہ آپ روایتی انداز کی تقریر نہیں کرتے تھے؛ بلکہ سامع طلبہ سے سوالات بھی کرتے جاتے، جن کا انھیں بروقت کھڑے ہو کر عربی میں ہی جواب دینا ہوتا تھا، حضرت والا کی یہ مستعدی اور فکرمندی ہم جیسے کسل مندوں کے لیے اکسیر کا کام کرتی تھی۔

نشاط کار سے سرشار کرنے والی شخصیت

اخیر تک پروگرام میں آپ کی فعال شرکت ہمارے لیے بھی پیروں کی زنجیر بن جاتی

تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت والا کی مغتنم اور متحرک شخصیت بہ طور خاص ہم سہولت پسندوں کے لیے ہمت وحوصلہ اور فکر ونظر کو انتہائی حد تک حرکت دینے اور جمود وکسل مندی سے ہٹا کر نشاط کار سے سرشار کردیتی تھی۔ میرے مشاہدے کے مطابق اتنے بڑے استاذ اور اتنے بڑے عہدے دار کی حیثیت سے طلبہ کی تربیت وتشجیع کے لیے سب سے زیادہ آپ ہی وقت فارغ کرتے تھے؛ اس لیے اس حوالے سے طلبہ میں آپ کو غیر معمولی عظمت وجلالت حاصل تھی۔ دوسرے طلبہ کے لیے اس درجہ اخلاص، کڑھن اور فکر کی برکت سے اللہ تعالی نے آپ کو جو صاحبزادگان عطا کیے، علم وعمل اور صلاح وقابلیت کے اعتبار سے انھیں خاص امتیاز عطا کیا، مخدوم ومحترم نائب امیر الہند مفتی سلمان صاحب ہوں یا مفتی عفان صاحب، دونوں ہی قابل فخر باپ کے قابل رشک سپوت اور علم وعمل کے آفتاب وماہتاب ہیں۔ حفظهما الله من كل سوء۔

بندہ نوازی

بندے کو بھی حضرت والا کی بڑی شفقتیں اور عنایتیں حاصل رہی ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں جب پہلی بار جامعہ ہانسوٹ میں مؤطا امام مالک کا درس احقر سے متعلق ہوا تو سب سے پہلے اس کی اطلاع حضرت والا کو دی، حضرت والا نے بے انتہا مسرت کا اظہار کیا اور فون پر ہی بیس منٹ تک گراں قدر نصیحتوں سے نوازا۔ دارالعلوم آنے کے بعد آپ کی عنایتیں اور بڑھ گئیں، النادی کے ہیئۃ الاشراف میں شامل کرلیا اور عربی سے متعلق بعض کام سپرد کرنے لگے، میری دونوں بچیاں حضرت کی صاحبزادی کے پاس پڑھتی رہی ہیں، اس لیے ان کی تعلیم وتربیت کی بابت بھی دریافت کرتے رہتے تھے، صدسالہ بلڈنگ میں منتقلی کے بعد ایک بار عشائیہ پر بندے نے اپنے اساتذۂ کرام اور احباب کو مدعو کیا، مغرب کے بعد کا وقت تھا، اس وقت آپ طحاوی شریف کا درس دیتے تھے؛ لیکن کمال شفقت دیکھئے آپ نے فرمایا میں دیر سے سہی؛ لیکن تمھارے یہاں ضرور آؤں گا؛ چنانچہ عشاء کے بعد آپ تشریف لائے اور بڑی بشاشت سے جو کچھ پیش کیا جاسکا، اس کو تناول فرمایا، بچوں کے سروں پر دستِ شفقت پھیرا اور اپنی خردنوازی، مروت اور

شفقت کے لازوال نقوش دلوں پر ثبت کر گئے۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

معاونت اہتمام اور فعالیت

لاک ڈاؤن کے سبب طویل تعلیمی تعطل کے دوران معزز اراکین مجلس شوری نے جب آپ کے کاندھوں پر مساعدت اہتمام کی ذمہ داری ڈال دی، تو آپ نے بڑی مستعدی اور تن دہی کے ساتھ اس خدمت گرامی کو انجام دیا، قبلہ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے لیے بڑا سہارا ثابت ہوئے، حضرت کے مشورے سے آپ نے سارے انتظامی شعبوں کو انتہائی متحرک وفعال بنادیا، تعلیمی تعطل کے ایام کو کارآمد بنانے کے لیے تحقیق وتصنیف اور اصلاحِ معاشرہ کی کمیٹیاں تشکیل دیں اور سارے اساتذہ کو کام میں لگادیا اور روزانہ کی بنیاد پر کارکردگی کا جائزہ لیتے رہے، جس سے دار العلوم کے اساتذہ اور عامۃ المسلمین کو خاطر خواہ فائدہ پہنچا، مستقبل میں بھی دار العلوم اور بہی خواہان دار العلوم کو آپ سے بڑی توقعات وابستہ تھیں؛ لیکن تقدیر ہر تدبیر اور تمنا پر غالب رہتی ہے۔

کلامِ الٰہی سے عشق اور جشن تکمیل حفظ

آخری بار آپ سے ملاقات ماہ شعبان کے اواخر میں دیوبند کی سب سے بڑی تقریب گاہ فردوس گارڈن میں ہوئی، جہاں آپ نے انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ اپنے پوتے حافظ محمد ہشام سلمہ بن جناب مفتی محمد عفان صاحب کے تکمیل حفظ کا پروگرام رکھا تھا اور شاندار پر تکلف عشائیہ کا بھی نظم تھا، اس مختصر اور باوقار پروگرام میں مخدوم گرامی حضرت مولانا سید ارشد مدنی حفظہ اللہ سمیت علم وعمل کی پوری ایک کہکشاں موجود تھی، میں نے اپنی زندگی میں تکمیل حفظ پر حضرت قاری صاحبؒ کی طرح کسی اور کو اس قدر اہتمام اور دل چسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ واقعی حضرت قاری صاحبؒ کو قرآن مقدس سے خاص لگاؤ تھا، آپ خود بھی اچھا قرآن پڑھتے تھے اور دونوں فرزندانِ گرامی اور پوتوں کی ایسی تربیت کی ہے کہ ان کی تلاوت سن کر سامعین کی روح سرشار ہوجاتی ہے۔ اس تقریب کے موقع پر علمی ودینی تحفہ کے عنوان سے

چند ورقی مضامین بھی سامعین میں تقسیم ہوے، جن میں آپ نے اپنے اوپر اللہ تعالی کے بعض اہم انعامات اوران کی ترغیب وتحریص پر انتہائی موثر اور متواضعانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔اس پروگرام کے بعد مجھے ایک سفر میں جانا تھا، میں نے ملاقات کی اور سفر کی بابت عرض کیا تو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ دعاؤں سے نوازا؛ لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ آخرت اور رب کریم سے ملاقات کے سفر پر تو دراصل آپ روانہ ہونے والے ہیں۔ **رحمه اللّٰه تعالیٰ رحمةً واسعةً وأسكنه فسيح جناته.**

(الجمعیۃ امیر الہند رابع نمبر ۱۸۶-۱۸۸)

اکابرِ دیوبند کی یادگار

مفتی امانت علی قاسمی اُستاذ و مفتی دارالعلوم وقف دیوبند

حضرت قاری صاحبؒ ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے ایک نمونہ تھے، آپ کی زندگی میں سادگی، تواضع، معصومیت، حسنِ صورت وقار، اتباعِ سنت، فکرِ آخرت، خلوص ومحبت، ملی درد اور قومی تڑپ سبھی نمایاں تھے، آپ کی زندگی ہمہ گیر و ہمہ جہت تھی، آپ عبقری صفات اور نابغۂ روزگار عالم دین تھے، آپ کے معمولات، زندگی کے شب وروز، اسفار اور ملی مسائل سے دلچسپی اور درس وتدریس میں آپ کا انہاک سب کچھ مثالی تھا، انتظام وانصرام کا ملکہ اور ذمہ داری کا احساس آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ ہمیں حضرت قاری صاحب سے قلبی طور پر بہت محبت تھی، آپ بھی بہت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے جب کبھی ملاقات ہوتی خیریت دریافت کرتے، ساتھ میں ناشتہ کھانا کھلاتے، خود کم گو تھے لیکن سوال کے جواب میں مکمل گفتگو کیا کرتے تھے، زمانۂ طالب علمی میں بھی آپ کی خدمت کی سعادت میسر ہوئی تھی اور آپ کے پاس رہ کر آپ کی قیمتی باتوں کو سننے اور اس سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا تھا، آپ کے جانے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم یتیم ہوگئے، ایک شفیق باپ کے سایے سے ہم محروم ہوگئے، آپ کی شفقتیں اور محبتیں یاد آتی ہیں اور ہمیشہ یاد آتی رہیں گی، یقیناً ہم ایک گوہرِ نایاب سے اور چمنستان قاسمی کے گلِ سرسبد سے محروم ہوگئے۔

روشن شب حیات کے مہتاب کی طرح
آتی ہے ان کی یاد حسیں خواب کی طرح
ممکن نہیں تم سے زمانہ ہو بے نیاز
تم تھے جہاں میں گوہرِ نایاب کی طرح

ہمہ جہت شخصیت

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کی مختلف جہتیں ہیں، آپ کی خدمات کا مختلف اور وسیع دائرہ کار رہے، آپ ایک طرف درس وتدریس کے ذریعہ علوم نبوت کے متوالوں کے درمیان جامِ شریعت لنڈھا رہے تھے، دوسری طرف وعظ وتقریر کے ذریعہ عام انسانوں کے ناخدا بن کر بیچ بھنور میں پھنسی ہچکولے کھا رہی ان کی کشتی کو ساحل پر لانے کی جد جہد کر رہے تھے، ایمان کے لٹیرے، لوگوں کے ایمان پر مختلف حیلے بہانوں سے ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں آپ راتوں کو جاگ کر لمبے لمبے ناقابل تحمل اسفار کر کے لوگوں میں بیداری پیدا کر کے ایمان کے لٹیروں کو پابند سلاسل کرنے اور ایمان سے برگشتہ ہو گئے لوگوں کو ایمان پر واپس لانے کی محنت کر رہے تھے۔ کچھ بہروپیے مال ومتاع کی لالچ میں نبوت کا دعوی کر کے ختمِ نبوت جیسی مضبوط و مستحکم بنیادوں کو ہلانے اور لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کرنے کی سعیِ نامشکور کر رہے ہیں آپ ایسے جھوٹے دھرم کے ٹھیکے داروں کی گرفت کرنے اور ان کے پر کترنے کے لیے رات دن ایک کر رہے تھے۔

ہندوستانی مسلمان اس وقت جن ناگفتہ بہ حالات سے گزر رہے ہیں، اقتصادی، ایمانی، سماجی اور سیاسی ہر اعتبار سے جس مایوسی کے شکار ہیں اور ادھر چند سالوں سے اسلام دشمن عناصر جس طرح کھلے عام دندنا رہے ہیں، ماب لنچنگ کے جو واقعات پیش آ رہے ہیں، مسلمانوں کا عرصۂ حیات تنگ کرنے، گھر واپسی کے نام سے ان سے ایمان کی عظیم دولت سلب کرنے کے لیے جس طرح سرکاری وغیر سرکاری وسائل کا استعمال کر کے مجبور و لاچار بنانے کی تگ و دو

کررہے ہیں جس کا نقشہ ڈاکٹر کلیم عاجز نے یوں کھینچا ہے:

وفا کا ہے کاروبار مندہ، جفاؤں کی ہیں کھلی دکانیں
شرارتوں کی تجارتیں ہیں ہرایک طرف مال آرہا ہے
حیات سہمی کھڑی ہوئی ہے گھڑی قیامت کی آپڑی ہے
کلیم جاگو قدم بڑھاؤ کہ وقت ہاتھوں سے جارہا ہے

ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری ہر متاع بے وقعت ہورہی ہے، آپ جیسی گراں مایہ ہستی کا رخصت ہوجانا جن کی زندگی سے ہماری زندگی کو تازگی وتوانائی حاصل ہوتی تھی ہماری محرومی کے علاوہ اور کیا ہے؟ ان حالات میں آپ کی شخصیت کی بڑی یاد آتی ہیں، آپ اگر چہ بادل کی طرح گرجتے نہیں تھے؛ لیکن بارش کی طرح برستے ضرور تھے، آپ کے جمعیۃ علماء کے پروگراموں کے بیانات اگر چہ بہت سنجیدہ ہوتے تھے؛ لیکن پورا مجمع ہمہ تن گوش ہوکر آپ کی باتوں کو سنتا تھا، آپ کے وہ بیانات حالات کے تعلق سے بہت کچھ بیان کرتے تھے، آپ بہت سی باتیں اشاروں میں اور بہت سی باتیں صاف لفظوں میں کہہ جاتے تھے، ہم نے بہت سے پروگراموں میں آپ کی جو باتیں سنی ہیں، اس میں آپ نے ملت کی اور خاص طور پر علماء طبقہ کی جو رہنمائی کی ہے وہ ان ناگفتہ بہ حالات میں یقیناً ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے۔ آج کے بگڑتے اور سلگتے ماحول میں آپ کی خاموش اور عظیم جدو جہد کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک موقع پر جمعیۃ کے پروگرام میں آپ نے صدارتی خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

عدم تشدد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی ہمیں ماررہا ہے تو ہم اس کے سامنے سپر ڈال دیں گے، ہم خود تشدد کا اقدام نہیں کریں گے لیکن اگر کوئی ہمارے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے، تو کیا ہم گھر میں گھس جائیں گے؟ آزادی کے بعد جب مسلمان خوف میں مبتلا تھے تو حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ خود کسی پر حملہ نہ کرو؛ لیکن اگر کوئی آپ پر حملہ کرے تو اتنا مقابلہ کرو کہ چھٹی کا دودھ یاد دلادو۔

دارالعلوم کے باوقار منتظم

یہ ایک حقیقت ہے، جس سے انکار ممکن نہیں کہ دارالعلوم کے موجودہ صدر المدرسین، امیر الہند حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کی نظامتِ تعلیمات کا زمانہ اور حضرت قاری صاحبؒ کی نیابت اہتمام کا عرصہ نشأۃ ثانیہ کے بعد دارالعلوم کا عہدِ زریں کہلانے کے لائق ہے، اس عہد میں تعلیمی وتعمیری ہر اعتبار سے دارالعلوم میں خوب ترقی ہوئی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنی عمر کے آخری مرحلے میں تھے اس لیے زیادہ تر اہتمام کا کام حضرت قاری صاحب کے ذمہ تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ اپنی ذمہ داریوں کے تئیں نہ صرف وفادار تھے؛ بلکہ پوری تندہی، لگن اور محنت سے کاموں کو انجام دیتے تھے، دارالعلوم کے تمام شعبوں پر آپ کی نظر ہوا کرتی تھی، اگر کوئی طالب علم رات کے ایک بجے یا دو بجے شکایت کردے، تو اسی وقت کاروائی ہوتی تھی، صبح کا انتظار نہیں کیا جاتا تھا، آپ جس وقت فائل یا چھوٹا بیگ لے کر اہتمام کی سیڑھیوں پر چڑھ رہے ہوتے، تو وہ منظر بھی بڑا قابل دید ہوتا تھا۔ ذمہ داریوں کا بوجھ چاہے کتنا ہی زیادہ ہو؛ لیکن آپ اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی نہیں کیا کرتے تھے، چھوٹی چھوٹی چیزوں پر بھی آپ کی نظر ہوا کرتی تھی، تمام شعبہ جات کی رپورٹ ہر وقت آپ کے پیش نظر رہا کرتی تھی۔ کون سا کام ہو رہا ہے اور کون سا کام نہیں ہو رہا ہے وہ سب ان کے علم میں ہوا کرتا تھا، کسی شعبہ میں کوئی صاحب ہوا اور ان کا کوئی کام آپ کے علم میں نہ ہو تو وہ متعلقہ حضرات سے معلوم کرتے کہ ان کا کیا کام ہے اور اگر کوئی متعلقہ کام کا ذمہ دار کام نہیں کر رہا ہوتا، تو آپ باز پرس کیا کرتے تھے؛ اس لیے آپ کے عہدِ نیابت میں لوگوں میں آپ کے وقار واحترام کے ساتھ ایک قسم کا خوف بھی پایا جاتا تھا، آپ جس شعبہ سے وابستہ ہوے اس میں روح پھونک دی، اس کو نئی جہت دے دی اس کی گرتی ہوئی دیوار کو نہ صرف سہارا دیا؛ بلکہ اس کی بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم بنا دیا۔

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے انتقال کے بعد جمعیۃ علماء کے اندرونی

اختلاف کی وجہ سے اربابِ شوریٰ نے دارالعلوم کے تحفظ و بقا کے لیے یہ فیصلہ لیا کہ جمعیۃ علماء اور دارالعلوم میں کسی ایک ہی عہدے پر رہنا ہوگا۔ اس موقع پر حضرت قاری صاحب نے نیابتِ اہتمام سے استعفیٰ دے دیا لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ حالات کے معمول پر آجانے کے بعد حضرت قاری صاحب دوبارہ کارگزار مہتمم بنائے گئے اور اس مرتبہ پھر سے گلستانِ قاسمی اور اس کے خوشہ چینیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور امید ہو چلی تھی کہ حضرت قاری صاحبؒ کے اہتمام میں تشریف لانے سے دارالعلوم کا وہ زریں عہد واپس آجائے گا، اس کی رونقیں دوبارہ بحال ہوجائیں گی لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، عمر عزیز نے وفا نہ کی اور حضرت اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

اس پیکر خلوص و محبت کو دفعۃً
لے کر گئی ہے زندگیِ جاوداں کہاں

انجمنوں کی سرپرستی

حضرت قاری صاحبؒ جس کام کی بھی ذمہ داری قبول کرتے اس کو اپنے مزاج و مذاق کے مطابق کامل و مکمل کرنے کی کوشش کرتے، آپ بھرتی کے عہدے لینے کے قائل نہیں تھے اور نہ ہی صرف نام پر اکتفا کرنا جانتے تھے، حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی انجمنوں کی اگر آپ سرپرستی یا نگرانی قبول کرتے تو آپ اس پر مکمل نگاہ رکھتے، اس انجمن سے شائع مضامین بھی آپ دیکھتے تھے۔ طلبہ ضلع بھاگل پور کی انجمن ''بزم سہول'' کے آپ سرپرست تھے، بارہا دیکھا کہ انجمن کے بارے میں معلوم کرتے، ماہنامہ ''آبشار'' کے مضامین پر نظر ڈالتے، اگر کوئی کوتاہی ہوتی، تو شفقت و محبت سے بتاتے۔ ایک مرتبہ بھاگل پور کے ایک طالب نے ''بزم سہول کی بدنظمی'' کے عنوان سے ایک مراسلہ راشٹر سہارا میں لکھ دیا جس میں میرے خلاف بھی خامہ فرسائی کی گئی تھی، میں اخبار لے کر حضرت قاری صاحبؒ کے پاس گیا، حضرت قاری صاحبؒ نے اخبار کا مضمون پڑھنے کے بعد اس طالب علم کو بلایا مضمون اگر چہ خلاف میں تھا لیکن ششم عربی کے طالب علم

کے قلم سے اردو زبان کا یہ بہترین تراشہ تھا؛ اس لیے میں نے محسوس کیا کہ قاری صاحبؒ نے صرف اس طالب علم کو زبانی سمجھانے پر اکتفا کیا اور کوئی بڑی کاروائی نہیں کی جب کہ ساتھیوں کا خیال تھا کہ حضرت قاری صاحبؒ کے پاس معاملہ جانے کی صورت میں اس کا اخراج ہوسکتا ہے۔ مدنی دارالمطالعہ کے آپ سرپرست تھے آپ مدنی دارلمطالعہ کی تمام تر سرگرمیوں سے واقف رہتے، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ طلبہ کسی بڑے استاذ کا نام سرپرستی میں ڈال دیتے ہیں بسا اوقات ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا ہے کہ میں کسی انجمن کا سرپرست ہوں اور دیواروں پر ان کے نام آویزاں ہوتے رہتے ہیں لیکن حضرت قاری صاحب اس سے بالکل مختلف تھے خاص طور پر آپ مدنی دارالمطالعہ کے پروگراموں سے بہت زیادہ باخبر رہا کرتے تھے، پروگرام میں ہونے والے مکالمہ کو حرف بحرف پڑھتے اور معلومات حاصل کرتے تھے اور کوئی چیز خلافِ شرع ہوتی تو فوراً متنبہ کیا کرتے تھے۔ عمر کے اس مرحلے میں جب کہ ذمہ داریوں کا بوجھ آپ کے ناتواں کاندھے کو بوجھل کر رہا تھا اس طرح کے چھوٹے چھوٹے کاموں پر نظر رکھنا یقیناً آپ کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

یادگارِ شیخ الاسلام

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی حضرت شیخ الاسلام سید مولانا حسین احمد مدنی کی یادگار معلوم ہوتی ہے، حضرت شیخ الاسلام کو جس طرح اللہ تعالی نے بے پناہ مقبولیت ومحبوبیت سے نوازا تھا اور آج بھی ان کا علمی و روحانی فیض جاری و ساری ہے، اسی طرح حضرت قاری صاحبؒ کو بھی اللہ تعالی نے بے پناہ محبت وعقیدت سے نوازا تھا، جمعیۃ علما کے اختلاف کے موقع پر نہ جانے کتنوں کی پگڑیاں اچھالی گئیں اور کیا کچھ ہفوات بکے گئے، شخصیات کی دھجیاں اڑائی گئیں لیکن ان تمام ہنگامہ خیزی کے دوران جاننے والے اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ مخالفین بھی حضرت قاری صاحب کی شخصیت کو نشانہ نہیں بناتے تھے اور ان تمام تر رستاخیزیوں کے درمیان حضرت قاری صاحبؒ کی عظمت وشخصیت پر حرف نہیں آیا اور نہ ہی حضرت قاری

صاحب کو کبھی کسی جگہ کوئی اختلافی جملہ زبان سے نکالتے ہوئے سنا گیا۔

حضرت شیخ الاسلام کی زندگی عزم و ہمت کی عظیم مثال ہے، آپ کے معمولات حیرت انگیز ہیں جو عام انسان نوجوانی میں بھی نہیں کرسکتا وہ حضرت شیخ الاسلام پیرانہ سالی میں بھی معمول کے مطابق کیا کرتے تھے، آپ کی زندگی کی کوئی ایک جہت نہیں تھی ایک طرف درس و تدریس کا مشغلہ ہے، تو دوسری طرف دعوت وارشاد کی ہمہ ہمی، کبھی نظم وانتظام کی مصروفیات ہے تو کسی آن میٹنگوں کی گرم بازاری، کبھی حضر میں اپنے دائمی معمولات پر ہیں تو کبھی سفر میں متعینہ پروگرموں میں سرگرم عمل، آپ کے اسفار صرف دعوتی نقطۂ نظر سے ہوتے تھے، امت میں شعور پیدا ہو، ان کا سویا ہوا ضمیر جاگ جائے، ان کی حمیتِ اسلامی خوابِ غفلت سے بیدار ہو، ان کا ایمان ان کے اعمال کے ساتھ سرگرم ہو جائے، یہی آپ کے اسفار کی غرض وغایت تھی، اسی وجہ سے انتہائی تھکا دینے والے سفر سے بھی آپ گریز نہیں کرتے تھے۔ بھاگل پور میں حضرت شیخ الاسلام ان علاقوں میں جایا کرتے تھے جہاں آج کے ترقی یافتہ زمانہ میں بھی سواری کی بہت زیادہ سہولت موجود نہیں ہے۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ کئی کئی کیلومیٹر کا سفر پیدل کیا کرتے تھے اور ایسے گاؤں میں جہاں ضروریات کی بنیادی چیزیں بھی دستیاب نہ ہوں وہاں بھی قیام کرلیا کرتے تھے۔ دعوت وتبلیغ کے اسفار کے تعلق سے اسیران مالٹا میں لکھا ہے کہ:

> ایک دن میں کئی کئی جلسے نمٹا دینا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک معمولی واقعہ تھا جو سیکڑوں مرتبہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ شام کو پانچ بجے دیوبند سے دہلی تشریف لے جاکر علی جان والوں کی کوٹھی میں کسی میٹنگ میں شرکت فرماتے ہیں، کئی گھنٹے اس میں انتہائی انہماک کے بعد فوراً ہی دہلی سے شاہدرہ کی راہ سے نانوتہ پہنچتے ہیں، وہاں جلسہ میں تقریر کرتے ہیں، اور وہاں سے سہارنپور آتے ہیں اور پھر جاکر وعظ فرماتے ہیں، اور پھر ایک دم لوٹتے ہیں اور دیوبند تشریف لے جاتے ہیں، اور یہ سب امور تعطیل کے دن میں تکمیل پذیر ہوجاتے ہیں، اور سبق نہ جمعرات کا ناغہ ہوتا اور نہ شب شنبہ کا۔
> (اسیرانِ مالٹا ص: ۳۴۵)

حضرت قاری صاحبؒ کی ذات میں حضرت شیخ الاسلام کی بہت سی باتیں جمع ہوگئیں تھیں، آپ سفر کے تعلق سے بالکل حضرت شیخ الاسلام کے روش پر قائم تھے اور طویل طویل سفر کرلیا کرتے تھے، ایک ایک سفر میں بہت سے پروگرام کو ترتیب دیتے تھے اور اس طرح پروگرام مرتب کرتے کہ میزبان پر بار نہ آئے، اگر بہار میں دو جگہ کا سفر ہے تو ایک جگہ سے آمد کا اور ایک جگہ سے واپسی کا ٹکٹ وصول کرتے۔ آپ کے اسفار مادی غرض اور دنیاوی منافع سے بالکل خالی ہوتے تھے۔ آپ ایک ایک دن میں کئی کئی سفر کرتے اور واپسی میں درس وتدریس کا حرج ہونے نہیں دیتے تھے۔ حضرت قاری صاحب کی خاص بات یہ ہے کہ تدریسی زندگی سے وابستہ ہونے کے باوجود عوام سے بہت مربوط تھے، عام لوگوں کے نکاح و جنازہ میں بھی شرکت کیا کرتے تھے اس کے علاوہ جہاں کہیں پروگرام میں شرکت کی دعوت ملی اور ممکن ہوا تو ضرور تشریف لے جاتے کسی جگہ تشریف لے گئے وہاں لوگوں نے کہا حضرت ہمارے گھر پر آپ کا مبارک قدم پڑ جائے آپ کی دعا ہمیں مل جائے تو ہمارے لیے سعادت کی بات ہوگی، آپ کے لیے وقت میں گنجائش ہوئی تو سامنے والے کی بات قبول کر لیتے، آپ کی خطابت میں آتش بیانی نہیں تھی، لیکن سنجیدگی اور درد تھا، آپ کی تقریروں میں جادو بیانی اور خطابت کی گھن گرج نہیں تھی لیکن دل سے کی گئی باتیں ہوتی تھیں اس لیے اثر رکھتی تھیں لوگ ہمہ تن آپ کی باتیں سنتے تھے۔

بھاگل پور سے آپ کا ربط وتعلق

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ضلع بھاگل پور سے ایک خاص ربط وتعلق تھا، حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ لیگی بدمعاشوں نے ۱۹۴۵ء میں بڑی بدتمیزی کی تھی، جس کی تفصیل مولانا محمد میاں صاحبؒ نے اسیران مالٹا اور علماء حق کے مجاہدانہ کارناموں میں لکھ دی ہے؛ لیکن ہر شر سے خیر کا پہلو نکلتا ہے اس بدتمیزی کی وجہ سے ایک خاص حلقے میں حضرت شیخ الاسلام کے لیے فدائین اور انصار اللہ کا دستہ تیار ہوگیا، اسی مناسبت سے حضرت شیخ الاسلام آزادی کے بعد بھی بھاگل پور جایا کرتے تھے۔ حضرت قاری صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کی اس روایت کو

برقرار رکھا، آپ ہر سال بھاگل پور کا کم از کم ایک سفر ضرور کرتے تھے، اس میں مختلف جگہوں پر آپ تشریف لے جاتے تھے، خاص طور پر چمپانگر کے مشہور مدرسہ ''اصلاح المسلمین'' کے ختم بخاری کے پروگرام میں ضرور تشریف لے جاتے تھے، اصلاح المسلمین میں بخاری شریف کے اختتام کے موقع سے اب تک تقریباً تیرہ چودہ سال لگا تار آپ بخاری شریف ختم کرانے وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ کئی جگہوں پر امتحان لیتے، ختم نبوت کا پروگرام کرتے او راس کا سالانہ جائزہ لیتے اس طرح چند دنوں کے سفر میں آپ بہت سے ضروری کام کیا کرتے تھے۔ حضرت قاری صاحب کی سالانہ آمد کا اثر یہ تھا کہ لوگوں میں آپ کے تئیں بے پناہ عقیدت ہوگئی تھی، لوگ آپ کا انتظار کرتے تھے، آپ سے ملنے کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے، حضرت قاری صاحبؒ کے بھاگل پور سے اسی ربط وتعلق کا نتیجہ تھا کہ احقر کا بھی آپ کے ساتھ خاص تعلق ہوگیا تھا، جب ۲۰۰۷ء میں بخاری کا افتتاح ہونے جارہا تھا تو مہتمم مدرسہ حضرت مولانا قاری محمد اسعد صاحب دامت برکاتہم نے حضرت قاری صاحبؒ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ ثانی حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحبؒ کو مدعو کیا تھا اور مجھے ان دونوں حضرات کا خادم بنا کر بھیجا گیا تھا، اتفاق ایسا ہوا کہ اس موقع پر حضرت قاری صاحب کسی پروگرام کی وجہ سے ایک دن پہلے ہی پٹنہ تشریف لے گئے تھے اور اس طرح میں حضرت قاری صاحب کے ساتھ سفر کی معیت سے محروم ہوگیا تھا؛ لیکن اس کے بعد بارہا آپ سے ملاقات ہوتی تھی، حیدرآباد میں بھی اور جمعیۃ علماء کے تحت مباحث فقہیہ کے پروگراموں میں بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا۔ آپ اس حقیر کے ساتھ بڑی محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے اور بھاگل پور کے متعدد حضرات کے بارے میں معلوم کرتے۔ ایک مرتبہ مباحثِ فقہیہ کے پروگرام کے دوران ملاقات پر میں نے درخواست کی کہ آپ کا بھاگل پور کا پروگرام ہے اور ہمارے خسر جناب مولانا شمیم احمد صاحب کا مدرسہ ہے ان کی خواہش ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا قدم مبارک ان کے مدرسے میں پڑ جائے ان کو بہت خوشی ہوگی۔ حضرت قاری صاحب نے میری گزارش کو منظور فرمالیا اور جب بھاگل پور

تشریف لے گئے تو منتظمین سے معلوم کیا کہ مفتی امانت کے خسر کا مدرسہ کہاں ہے؟ اور پھر حضرت قاری صاحب مدرسہ تشریف لے گئے، جس سے وہاں کے لوگوں کو بے پناہ خوشی ہوئی، انہوں نے حضرت قاری صاحب کو کچھ ہدیہ پیش کیا تو حضرت قاری صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اس لیے کہ آپ کا سفر مادی منافع اور دنیوی غرض کے لیے نہیں ہوا کرتا تھا۔

بھاگل پور میں حضرت قاری صاحب چمپانگر اور ناتھ نگر کے علاوہ خاص طور پر کروڈیہہ ضرور تشریف لے جاتے تھے، چمپانگر میں حضرت کے درسی ساتھی مولانا محمد ظہیر صاحبؒ تھے، جب بھی آپ وہاں تشریف لے جاتے تو ان کے گھر بھی تشریف لے جاتے تھے اور ایک وقت کا کھانا تناول فرماتے تھے۔ ۲۰۱۳ء حضرت قاری صاحبؒ بھاگل پور تشریف لائے ہوئے تھے اور جمعیۃ علماء بھاگل پور کے صدر حضرت مولانا قمر الہدیٰ صاحب مفتاحیؒ (سابق مہتمم مدرسہ احیاء العلوم ناتھ نگر) کے انتقال کے بعد حضرت کو ان کے صاحبزادے مولانا ارشد ناظری صاحب اور مولانا اسجد ناظری نظر صاحب سے تعزیت کرنے اور تعزیتی پروگرام میں شرکت کرنے چمپانگر آنا تھا، حضرت قاری صاحبؒ کروڈیہہ میں حافظ صالح صاحبؒ جو حضرت شیخ الاسلامؒ کے مرید خاص تھے ان کے گھر پر قیام پذیر تھے چمپانگر سے ایک قافلہ حضرت قاری صاحب کو لانے کے لیے کروڈیہہ گیا تو میں بھی اس قافلہ کا ایک رکن تھا، کروڈیہہ شہر سے قریب بیس کیلومیٹر دور شہری سہولیات سے محروم ایک گاؤں ہے جہاں اب بھی سواری کی بہت اچھی سہولت نہیں ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ آج سے ستر سال قبل کس طرح اس گاؤں کا دورہ کرتے تھے اور وہاں قیام کرتے تھے، جب میں وہاں پہنچا تو حضرت کا قیام جس مکان میں تھا وہ ابھی زیر تعمیر تھا اور مکان میں پلاسٹر نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کھڑکی دروازے لگے تھے جب کے سردی کے اَیام تھے، وہاں حضرت قاری صاحبؒ کو دیکھ کر بے ساختہ ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ آپ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔

❍❖❍

اکابر واسلاف کی روایات کے امین

اُستاذ العلماء حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ

مولانا قاری شفیق الرحمٰن بلند شہری اُستاذ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند

میرے مشفق و مربی اور انتہائی محسن استاذ گرامی قدر حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہ امیر الہند وصدر جمعیۃ علماء ہند، قائم مقام مہتمم و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، ہم سے جدا ہو کر جوار رحمت الٰہی میں تشریف لے گئے، استاذ گرامی ایسے نازک وقت میں ہم سے جدا ہوے ہیں، جب کہ آج ان کی دارالعلوم دیوبند اور پوری امت مسلمہ کو پہلے سے زیادہ ضرورت تھی۔ حضرت قاری صاحب مرحوم انتہائی سادہ، متواضع اور منکسر المزاج مگر نہایت باوقار، مخلص، دیانت دار، خوش اخلاق، خوش گفتار، خوب سیرت اور خوبصورت، اعلیٰ درجہ کے منتظم اور دیگر بے شمار خصوصیات کے حامل تھے۔ وہ اکابر کی پاکیزہ روایات کے امین اور اسلاف عظام اور صالحین کی یادگار تھے۔ خوش اخلاق اتنے تھے کہ جو ایک مرتبہ آپ سے مل لیتا وہ ہمیشہ کے لیے آپ کا ہو کر رہ جاتا تھا۔ آپ اپنے چھوٹوں کے ساتھ انتہائی شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے، سفر میں ہوں یا حضر میں ہمیشہ آپ کا معاملہ یکساں رہتا تھا۔ سفر میں بطور خاص اپنے ہمراہیوں کا خاص خیال فرماتے تھے، جو اپنے لیے پسند کرتے وہی دوسرے ساتھیوں کے لیے پسند فرماتے۔ اگر سفر طویل ہے اور آرام کی ضرورت ہے تو آدھے وقت آپ آرام فرماتے اور آدھے راستے اپنے ساتھی کو آرام کے لیے حکماً فرماتے؛ بلکہ کار کے سفر میں گاڑی روک کر

اتر جاتے اور فرماتے اب آپ جاؤ اور پیچھے والی سیٹ پر آرام کرو، اسی طرح درمیان سفر میں چائے اور خورد ونوش میں بھی دوسروں کا اپنے سے پہلے خیال فرماتے۔

میں جب ۱۹۹۱ء میں دارالعلوم میں مدرس ہو کر آیا تو حضرت قاری صاحب کے ساتھ متعدد اسفار میں جانا ہوا ہمیشہ اسی شفقت اور مہربانی اور خورد نوازی کا مظاہرہ آپ کی طرف سے ہوا اور عمر کے آخر تک یہی معاملہ ہر ایک کے ساتھ آپ کا رہا۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ آپ بہت کامیاب اور نہایت ذی استعداد، عمدہ اور بے مثال مدرس اور معلم بھی تھے، عمر کے نہائی حصہ میں درسِ حدیث میں خاص شغف رہا، دیگر اسباق کے علاوہ دورۂ حدیث شریف میں طحاوی شریف کا درس آپ سے متعلق تھا، اس سے پہلے ہر علم وفن کی کتابیں آپ سے متعلق رہیں اور ہر کتاب کا حق ادا کرتے ہوئے مکمل کامیابی کے ساتھ وقت سے پہلے آپ کی کتابیں مکمل ہو جاتی تھیں۔ درس میں آپ کی تقریر ہمیشہ مسلسل اور مربوط رہتی، زبان بہت شستہ اور آسان استعمال فرماتے۔ طویل تقریر سے ہمیشہ احتراز فرماتے، البتہ ضروری مباحث ہر کتاب میں موضوع درس رہتے، کسی بھی بحث کو کبھی تشنہ نہیں چھوڑتے تھے۔

۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۳ء کی بات ہے، بندہ نے آپ سے مقامات حریری، اس کے بعد البلاغۃ الواضحہ، نور الانوار اس کے بعد عقیدۃ الطحاوی پنجم عربی کے سال پڑھی ہیں، آپ ہمیشہ گھنٹے سے پہلے درس گاہ کے باہر کھڑے ہوئے موجود ہوتے، گھنٹہ شروع ہوتے ہی آپ کا درس شروع ہو جاتا، آپ مکمل گھنٹہ پڑھاتے اور گھنٹے کی آواز سن کر سبق ختم فرماتے، ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ سبق میں کبھی غیر ضروری بات نہیں فرماتے، درس میں اندازِ تقریر ایسا دل کش اور دل نشیں ہوتا کہ گھنٹہ منٹوں میں ختم ہو جاتا، آپ کی گفتگو درس میں ہوتی یا کسی نجی مجلس میں ہمیشہ اس طرح ہوتی گویا کہ آپ کے دہن مبارک سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

جلسوں میں آپ کی تقریر

یہی حال آپ کی جلسوں کی تقریر کا بھی ہوتا، تمام تقریر مسکراتے ہوئے مکمل فرماتے عموی

تقاریر قرآن پاک کی آیات اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہوتی تھیں، اِدھر ادھر کی باتیں اور قصے کہانیوں سے ہمیشہ آپ گریز فرماتے، اگر خواص کا مجمع ہے تو انہیں کے مناسب خطاب فرماتے، قرآن پاک کی کسی آیت یا کسی حدیث سے گفتگو کا آغاز فرماتے اور پھر آیت کہاں مجمل ہے کہاں مفصل ہے بیان فرماتے۔ نیز فرماتے کہ دیکھیے! قرآن پاک اوراس کے مضامین کتنے آسان ہیں، انہیں کے ذریعہ اہل علم کو تقاریر کرنی چاہیے، یہ زیادہ مؤثر ہوتی ہیں، اسی طرح احادیث کے بھی مختلف گوشوں پر بحث فرماتے۔ بسا اوقات کسی ایک حدیث کو اپنی تقریر کا محور بناتے اوراس کی مختلف انداز سے تشریح کرتے، اس کے ضمن میں اہل علم وفن کے اقوال وآراء نقل فرماتے، غرض ہر طرح سے آپ کی عوامی اور خصوصی تقاریر قرآن وحدیث اوران سے متعلقہ مضامین پر مشتمل ہوتی تھیں۔

تقریر میں اندازِ گفتگو ہمیشہ انتہائی سنجیدہ اور پر وقار ہوتا، عام مقررین کی طرح جوش وخروش آپ کی تقریر میں عموماً نہیں ہوتا تھا؛ البتہ اگر ایمانیات وعقائد کا مسئلہ ہوتا تو پھر آپ کی آواز اور لہجہ کا مدوجزر قابل دید وشنید ہوتا، آپ اس وقت ایک مردِ مجاہد اور میدان کارزار کے سپاہی؛ بلکہ امیر المجاہدین کا کردار ادا کرتے نظر آتے تھے؛ تاہم اس جوش وخروش میں بھی کبھی گفتگو کے اعلی معیار سے نیچے نہیں آتے تھے۔

قرأت کانفرنس کفلیتہ گجرات میں آپ کا شاندار خطاب

جب کسی خاص موضوع پر یا خاص مجمع میں آپ کو مستقل کسی عنوان کے تحت تقریر کرنی ہوتی، تو اس کی پہلے سے خوب تیاری فرماتے کتابوں سے مراجعت فرماتے۔ حوالے لکھتے نوٹس تیار فرماتے اگر ضرورت ہوتی موضوع سے متعلق دلچسپی رکھنے والے حضرات سے مشورہ فرماتے اور پھر مکمل تیاری کے ساتھ خطاب فرماتے۔ چند سال پہلے کی بات ہے، جامع القراءات کفلیتہ گجرات میں اس عظیم فنِ قرأت کی خدمات کے موضوع پر ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ قاری محمد اسماعیل صاحب بسم اللہ اس کانفرنس کے داعی تھے۔ علماء اور قراء کی بڑی تعداد موجود

تھی، خصوصاً علم قراءت سے تعلق رکھنے والی شخصیات کی اتنی بڑی تعداد کہیں جمع نہیں ہوتی جو اس کانفرنس میں موجود تھی۔ حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد عثمان صاحب علیہ الرحمہ بھی مدعو تھے اور مغرب کے بعد والی نشست میں حضرت کو خطاب کرنا تھا، چنانچہ حضرت قاری صاحب تشریف لائے اور تقریباً ایک گھنٹہ آپ کا اس فن شریف پر نہایت عمدہ اور زریں خطاب ہوا۔ حاضرین و سامعین عش عش کرنے لگے۔ حیرت زدہ تھے کہ آپ کا یہ شغف نہیں ہے، پھر بھی اتنی عمدہ اور لاجواب تقریر فرمائی۔ میں خود بھی اس تقریر میں موجود تھا اس تقریر میں آپ نے علم تجوید، علم قرأت اس کی تعریف، غرض وغایت، قرأت متواترہ اور شاذہ اور ان سب کا حکم؛ اسی طرح قراءاتِ سبعہ اور عشرہ کا فرق اور ان کے نزول کی کیفیت اور احوال اور پھر اس فن میں اپنی سند اور اس کو درساً درساً پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب موضوعات پر سیر حاصل بحث فرمائی۔ جو علماء اس فن سے ناواقف تھے، یا اس کی طرف سے بے اعتنائی برتنے والے تھے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ غرض یہ کہ ہر تقریر اور خطاب ہمیشہ مکمل تیاری کے ساتھ ہوتا تھا۔ اللہ تعالی حضرت کو اپنی شانِ عالی کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

فن تجوید و قرأت سے خاص شغف
اور اس فن میں آپ کے استاذ گرامی

جیسا کہ اوپر کی سطور سے معلوم ہو چکا ہے کہ فن قراءت سے بھی آپ کو خصوصی دلچسپی تھی؛ بلکہ اس فن میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس فن کو من اولہ الی آخرہ باقاعدہ درسیات کے ساتھ کئی سالوں تک اپنے محبوب استاذ گرامی حضرت مولانا قاری المقری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاب گڑھی علیہ الرحمہ سابق شیخ القراء دارالعلوم دیوبند سے پڑھا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں اس زمانے کے رجسٹروں میں آپ کی حاضری درج ہے۔ حضرت قاری عثمان صاحب کو اپنے استاذ گرامی حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم سے انتہائی تعلق تھا، ادھر استاذ صاحب کو بھی اپنے شاگرد سے گہرا تعلق اور ان پر بڑا اعتماد تھا۔

حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب نے جن شاگردوں کو خاص اس فن کے لیے تیار کیا تھا ان میں حضرت قاری عثمان صاحب کا نام بھی حضرت قاری صاحب شمار کراتے تھے۔

اُستاذ گرامی حضرت قاری المقری حفظ الرحمٰن صاحبؒ

استاذ الاساتذہ حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ فن قراءات کے ساتھ مختلف عربی لہجوں کے بھی ماہر تھے اور آواز بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت صاف و شیریں خوبصورت، بلند و بالا عطا فرمائی تھی، اس عظیم فن کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ سب اللہ تعالیٰ نے وافر درجہ میں قاری صاحب کو عطا فرمائی تھیں؛ چنانچہ آپ کی ادائیگی حروف اور لب ولہجہ غضب کا تھا، اسی طرح پورا فن آپ کو ازبر تھا، زبانی یاد تھا، کبھی کتاب دیکھنے کی آپ کو ضرورت پیش نہیں آتی تھی، خود فرماتے تھے کہ میرے پاس جو بھی ہے وہ سب استاذ محترم کا یاد کرایا ہوا ہے۔ قاری حفظ الرحمٰن صاحب نے مکمل فن قرأت ملک القراء حضرت مولانا علامہ المقری عبدالرحمٰن صاحب مکی علیہ الرحمہ سے پڑھا تھا۔ تقریباً پانچ سال استاذ محترم کی خدمت میں رہ کر آپ نے پڑھا اور خدمت بھی کی۔ خدمت کے التزام کا یہ عالم تھا کہ پورے سال میں صرف ایک مرتبہ چند دنوں کی چھٹی ملتی تھی اور اس کی صورت یہ تھی کہ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب سال میں ایک مرتبہ سرہند شریف تشریف لے جاتے تھے۔ قاری حفظ الرحمٰن صاحب کی ڈیوٹی یہ تھی کہ استاذ صاحب کو لکھنؤ سے ٹرین پر سوار کراتے اور واپسی میں پھر لکھنؤ اسٹیشن پر موجود رہتے۔ غالباً ایک ہفتہ اس سفر میں لگ جاتا بس انہیں ایام کی چھٹی پورے سال میں ملتی، اس التزام کے ساتھ قاری حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنے استاذ صاحب سے پڑھا تھا اور اسی التزام اور پابندی کے ساتھ حضرت قاری عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھی اپنے استاذ محترم قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے پڑھا تھا۔ اسی لیے درسی کتب میں جب بھی قرأت سے متعلق کوئی مسئلہ آتا تو قاری عثمان صاحب اس کو انتہائی بشاشت اور کمال دل چسپی کے ساتھ جھوم جھوم کر تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔

ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کے ساتھ اسفار

تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر آپ نے دہلی اور اس کے اطراف میں بہت سے پروگرام منعقد کیے اور دہلی ہی کیا جہاں سے بھی اس فتنہ کے بارے میں کوئی اطلاع ملتی کہ وہاں قادیانیوں نے سر اٹھایا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، تو بس آپ بے چین اور فکر مند ہو جاتے۔ اس کے لیے پروگرام مرتب کرتے، مشورہ کرتے، وہاں کے علماء کو جوڑتے، ان کے سامنے مسئلہ کی اہمیت و نزاکت کو بیان کرتے۔ وہاں جلسے کرتے، کتابچے مرتب کر کے اردو ہندی وغیرہ میں تقسیم کرتے اور ایک ایسا ماحول تیار کرتے کہ قادیانیوں کے وہاں سے پیرا کھڑ جاتے اور وہ اپنے پروگرام میں ناکام ہو جاتے۔ ایسا بہت سی جگہ ہوا اور قادیانی اپنے دجل و فریب میں ناکام ہوے۔ اس سلسلہ میں بندہ کو بھی بہت سی مرتبہ حضرت قاری صاحب کے ہمراہ جانا ہوا۔ اکثر جمعرات کی شام کو آپ ساتھ لے جاتے، جمعہ کی نماز میں مختلف مقامات پر پروگرام ہوتے اور شام کی ٹرین سے دیوبند واپس آتے، کبھی کئی کئی روز کے اسفار بھی ہوتے، بندہ جن مقامات پر حضرت کے ہمراہ سفر میں رہا ان میں سے چند اس وقت ذہن میں ہیں۔ مثلاً علی گڈھ، خورجہ، بلند شہر، دہلی اور اطراف دہلی (متعدد مرتبہ) جے پور، نول گڑھ، لوسل اور راجستھان کے بہت سے مقامات جو اس وقت ذہن میں نہیں ہیں۔

قادنیوں کے مرکز سادھن کا سفر

ایک مرتبہ حضرت قاری صاحب کے حکم سے آگرہ اور ضلع متھرا کے وہ مقامات جہاں قادیانیوں کے مراکز اور اڈے تھے ان جگہوں کے سفر ہوے اور تقریباً دس روز میں ہم لوگ سفر سے واپس دیوبند لوٹے اس سفر میں محترم جناب مولانا شاہ عالم صاحب استاذ تحفظ ختم نبوت بھی شامل تھے، اس زمانہ میں موبائل وغیرہ کی سہولت دستیاب نہیں تھی، اس لیے حضرت قاری صاحب دیوبند میں رہ کر اس سفر میں ہم لوگوں کی کامیابی کے لیے بہت انہماک سے دعا فرماتے رہے۔

اسی سفر میں گاؤں سادھن ضلع متھرا جہاں قادیانیوں کا مرکز تھا وہاں بھی جانا ہوا اور ان

کے مرکز میں بھی بیٹھ کر قادیانی مبلغ اوراس کے چیلوں سے نرم وگرم گفتگو بھی ہوئی، جو گھنٹوں چلی اوراس میں وہ لاجواب ہوے، وہاں ایک صاحب جو مبلغ بنے ہوے تھے وہ خود کو قاسمی کہتے تھے ان کے دجل وفریب کا بھی پردہ چاک ہوا، وہ جھوٹ بول کر وہاں لوگوں کو گمراہ کررہے تھے۔
بندہ کو بھی مدرسی کے ابتدائی دور میں (یہ زمانہ ۱۹۹۵ء اوراس کے قریب کا زمانہ ہے) مسئلہ ختم نبوت اوراس کے متعلق جملہ موضوعات سے کافی دلچسپی تھی اور یہ سب حضرت الاستاذ قاری صاحب کی وجہ سے تھا؛ اسی لیے اگر کہیں سے کوئی پروگرام کی اطلاع آتی تو حضرت والا دیگر حضرات کے ساتھ بندہ کو بھی شامل فرمادیتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام

۱۹۸۲ء میں جب دارالعلوم دیوبند میں عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کا انعقاد عمل میں آیا تو حضرت قاری صاحب ہی اس کے امیر اور منتظم اعلی تھے، اسی موقع پر کل ہند مجلس تحفظ کا قیام عمل میں آیا اور آپ اس کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوے اور عمر کے آخر تک اس پر فائز رہے۔ آپ کی نگرانی میں اس ادارہ نے ملک اور بیرون ملک اس خبیث فتنہ کی سرکوبی کے لیے ایسی عظیم الشان خدمات انجام دیں جو دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک زریں اور حسین باب ہے، یہ تمام تر خدمات آپ کے ایمانی جذبے اور انتھک محنت اور تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں انتہائی احساسات اور جذبات کا نتیجہ ہیں۔ آپ نے مسئلہ ختم نبوت اور آبروئے تاج ختم نبوت کو اپنی زندگی بھر کا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، آپ اس کے لیے انتھک محنتیں کرتے اوراس کو اپنی ابدی سعادت کا ذریعہ سمجھتے تھے، اللہ تعالی ان خدمات کے بدلہ میں آپ کو اپنے قرب کا خاص مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

جان کر من جملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

پیارے بھائی جان!

محترمہ صفیہ صاحبہ ہمشیرہ حضرت امیر الہند

ہم لوگ منصور پور کے رہنے والے ہیں، ہمارے والد ماجد دیوبند آگئے تھے، میں اس وقت ۶ ؍سال کی ہوں گی، دیوبند آنے کے تین سال بعد والد ماجد کا انتقال ہوگیا، ان کا دیوبند آنے کا مقصد یہی تھا کہ میں وہیں کے قبرستان میں دفن ہوں، ہم نے تو ان کو بیماری ہی دیکھا تھا، ان کا انتقال بھی مجھے ہلکا ہلکا یاد ہے، اس کے بعد ہم واپس منصور پور چلے گئے تھے، مگر بھیا اور بھائی داؤد دیوبند ہی رہے، ماشاء اللہ بھیا نے تو پوری تعلیم حاصل کی تھی، جس کا نتیجہ آج سب کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے بھائی کو کروٹ کروٹ بہشت عطا فرمائے، منصور پور جانے کے کچھ سال بعد بھیا کی شادی ہوگئی تھی، رشتہ تو والد صاحب خود کر گئے تھے، مگر اللہ نے انھیں اتنی زندگی نہیں دی کہ شادی بھی کرادیتے، ہم پانچ بھائی بہن تھے، اب تو ہم دو بہنیں ہیں، ایک بہن سب سے بڑی ہیں، تینوں بھائی ہم دونوں کو روتا بلکتا چھوڑ گئے، والد ماجد کے بعد امی صاحبہ اور بھائیوں کے سایے میں زندگی گزاری، کبھی بھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، میرے تینوں بھائی بہت اچھے تھے، مگر بھیا عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا تو الگ ہی مزاج تھا، میرے پاس ان کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ہیں، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میں اب یتیم ہوئی ہوں، اس قدر محبت کرنے والا بھائی اپنے مالکِ حقیقی سے جاملا، آج ایک مہینہ ہوگیا ہے، مگر صبر نہیں آرہا ہے، ماشاء اللہ میری تینوں بھابھیاں بھی بہت اچھی ہیں اور بھابھی عمرانہ مری بھابھی

ہی نہیں بلکہ میری استاذ بھی ہیں، میں آج جو کچھ بھی ہوں انہی کی وجہ سے ہوں، پڑھنے لکھنے سے لے کر سلائی، کڑھائی، بنائی سب کچھ انھوں نے ہی سکھایا ہے، امی سے تو صرف قرآن پڑھا تھا، ماشاءاللہ تینوں بھابھیوں کے بچے بچیاں بھی بہت اچھے ہیں، دونوں پھوپھیوں پر جان چھڑکتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ چاروں بھتیجوں اور پانچوں بھتیجیوں پر اپنی نظر رحمت فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ رکھے، ہر طرح کے شرور وفتن سے بچائے۔ (آمین)

ہماری ایک بڑی بہن آپا ساجدہ بھی ہیں، سیکری میں رہتی ہیں، وہ ہمارے تائے ابا کی بیٹی ہیں، وہ بہت چھوٹی تھیں تو ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا، اس کے بعد دادی کے پاس رہیں، پھر امی کی شادی ہوگئی، تو امی کے پاس رہتی تھیں، وہ امی کو بالکل اپنی ماں کی طرح سمجھتی تھیں، ہم بھی ان کو بڑی بہن مانتے ہیں، جب بھیا کی طبیعت خراب تھی، تبھی ان کی بھی طبیعت بہت خراب تھی، اللہ کا شکر ہے، اب ان کی طبیعت ٹھیک ہے، کمزوری باقی ہے، ان شاءاللہ جلد کمزوری بھی دور ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمارے والدین اور تینوں بھائیوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ عطا فرمائے آمین، ان کی قبروں کو تاحدِ نظر بڑھائے اور اپنے نور سے بھر دے اور ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی پوری پوری توفیق عطا فرمائے اور ہمیں سچی توبہ اور خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے، آمین

فقط والسلام
دعاؤں کی محتاج
صفیہ

بہت یاد آئیں گے ''دادے اَبا''

مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری استاذ مدرسہ حیات العلوم مرادآباد

شفقت ومحبت کے پیکرِ محسوس، حیاء وشرم کا نمونہ، حسن و جمال کا مجسمۂ بے مثال، رعب ودبدبہ کا جیتا جاگتا کردار، اصول پسندی کے خوگر، نظم وانتظام کے ماہر، مرتب انداز میں سلیقہ مندی کے ساتھ کام کرنے کے عادی، ٹھہر ٹھہر کر دل نشیں انداز میں سبق سمجھا دینے والے، فرقِ باطلہ کے لئے ننگی تلوار، قوم وملت کے عظیم رہنما، عظیم المرتبت ہمارے دادا جان امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ تعالیٰ و برد اللہ مضجعہ معاون مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند، ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت افسوس صد افسوس ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر ۷۶؍سال کی صاف ستھری زندگی گذار کر اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے انتقال کو کئی مہینے گذر چکے ہیں؛ لیکن ابھی تک یقین نہیں آتا اور نہ ہمت ہوتی ہے کہ دادے ابا کے بارے میں کچھ کہا یا لکھا جائے، بلکہ ابھی بھی دل میں یہ احساس رہتا ہے کہ کوئی کام دادے ابا کی مرضی کے خلاف نہ ہوجائے جس سے اُن کو ناگواری ہو۔

اِس دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد سے ہی دادے اَبا اور دادی اَماں کی محبت وشفقت جتنی ہم پر رہی ہے شاید ہی کسی کو حاصل ہو، تیس سال کے زمانے کے اُتار چڑھاؤ اور دادے ابا کی مثالی شفقت کے مختلف کردار ذہن میں اِس طرح مستحضر ہیں جن کو بھلانا مشکل ہے۔

گود میں بیٹھ کر ان کے ہاتھ سے کھانا کھانا بہت یاد آئے گا، اُن سے بے جا سوالات کرنا بہت یاد آئے گا، اپنی ضدیں پوری کرانا بہت یاد آئے گا، انگلی پکڑ کر دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں جانا بہت یاد آئے گا، فجر سے پہلے طلبہ کو اٹھانے کے لئے ساتھ میں جانا بہت یاد آئے گا، فجر کے بعد ان کے ساتھ ناشتہ کرنا بہت یاد آئے گا گود میں بیٹھ کر طوطے کو کھلانا بہت یاد آئے گا، فرغل میں چھپ کر سو جانا بہت یاد آئے گا، آپ کے کاغذات اِدھر سے اُدھر کر دینے کے باوجود غصہ نہ کرنا بہت یاد آئے گا، بچپن میں ہی ان کے ساتھ رات بے رات سفر پر جانے کا اصرار کرنا بہت یاد آئے گا، خاص طور پر بسوں اور پسنجر ٹرینوں کے ذریعہ منصور پور وغیرہ کا سفر کرنا اور دورانِ سفر من پسند چیزیں کھانا بہت یاد آئے گا، سفر میں دادے ابا کا قرآن کریم سنانا بہت یاد آئے گا، مرادآباد آنے کے بعد الگ الگ حرفوں میں دادے ابا کو خط لکھنا بہت یاد آئے گا، حفظ کے دوران قرآن کریم سنانا بہت یاد آئے گا، مرادآباد چلے جانے کے بعد ہماری سائیکل کو بہت حفاظت سے مچان پر رکھوانا بہت یاد آئے گا، چھٹیوں میں دیوبند آنے پر ساتھ میں بٹھا کر ایک ایک بات بلا تکلف بتلانا بہت یاد آئے گا، فون پر بہت تفصیل سے سب کی خیریت پوچھنا اور خود ہی دیوبند اور منصور پور والوں کی خیریت بتلانا بہت یاد آئے گا، فون پر بات کئے ہوئے کئی دن ہو جانے پر خود ہی فون کر کے خیریت پوچھنا بہت یاد آئے گا، دادے ابا کی مصروفیت کو دیکھتے ہوئے دادی اماں سے جلدی جلدی بات ہوتی رہتی تھی تو دادے ابا کا یہ جملہ ''بس اماں سے بات ہوتی رہتی ہے، ابا کے پاس بھی تو فون ہے، ابا کے فون پر بات نہیں کی جاسکتی'' بہت یاد آئے گا، تراویح میں ختم قرآن کریم کے موقع پر یا اس سے پہلے دادے ابا کا مرادآباد آنا بہت یاد آئے گا، پچھلے سال لاک ڈاؤن میں رمضان المبارک میں کئی سالوں کے بعد خود تراویح پڑھائی تو خوشی خوشی خود ہی ہمیں اپنے ختم قرآنِ کریم کی اطلاع دینا بہت یاد آئے گا، گھٹنوں میں کمزوری کی وجہ سے دادے ابا نے مطبخ کے برابر والی جگہ میں ٹین شیڈ ڈال کر کمرہ نما بیٹھنے کی ایک جگہ بنوائی تھی، تاکہ مہمانوں کی وجہ سے نیچے بار بار آنا جانا نہ ہو، جب ہم دیوبند پہنچے تو بذاتِ خود ایک ایک چیز دکھانا اور بتلانا کہ میں

نے یہ کام کرایا ہے، بہت یاد آئے گا، راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مطالعہ کرنا اور خاص خاص چیز نوٹ کر لینا بہت یاد آئے گا، سبق پڑھانے جانے سے پہلے خوشبو لگانا، بہترین لباس زیب تن کرنا بہت یاد آئے گا، باوقار انداز میں ٹھہر ٹھہر کر کتاب کے ایک ایک جز کو واضح کرنا بہت یاد آئے گا، اور طلبہ کی غلطیوں پر مسکراتے ہوئے تنبیہ کرنا بہت آئے گا۔ دارالعلوم میں طلبہ کے پروگراموں میں دلچسپی سے نہ صرف شریک ہونا بلکہ آخر تک موجود رہ کر اُن کی حوصلہ اَفزائی کرنا بہت یاد آئے گا۔

دادے ابا کا رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور اُن کی تقریبات میں اہتمام سے شرکت کرنا بہت یاد آئے گا، خاص کر اپنے بہن بھائیوں اور اُن کے بچوں کی ضروریات کا خیال رکھنا بہت یاد آئے گا، نہ صرف رشتہ دار بلکہ کسی بھی اہل تعلق کے یہاں بغیر بلائے ہوئے دادے ابا کا پہنچ جانا بہت یاد آئے گا، دادے ابا اگر کسی علاقہ میں پروگرام میں جائیں اور معلوم ہو جائے کہ وہاں یا راستہ میں فلاں رشتہ دار یا فلاں تعلق والے کا گھر ہے تو اُس کے یہاں ضرور حاضری دینا بہت یاد آئے گا۔

گھریلو اختلافات کے باوجود رشتہ داری نبھانا بہت یاد آئے گا۔

ہمیں یاد ہے کہ جب جمعیۃ علماء میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نوراللہ مرقدہ کی وفات کے بعد اختلافات شروع ہوئے تو سخت اختلاف کے زمانہ میں بھی آپا جی مرحومہ (والدہ محترمہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم) سے اُن کے گھر ملنے جانا اور اُن سے دعائیں لینا بہت یاد آئے گا۔

معاملات کی صفائی اور دارالعلوم دیوبند کا اہتمام

معاملات کی صفائی، پائی پائی کا حساب وکتاب رکھنے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، چاہے رقم کے حساب وکتاب سے اُس کا تعلق ہو یا دارالعلوم دیوبند کے دفتر اہتمام سے ہو یا جمعیۃ علماء ہند سے ہو، یا دارالعلوم اور جمعیۃ کی کوئی چیز استعمال کرنے سے ہو، یا کوئی رقم طلبہ نے یا کسی اور نے آپ کے پاس رکھوائی ہو یا آپ نے کسی کو کوئی رقم دی ہو، یا گھریلو اعتبار سے کسی چیز کی

خریداری ہوئی ہو یا منصور پور میں زمین کے تعلق سے کوئی معاملہ ہوا ہو، ایک ایک چیز تاریخ اور دستخط کے ساتھ لکھ کر رکھنا اور وصول یابی پر دوسرے کے بھی دستخط لینا یہ آپ ہی کا خاصہ تھا، بڑے سے بڑے حساب وکتاب کلکولیٹر کے بغیر چٹکیوں میں جوڑ لیتے تھے، جو لوگ کلکولیٹر سے حساب جوڑ کر آپ کے پاس لاتے تھے بعض مرتبہ وہ بھی اپنے حساب میں غلطی کر جاتے تھے۔ عام طور پر لوگ حساب کرنے میں ایک دو روپیہ کو اہمیت نہیں دیتے یا تو چھوڑ دیتے ہیں یا پیسے ٹوٹے ہوئے نہ ہونے کی وجہ سے زائد لے لیتے ہیں؛ لیکن ہمیں یاد ہے کہ دادے ابا کی نظر ایک ایک پیسہ پر رہتی تھی، یعنی کوئی زائد پیسہ ہمارے پاس نہ آ جائے اور کوئی زائد پیسہ دارالعلوم کے حساب سے چلا نہ جائے، دارالعلوم کے اہتمام سے کئی سال آپ وابستہ رہے، آج تک کوئی شخص آپ سے منسلک فائلوں میں یا آپ کے حساب میں ایک روپیہ کی ہیرا پھیری نہیں دکھا سکتا؛ بلکہ آپ کے مزاج کو دیکھ کر لوگوں کی ہیرا پھیری کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی، حساب وکتاب کے سلسلے میں آپ کا ایک خاص نظریہ تھا اور شاید یہی دارالعلوم کا اصول بھی ہے کہ جو کام ہونا ہے پہلے اُس کی منظوری لی جائے پھر اُس کام میں جتنا مٹیریل استعمال ہوگا اتنا ہی منگوایا جائے اُس سے زائد نہیں۔ اِس بات پر سخت ناراض ہوتے تھے کہ منظوری کے بغیر کوئی کام کرا لیا جائے، پھر بعد میں حساب کا پرچہ سامنے لاکر رکھ دیا جائے، یا ضرورت سے زائد سامان منگوا لیا جائے، پھر وہ سامان ادھر ادھر استعمال ہو جائے۔

پچھلے سال جب دادے ابا معاون مہتمم کے عہدے پر فائز ہوکر اہتمام میں تشریف لائے تو اسی طرح کا ایک معاملہ دادے ابا کے سامنے آیا کہ کتب خانہ کے کوئی صاحب کسی وجہ سے کتب خانہ نہیں آ پا رہے تھے تو اُنہوں نے اپنی جگہ کچھ دن کے لئے خود ہی اہتمام سے منظوری لئے بغیر کسی اور کو منتخب کر دیا، اس نیت سے کہ جب تک میں نہیں آ رہا ہوں میری جگہ یہ کام بھی کرتے رہیں گے اور اِس کام کی اُن کو تنخواہ بھی مل جائے گی؛ چناں چہ بعد میں تنخواہ کی منظوری کے لئے جب تحریر دادے ابا کے پاس پہنچی تو اُنہوں نے صاف منع کر دیا اور فرمایا جس شخص نے

اُن کو اپنی جگہ رکھا تھا وہی اُن کو تنخواہ دے؛ کیوں کہ اُن کو اپنی جگہ رکھنے کی منظوری دارالعلوم سے نہیں لی گئی تھی۔

مولوی محمد بجنوری (صاحب زادۂ محترم مولانا انوارالرحمٰن رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) کا بیان ہے کہ دارالعلوم کے اَوقاف کے کچھ لوگ والد صاحب کے صرف دستخط کے لئے دارالعلوم کے خرچے پر گاڑی کر کے دیوبند سے بجنور آئے اور دستخط کرا کے واپس دیوبند چلے گئے، دادے ابا کو پتہ لگ گیا، بعد میں اُن لوگوں نے اس دستخط شدہ کاغذ کو سہارنپور کے رجسٹرار آفس میں جمع کرانے کے لئے گاڑی کی اجازت چاہی تو دادے ابا نے پوچھا کہ کیا سہارنپور کے لئے بسیں نہیں چل رہی ہیں؟ یا وہ کاغذ اتنا بھاری ہے جس کو اُٹھانا مشکل ہے؟ یا اُس کاغذ کو بس میں لے جانے سے نقصان کا اندیشہ ہے؟ جب اِن باتوں کا کوئی جواب نہیں آیا تو آپ نے گاڑی کی اجازت دینے سے صاف منع کر دیا۔

دادے ابا مرحوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے مزاج اور فکر کے امین تھے، اُن کو اپنا آئیڈیل اور نمونہ مانتے تھے، دارالعلوم کے مفادات کو چھوٹے سے چھوٹے کاموں میں مقدم رکھنا، اُصول وضوابط سے سمجھوتہ نہ کرنا یہ حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ کی تربیت ہی کا اثر تھا، دادے ابا خود فرمایا کرتے تھے کہ جب میں اہتمام میں آیا تو حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ نے مجھے قلم پکڑنا سکھایا، کام کرنے کا طریقہ بتلایا، حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ کا جملہ نقل فرماتے تھے کہ ''مولوی عثمان یہ کام ایسے نہیں ایسے کرو'' دادے ابا فرماتے تھے کہ حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ کو مہتمم ہونے کی وجہ سے پورا اختیار تھا کہ بغیر کسی سے مشورہ کئے حکم صادر فرمادیں؛ لیکن پھر بھی وہ مجھ سے مشورہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ اگر میں سبق پڑھانے چلا جاتا اور حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ کو کسی مشورہ کی ضرورت پیش آجاتی تو چپراسی کو ایک پرچی دے کر روانہ کرتے جس میں آداب والقاب کے ساتھ یہ تحریر فرماتے کہ ''گھنٹہ سے فارغ ہوکر پانچ منٹ کے لئے دفتر میں تشریف لے آئیں''۔

پچھلے سال جب دوبارہ آپ کا نام اہتمام کے لئے پیش کیا گیا تو آپ نے اولاً اپنی مصروفیتوں اور کمزوری کو دیکھتے ہوئے منع کرنے کی کوشش کی؛ لیکن جب اراکین شوریٰ کا اِصرار بڑھا تو آپ نے صاف طور پر اَراکین کو آگاہ کیا کہ میں اُصول وضوابط کی روشنی میں مکمل اختیارات کے ساتھ اُسی نہج پر کام کروں گا جس نہج پر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کام کر کے گئے ہیں، اور اِس میں کسی کو دخل اندازی کی اجازت نہیں ہوگی؛ چنانچہ آپ نے معاون مہتمم بننے کے اگلے دن سے ہی سارے دفاتر کے رجسٹر حاضری طلب کر لئے، اور دیر سے آنے والوں پر گرفت شروع ہوگئی، دیکھتے ہی دیکھتے دارالعلوم کے نظام میں مزید چار چاند لگنے لگے اور ملازمین میں اپنی ذمہ داری کا اور زیادہ احساس پیدا ہوگیا۔

یہ چند سطریں دارالعلوم کے لئے آپ کی عظیم الشان بے بدل خدمات کا نمونہ ہیں جن کو رہتی دنیا تک بھلایا نہیں جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی شایانِ شان ان خدمات کا بدلہ عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کو شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے تعلق سے آپ کی خدمات خلوص وللّٰہیت وخوف وخشیت کی جیتی جاگتی تصویر تھی، اُصول وضابطہ کی روشنی میں لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر دارالعلوم کے مفاد کو مقدم رکھتے ہوئے انتظامی امور کو چلانے کی جو مثال آپ نے پیش کی ہے وہ ہم سب کے لئے قابل اتباع ہے۔

بہت حد تک ممکن ہے کہ دادے ابا کی بہت سی خدمات کا میدان کبھی نہ کبھی پر کرلیا جائے؛ لیکن دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کا مثالی انتظام ہر کام کی پوچھ تاچھ ہر چیز کی دیکھ بھال پرانی سے پرانی بات ذہن میں مستحضر ہونا، دلجمعی، کھلے ذہن اور اُصول وضوابط کی روشنی میں فیصلہ لینا یہ آپ کا ایسا طرۂ امتیاز ہے جس کا بدل دور دور تک نظر نہیں آتا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اُن کے نقش قدم پر چلائیں اور آپ کے ادھورے خواب کی تکمیل کا ہم سب کو ذریعہ بنائیں، آمین

تحفظ ختم نبوت

دادے ابا تحفظ ختم نبوت کے تعلق سے ایک زندہ دل انسان تھے، قادیانیوں کے بارے

میں کہیں معلوم ہوجاتا تو وہاں کے مقامی یا اس علاقہ کے آس پاس کے علاقے کے ذمہ داران سے فون پر لمبی گفتگو فرمانا، ذہن سازی کرنا، کمیٹیاں بنوانا، لٹریچر چھپوانا، پھر آخر میں تربیتی کیمپ منعقد کرانا اور بذاتِ خود وہاں جا کر تیاریوں کا جائزہ لینا بہت یاد آئے گا، اور پھر ایسا نہیں کہ ایک مرتبہ پروگرام کر کے بھول جائیں؛ بلکہ وقتاً فوقتاً وہاں دارالعلوم کی طرف سے آدمی بھیجنا پھر وہاں کے ذمہ داران سے کارگذاری رپورٹ طلب کرنا بہت یاد آئے گا۔

تحفظ ناموسِ صحابہؓ

اسی طرح ''دادے ابا'' کی عمر کے آخری حصہ میں خاندانِ منصور پور کے ایک فرد کی طرف سے صحابیِ رسول سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے ہفوات اور زبان درازی کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ دادے ابا ہی تھے جنھوں نے پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے بذات خود تن تنہا اس فتنہ سے مقابلہ کے لئے رات دن ایک کر دیا، اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی فکر اور مسلک ومشرب کی پوری ترجمانی کا حق اَدا کیا، کوئی رات ایسی نہیں گذرتی تھی جب وہ گھر میں رات کے ایک یا دو بجے سے پہلے داخل ہوئے ہوں، ''کورونا بیماری'' کے خوف کے باوجود کسی کے بلائے بغیر بذات خود تن تنہا بے خوف وخطر دور دراز علاقوں میں پہنچنا، لوگوں کو اکھٹا کرنا، حضرات صحابہ کرام اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے حوالے سے دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے، اصلاح معاشرہ کے تعلق سے اپنی بات کہنا، پھر ان کی بات سننا، اُن کے اعتراضات اور غلط فہمیوں کا جواب دینا، دیگر اساتذۂ دارالعلوم کو وہاں بلانے کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنا، دارالعلوم دیوبند کے سچے خادم کی یہ ایسی عظیم خدمات ہیں جن کے بارے میں ہمیں اور آپ کو شاید آج پہلی مرتبہ علم ہو رہا ہو؛ لیکن اسی خاموشی اور خلوص وللّٰہیت پر مشتمل محنت نے بڑی بڑی باتیں بولنے والے لوگوں کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا، اور ایک بڑے فتنہ سے کافی حد تک حفاظت ہوگئی، فالحمدللہ۔

جو کام مخالف لوگ اتحاد کے نام پر بڑے زور وشور سے کر رہے تھے اور حضرات صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعلق سے شکوک وشبہات لوگوں کے ذہن و دماغ میں ڈال رہے تھے، دادے ابا کی خاموش محنت نے ان سب کے ارادوں پر پانی پھیر دیا، اور ہم نوجوانوں کو یہ پیغام دیا کہ جس کے عقیدے میں کھوٹ پیدا ہو جائے چاہے اس سے رشتہ داری کا تعلق ہو یا کوئی اور تعلق ہو، ایسے موقع پر صحیح عقیدہ کا دفاع کرنا ہمارے ایمان کا اولیں فرض ہے، اور جہاں بات آجائے کسی صحابی کو صحابیت سے نکالنے؛ بلکہ نکالنے پر اصرار کی، جب کہ اُس کے صحابی ہونے پر صاف حدیثیں موجود ہوں، تو اس ایک صحابی کی صحابیت کو بچانے کے لئے ہماری اس مختصر سی زندگی کا جتنا بھی وقت لگ جائے کم ہے؛ تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور آپ کے جانثاروں کی عزت وعفت پر کوئی حملہ آور نہ ہو سکے، اور میدانِ حشر میں ان حضرات کے جھنڈے تلے تھوڑی سی جگہ مل جائے۔

یوں تو دادے ابا کی ۷۶ رسالہ زندگی کے کارہائے نمایاں لوگ لکھتے رہیں گے؛ لیکن اگر ہم اُن کے کارناموں کو مختصر الفاظ میں سمیٹیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی شروع کی زندگی قرآن کریم اور علم دین سیکھنے میں لگی اور بقیہ زندگی تعلیم وتبلیغ، تحریر وتقریر اور تدریس کے ذریعہ علم دین کی اِشاعت میں لگی۔ نیز دار العلوم دیوبند میں آنے کے بعد کی زندگی تحفظ ختم نبوت اور دار العلوم دیوبند کے انتظامی امور کو سجانے اور سنوارنے میں لگی۔

جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے بھی آپ نے شروع ہی سے بے مثال سماجی وملی خدمات انجام دی ہیں، پھر آخر میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عزت وناموس کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان یہ کہتے ہوئے نچھاور کر دی کہ کسی ایک صحابی کے تعلق سے بھی اگر کسی کا عقیدہ خراب ہوگا، تو ہمارا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

دادے ابا کے بارے میں کچھ لوگ یہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ آپ کسی بھی موضوع پر تقریر کریں؛ لیکن اُس میں کہیں نہ کہیں ضرور ختم نبوت کے سلسلے میں بھی بات کرتے تھے۔ اِسی طرح آپ کی زندگی کی آخری تقریروں میں اہتمام سے یہ بات دیکھی گئی کہ آپ

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت، اُن کی صفاتِ عالیہ، اُن کے درمیان ہونے والے نزاعات کو صحیح انداز میں لوگوں کے سامنے رکھتے تھے؛ تا کہ لوگوں کے درمیان پھیلی ہوئی غلط فہمی دور ہو سکے۔ یہ آپ کی آخری زندگی کا وہ روشن کردار ہے جس کو بھلانا ممکن نہیں ہے۔

بروقت اصلاح کی فکر

دادے ابا مرحوم کی ایک خاص بات یہ تھی کہ بروقت منکر پر نکیر فرمایا کرتے تھے، اور سامنے وہاں کے کوئی عالم یا مفتی موجود ہوں تو منکر پر نکیر کرتے ہوئے ان مفتی صاحب کی طرف بھی توجہ فرماتے؛ تا کہ ان کو بھی تنبیہ ہو، بے شمار پروگراموں میں دادے ابا کے ساتھ جانا ہوا، دینی اصلاحی یا مدرسہ کے پروگراموں میں کسی منکر کے بارے میں پتہ لگ جاتا تو اپنی تقریر میں ضرور اُس پر تنبیہ کرتے تھے؛ بلکہ پروگرام سے پہلے اگر کسی منکر کے بارے میں پتہ لگ جاتا تو بعض مرتبہ پروگرام میں شریک ہوئے بغیر ہی واپس ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ مظفر نگر کے قریب ایک مدرسہ کے سالانہ پروگرام میں جانا ہوا، مدرسہ والوں نے راستے میں دور دور تک خوب رنگ برنگی لائٹیں لگا رکھی تھیں، دادے ابا نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی مدرسہ کے ذمہ دار کو بلوایا اور سخت غصہ کا اظہار فرمایا کہ یہ لائٹیں اور قمقمے لگا کر آپ کیا دکھلانا چاہ رہے ہیں؟ یہ دینی پروگرام ہے یا میلہ لگا رکھا ہے؟ کیا یہ سب چیزیں فضول خرچی میں نہیں آئیں گی؟ آپ جیسے ذمہ دار لوگ فضول خرچی کریں گے تو عوام کو کون روکے گا؟ یہ سب کہہ کر گاڑی سے اُترے بھی نہیں اور پروگرام میں شریک ہوئے بغیر واپس ہو گئے۔

اسی طرح ایک دینی پروگرام میں اسٹیج پر تشریف فرما تھے، پروگرام سے پہلے طے ہو گیا تھا کہ کوئی ویڈیو گرافی وغیرہ نہیں ہوگی، اتفاق سے دادے ابا نے چپکے سے ویڈیو گرافی کرتے ہوئے دیکھ لیا، وہیں اسٹیج سے ڈرائیور کو فون کیا کہ گاڑی لے کر آؤ، سخت تنبیہ کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

اکثر دیکھا جاتا تھا کہ دادے ابا تقریر کے آغاز میں پہلے تصویر کشی کی حرمت بیان کرتے،

پھر وہاں اسٹیج پر موجود علماء کے بارے میں کہتے کہ یہ سب لوگ بھی تصویر کو حرام کہتے ہیں؛ تاکہ علماء کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو، اور منکر کو دیکھنے کے باوجود خاموش رہنے پر اُن کی تنبیہ بھی ہو۔

نرالی سادگی

دادے ابا کی سادگی بھی نرالی تھی، اپنی ذات کے بارے میں بے فکر ہو کر زندگی گزاری، چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی آپ سے مل سکتا تھا، اپنے یہاں پروگرام میں بلا سکتا تھا، جہاں چاہے بلالو، جہاں چاہے بٹھا دو، جہاں چاہے سلا دو، جو چاہے کھلا دو، ایک حرف شکایت بھی زبان پر نہیں آسکتا تھا۔ بعض مرتبہ ہم لوگوں کو برا لگتا تھا کہ دادے ابا کو کہاں بٹھا دیا، ان کو وہ مقام نہیں دیا گیا جو دینا چاہئے تھا؛ لیکن دادے ابا کے چہرے پر ناگواری کا ذرہ برابر احساس ہی نہیں ہوتا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دادے ابا کے دل میں کسی عہدے یا مقام کی خواہش ہی نہیں ہوتی، اور نہ کبھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کی؛ بلکہ کسی سے امید بھی نہیں رکھتے تھے کہ فلاں میرے ساتھ ایسا کرے، اپنا کام چاہے گھر کا ہو یا باہر کا خود کرنا پسند کرتے تھے، اپنی ٹوپی بنیائن وغیرہ دھونا ہو تو خود ہی دھو لیتے تھے، رات بے رات یا دوپہر میں چائے کی خواہش ہوتی تھی تو خود ہی چائے بنا کر پی لیتے تھے۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم کا دربان بھی دعوت کر دیتا تو اس کی بھی دعوت قبول فرما لیتے، دلی سے دیوبند کے راستے میں کتنی جگہیں ایسی تھیں جہاں آپ پہلے سے اطلاع کئے بغیر تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے، تو ان لوگوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا تھا۔

عجیب بات تھی دیہاتیوں کے ساتھ دیہاتی بن جاتے تھے، ان کے انداز میں ان سے دادے ابا کا مسکراتے ہوئے گفتگو کرنا آج بھی نگاہوں کے سامنے اِس طرح ہے کہ بھلائے نہیں بھولتے۔

بچوں کے ساتھ آپ کا ہنسی مذاق کرنا دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، بیماری کے دوران عیدالفطر کے بعد دادے ابا تکیہ سے ٹیک لگا کر پیر پھیلائے بیٹھے ہوئے تھے، چچا جان کی بچیاں اور ہم لوگ پیر دبا رہے تھے، تو دادے ابا بچیوں سے پوچھنے لگے کہ کتنی عیدی اکٹھی ہوگئی؟ اور کس

کے پاس سب سے زیادہ اکٹھی ہوئی؟ سب نے وعدہ کیا کہ گن کر بتلائیں گے، کافی دنوں بعد طبعیت میں بشاشت دیکھی گئی تھی، تو سب سے مسکرا کر دیر تک باتیں کیں، حافظ محمد عمر، حافظ محمد عدی اور حافظ محمد ہشام سلمہم سے پوچھا کہ رمضان میں کتنے کتنے قرآنِ کریم پڑھے؟ اور سنانے میں کتنی غلطیاں آئیں؟ رمضان کی انتیسویں شب میں گھر ہی پر حافظ محمد عمر اور حافظ محمد عدی سلمہما نے تراویح میں ختم قرآن کی سعادت حاصل کی تھی، دادے ابا ختم کے موقع پر زیادہ کمزوری کی وجہ سے کمرہ میں آرام فرما تھے، تو ان حفاظ سے پوچھنے لگے کہ انتیسویں شب میں کون پڑھ رہا تھا؟ سب نے خوشی خوشی کہا کہ ہم نے ختم کیا، تو فرمانے لگے کہ تم لوگوں کی ''عم پارہ'' میں بھی غلطیاں آتی ہیں؟ اِس کا مطلب کچا یاد ہے۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ مسکراہٹیں چند دنوں کی مہمان ہیں، اُس کے بعد ان مسکراہٹوں کو دیکھنے کے لئے ترس جائیں گے۔

اِسی طرح جانور اور پرندے بھی آپ سے مانوس رہتے تھے۔ ہمارے بچپن میں ایک طوطی تھی جس کو آپ کے ہاتھ سے کھانا بہت پسند تھا، اگر اس کو کھانا دینے میں دیر ہو جاتی تو زور زور سے آواز نکال کر متوجہ کرتی تھی، دادے ابا کے مدرسہ سے گھر میں داخل ہوتے ہی پنجرے میں ادھر سے اُدھر پھڑ پھڑانے لگتی تھی۔

اسی طرح ایک بلی آتی تھی جو زینہ کے پاس دادے ابا کے انتظار میں بیٹھی رہتی تھی، دادے ابا اُس کے لئے گوشت بچا کر رکھتے تھے، اگر گوشت نہیں ہوتا تو سالن سے بوٹی نکال کر دیتے تھے، کبھی سالن میں روٹی چور کر دیتے، اور کبھی دودھ بھی پیش کرتے تھے۔ الغرض بیماری کے آخری ایام میں بھی اگر بلی کی آواز سن لیتے تو فوراً بلی کو کچھ دینے کا حکم کرتے۔

گھنا سایہ دار درخت

دادے ابا کی ذات بابرکت ایک گھنے سایہ دار درخت کے مانند تھی، جو اپنی محبت وشفقت کے سائے تلے ہم سب کو سمائے ہوئے تھے، اور یہ سایہ آپ کے وجود بابرکت سے تو تھا ہی، آپ کی عدمِ موجودگی میں ہمارے رہن سہن، اُٹھنے بیٹھنے، پڑھنے لکھنے میں بھی ہمارے ذہن

ودماغ میں حاوی رہتا تھا۔

دادے ابا کی اسی خاص نظر کرم کا نتیجہ تھا کہ ہم دارالعلوم دیوبند کی زمانۂ طالب علمی کے دوران کسی طالب علم سے دوستی تو دور؛ بلکہ کسی طالب علم کے کمرے پر بھی نہیں گئے، اور اگر کوئی طالب علم زیادہ ہی اصرار کرتا تو دادے ابا کا حوالہ دے دیا جاتا کہ آپ سے اجازت لے لو تو چلیں گے۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ آپ سے اجازت لینے جانے کی کس کی ہمت ہوسکتی تھی؟ الغرض آپ کی توجہات اور آپ کا سایہ ہم لوگوں کو کتنے فتنے اور پریشانیوں سے بچایا ہوا تھا، ہم لوگ آپ کی زندگی میں اندازہ نہیں لگا سکتے تھے، آپ کا سایہ ہمارے سروں سے اُٹھ جانے کے بعد اب اندازہ ہورہا ہے اور آنکھیں کھل رہی ہیں کہ یہ ہے دنیا کا تماشا، جو اپنوں کو اپنوں سے جدا کر کے اور کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

اگرچہ دادے ابا ہم سے ظاہری طور پر جدا ہوگئے ہوں؛ لیکن ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے اُمید رکھتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن پر چلتے ہوئے، حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دادے ابا حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ کی نسبتوں کی حفاظت کرتے ہوئے اور والد مکرم حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ارتداد، بددینی، بے راہ روی، تعصب وعداوت اور ظلمت وجہالت کی تاریکیوں میں بھی آپ کی فکر کو زندہ رکھیں گے اور آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے؛ تاکہ مزید آپ کی توجہات حاصل ہوں، اور آپ کے لئے ہماری مختصر سی زندگی کا کچھ حصہ صدقہ جاریہ کے طور پر لگ جائے، تو یہ ہمارے لئے سعادت کی بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو کروٹ کروٹ سکون وعافیت نصیب فرمائیں، آپ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، ہر طرح کے شرور وفتن سے بچاتے ہوئے اُن کے نقش قدم پر ہم سب کو چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں، اور جنت کے بالا خانوں میں دوبارہ ایک ساتھ اکٹھا ہونے کا موقع عنایت فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

وہ جو سایہ دار چنار تھا وہ کہاں گیا؟

از: اُم محمد (بنت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری) ذاکر نگر دہلی

رمضان المبارک کی ۲۳/ رویں شب کی تراویح سے فارغ ہوکر جب موبائل اُٹھایا تو ہمشیرہ سے بذریعہ کال ایک نہایت دل دکھانے والی اطلاع ملی کہ ''دادے اَبا'' کی طبعیت زیادہ خراب ہوگئی ہے، اُن کو آکسیجن سلینڈر لگایا گیا ہے، بس یہ سننا تھا کہ طبعیت بہت زیادہ بے چین و بے قرار ہوگئی۔ دادی صاحبہ مدظلہا کو فون کیا تو تفصیلی بات نہ ہوسکی، معلوم ہوا کہ ابھی ڈاکٹرز چیک اَپ کے لئے موجود ہیں، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے، زبان پر صرف دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ ابا کو جلد از جلد مکمل شفاء عطا فرمادے۔ ایک دن پہلے ہی دادی صاحبہ سے بات ہوئی تھی، اُنہوں نے طبعیت کی خرابی کے بارے میں بتایا مگر اس حد تک خراب ہوجائے گی یہ تو گمان ہی نہیں تھا۔ یہ سوچتے تھے کہ آج کل نزلہ بخار چل ہی رہا ہے، جلد ہی اِن شاء اللہ ٹھیک ہوجائیں گے۔ الغرض پھر جو بڑوں نے پڑھنے کے لئے بتایا اور جو معلوم تھا؛ ہم سب بہنوں نے مل کر پڑھا، پھر دو تین دن کے بعد جب ملاقات کے لئے دیوبند جانا ہوا، تو ابا سے مل کر ایسا لگا کہ اللہ نے ہم گنہگاروں کی دعائیں سن لی ہیں؛ حالاں کہ اس وقت بھی نبض کی رفتار کم ہی تھی، مگر طبعیت پہلے سے کافی بہتر لگ رہی تھی، میں گئی تو بات چیت بھی کی۔ اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ گھر پر سب خیریت سے ہیں، کس کے ساتھ آئی ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ مطلب کہ میری دل جوئی فرما رہے تھے، اللہ اکبر!!

بہر حال ابا کو دیکھ کر ذرا تسلی سی ہوئی کہ اِن شاء اللہ اب روبصحت ہوجائیں گے، ملاقات کر کے بادلِ ناخواستہ اگلے دن دہلی واپس آ گئی، طبعیت میں بتدریج اِفاقہ ہورہا تھا، پھر عید کے بعد گھر بات ہوئی، تو معلوم ہوا کہ آج اخبار کا مطالعہ بھی کیا، باہر صحن میں آ کر کچھ دیر بیٹھے، سن کر مزید اطمینان ہوا کہ جو کمزوری باقی ہے وہ بھی اِن شاءاللہ ٹھیک ہوجائے گی۔

پھر عید کے بعد شاید چوتھا یا پانچواں دن تھا، گھر بات ہوئی، تو معلوم ہوا کہ آج ابا کو حرارت ہوگئی تھی، اس وجہ سے ضعف بہت بڑھ گیا ہے، آخر یہ فیصلہ ہوا کہ دہلی کے گڑگاؤں میں ''میدانتا اسپتال'' میں داخل کرادیا جائے، وہاں زیادہ بہتر نگہداشت ہوسکتی ہے، اور کووِڈ رپورٹ Negative آ جانے کی وجہ سے یہ بھی اطمینان تھا کہ وہاں جا کر اُن کو الگ تھلگ نہیں ڈالا جائے گا، مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے، اسپتال میں کووِڈ کی فوری طور پر جو رپورٹ ہوئی وہ پازیٹو آ گئی (اگر چہ اگلے دن پھر سے نگیٹو آ گئی) ICU میں داخل کرلیا گیا، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ہم دعا میں لگ گئے، دنیا میں پتہ نہیں کہاں کہاں ابا کے لئے دعائیں ہورہی تھیں، کسی چیز میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا، پوری پوری رات مصلیٰ پر بیٹھ کر دعا کرتے گذر جاتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو ہماری عمر بھی لگادے، ہم کو اور اُمت کو اُن کی بہت ضرورت ہے؛ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابی مدظلہ العالی اور چچا جان دامت برکاتہم العالیہ کے ذریعہ طبعیت کے مزید بگڑنے کی اطلاع مل رہی تھی، اور پھر خراب سے خراب تر ہونے کی ملی، مگر اللہ کی ذات سے اُمید قائم تھی۔ پھر جمعہ کے روز قریب گیارہ بارہ بجے ابی مدظلہ العالی سے بات کی تو فرمانے لگے کہ طبعیت میں اِفاقہ نہیں ہے، ہم ایسے ہی ڈسچارج کرا کر دیوبند لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں، تم بھی دیوبند کی تیاری کرلو۔

ابھی ہمیں دیوبند کے لئے نکلے پانچ یا سات منٹ ہی گذرے تھے کہ ابی مدظلہ العالی کے میسج سے بالآخر وہ خبر سننے کو ملی جس کے لئے قلب وجان تیار ہی نہ تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، اللھم ارحمہ رحمۃ واسعۃً۔

روتے بلکتے دہلی سے دیوبند تک کا سفر پورا ہوا، کہیں نہ کہیں دل میں یہ خواہش بھی تھی کہ کاش یہ خبر غلط ثابت ہوجائے؛ لیکن جس وقت کفن میں لپٹا ہوا وہ نورانی چہرہ دیکھا جو معلوم ہورہا تھا کہ وصال کے بعد اور زیادہ نورانی اور معصوم ہوگیا ہے، یہ آخری خواہش بھی دم توڑ گئی۔ آج پورے ۲۲؍دن گذر گئے؛ لیکن یقین نہیں آتا، جس وقت یہ خیال آجائے کہ اَب ابا ہم میں نہیں رہے؛ آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو خصوصاً ہماری دادی صاحبہ مدظلہا، والد صاحب دامت برکاتہم، پھوپھی جان صاحبہ اور چچا جان مدظلہ کو صبر جمیل عطا فرمائیں، ان کی صفاتِ حسنہ سے ہمیں بھی آراستہ وپیراستہ فرمائیں، دادے ابا کو وہاں کی تمام راحتیں عطا فرمائیں، ان کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، آمین ثم آمین۔

میری شادی کے بعد کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ابا میرے گھر سسرال میں دعوت پر تشریف لے آتے تھے، اور بارہا ایسا بھی ہوا کہ وقت نہ ہونے کی وجہ سے جمعیۃ دفتر میں یہ ناچیز کھانا لے کر حاضر ہوتی تھی، اُن کو انواع واقسام کے کھانوں سے کافی رغبت تھی؛ اگرچہ خوراک بہت کم تھی، غرض جب بھی لے کر جاتی ہمیشہ بہت اہتمام سے ہر چیز تناول فرماتے، تعریفی جملے بھی فرماتے رہتے، حوصلہ افزائی فرماتے رہتے، اگرچہ ہم اس کے مستحق نہیں۔ اُن کی ایک ایک بات یاد آتی ہے، کس کس کا تذکرہ کروں؟

دیوبند کا مشہور ''سعیدیہ ہوٹل'' والوں کا گاجر کا حلوہ مجھے بہت پسند ہے؛ چناں چہ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک جاننے والے صاحب جو دہلی میں ہمارے قریب اوکھلا میں رہتے ہیں، اُنہوں نے میرے خاوند کو بلایا اور گاجر کے حلوے کا ایک ڈبہ دیا، کہنے لگے کہ ''یہ حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب مدظلہ العالی نے دیوبند سے بھیجا ہے''۔ جب وہ ڈبہ مجھے ملا تو بتا نہیں سکتی، کتنی خوشی ہوئی؟ فوراً شکریہ کے لئے دادی صاحبہ کو فون کیا تو ابا بھی وہیں تھے، میں نے شکریہ اَدا کیا تو فرمانے لگے کہ ''اِس میں شکریہ کی کیا بات ہے؟'' اور پھر اُس کے بعد ہر سال سردی میں وہ

سعید یہ والوں کا گاجر کے حلوہ کا ڈبہ مجھ تک پہنچ جاتا، چاہے بالواسطہ یا بلا واسطہ۔

ہم لوگ دادے ابا مرحوم کی بنسبت اکثر دادی صاحبہ کو زیادہ فون کیا کرتے تھے، ایک حجاب سا ہوتا تھا کہ ابا سے خیر خیریت کے بعد اور کیا پوچھیں گے؟

تو ایک مرتبہ میں دادی صاحبہ سے بات کر رہی تھی، اُن دنوں اُن کی طبعیت کچھ ٹھیک نہیں تھی، میں نے کہا: ''اماں آپ یہاں مرادآباد تشریف لے آئیں'' ابا قریب ہی موجود تھے، میری بات سن کر مسکرا کر کہنے لگے کہ ''بس اماں ہی کی فکر کرو ابا کی کوئی فکر نہیں ہے''۔

بچوں کی دل جوئی

ابا جمعیۃ دفتر میں ہوتے تو مجھے کھلی اجازت ہوتی کہ میرے ساتھ دیوبند چلنا چاہو تو چلو، بارہا اُن کے ساتھ دیوبند کا سفر بھی کیا، ہر طرح کے آرام کا خیال رکھتے، تھوڑی تھوڑی دیر میں پوچھتے رہتے کہ کچھ کھاؤ گی۔ ایک دن فرمانے لگے کہ چلو آج تمہیں بہت شاندار آلو کا پراٹھا کھلائیں گے؛ چناں چہ ایک ڈھابہ پر گاڑی رکوائی اور پراٹھا کھلایا، واقعی بہت شاندار تھا، وہاں سے کھیر لی ایک کٹوری خود بھی تناول فرمائی اور مسکرا کر فرمانے لگے کہ ''اپنی اماں کو مت بتانا'' (شوگر کی وجہ سے دادی صاحبہ منع کیا کرتی تھیں) بچے میرے ساتھ ہوتے تو اُن سے ہر طرح کی دل لگی کیا کرتے تھے، کبھی بچوں کے رونے یا ضد کرنے سے پریشان نہیں ہوتے تھے، خود گود میں لے کر اُن کی پسند کی چیزیں دلاتے، یہی وجہ ہے کہ میرا دو سال کا بچہ جمعیۃ دفتر میں ابا کے کمرے میں گیا تو ابا کو نہ پاکر فوراً اُس نے پوچھا کہ ''اماں دادے ابا کہاں ہیں؟'' اللہ اللہ!! اتنے اتنے سے بچوں کو بھی ابا کی کمی کا اتنا احساس ہے۔

میرا بڑا بیٹا محمد سلمہ- جو درجہ حفظ میں ہے- وہ اپنی نانی اور نانا جان دامت برکاتہم کے پاس رہتا ہے، جب ابا مرادآباد جاتے تھے تو وہ اُن کے ساتھ ساتھ رہتا تھا، بچوں کے جو رسالے آتے ہیں، اُن میں سے پتہ نہیں کیا کیا قصے کہانیاں سنایا کرتا تھا اور ابا غور و خوض اور پوری توجہ سے سنا کرتے تھے، بچوں کی دل جوئی تو شاید ہی کسی کو اُن سے زیادہ آتی ہو۔

مہمان نوازی

اسی طرح مہمان نوازی اُن کا خاص وصف تھا۔ ایک مرتبہ میری سسرال کے کچھ مہمان چھتہ مسجد دیوبند گئے، ابا سے ملاقات کی، میرے خاوند بھی ساتھ تھے، ابا نے اُن سے کہا تم یہیں بیٹھو میں ابھی آتا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد وہ گھر سے خوانچی میں چائے ناشتہ سجا کر بذاتِ خود تشریف لائے، چائے پیش کی اور فرمانے لگے کہ آج گھر پر کوئی مستورات نہیں ہیں، چائے میں خود بنا کر لایا ہوں، شاید پتی ذرا زیادہ ہوگئی ہے، جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا وہ بہت حیران کہ ایک شخص جس کے پاس اتنے سارے عہدے ہوں، اُس کے اندر یہ سادگی اور یہ تواضع؟؟ اُنہوں نے گھر آ کر کئی بار اِس بات کا تذکرہ کیا، اب اُنہیں کیا معلوم تھا کہ ابا تو ہمارے ہر کسی کے ساتھ ایسے ہی معاملہ فرماتے تھے۔

بہرحال وقت موعود آ چکا تھا، ابا ہم سے رخصت ہوگئے؛ لیکن اُن کی پاکیزہ یادیں قدم قدم پر یاد آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، جنت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں، اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر چلائیں، اور ہماری نسلوں میں دین وایمان اور قرآن کی بقا کے فیصلے فرمائیں، آمین۔

مشفق ومحسن ہمارے دادے اَبا

اَز: اُم حسن (بنت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری) سنسار پور ضلع سہارن پور

۸؍شوال المکرّم مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعۃ المبارک ہمارے دادے ابا اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اَبا کو رخصت ہوئے تقریباً ۱۰؍ماہ گذر چکے ہیں؛ لیکن ابھی تک بھی دل ودماغ یقین کرنے سے انکاری ہیں، دیوبند جاؤ تو بارہا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اَبا کہیں گئے ہوئے ہیں، ابھی تشریف لے آئیں گے۔

یوں تو ہم سب کو ہی اِس دنیا سے جانا ہے، اِس دنیا میں آنا ہی گویا جانے کی تمہید ہے؛ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا، جب ہم اُن کی شفقت سے اُن کے مہربان سایہ سے محروم ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

ہمارے گھر (مرادآباد) میں بچیوں کی تعلیم کے لئے ایک مکتب ہے، جب دادے اَبا مرادآباد تشریف لاتے تو ضرور دریافت فرماتے تھے کہ کتنی بچیاں ہیں؟ کیسا پڑھتی ہیں؟ کس طرح سبق دیا جاتا ہے؟ کون کون سی سورتیں حفظ کراتی ہو؟

ایک مرتبہ اَبا کی تشریف آوری ایسے موقع پر ہوئی جس دن بچیوں کے ختم قرآن کی دعا تھی، آپ نے دعا کرائی اور خوب حوصلہ اَفزائی فرمائی۔

میری شادی کے بعد مجھ سے پوچھا کہ اَب تمہارا مدرسہ کون دیکھے گا؟ پھر خود ہی فرمانے لگے کہ جو بچیاں فارغ ہوگئیں ہیں، اُنہی میں سے کسی ایک کو متعین کرلو وہ پڑھایا کریں گی۔

ہم بچیوں کی چھوٹی چھوٹی مصروفیات کی خبر گیری، اُن میں دلچسپی، یہ اُن کی خاص صفت تھی، چھوٹے چھوٹے بچوں کی باتوں کو بھی بہت دلچسپی اور پوری توجہ سے سنتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ والد محترم اور برادر مکرم سفر پر تھے، اور والدہ محترمہ بھی دیوبند میں تھیں، اَبا کا مرادآباد کے قرب وجوار میں کہیں پروگرام تھا، تو اَبا باقاعدہ ہم بچوں سے ملنے کے لئے گھر تشریف لائے، فرمانے لگے کہ میرا یہاں قریب میں پروگرام تھا، سوچا کہ تم لوگوں سے بھی ملاقات کرلوں۔

اللہ اللہ!! اُن کی کن کن اَداؤں کو یاد کریں، کن کن باتوں کا تذکرہ کریں، اور کس کو چھوڑیں؟

میری شادی سہارن پور کے قریب ایک گاؤں سنسار پور میں ہوئی ہے، جب میں سنسار پور سے مرادآباد جاتی تو اَبا فرمایا کرتے کہ اَب تو تمہارا ایک اسٹیشن دیوبند ہونا چاہئے۔

ایک مرتبہ مرادآباد سے سنسار پور جاتے ہوئے دیوبند رکنا نہیں ہوا، تو باقاعدہ فون کرکے کہا کہ چپکے چپکے یہاں سے چلی گئیں، بتایا بھی نہیں۔ اِسی طرح ایک مرتبہ مرادآباد سے سنسار پور جلدی آنا تھا، دیوبند جانے کا اِرادہ نہیں تھا، تو روڈ پر ملنے آئے، ساتھ میں دادی جان اور پھوپھی جان بھی تھیں، باقاعدہ کھانا بھی لے کر آئے۔ اللہ اکبر! اَب کہاں سے ایسی شفقت اور محبت پائیں گے۔

دادے اَبا سے آخری ملاقات ۲۶ رمضان المبارک کو ہوئی، اَبا کو دیکھ کر دل بہت بے چین ہوا، ضعف اور نقاہت بے انتہاء تھی، آکسیجن لگا ہوا تھا؛ لیکن چہرے سے بالکل مطمئن تھے، کوئی تکلیف کا شائبہ تک نہیں تھا، کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہوگی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آہ! ابا چلے گئے

سید محمد عدی منصور پوری متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

میرے بہت مشفق ومربی، محبوب العلماء ومحبوب الہند وامیر الہند حضرت دادا جان جن کا نامِ نامی اسم گرامی حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ تھا۔ ایسا لگا کہ میرے سر پر ایک تاج تھا جو اُٹھ گیا؛ گویا کہ ہم سب سایہ سے دھوپ میں آ گئے ہیں، حضرتؒ سے ہمارا بہت گہرا تعلق تھا، حضرت جب بھی مرادآباد تشریف لاتے تو مجھ سے بہت اُلفت وشفقت سے پیش آتے، معلوم کرتے تھے کہ ''تمہارا کون سا پارہ چل رہا ہے، ذرا سناؤ تو''۔ ابا کو قرآنِ پاک سے بہت زیادہ لگاؤ، رغبت اور محبت تھی اور حضرت جب قرآنِ پاک پڑھتے تھے تو بہت سکون حاصل ہوتا تھا۔

حضرت کا کہیں سفر ہوتا، اگر اُس سفر میں کوئی خاندان کا فرد ہوتا تو حضرت اُس سے قرآنِ پاک ضرور سنا کرتے تھے۔ اور ایک عجیب بات یہ تھی کہ جب حضرت غلطی بتاتے، تو ناراض نہیں ہوتے تھے؛ بلکہ نظرانداز فرمایا کرتے کہ کہیں اس پر بوجھ نہ بڑھ جائے اور ابا کا امیر، غریب، ہندو، مسلم ہر مسلک ومذہب کے لوگوں سے بہت تعلق تھا؛ بلکہ یہ کہہ دیا جائے کہ ''اُمت مسلمہ کے ہر فرد سے آپ کو محبت تھی'' تو بے جا نہ ہوگا۔

حضرت کے اندر تربیت کا بہت ذوق وشوق تھا، حضرت دادا جان نے حضرت والد ماجد مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کی اتنی زوردار تربیت کی کہ آج دنیا

اُن کو چاند تاروں کی نظر سے دیکھتی ہے، جہاں کہیں حضرت والد ماجد پر نظر پڑتی ہے، تو ابا جان کی تربیت نظر آ جاتی ہے، کیا زوردار تربیت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابا جانؒ کی تمام برائیوں سے حفاظت کر رکھی تھی، کبھی اپنی نظروں کو غلط جگہ نہیں اُٹھاتے تھے، حضرتؒ اُصول وضوابط کے بہت زیادہ پابند تھے، اگر کوئی انسان اُصول کے خلاف بات کہتا تھا، تو حضرت اُس کی بات کو یا تو سنی اَن سنی کرتے تھے، یا کوئی جواب نہیں دیتے تھے، بے اُصولی بات کا جواب نہیں ملتا تھا؛ بلکہ با اُصول بات کا جواب ملتا تھا۔

حضرتؒ کا صبر

حضرتؒ صابرین میں داخل تھے، حضرت کے بڑے بھائی سید محمد موسیٰؒ جو ہمارے بڑے ابا موسیٰ تھے، اُن کی وفات حضرتؒ کی زندگی میں ہوئی، حضرت کے چھوٹے بھائی سید محمد داؤد جو ہمارے چھوٹے ابا تھے، اُن کی وفات حضرت کی زندگی میں ہوئی، حضرت کے والد ماجد سید محمد عیسیٰؒ جو ہمارے پردادا تھے، اُن کی وفات حضرت کی زندگی میں ہوئی، حضرت کی والدہ ماجدہ جو ہماری پردادیؒ تھیں، اُن کی وفات حضرت کی زندگی میں ہوئی، حضرت کی چھوٹی بہن جو ہماری پردادی کا درجہ رکھتی تھی، اُن کی وفات حضرتؒ کی زندگی میں ہوئی، اللہ اکبر! حضرت کتنے صبر کرنے والے تھے؟

اِن حضرات کی وفات دیکھ کر تو دل روتے روتے بالکل ٹوٹ جاتا ہے؛ لیکن وہ اللہ کا نیک بندہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے خود صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ ان مواقع پر تو تمام حضرات کی آنکھیں نم تھیں؛ لیکن حضرت صبر کا دامن تھامے ہوئے تھے۔

حضرت کی صفاتِ عالیہ

حضرت کے اندر ایک صفت یہ تھی کہ اُن سے جو انسان بھی بات کرنا چاہتا تھا، تو حضرت اُس کی بات کو بغور سماعت فرماتے تھے، ایسا نہیں کہ یہ دوسرے مسلک سے تعلق رکھتا ہے، اس کی بات ہم کیوں سنیں؟ نہیں! بلکہ ہر کسی کی بات کو بہت اطمینان سے سنا کرتے تھے اور سن کر بہت

آسان اور واضح حل بتایا کرتے تھے۔

حضرت کو چھوٹے چھوٹے بچوں سے بے حد لگاؤ تھا، ایک مرتبہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے حضرت نے اُن کو ناشتہ کرایا، کچھ باتیں کیں اور ان کو روانہ کر دیا، تو حفظ یا فارسی کے چند طلبہ باہر کھڑے ہو گئے، حضرت اندر تشریف فرما تھے، تو حضرت نے اپنے خادم کو بھیجا کہ دیکھو باہر کون ہے؟ خادم نے آ کر بتایا کہ کچھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضرت سے ملنا ہے، حضرت نے فرمایا کہ بلاؤ! وہ چھوٹے چھوٹے بچے حضرتؒ کے پاس آ کر بیٹھ گئے، حضرت نے خادم سے عرض کیا کہ جو ناشتہ ابھی مہمانوں نے کیا ہے، وہی دوبارہ لے آؤ، ان بچوں کو بھی کھلاؤ، بچوں نے کھایا اور بہت خوش ہوئے اور باتیں کر کے چلے گئے، حضرت بہت خوش ہوئے۔

حضرت کبھی ناانصافی نہیں کرتے تھے، اگر مرادآباد تشریف لاتے، تو امروہہ ضرور جایا کرتے تھے اور ہر انسان کی تربیت کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ اور ہر کسی کا دل رکھتے تھے، بلکہ اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ گاؤں در گاؤں غرباء اور مساکین کو پوچھا کرتے تھے، اور دل کھول کر ان کا تعاون فرمایا کرتے تھے۔

ایک واقعہ

حضرتؒ ایک مرتبہ سفر میں جانے کے لئے اسٹیشن تشریف لے گئے، جب وہاں پہنچے تو میرے خیال سے ٹرین آ چکی تھی، جب حضرت جانے لگے تو اتنے میں ایک بوڑھی خاتون آئیں اور حضرت سے کچھ بات معلوم کرنے لگیں، حضرت نے ٹرین کا خیال دل سے نکال دیا اور اُن بوڑھی صاحبہ کی بات کو بہت غور سے سننے لگے، جب بات پوری ہو گئی، تو حضرت نے اُن کی بات کا بہت اطمینان کے ساتھ جواب دیا، اُس کے بعد ٹرین پر سوار ہو گئے۔

حضرت کا مہمانوں کے ساتھ تعلق

حضرت کی زندگی بہت صاف شفاف سادگی اور سکون سے گذری ہے، اپنی زندگی میں کبھی کسی کا حق نہیں مارا، حضرت کو مہمانوں سے بہت زیادہ لگاؤ تھا، جب مہمان آتے تو حضرت

کو یہ فکر رہتی تھی کہ بس پورے گھر کا کھانا مہمانوں کے سامنے حاضر ہوجائے، روٹیاں کم نہ پڑیں، اگر روٹیاں کم پڑ جاتیں، تو فوراً روٹیاں منگواتے اور مہمانوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے، چاہے حضرتؒ خود نہ کھائیں مگر مہمان پیٹ بھر کر کھالیں۔

غرباء سے حضرت کا تعلق

اگر کوئی غریب آدمی ہماری دعوت کر دے، تو ہماری ناک کٹ جاتی ہے اور اس کو اِن شاء اللہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں اور اپنی جگہ کسی اور خادم یا دوست کو بھیج دیتے ہیں۔ واللہ! حضرتؒ کے اندر یہ عادت نہیں تھی، حضرت ہر کسی کی دعوت قبول فرمالیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کے پاس دارالعلوم دیوبند کا ایک دربان آیا، احقر اُس وقت حضرت کے پاس موجود تھا، حضرت سے کہا کہ آپ اور آپ کے دونوں صاحبزادگان کی میرے گھر پر کل دعوت ہے، ضرورت تشریف لایئے گا، حضرت نے اس کی دعوت کو قبول فرمالی اور تشریف لے جا کر اُس کی بہت حوصلہ افزائی کی اور بہت خوش ہوئے اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کچھ پیسے دیے اور اُن بچوں کے سروں پر اپنا دست شفقت رکھا، اللہ اکبر کبیرا، ایسا دل رکھنے والا چلا گیا۔

حضرتؒ کا گھر میں رہنے کا سلیقہ

حضرتؒ کبھی رات میں پوری رات سو کر نہیں گذارتے تھے؛ بلکہ آدھی رات عبادت میں گذارتے تھے، پھر تھوڑا سا آرام کرتے پھر اُٹھ کر مطالعہ کرتے پھر تھوڑا سا آرام کرتے، پھر اُٹھ جاتے، فجر سے تقریباً ایک گھنٹہ یا آدھا گھنٹہ پہلے اُٹھ کر اپنے دست مبارک سے چائے بناتے اور اس کو پی کر تمام گھر والوں کو جگاتے اور باہر ہی سے آواز دیتے تھے اور فجر کی سنتیں گھر پر پڑھ کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت سے راقم الحروف کے والہانہ تعلق کی چند جھلکیاں

جب میں چھوٹا سا تھا تو حضرتؒ چھتہ مسجد کے اوپر گھر میں رہا کرتے، تو مجھ سے حضرت

بہت محبت رکھتے تھے اور محبت بھری باتیں کرتے تھے، جب میں ابا کے پاس جاتا تو اپنے مطالعہ میں مگن رہتے تھے؛ لیکن مجھے کیا معلوم کہ مطالعہ کیا چیز ہوتی ہے؟ اُس وقت تو اتنی عقل سمجھ بھی نہیں تھی۔

جب میں حضرت کے پاس جایا کرتا تھا، تو میں باتیں کرنے کے لئے آپ کو اپنی جانب مائل کرتا تھا، اُلٹے سیدھے سوال کرتا تھا، تو حضرت مجھ کو باہر بھیجنے کی کوشش بھی کرتے تھے، لیکن میں جاتا ہی نہیں تھا، تو حضرت مجھ کو ایک غبارہ دیتے تو میں چلا جاتا تھا۔ جب حضرتؒ اپنے کمرے سے باہر نکلتے تو ہم (محمد عدی اور محمد ہشام) چلاتے تھے کہ غبارے والے ابا آ گئے، ابا خوب مسکراتے تھے؛ کیوں کہ میرے نانا جان حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدت فیوضہم ہم سب بچوں کو ٹافی دیا کرتے تھے، تو ہم ان کو ٹافی والے ابا کہتے تھے، تو ہمارے اوپر حضرت کا ایک سایہ رہا کرتا تھا۔

جب ہم حضرت کو دیکھتے کہ آپ اخبار پڑھ رہے ہیں، تو میں اور میرا چچازاد بھائی محمد ہشام سلمہ ہم دونوں جاتے اور حضرت سے سوال کرتے تھے کہ ابا آپ یہ بتایئے کہ آپ جمعیۃ علماء ہند کے صدر ہیں، تو آپ کو کیسا لگتا ہے؟ تو حضرت بہت زوردار قہقہہ لگاتے اور فرماتے کہ صدر تو تم لوگ ہو، میں کہاں ہوں؟ پھر ہم لوگ کہتے تھے کہ ابا جب لوگ آپ کا نعرہ لگاتے ہیں تو آپ کو کیسا لگتا ہے، تو حضرتؒ بہت مسکراتے اور کچھ نہ فرماتے، اللہ اکبر حضرت نے اتنی سادگی سے زندگی گذاری۔

دیر تک روئے گی دنیا حضرت عثمان کو

حضرت کی زندگی کے آخری چند مراحل

حضرتؒ کے اپنے متعلقین ہوں یا غیر متعلقین، ہر کسی کے جنازے میں جایا کرتے تھے اور منصور پور میں جس کا بھی انتقال ہوتا تھا سب کے جنازے میں جاتے تھے۔

حضرت مکاتبِ قرآنیہ کے قیام پر بہت زور دیتے تھے اور اصلاحِ معاشرہ سے بھی بڑا لگاؤ تھا، یہاں تک کہ حضرت نے چھوٹے چھوٹے کتابچے لکھوا رکھے تھے، مثلاً: زندگی کیسے

گذاریں؟'' اور ان کتابچوں کو گاؤں در گاؤں تقسیم کرتے تھے اور مساجد میں جا کر اصلاح معاشرہ کے عنوان پر جلسے ہوتے تھے، لاک ڈاؤن میں بھی حضرتؒ گاؤں دیہات میں جا کر دین پھیلایا کرتے تھے اور یہ سب کام حضرت خود کیا کرتے تھے اور کچھ کتابچے دارالعلوم کے اساتذہ کے ذریعہ بھی تقسیم کرایا کرتے تھے، کبھی کبھی خود مکتب میں بیٹھ کر چھوٹے چھوٹے بچوں کو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھاتے۔ دین کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور بنیادی کاموں سے حضرت کو بہت زیادہ لگاؤ تھا اور حضرت کی یہی چاہت رہتی تھی کہ ہمارے گھر کا ہر فرد حافظِ قرآن بن کر نکلے، مفتی بن کر نکلے اور بچیاں بھی حافظہ بنیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت کی دعا کو قبولیت سے نوازا، حضرت نے دین کے کاموں کے لئے بے حد سفر کئے، آپ نے پوری زندگی لوگوں تک دین پہنچانے میں گذاری، حضرت کے اندر ذمہ داریوں کو نبھانے کا بہت ذوق تھا، ہر کام خود اپنی ذمہ داری میں انجام دیتے، اگر مزدوروں سے کام ہوتا، تو اس میں بہت نگرانی کیا کرتے تھے۔

حضرت کی زندگی کا آخری سفر

حضرت ایک میت کی نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے منصور پور گئے؛ چناں چہ حضرت نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اُس دن دو لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھائی، میری دادی صاحبہ مدظلہا منع بھی کرتی تھیں کہ اب اپنے اسفار بند کر دیجیے؛ لیکن حضرت پر دین کا غلبہ تھا اس لئے حضرت دینی اسفار ضرور کرتے تھے؛ چناں چہ جب جنازہ کی نماز پڑھا کر دیوبند واپس آئے، تو تقریباً دو یا تین دن کے بعد حضرت کو کمزوری ہونے لگی، یہ بات ۱۶ر یا ۱۷ر رمضان المبارک کی ہے، نہ کچھ کھاتے تھے، نہ پیتے تھے، بس لیٹے رہتے تھے، نہ کسی سے بات کرنے کو دل کرتا تھا، تقریباً ۲۲ر رمضان المبارک کو کمزوری حد سے تجاوز کر گئی اور آکسیجن کی ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت والد محترم بھی ۲۳ر رمضان المبارک کو اعتکاف منسوخ کر کے دیوبند تشریف لے گئے، وہاں پر مفتی محمد عفان صاحب اور حضرت والد محترم دادے ابا کی خدمت کرنے لگے، آکسیجن لگنے کے بعد کچھ طبیعت میں سدھار آیا، لیکن برائے نام، جب آکسیجن ہٹاتے، تو لیول گھٹ جاتا اور اگر

لگاتے تو بڑھ جاتا، ایک طرح سے بڑی تشویش کی بات تھی، پھر یہ حالت سن کر ہم لوگ بھی حضرت دادا جانؒ کے پاس چلے گئے، تقریباً ۵؍شوال کو حالت نازک ہونے کی وجہ سے (حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی، حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی، حضرت والد محترم اور چچا جان کے مشورہ سے) حضرتؒ کو میدانتا اسپتال گڑگاؤں میں داخل کردیا گیا، پہلے ایک ایمرجنسی وارڈ میں داخل کرلیا گیا، اُس وقت والد محترم اور چچا جان دونوں ساتھ تھے، حضرت دادا جان ان حضرات سے بات بھی کرتے رہے، کورونا رپورٹ کرائی گئی، تو بتایا گیا کہ پازیٹو ہے، تو فرمایا کہ دیوبند میں تو کورونا نہیں تھا، پھر حضرت کو جب ICU میں لے جانے لگے، تو کہنے لگے کہ کہاں لے جائیں گے؟ تو بتایا گیا کہ ICU میں لے کر جارہے ہیں، فرمایا کہ تم لوگ ساتھ رہوگے؟ چچا جان نے کہا کہ ہم لوگ ان شاء اللہ ملتے رہیں گے، پھر حضرت کو اندر لے جانے کے لئے ڈاکٹر حضرات آ گئے، والد محترم بتاتے ہیں کہ جب حضرت کو اندر لے جانے لگے، تو حضرتؒ نے سلام کے لئے ہاتھ بڑھایا، یہی آخری سلام تھا۔

بہر حال بدھ کے روز حضرتؒ کی طبعیت کچھ بہتر تھی، جمعرات کو بھی ایسی ہی رہی، بلکہ اور زیادہ بگڑتی چلی جارہی تھی، ۸؍شوال بروز جمعہ کی رات کو طبعیت زیادہ بگڑ گئی اور حضرت کو وینٹی لیٹر پر لے جانے کی کارروائی ہونے لگی، کئی ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق حضرتؒ کو وینٹی لیٹر پر لے گئے اور اس ارادے سے لے جایا گیا کہ اگر حضرت ۲۴؍گھنٹے میں ٹھیک ہوگئے تو ہم حضرت کو یہیں رہنے دیں گے، ورنہ اپنے گھر لے جائیں گے۔

جمعہ کی صبح کو حضرت دادا جانؒ کا BP لو ہوگیا، ڈسچارج کرانے کا مشورہ ہوا، مشورہ چل ہی رہا تھا کہ دل کو دہلانے والی خبر معلوم ہوئی کہ حضرت دادا جانؒ کے دل کی دھڑکنیں بند ہوچکی ہیں اور آپ نے اس دارِفانی سے پردہ فرمالیا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب یہ خبر گھر پر پہنچی تو ایک غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، ایسا لگا کہ اب ہم یتیم ہوچکے ہیں اور حضرت کے تمام اعزاء واقرباء، محبین و متعلقین وغیرہ فوری طور پر ایک ہجوم بن کر حضرت داداؒ کی

قیام گاہ پر تشریف لانے لگے، جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں حضرت کے غسل وتکفین کی کارروائی کی گئی اور ایک نماز جنازہ وہیں پڑھی گئی اور دوسری نماز جنازہ رات کے گیارہ بجے دارالعلوم کے احاطۂ مولسری میں حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی اقتداء میں ادا کی گئی اور لاک ڈاؤن کے باوجود بڑے ہجوم نے نمازِ جنازہ میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، درجات بلند فرمائیں اور اُن کے نقش قدم پر چلائیں، اُن کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

آہ دادا جان!

سید محمد عمر منصور پوری متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

اللہ تبارک وتعالیٰ اِس دنیا میں کچھ لوگوں سے ایسا لگاؤ پیدا فرمادیتے ہیں، جن کے جدا ہونے سے زندگی اُجڑ جاتی ہے، جن کے رہتے ہوئے یہ دنیا بھی ایک باغ نما معلوم ہوتی ہے، جب سے میں نے اپنا ہوش سنبھالا، تو جہاں ایک طرف احقر نے اپنے والدین کو کسی محسن ومربی سے کم نہ پایا تو وہیں دوسری جانب اپنے دادا جان (اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ) کو بھی کسی مشفق اور محسن سے کم نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کچھ کو ایسا بنایا ہے کہ جن کے چلے جانے سے صرف ایک کنبہ یا پھر ایک خاندان ہی غم زدہ ہوتا ہے؛ لیکن کچھ بندوں کو ایسا بناتا ہے کہ جن کے چلے جانے سے نہ صرف ایک گھرانہ یا ایک خاندان بلکہ پورا عالم خون کے آنسو روتا ہے، اُنہی مخصوص بندوں میں سے ہمارے دادا جان بھی تھے۔

بچھڑا کچھ اس اَدا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے جہاں کو ویران کر گیا

دادا جان اللہ تعالیٰ کے اُن مخصوص بندوں میں سے بھی تھے کہ جن کو اللہ نے خوب علم سے بہرہ ور فرمایا تھا، جن کے اندر اخلاص وللّٰہیت عشق رسول تواضع وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اور قرآنِ کریم سے بھی بہت شغف تھا، سفر میں ہوں یا حضر میں، خالی ٹائم میں خوب قرآنِ کریم پڑھتے تھے، بہت صاف اور عمدہ پڑھتے تھے۔

آخری سالوں میں دادا جان نے بڑا موبائل لے لیا تھا، جس کو لینے کے بعد سب سے پہلے اُس میں قرآنِ کریم ڈاؤن لوڈ کروایا، اور سفر میں ہوتے تو اُسی میں قرآن کھول لیتے اور پڑھنا شروع فرمادیتے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ دادا جان کے ساتھ دہلی کے سفر پر تھے، ہم دونوں (احقر اور عدی سلمہ) اور چچازاد بھائی محمد ہشام سلمہ ساتھ تھے، تو راستے میں ہم لوگوں نے دادا سے کہا کہ اَبا کچھ ناشتہ کرادیجئے، تو اَبا نے ایک چائے کے ہوٹل پر گاڑی رکوائی، اور وہاں ہم لوگوں نے ناشتہ کیا، اور شکم سیر ہوگئے، تو جب ہم گاڑی میں بیٹھے تو اَبا نے پوچھا کہ خوب کھاپی لیا؟ تو ہم نے اثبات میں جواب دیا، پھر کہنے لگے کہ چلو سب پارہ سناؤ۔ (چوں کہ دادا جان کا یہ معمول تھا کہ اگر گھر کا کوئی بھی بچہ جو حافظِ قرآن ہو یا قرآن حفظ کر رہا ہو، اور سفر میں ساتھ ہو، تو اُس سے قرآن ضرور سنتے تھے)

چناں چہ ہم تینوں (احقر، محمد عدی، محمد ہشام) نے پارہ سنایا اور بہت غور سے تینوں کا پارہ سنا۔ دادا جان نے لاک ڈاؤن میں قرآنِ کریم کے ۱۹/دور پورے کیے، اور سال ۲۰۲۰ء میں رمضان میں تراویح بھی سنائی، اور اسی سال ۲۹/ویں شب کو ہم نے یہ بتلانے کے لئے فون کیا کہ آج ہمارا قرآنِ کریم تراویح میں مکمل ہو رہا ہے، تو خود بھی بتلانے لگے کہ ''ہم نے بھی اِس سال تراویح میں قرآن سنایا ہے، ۱۰/رکعت میں پڑھاتا تھا اور ۱۰/رکعت میرا سامع''۔ اور پھر خود ہی بتانے لگے کہ چوں کہ میرا سامع چلا گیا تھا، اِس لئے آخری دن میں نے خود ہی ڈھائی پارے پڑھے، اللہ اکبر۔

عشقِ رسول ﷺ

دادا جان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عشق تھا، جب بھی بیان میں یا سبق میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نامِ نامی آتا تو بہت سکون کے ساتھ پورا نام لیتے تھے اور درود

شریف بھی خوب پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ ہم لوگ شادی میں خانجہاں پور ضلع مظفرنگر گئے، ہماری واپسی عصر کے بعد ہوئی؛ چناں چہ ہم نے دادا جان سے ملاقات کرنی چاہی، تو دادے اَبا کہیں دکھائی نہیں دئے، کسی نے بتایا کہ اَبا مسجد میں ہیں، تو ہم لوگ مسجد میں چلے گئے، تو دیکھا کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں، اور درود شریف پڑھ رہے ہیں، یعنی ایک طرف شادی کا ہنگامہ تو دوسری طرف آپ اپنے معمولات پورے کرنے میں لگے ہیں۔

اِس واقعہ سے اِس بات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اپنے معمولات کے بھی بہت پابند تھے۔

اُصول کی پابندی اور معاملات کی صفائی

دادا جان اُصول کے بہت پابند تھے، خواہ وہ مدرسہ کے اُصول ہوں یا کسی اور چیز کے، ہر چیز میں اُس کے اُصول وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرتے تھے، اور معاملات کی صفائی بھی بہت تھی۔ اگر دارالعلوم میں کسی چیز کے بارے میں درخواست دیتے تو اُس درخواست کی ایک فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھتے تھے؛ تاکہ بعد میں کوئی شبہ نہ رہے۔ دادا جان ہر چیز کو تحریری شکل میں لیتے، خالی زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلاتے تھے۔

رجال سازی

اَبا کے اندر رجال سازی کی بھی ایک بہت ہی عمدہ صفت تھی کہ غلط بات پر فوراً نکیر کرتے، خواہ وہ گھر کی ہو یا باہر کی، اَب کون ہے جو اپنے اِس فرض کو انجام دے گا؟ اللہ احقر کے والدین کو سلامت رکھے، اُن کا سایۂ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے؛ لیکن بڑے تو بڑے ہی ہوتے ہیں۔ بقول محترم چچا جان کے کہ اَب کون ہے جو ہماری غلطی پر نظر رکھے اور شفقت بھرے لہجے میں سمجھائے۔ اَب تو بس یہی ہے کہ:

اَب کسی کو ہم غریبوں کا خیال آتا نہیں
مدتیں گذریں کوئی پرسانِ حال آتا نہیں
خشک ہوجاتے ہیں آنسوں تو آتا ہے لہو
غم وہ دولت ہے کبھی جس پر زوال آتا ہی نہیں
کیسے کیسے سرخ رو آتے ہیں میری بزم میں
پر تیرا جیسا کوئی خوب رو آتا نہیں

جوخدام آپ کے پاس رہتے تھے، آپ اُن کی بھی بہترین تربیت فرماتے تھے؛ گویا وہ بھی گھر کا ایک فرد ہو۔

مولانا محمد اسجد قاسمی مظفرنگری نے داداجان کا ایک واقعہ سنایا کہ حضرت ایک مرتبہ موسم سرما میں مرادآباد تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے وضو کرنا ہے؛ چناں چہ میں جلدی سے گیا اور ٹھنڈا پانی نکالنے کے لئے ٹنکی چلادی؛ تاکہ گرم پانی آجائے، اتنے میں اَبا وضو کے لئے تشریف لے آئے اور دیکھتے ہی فرمایا کہ ''یہ ٹنکی کیوں کھول رکھی ہے''؟ تو میں نے وجہ بتائی کہ گرم پانی کے لئے کھول رکھی ہے، تو فوراً فرمایا کہ ''اِس پانی کا حساب کون دے گا، جس کو بہادیا گیا؟ اور کیا یہ اِسراف میں داخل نہیں ہے؟'' تو میں دم بخود رہ گیا، اور ابا اُسی ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں مشغول ہوگئے۔

آج رہ رہ کران کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے کہ ہائے افسوس اس جیسا مربی اب ہمارے درمیان نہیں رہا۔

داداجان کی پوری زندگی اعلیٰ اخلاق کی نمونہ تھی، کبھی بھی ہم نے اُنہیں عزت اور منصب کو طلب کرتے ہوئے نہیں دیکھا؛ بلکہ جو ذمہ داری دے دی جاتی، اُس کو پورے اُصول وضوابط کے ساتھ نبھاتے تھے۔

نہ تو عہدہ نہ تو کرسی نہ لقب مانگا ہے
نہ تو محفل میں کبھی صدر کی جاہ مانگی ہے

دادا جان کے اوپر اتنی ذمہ داریاں تھیں؛ لیکن ہم نے کبھی اُنہیں ٹینشن میں نہیں دیکھا؛ بلکہ ہمیشہ خوشی ومسرت کے ساتھ اِس طرح ملتے تھے کہ دیکھنے والا دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص اتنی بڑی بڑی ذمہ داریوں کا حامل ہے۔ دادا جان حضرت مدنیؒ کے اِن پسندیدہ اَشعار کے بھی مصداق تھے:

مصائب میں اُلجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا
نگاہیں جن کی پڑجاتی ہے مستقبل کے چہرے پر
اُنہیں ماضی کے اَفسانوں کو دہرانا نہیں آتا

دادا جان سے اللہ نے دین کا بہت کام لیا، ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سال بھی ''وفات العلماء'' کا سال ہے؛ کیوں کہ اِس سال اس وبائی مرض (کورونا وائرس) کی وجہ سے ہمارے بہت سے علماء انتقال کر گئے، اور دارالعلوم دیوبند کے بہت سے اَساتذۂ کرام دنیا سے چلے گئے، جن میں سے بالخصوص حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب، حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمہم اللہ ہیں۔

جب دادا جان بسترِ مرگ پر تھے، تو اُنہی دنوں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا انتقال ہوا تھا، تو میں نے دادا جان کو اطلاع دی کہ آج حضرت کا انتقال ہوگیا ہے، تو دادا جان اَنار تناول فرما رہے تھے، تو کھاتے کھاتے رک گئے اور فوراً پوچھا کہ کب ہوا؟ میں نے کہا کہ آج ہی ہوا ہے، تو دادا جان کو بہت ہی اَفسوس ہوا اور کہنے لگے کہ اُن سے بات ہوئی تھی، تو کہہ رہے تھے کہ میں بیمار ہوں، میرے لئے دعا کیجئے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں، آمین۔

بہرحال جو علماء بقیدِ حیات ہیں، اللہ اُن سے ہمیں خوب خوب استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

آخرکار یہ علم کا چراغ بھی ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء عین جمعہ کی نماز کے وقت گل ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دادا جان کی وفات کو اتنے دن گذر گئے ہیں؛ لیکن یہ تصور کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اب آپ ہمارے درمیان نہیں ہیں، خیر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ دادا جان کو ان کے احسانات کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائیں، اور اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں، اور ہمیں بھی اُن کی طرح بننے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

میرے مثالی دادا جان

از قلم: سید محمد ہشام منصور پوری متعلّم مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

موت ایک ایسی حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ عقل مند ہیں وہ لوگ، جو موت کے بعد کی زندگی کے لئے پہلے ہی سے انتظام کر کے رکھتے ہیں۔

کووڈ ۱۹ کی دوسری لہر میں اکابر علماء کرام بہت جلدی جلدی اللہ کو پیارے ہو گئے، ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ سے ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ء تک ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے چار مایۂ ناز اساتذۂ کرام اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

(۱) حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینیؒ

(۲) مولانا محمد قاسم صاحب میرٹھیؒ

(۳) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ

(۴) امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ معاون مہتمم واستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند۔

رو پڑا ہے سارا عالم، ہے جمعیت سوگوار
چھوڑ کر تنہا ہمیں وہ مہرباں جاتا رہا

اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں کو نور سے منور فرمائے۔ آمین۔

ہمارے دادا یعنی حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ (جن کو ہم پیار

سے ابا کہا کرتے تھے) تین بھائی تھے۔ سب سے بڑے تھے ابّا موسیٰ صاحبؒ (متوفی: یکم جنوری ۲۰۱۷ء)، پھر ان کے بعد اباؒ (ہمارے دادا) تھے پھر ابا داؤد صاحبؒ (متوفی: ۲۰۱۳ء) تو سب سے پہلے چھوٹے بھائی ابّا داؤد صاحب کا وصال ہوا اور پھر ابّا موسیٰ صاحبؒ کا وصال ہوا۔ اب ہمارے اباؒ بھی ہم سب کو اکیلا چھوڑ گئے۔ اب تو صرف ابا کی باتیں یاد آئیں گی، ابا کے سمجھانے کا طریقہ یاد آئے گا، ابا کے چلنے پھرنے کا خوبصورت انداز یاد آئے گا، ابا کی ہر بات یاد آئے گی، کس کس بات کو ہم یاد کر کے روئیں، اللہ اکبر! ابا کی باتیں کرتے ہوئے بدن پر کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے کہ ابا کیسے وفات پا گئے۔

ہمارے ابّا امروہہ آتے رہتے تھے، آپ جب بھی تشریف لاتے، تو امروہہ میں ایک الگ ہی نور محسوس ہوتا تھا۔ ہم لوگ بھی بہت خوش ہوتے تھے کہ ابا آ رہے ہیں، اب کس کے آنے سے ہمیں اتنی خوشی میسر ہوگی۔ امروہہ کا آخری سفر آپ نے ۷؍رجب ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰؍فروری ۲۰۲۱ء کو فرمایا تھا اور ڈاکٹر محمد علی صاحب کی صاحبزادی کا نکاح پڑھایا تھا۔ اس کے بعد یہاں سے مرادآباد تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح آپ ہر سال مدرسہ کے جلسۂ دستار بندی میں شرکت کے لئے بھی تشریف لاتے اور بخاری شریف کا آخری درس بھی دیتے تھے، دیوبند جانے سے پہلے گیارہ سال جامع مسجد امروہہ میں ابا نے پڑھایا تھا، جامع مسجد امروہہ سے پہلے ابا نے پانچ سال گیا (بہار) میں پڑھایا تھا، پھر ۱۹۸۲ء میں ابا کو دارالعلوم دیوبند بلا لیا گیا تھا، پھر دارالعلوم دیوبند میں ابا کچھ سال بعد نائب مہتمم کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اور ۱۲؍سال نائب مہتمم رہے۔ ۲۰۰۸ء میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر منتخب کیے گئے تو ابا نے نائب مہتمم کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور ایک استاذِ حدیث کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔

پالتو جانور بھی مانوس تھے

بلی اور طوطا بھی ابا کے احسانات کو نہیں بھلا سکتے۔ جب ابا طوطا پالتے تھے، تو وہ سوائے

ابا کے سب کو کاٹتا تھا، کوئی اس کے ڈر سے اس کے پنجرے میں ہاتھ نہیں ڈالتا تھا کہ وہ کاٹ لے گا؛ لیکن ابا آتے اور اس کے پنجرے میں کھانا ڈالتے اور پانی پلاتے، وہ طوطا آپ سے بہت مانوس تھا۔

ایک بلی تھی جو دارالعلوم میں ایسے ہی پھرتی رہتی تھی، اس نے بھی ابا کے پاس آنا شروع کیا۔ ابا جب پارہ سناتے تو وہ بلی ابا کی ران پر سر رکھ کر سو جاتی۔ ابا اس کا خوب خیال رکھتے، مرض الوفات میں ابّا کو میرے تایا زاد بھائی: حافظ عدی نے کہا کہ بلی بہت پریشان رہتی ہے تو ابا نے کہا کہ تم لوگ اس کا خیال رکھا کرو، ابّا نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد وہ بلی بھی پریشان ہے کہ ابّا کہاں چلے گئے، ہر وقت گھر کے باہر پھرتی رہتی ہے، نہ کچھ کھاتی ہے اور نہ کچھ پیتی ہے۔

مشفقانہ برتاؤ

ہر کسی کو ابا اپنا سمجھ کر پیار و محبت دیتے تھے، ہم تو تھے ہی ان کے اپنے؛ لیکن جو اور لوگ تھے، ابا ان سے بھی اسی شفقت و محبت سے پیش آتے، ان کے وصال کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم پر سے ایک سایہ دار درخت اٹھ گیا ہے، وہ ہر ہر چیز کی خیر خبر رکھتے تھے، گھر میں کسی کی طبیعت خراب ہوتی تو ابا کا بار بار فون آتا رہتا تھا۔ وہ بہت پریشان ہو جاتے تھے۔

تکمیلِ حفظ کے موقع پر مسرت کا اظہار

جب میرا حفظِ قرآن مکمل ہوا، تو میں نے ابا کو فون کیا ابا یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ یہاں ان شاء اللہ ضرور آئیں گے۔ اصل میں ابا کا اس دن مرادآباد کا سفر تھا، پھر ابا پہلے امروہہ آئے، دعا کرائی، بیان کیا، مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا، رات میں قیام کیا اور اگلے دن مرادآباد تشریف لے گئے۔

آخری تقریب

میرے حفظ کلام اللہ کی تکمیل کے موقع پر رمضان سے چند روز پہلے ۷/اپریل ۲۰۲۱ء کو

ایک بڑی دعوت ابا نے دیوبند میں کی، جو آپ کی آخری خوشی بن کر رہ گئی، اس دعوت میں ابا بہت خوش تھے، دعوت کے ٹھیک ڈیڑھ ماہ بعد ابّا ہم سے جدا ہوگئے۔ اچانک ہی بیمار ہوئے اور پندرہ دن کے اندر ہی چل بسے، وہ اللہ کی امانت تھے، جب اللہ نے اپنی امانت لینی چاہی، لے لی، ویسے تو ہم سب ہی اللہ کی امانت ہیں، جتنی اللہ کی مخلوقات ہیں، ایک دن جانے کے لئے آئی ہیں، کسی دن ہم بھی چلے جائیں گے۔

نماز کی پابندی

ابا بیماری میں بھی نماز کا پورا اہتمام کرتے تھے، ہم میں جو بھی ان کے پاس ہوتا اور نماز کا وقت ہوجاتا، تو کہتے کہ تیمّم کی مٹی اُٹھا کر لاؤ، پھر تیمّم کرتے اور نماز پڑھتے، تہجد بھی پنج وقتہ فرض نمازوں کی طرح پابندی سے پڑھتے تھے۔ ابّا کو نماز کا ایک الگ قسم کا شوق تھا اور ہم سب کو بھی نماز کی ترغیب دیتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم

جب ابا دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم بنے تھے، تو اس وقت مبارک باد دینے کے لئے میں نے ابا کو فون کیا، میں نے سلام کیا اور اپنا نام بتایا پھر میں نے کہا: ابا! آپ کو مبارک ہو کہ آپ مہتمم بن گئے۔ ابا نے کہا کہ مہتمم تو نہیں بنے۔ میں نے کہا معاون مہتمم تو بن گئے پھر کہنے لگے ارے دس بارہ سال پہلے بھی یہی بوجھ آیا تھا، اب پھر آ گیا، مطلب کوئی خوشی نہیں تھی، اپنے معاون مہتمم بننے پر اور کوئی ہم جیسا ہوتا، تو اسے اتنی خوشی ہوتی کہ میں دارالعلوم دیوبند کا معاون مہتمم بن گیا۔ اب ان جیسی شخصیت کا مالک اس دنیا میں ملنا بہت مشکل ہے، اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

اچھے خواب

جس دن ابا میدانتا اسپتال کے آئی سی یو میں داخل ہوئے، اس دن میں نے خواب

دیکھا کہ ابا آکر بیٹھے اور کچھ بول نہیں رہے تھے، اشاروں اشاروں میں ابا نے مجھ سے کہا کہ اپنا ہاتھ میری ہتھیلی پر رکھو میں نے ہاتھ رکھا ابا نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور گلے سے لگایا اور ماتھے پر ایک بوسا لیا اور دوسری طرف مفتی مسیح اللہ صاحب بیٹھے تھے، ان سے موبائل لیا اور کوئی کتاب نکالنے لگے۔

اسی دن جناب فاروق چودھری صاحب جو امریکہ میں ابا کے میزبان ہوتے تھے انھوں نے خواب دیکھا کہ ایک شور مچ رہا ہے، تو انھوں نے جا کر دیکھا تو یہ سنا کہ قاری صاحب آرہے ہیں اور ہزاروں لاکھوں فرشتے ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہیں، چودھری صاحب یہ بتاتے ہوئے بہت رو رہے تھے۔

حضرت مولانا راشد صاحب ناظم تنظیم وترقی دارالعلوم دیوبند نے بھی ایک خواب دیکھا کہ ابّا سامنے بیٹھے ہیں اور بہت ہی خوبصورت لگ رہے ہیں، ابّا کی داڑھی خوب چمک رہی ہے، سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سر پر ایک خوبصورت تاج رکھا ہوا ہے؛ لیکن ان کو یہ پوچھنے کی ہمت نہیں ہورہی ہے کہ یہ تاج کہاں سے آیا۔ ابا سمجھ گئے کہ یہ کہنا کیا چاہ رہے ہیں تو ابّا نے کہا کہ یہ دو تاج بھیجے گئے ہیں ایک میرے لئے اور ایک حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری صاحبؒ کے لئے۔ ابا ہر ہفتہ جمعہ کے دن مزارِ قاسمی جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جمعہ کے دن ہی اپنے پاس بلالیا اور جمعہ کے دن ایک بار پھر تاحشر سونے مزارِ قاسمی چلے گئے۔

سانحۂ ارتحال

۸؍شوال ۱۴۴۲ھ جمعہ کی نماز کے فوراً بعد یہ المناک خبر آئی کہ ہمارے دادا محترم چل بسے، وہ وقت ہمارے لئے قیامت سے کم نہیں تھا

لبوں پر ہے دعائے مغفرت اشکوں سے منہ تر ہے

اس کے بعد ابا کو جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں لایا گیا وہاں لوگوں کو ابا کا آخری دیدار کرایا گیا، پہلے مفتی کفایت اللہ میٹنگ ہال میں ابا کو غسل دیا گیا پھر ایک نمازِ جنازہ دفتر میں ہوئی جو

مولانا کلیم الدین صاحب نے ادا کرائی، اس میں بھی بہت بڑا مجمع تھا پھر ابا کو دیوبند لایا گیا۔ دیوبند میں ٹھیک گیارہ بجے نمازِ جنازہ ہوئی۔ صدر جمعیۃ علماء ہند قائد ملت حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم العالیہ صدر المدرسین واستاذِ حدیث دار العلوم دیوبند نے نماز جنازہ ادا کرائی، پھر جنازہ اٹھایا گیا اور مزارِ قاسمی لایا گیا۔ لاک ڈاؤن کے باوجود ایک جم غفیر نمازِ جنازہ میں شریک تھا۔ ہم لوگ پھر ابا کو سپردِ خاک کر کے آ گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً

❍❖❍

جامعۃ القراءات کفلیتہ آمد پر حضرت کا پر مغز خطاب

قراءات کے سیمینار کے موقع پر حضرت والا کی قرأت کی مناسبت اور ہماری حقیر سی دعوت پر جامعۃ القراءات کفلیتہ تشریف آوری ہوئی، حضرت کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ حضرت کی شرکت سے ہماری حوصلہ افزائی ہوئی، پھر دوسرے دن صبح کی پہلی نشست میں قراءات کے عنوان پر اتنا مفصل صدارتی خطاب فرمایا کہ روایت حفص سبعہ وثلاثہ عشرہ وعشرہ کبیرہ، قراءاتِ متواترہ، شاذ اور ان تمام کے احکام وکیفیتِ نزول کو اتنے پر مغز انداز میں پرویا تو ایسا لگتا تھا کہ شب وروز حضرت نے اسی فن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے، ایک گھنٹہ کے قریب اتنی سیرابی کے ساتھ بحث فرمائی کہ حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے اور وہ خطاب ہم تمام کے لیے ایک اسوہ بن گیا۔ اللہ تعالی حضرت کو اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائیں۔

حضرت گرامی کی خدمات جلیلہ تو پورے مقالے کی محتاج ہیں اور ہمیں حضرت قاری صاحبؒ سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا، حضرت قاری صاحب نہایت شفقت ومحبت کے ساتھ اپنے اخلاق کریمانہ کی بنا پر خوب اکرام کا معاملہ فرماتے تھے۔

(قاری اسماعیل صاحب بسم اللہ مہتمم جامعۃ القراءات، کفلیتہ، سورت، گجرات)

جد مکرم کی رحلت، محبتوں کا زوال

سید احمد منصور پوری

جد مکرم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری رحمہ اللہ کی رحلت کو دو روز ہو چکے ہیں؛ لیکن اب تک دل و دماغ اس حادثہ فاجعہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اپنی اس چھوٹی سی عمر میں بہت سی شخصیات سے باری تعالی نے ملنے کا موقع عنایت فرمایا؛ لیکن جو حد درجہ تواضع وانکساری حضرت رحمہ اللہ میں دیکھی، اس کا مشاہدہ کہیں اور نہیں ہوا۔ اللہ نے جو عزت اور مقام آپ کو عطا فرمایا تھا اس بلندی پر کم ہی لوگ پہنچتے ہیں، اس کے باوجود عجیب فنائیت اللہ نے آپکو عطا فرمائی تھی کہ دنیا سے بالکل بے رغبت، متواضع منکسر المزاج، بچوں پر شفقت کرنے والے، اخلاق حسنہ کا چلتا پھرتا نمونہ، نورانی چہرہ، للّٰہیت میں ڈوبے ہوے عجیب درویش صفت انسان تھے۔ جب بھی ملاقات ہوتی اس پیار ومحبت کا اظہار فرماتے کہ ملنے والا سمجھتا مجھ سے خاص تعلق ہے۔ ہم لوگ پیار سے حضرت رحمہ اللہ کو ابا کہتے تھے اور ہمیشہ ابا رحمہ اللہ کی طرف سے بھی دادا والی شفقت اور محبت ملتی تھی۔

میری دادی حفظہا اللہ تعالیٰ من کل شر، حضرت کی سب سے بڑی بہن ہوتی ہیں، ان سے تو حضرت کا عجیب والہانہ تعلق دیکھا، میں نے تو اپنی زندگی میں بھائی بہن میں اتنا زیادہ پیار ومحبت نا دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔

اپنی حد درجہ مصروفیات کے باوجود حضرت رحمہ اللہ اگر منصور پور کے قریب سے گزر رہے ہیں یا آس پاس کسی پروگرام میں شرکت کے لئے تشریف لائیں ہیں تو بغیر ملے ہرگز نہیں

جاتے تھے، اگر وقت کی زیادہ قلت ہوتی تو چاہے پانچ منٹ کے لئے ہی تشریف لائیں آتے ضرور تھے۔ آکر دادی محترمہ کے پاس بیٹھتے خیریت دریافت کرتے اور وقت ہوتا تو اپنی بہن کے پاس ہی آرام کرتے۔ حضرت رحمہ اللہ سے یوں تو ملاقات کا سلسلہ بچپن ہی سے تھا؛ لیکن جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے اور عقل وشعور کی عمر کو پہنچے تو جد مکرم کی عزت وتوقیر میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ جد مکرم کی شفقت نے اس میں مزید چار چاند لگا دیے، اسی کا نتیجہ تھا کہ اگر حضرت کی منصور پور آمد کا علم ہو جاتا تو بغیر ملاقات کیے سکون نہیں ملتا تھا غالباً ۲۰۱۷ء یا ۲۰۱۸ء کی بات ہے کہ سردیوں کی چھٹی میں پروگرام بنایا دیوبند جانے کا اور حضرت سے ملاقات کا۔ ارادہ یہ تھا کہ ایک دن جد مکرم کے یہاں قیام کریں گے اور دروس میں شرکت کریں گے، رات کو مغرب کے بعد حضرت کا درس چل رہا تھا۔ لائبریری کے نیچے والے ہال میں جس وقت میں پہنچا۔ درس مکمل ہونے کے بعد جد مکرم سے ملاقات ہوئی تو بڑے خوش ہوے اور انتہائی شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا، ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے۔ گھر میں کچھ مہمان آئے ہوے تھے جس کی بنا پر گھر کے باہر چبوترے پر خود بھی تشریف فرما ہوئے اور مجھے بھی بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ منصور پور میں سب کی خیر وعافیت دریافت کی، دادی محترمہ کے متعلق پوچھا اور اس کے بعد مجھے بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے اندر تشریف لے گئے اور بذات خود اندر سے میرے لئے کھانا لے کر آئے، اس عجیب وغریب منظر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا کہ امیر الہند صدر جمعیت علماء محدث دار العلوم دیوبند اس درجہ تواضع کے اپنے پوتے کے لئے کھانا لے کر آرہے ہیں۔ ان خصوصیات اور کمالات کے بعد بھی اگر ایسے شخص کے جانے کا غم نا ہو تو کیا ہوگا؟ اس دن جد مکرم سے بعض علمی گفتگو بھی ہوئی میرے ذہن میں کچھ سوالات تھے، جد مکرم نے ان کے بھی تسلی بخش جوابات دیے۔ اگلے دن حضرت کے درس میں شرکت کر کے وہیں سے منصور پور واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ہاتھ پکڑ کر گھر کی طرف لے گئے باصرار منع کرنے کے باوجود دوپہر کا کھانا کھلا کر واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی، اور چلتے وقت کچھ رقم بھی عنایت فرمائی یہ حکم دیتے ہوئے کہ اب

آتے رہا کرو دیو بند۔

یہ معاملہ صرف میرے ساتھ نہیں تھا؛ بلکہ خاندان کا کوئی بھی فرد حضرت کے دولت کدے پر حاضر ہوتا تو اس کے ساتھ اسی شفقت ومحبت کا اظھار فرماتے۔ رمضان المبارک میں خاندان میں ایک ساتھ دو انتقال ہوئے تو جد مکرم حسب سابق تشریف لائے اور پورے دن منصور پور ہی میں قیام فرمایا، رات کو تراویح کے بعد دیو بند روانگی سے قبل دادی محترمہ سے ملنے آئے تو ہم بھی ملاقات کے لئے حاضر ہو گئے اس وقت کافی دیر تک جد مکرم سے گفتگو ہوئی، دادی محترمہ ابا کیوجہ سے بیٹھ گئیں تو بار بار فرماتے رہے آپا آپ لیٹ جائیں، اچھا پاؤں اوپر کر کے بیٹھ جائیں پیر پر ورم آجائے گا آپ کے۔ دادی نے ایک دن منصور پور رکنے کے لئے کہا تو فرمانے لگے کل ایک کام ہے ورنا رک جاتا آپ کے پاس۔ یہ جد مکرم سے آخری ملاقات تھی معلوم نہیں تھا اس کے بعد جنازے میں شرکت کرنی پڑ یگی۔

إن لله ما أخذ وله ما أعطى و كل شيء عنده بأجل مسمى. اللہ رب العزت جد مکرم کی بال بال مغفرت فرما درجات بلند فرما حسنات کو قبول فرما سیئات سے درگزر فرما اور ہمیں ان جیسا بنادے کہ وہ تیرا بھی حق مکمل ادا کرتے تھے اور تیرے بندوں کا بھی اور اے مالک ہم سب کو صبر جمیل عطا فرما۔ آمین یارب العالمین

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر

مولانا مفتی محمد ذاکر اللہ خان، جامعہ رشیدیہ میسور

کوئی نالاں کوئی گریاں کوئی بسمل ہوگیا
اس کے اٹھتے ہی دگر گوں رنگ محفل ہوگیا

حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہ کی شخصیت ہم خدام کے لئے نہ صرف مرکز عقیدت ومحبت تھی؛ بلکہ وہ اپنے وقار، علمی سنجیدگی، متانت وتقوی، اخلاق وامانت اور انتظام وانصرام کی اعلی صلاحیت کی بنا پر ایک بہترین نمونہ تھے؛ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کی علمی بے پناہی کے ساتھ ان کے ذوقِ عبادت وشوقِ قرآن اور ہمہ گیری میں عالم باعمل تھے۔

اس دور آخر میں حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کی نظیر کم ہی ملے گی کہ اپنے علمی وعملی منصب کے معیار پر سیرت وکردار اور عمل واخلاق کے اعتبار سے پورے اترتے ہوں، نیز دقیق النظری کے ساتھ تحریکات کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام تک پہنچانے اور رجال سازی سے اپنے طلبہ کرام کو تیار کرنے میں بہت ماہر تھے۔

احقر کو حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا شرف حاصل ہے، مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کا منتخب نصاب آپ نے پڑھایا تھا اور وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت کے لئے بعد عشاء گھر میں حاضر ہوتا تھا، اس تھوڑی مجلس میں حضرت رحمہ اللہ کے شفقت ومحبت اور تعلقِ خاطر کا ایسا انداز دیکھا کہ جس نے زندگی بھر کے لئے دل میں عقیدت ومحبت کی جوت جگادی۔

أتاني هواها قبل أن أعرف الهوى
فصادف قلبي خاليا فتمكنا

پھراس محبت وعقیدت میں یوما فیوما اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تا آں کہ مشفقی ومربی حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا تو اس وقت بہت ہی گھریلو تعلق رہا، ہم اپنے زبان حال سے حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کو دادا ابا کہتے تھے، حاشا وکلا کبھی اسمیں کمی نہیں ہوئی۔

ابھی گذشتہ دنوں (عین بابری مسجد کے فیصلے کے موقعہ پر) ہم چند احباب نے اپنے استاذی مکرمی مولانا اشفاق صاحب پڑتا پگڈھی دامت برکاتہم کی معیت میں حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا تھا، تو وہی شفقت ومحبت؛ بلکہ ہم مہمانوں کیلئے ناشتہ کی خدمت مجھ سے یہ کہہ کرلی کہ یہ ذاکر ہمارا بچہ ہے جب سب ملاقات کر کے نکل رہے تھے تو احقر دسترخوان گھر پہنچانے لگا اس وقت خیریت دریافت فرمایا اور بہت ساری دعاؤں سے نوازا ... والحمد للہ علی ذلک .

اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز، جہد مسلسل اور سفر پیہم

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ تعالی دینی وتعلیمی واصلاحی اورتحریک کے مقاصد کے پیش نظر نزدیک ودور کے علاقوں میں اکثر وبیشتر سفر میں رہتے تھے، حسن اتفاق کہ ایک مرتبہ دلی جمعیۃ العلما کے دفتر سے حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کی معیت میں سفرِ دیوبند کی سعادت میسر ہوئی جس میں کچھ دیر آپ گفتگو فرماتے رہے، پھر آپ مسلسل تلاوت میں لگ گئے، جس پر یہ شعر مکمل صادق آتا ہے

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مؤمن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

آپ رحمہ اللہ کی زندگی

اور یوں کہنا بعید نہیں ہوگا کہ قاری صاحب نے والد ماجد بزرگوار کے خواب کی حقیقت بن کر اپنی بچپن اور جوانی کے طالب علمانہ دور اور تدریسی خدمات سے جہاں اپنی پوری زندگی کو دینِ اسلام کی خدمت وآبیاری میں لگایا ہے اس کا اکثر حصہ دارالعلوم دیوبند کے لئے کامل وماہر اور متبحر استاد اور معاون مہتمم کے روپ میں انجام دی ہیں۔اسی سے خوب اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بے مثال اہتمام اور اصولی انصرام کے ذریعے آپ مادرعلمی دارالعلوم دیوبند کے عاشق صادق، اس کے مسلک کے سرگرم ترجمان اور ہمارے علماء اکابر کے پاسبان اور امین رہے؛ بلکہ وہ دارالعلوم کے سچے اور مخلص فرزند تھے۔

استادگرامی کی چند نمایاں صفات

آپ بہت معتدل جسم، نورانی چہرہ والے تھے اور آپ کے چہرہ پر ہمیشہ عجیب سی مسکراہٹ رہتی تھی اور اپنے آپ کو ہمیشہ تروتازہ، ہشاش وبشاش، بالکل سفید لباس میں ملبوس اور اپنے سر کو سفید رومال سے ڈھانک کر رکھتے تھے، جس سے آپ کا حسن وجمال دوبالا ہوجاتا تھا، نیز آپ صاف وکم گو تھے اور آپ میں طلبہ ومتعلقین کے تئیں غیر معمولی شفقت ومحبت، نمایاں وصف تھا، تواضع اور عاجزی کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی تھی اور آپ کی طبعیت میں اصول پسندی کا نمایاں وصف رہا کہ آپ ہر کام کو سلیقہ اور بڑے اطمینان سے انجام دیا کرتے تھے اور اتنا ہی کام لینے کا سلیقہ بھی رکھتے تھے۔آپ کا درس بالکل سادہ انداز میں بہت نرالا ہوتا تھا۔

مثل خورشیدِ سحر، فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ وآزادہ معانی میں دقیق

قائدانہ کردار

علاوہ ازیں آپ نوراللہ مرقدہ نے تحفظ ختم نبوت پر بے باکی اور محرک انداز میں نمایاں

خدمات انجام دیں کہ اس کارعظیم کو امت مسلمہ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔اسی طرح ملک کی بڑی تحریک، جمعیۃ العلما میں عرصہ دراز سے بحسن وخوبی اور امانت و دیانت کے ساتھ ایسی نمایاں خدمات انجام دیں ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں نیز آپ تادم حیات صدر بھی رہے ہیں۔جس کو شاعر نے ان الفاظ میں کہا ہے:

میں نے پایا ہے اسے اشک سحر گاہی میں
جس درِنایاب سے خالی ہے صدف کی آغوش

آخری بات

اللہ تعالی نے آپ کو ایک عظیم ملکہ تعلیم وتربیت کا عنایت فرمایا کہ آپ کے والد ماجد بزرگوار کی تربیت کے نرالے انداز سے جس طرح آپ فائق بنے اسی طرح آپ کی انوکھی تعلیم وتربیت سے لائق وفائق دوثمر مشفقان ومربیان حضرات مفتیان سلمان وعفان صاحبان زید مجدہما کو امت کا ذخیرہ اور آپ کے لئے ثواب جاریہ ''ولدصالح یدعولہ'' بنا گئے۔

خدائے پاک اپنی رحمتوں کی بارش ان پر برسائے اور ان کی قبر کو جنتی جھروکہ بنائے انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور اپنے نیک اور مخلص بندوں سا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے،خدمات جلیلہ کو قبول فرما کر انبیا وصدیقین،شہدا وصالحین کے ساتھ حشر فرمائے۔

بالخصوص حضرت کے اہل خانہ رشتہ دار واقارب، متعارفین ومحبین ،شاگردان اور انھیں بھلائی کے ساتھ یاد کرنے والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے،آمین ثم آمین یارب العالمین

ہم خدام کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور دارالعلوم دیوبند اور جمعیت العلما کو آپ کانعم البدل عطا فرمائین آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

مولانا محمد یوسف قاسمی ناظم دفتر محاسبی، جمعیۃ علماء ہند

چپ کھڑے ہیں درمیان کعبہ و بت خانہ ہم
کس سے کہہ دیں کس طرح کہہ دیں ترا افسانہ ہم

رب کائنات کا واضح اعلان ہے کہ ''ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے، مگر پھر بھی جانے والے کے غم میں اس کے چاہنے والے سراپا رنج وغم بن جاتے ہیں ،اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ جانے والے کی شخصیت کچھ ایسی ہشت پہلو ہوتی ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد ایک ایسا خلا پیدا ہوجاتا ہے کہ جس کا پر ہونا ناممکن نہ سہی بہر حال مشکل ضرور ہوتا ہے، پھر ایسے لوگوں کی موت پر افسوس وغم ایک فطری بات بھی ہے، جن کی زندگی روشن چراغ بن کر انسانی معاشرے کو روشن ومنور کرتی ہے اور گوشۂ انسانیت کو روشنی عطا کر کے اسے مفید و کارآمد بناتی ہے، ایسے ہی روشن چراغوں میں ایک چراغ وہ بھی تھا جسے ہم قاری سید محمد عثمانؒ کے نام سے جانتے ہیں۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ کسی نے کہا کہ:

آرزو کو مارتا ہے تیر تاریکی میں صیاد اجل
کھل نہیں سکتی شکایت کے لئے لیکن زباں

ہے خزاں کا رنگ بھی وجہ قیامِ گلستاں
ایک ہی قانونِ عالم گیر کے سب ہیں اثر
بوئے گل کا گل سے اور گلچیں کا دنیا سے سفر

مولانا قاری سید محمد عثمانؒ کی ذات گرامی علم وعمل کا پیکر، خلوص وللّٰہیت کا سراپا، یگانہ روزگار ادیب بے مثال مفکر، صدق وصفا کی شاندار تصویر، حق گوئی و بے باکی عدیم المثال، اور علم ودانائی کا ایک روشن چراغ تھی۔

قاری صاحب مرحوم ایک فرد تھے، مگر وہ مکمل ایک مکتبۂ فکر کی حیثیت کے حامل تھے، وہ مشرقی علوم کے جامع، ادب عربی کے یگانہ روزگار ادیب، علم وفضل کے امام اور جرأت و بے باکی کے بادشاہ تھے، ان کی ذات والا صفات دارالعلوم دیوبند کی دینی وعلمی اور فکری پالیسیوں کا عملی مرقع تھی، آپ اسلاف کا نمونہ اور بالخصوص خانوادۂ مدنیؒ کی قومی وفکری جدوجہد کا عکس جمیل تھے، آپ علم وعمل اور جہد مسلسل کا ایک ایسا حسین سنگم تھے جو آج خال خال ہی نظر آتا ہے، آپ کی شخصیت وسعت ظرفی، مسلکی اختلافات سے بالاتر ہوکر امت کی ہمہ جہت ترقی کے لئے فکر مند، حلم وتواضع، خاکساری و بےنفسی اور خلوص وعمل کی سچی تصویر تھی۔

قاری صاحب مرحوم کی ہشت پہلو شخصیت ایک ایسی قوس وقزح کے مانند تھی جس میں خوب صورت رنگ وروشنی کے ساتھ بے مثال ہم آہنگی پائی جاتی ہے، آج کے مادہ پرست دور میں ان کی زندگی اساتذہ کے لئے ایک آئیڈیل تھی وہ ایک بے مثال معلم ومربی تھے، تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی ان کی خاص توجہ ہوتی تھی، آپ ہمیشہ طلبہ عزیز کو باصلاحیت، باعمل اور باکردار بنانے کی فکر کرتے، کسی ماہر نفسیات کا قول ہے کہ ''معلم ہونا بہت مشکل ہے''، مگر حضرت قاری صاحب مرحوم نے اپنی خداداد علمی وتدریسی اور فکر وعمل کی صلاحیتوں کے ذریعہ نہایت آسان بنا کر دکھایا اپنے تلامذہ اور اپنی زیر تربیت بچوں سے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے اور ان کی معمولی معمولی باتوں کی آپ کو ہر وقت فکر دامن گیر رہتی، وہ ایک ایسے مردم ساز انسان تھے

جنھوں نے ہزاروں تلامذہ کو تراش خراش کر جو ہر قابل اور قیمتی ہیروں میں تبدیل کر دیا، دراصل وہ سنگ ریزوں کو ہیرا بنا دینے کے فن سے خوب واقف تھے۔ وہ ایک ایسے کیمیا گر تھے جن کے چھونے سے انسان کیمیا گر بن جاتا تھا وہ تادم واپسیں تشنگان علوم نبوت کی اپنے علم وفن اور خدا داد شعور وآگہی اور فکر ونظر سے مسیحائی کرتے تھے۔ وہ عفو ودرگزر کا سمندر تھے، تسامح اور رواداری ان کی طبیعت کا حصہ تھی ان کے فیضان نظر نے بے شمار لوگوں کو علوم نبوت کا دلدادہ بنا دیا، وہ کم آمیز تو تھے مگر مردم بیزار نہیں تھے۔ وہ بہت لسان اور مقرر بھی نہیں تھے؛ مگر ایک کامیاب معلم مربی کی تمام صفات ان کے پروردگار نے ان میں ودیعت فرمادی تھیں، آج ان کے تمام قدیم وجدید تلامذہ بزبان حال شہادت دے رہے ہیں:

روشناس علم و آگاہی یقیناً کر دیا
رفتہ رفتہ تو نے ہم کو ماہر فن کردیا
خاک کے ذروں کو سونا اور کندن کردیا
بزم ہستی میں ہمارا نام روشن کردیا

آپ کی زندگی علم وعمل سے بھرپور تھی، صوم وصلاۃ، تہجد دعاے نیم شبی، تلاوت قرآن کریم کا خصوصی اہتمام، اہل تقوی اور پاک طینت نفوس، اہل اللہ سے ربط وتعلق آپ کے خصوصی امتیازات تھے۔

قاری صاحب مرحوم کی ایک خاص صفت یہ تھی کہ وہ وقت کا ضیاع بالکل پسند نہیں کرتے تھے، فضول گفتگو اور مجلس آرائی سے دور رہتے تھے، پڑھنا پڑھانا اور افادہ واستفادہ یا پھر طلبہ کی تعلیم وتربیت ہمیشہ ان کا شغل رہا، عیب جوئی تو بہت دور کی بات ہے آپ کے یہاں تعلیم وتربیت کے باب میں سب سے اہم اور موثر چیز اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قاری صاحب مرحوم اسی اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی زندگی مثالی تھی، زہد وتقوی ان کا شعار تھا، تواضع وانکساری ان کی صفت خاصہ تھی اور حلم ومروت کا ایک اعلی نمونہ

تھے۔ قاری صاحبؒ کا ایک خاص وصف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وشیفتگی اور اتباع سنت تھا، یہ ہی جذبہ تھا جس نے تحفظ ختم نبوت کو آپ کا خاص موضوع بنایا، جس کے تحت آپ پوری زندگی حیران وسرگرداں رہے؛ یہاں تک کہ اسے عالمی حیثیت میں تبدیل کر دینے میں کامیابی حاصل کی۔

ایمانی اقدار کی ایک طویل فہرست ہے، جس میں خوش مزاجی وخندہ پیشانی کو ایک اساسی وصف تصور کیا جاتا ہے، حضرت قاری صاحب کی خدمت میں جب کوئی جاتا آپ اس کا پوری خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال فرماتے، دوران ملاقات آپ کا چہرہ گلاب کی طرح کھلا رہتا تھا ،جس سے پوری مجلس عطر بیز محسوس ہوتی ،قاری صاحبؒ آداب ضیافت سے بھی خوب واقف تھے، مہمانوں کی تواضع خود اپنے دست مبارک سے کرنے کی کوشش کرتے ؛ حالاں کہ حضرت قاری صاحب ایک عظیم شخصیت کے حامل تھے، مگر بوقت مہمان نوازی بے حد متواضع نظر آتے ،آنے والے شخص سے اس کی ضرورت دریافت فرماتے اور حسب موقع اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

بہر حال حضرت قاری صاحبؒ کیا تھے اور کن صفات حمیدہ سے متصف تھے، میرا یہ موضوع نہیں ہے، ان کے اوصاف جمیلہ تو ان کے بڑے بڑے اہل قلم متعلقین اور شاگردان رشید اپنے مضامین میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

ان کے اخلاف بالخصوص صاحب زادگان مفتی محمد سلمان صاحب ومفتی محمد عفان صاحب ہی ان پر سیر حاصل روشنی ڈال سکتے ہیں، میں تو صرف ان چند واقعات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، جن کا تعلق خود مجھ سے ہے، یا میں نے بچشم خود ملاحظہ کیے ہیں۔

چپ کھڑے ہیں درمیان کعبہ و بت خانہ ہم
کس سے کہہ دیں کس طرح کہہ دیں ترا افسانہ ہم

حضرت قاری صاحبؒ سے راقم الحروف کی رفاقت کا ایک طویل عرصہ ہے، مسلسل باسٹھ

سال سے احقر کا قاری صاحب سے رفیقانہ تعلق قائم رہا ہے۔ راقم الحروف اوائل ۱۹۵۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ فارسی میں داخل ہوا، قاری صاحب مرحوم اس سے ایک سال قبل ۱۹۵۸ء سے اسی شعبہ میں زیر تعلیم تھے، جلد ہی چند دنوں بعد میرا قاری صاحب سے تعلق کا سلسلہ شروع ہوگیا، جو وقت گزرنے کے ساتھ طویل اور مستحکم شکل اختیار کرتا چلا گیا، تا آں کہ ۱۹۶۵ء میں ہماری دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوگئی، ہمارا تعلیم کا یہ عرصہ بے حد خوش گوار اور باہمی رفاقت کے ساتھ گزرا۔ قاری صاحب اپنی ذہانت محنت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ہر جماعت میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، دورہ حدیث شریف میں بھی انھوں نے اول پوزیشن کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ پھر راقم الحروف تو اپنی کم ہمتی اور بے بضاعتی کا بہانہ بنا کر گھر لوٹ آیا، مگر قاری صاحب نے فنون میں داخلہ لے کر اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا۔ فنون سے فراغت کے بعد انھوں نے اوائل ۱۹۶۷ء میں اپنا تدریسی سفر شروع کیا، پہلے وہ جامعہ قاسمیہ 'گیا' تشریف لے گئے، جہاں پانچ سال تک تدریسی وتربیتی خدمات انجام دیں، پھر جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے ارباب اہتمام کی دعوت پر جامع مسجد امروہہ تشریف لائے، جہاں مسلسل گیارہ برس تک انھوں نے امتیازی شان کے ساتھ تدریسی فریضہ انجام دیا، پھر دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر عمل میں آیا، جہاں تا دم واپسیں تعلیمی، تدریسی، تربیتی وانتظامی خدمات انجام دیں اور جس طرح دوران طالب علمی انھوں نے یکسوئی، محنت، لگن اور انتھک جدوجہد کے ذریعہ اپنے ایک معیاری طالب ہونے کی شناخت قائم کی تھی، اسی طرح درس وتدریس کی اپنی چون سالہ زندگی میں تعلیم وتربیت اور اپنی انتظامی صلاحیتوں کے وہ نقوش قائم فرمائے جو ان کے پس ماندگان ان کے تلامذہ اور ان کے ہم عصروں کے لئے بلاشبہ لائق تقلید ہیں۔ قاری صاحب مرحوم راقم الحروف سے تعلیمی لحاظ سے ایک سال سینئر تھے، مگر ان کا میرے ساتھ ہمیشہ ہی مخلصانہ تعلق قائم رہا، صحیح بات یہ ہے کہ وہ میرے بے حد مخلص ومحسن ومونس اور ہمدرد دوست تھے۔ دوران تعلیم قاری صاحب کے تعلقات چند گنے چنے

ساتھیوں کے ساتھ ہی رہتے تھے جن میں مولانا محمد ابراہیم پالنپوری پٹنی، سابق استاذ جامعہ ڈابھیل، مولانا ولی رحمانی پٹنہ اور مولانا شفیق عالم مونگیری خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ قاری صاحب مرحوم کا ایک بڑا کمال یہ تھا کہ وہ تعلقات کی باریکیوں کو بہت بہتر طور پر سمجھتے تھے اور دوران تعلقات اس کے تقاضوں کو بہ خوبی ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

دوران طالب علمی ان کی نیکی اور راست گوئی، تقوی وطہارت خدا ترسی اور خلوص جیسی صفات کا ظہور ایک عام بات تھی، اصول پسندی اور حق گوئی سے ان کی زندگی عبارت تھی۔ اظہار رائے کی پختگی اور حق گوئی میں وہ جیسے اپنی پوری زندگی میں شناخت بنائے رہے، ویسے ہی وہ دوران طالب علمی بھی ان صفات کے حامل تھے۔ اپنی بات کہنے کا ان کا اپنا انداز بے حد پختہ، مؤثر اور پیارا ہوتا تھا، ان کی پوری عمر اسی احتیاط میں گذر گئی کہ آشیاں کسی شاخ گل پہ بار نہ ہو۔

دوران طالب علمی انتہائی لگن اور شوق کے ساتھ اسباق میں حاضری ان کا شعار تھی در اصل مقصد کی لگن ان میں عشق کی حد تک جاگزیں تھی اور یہ ہی وہ صفت تھی جس نے انھیں صرف محمد عثمان کے نام سے عالم ظہور میں آنے والے کو حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب استاذ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند اور صدر جمعیۃ علماء ہند بنا دیا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

دراصل اوقات کی پابندی اور نظام الاوقات کے مطابق مفوضہ امور کی انجام دہی ان کی فطرت کا حصہ بن گئی تھی، جو ان کے لئے بڑی باعث برکت ثابت ہوئی، انھوں نے اپنی تدریسی ذمہ داریوں، تحفظ ختم نبوت کے شعبہ کی نگرانی کے ساتھ دیگر متعدد شعبوں کی نگرانی دار العلوم دیوبند کی نیابت اہتمام اور ان سب کے ساتھ حریم ملت کی پاسبان جمعیۃ علماء ہند کے عہدۂ صدارت کی اہم ذمہ داری کو جس طرح بحسن وخوبی انجام دیا، یہ انھیں کا کمال تھا۔ وہ ہمیشہ سے اپنے متعلق شعبوں کی رپورٹوں کا بغور جائزہ لے کر ہی تصویب فرماتے تھے، اس طرح حق تعالی

شانہ نے بہت سی خوبیاں ان کی ذات میں ودیعت فرمادی تھیں، ان کے یہاں اختلاف برائے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں تھی وہ ہر معاملہ کو اس کے حقیقی پس منظر میں دیکھ کر فیصلہ کرتے اور حق وانصاف کے معاملہ میں کسی تعلق کو حائل نہ ہونے دیتے تھے۔

شرم وحیا، خاموش طبعی، کم آمیزی اور کم گوئی کا گویا پیکر تھے۔ ان کی مجلس میں جامع مانع گفتگو ہوتی اور غیر ضروری گفتگو کا کوئی گذر نہیں تھا، دل شکنی اور ناگواری خاطر گفتگو سے پرہیز ہوتا، وضع داری اور تعلقات کی پاسداری میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ انھوں نے جہاں بہت سے قابل ستائش کارنامے انجام دیے وہیں افراد سازی، کردار سازی کر کے انھوں نے اپنے پیچھے ایک ایسی بڑی فوج چھوڑی ہے جو ایک طویل عرصہ تک حضرت قاری صاحبؒ کے نقش قدم پر چل کر امت کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ ان کے صاحب زادگان مفتی محمد سلمان اور مفتی محمد عفان سلمہما ان کی مثالی تربیت کی سچی یادگار ہیں۔ اللہ تعالی ان حضرات کو قاری صاحب کا حقیقی جانشین بنا کر ان کے فیض علم وتربیت کو عام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

کوئی ایک خوبی ہو تو لکھوں، وہ خوبیوں اور صفات حمیدہ کا ایک بیش بہا خزانہ تھے۔

موت بنی آدم کی میراث ہے، سب کو ایک نہ ایک دن جانا ہے، تاہم ''رفتید ولے نہ از دل ما'' کے مصداق ان کے جانے سے ہمارے دل کی دنیا سونی ہوگئی ہے اور آج ہمارا حال اس شعر کا صحیح مصداق بنا ہوا ہے:

تن ہمہ داغ داغ شد
پنبہ کجا کجا نہم

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی حضرت قاری صاحب مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین

کچھ یادیں کچھ باتیں

محمد عدنان میرٹھی

حضرت قاری عثمان صاحب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میں جانتا نہیں تھا۔صرف قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا نام سنا تھا؛ لیکن میرے والد صاحب کا حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بہت خاص تعلق تھا۔ میں نے حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو کبھی دیکھا نہیں تھا،صرف حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا نام سنا تھا، میں نے حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو پہلی مرتبہ سنہ ۲۰۱۰ء میں دیکھا تھا،اس وقت حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ میری دو پھوپھیوں کا نکاح پڑھانے کے لئے آئے تھے،اس وقت میں ۱۰رسال کا تھا پھر سنہ ۲۰۱۱ء میں میرا حفظ قرآن کریم مکمل ہوا،اس وقت میرے والد صاحب نے ایک دعائیہ تقریب کی تھی اور اس تقریب میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ علیہ کو مدعو کیا تھا،اس وقت سے مجھے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت محبت وعقیدت تھی، میرا دل کرتا تھا میں حضرت قاری صاحب رحمۃ للہ علیہ کی خدمت میں رہو؛ لیکن اس وقت چھوٹا تھا، سنہ ۲۰۱۲ میں والد صاحب مولویت پڑھنے کے لئے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجھے دیوبند لے کر گئے تھے، قاری صاحب رحمہ اللہ کو دیکھ کر میرا بہت دل خوش ہوا، والد صاحب نے قاری صاحب رحمہ اللہ علیہ سے مشورہ کیا، حضرت عدنان کا داخلہ کہاں کرانا ہے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا بلاسپور میں داخلہ کرادو والد صاحب نے کہا حضرت قاری شفیق الرحمٰن ہیں میرٹھ کے مولانا مختار

صاحب کے مدرسہ میں پڑھاتے ہیں، انہوں نے بھی بلاسپور کے بارے میں بتایا قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بلاسپور میں جامعہ فلاح دارین کے نام سے ایک مدرسہ ہے، وہاں تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہے والد صاحب نے کہا حضرت آپ کا نام عرض کردوں بلاسپور کے مہتمم صاحب سے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا ٹھیک ہے، والد صاحب نے کہا حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت مانگی حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کھانا کھا کر جانا پھر کھانا کھا کر ہم دیوبند سے بلاسپور پہنچے، بلاسپور پہنچ کر جامعہ فلاح دارین اسلامیہ بلاسپور کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا محمد میر زاہد صاحب سے ملاقات ہوئی، ناظم صاحب نے قرآن کریم سنانے کے لئے کہا میں نے ۲۲ ویں پارہ کا ایک رکوع سنایا، ناظم صاحب نے کہا ماشااللہ بہت اچھا قرآن پڑھتے ہیں، ناظم صاحب نے کہا داخلے تو بند ہوگئے حضرت مہتمم آرہے ہیں، ابھی والد صاحب نے کہا حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھیجا ہے اور میں نے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا حضرت آپ کا نام عرض کردوں گا تو حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ علیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ٹھیک ہے، ناظم صاحب چپ ہوگئے والد صاحب نے حضرت ناظم صاحب سے معلوم کیا قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے کچھ لگتے ہیں، ناظم صاحب نے کہا میرے استاذ ہیں اور والد صاحب سے کہا آپ کل آجائیں سامان ساتھ لیکر، بلاسپور میں داخلہ ہوگیا پھر آئندہ سال والد صاحب رمضان المبارک میں قرآن کریم سنانے کے لئے مسجد طے کردی اور حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ کو رمضان المبارک ختم قرآن کے موقع پر دعا کے لئے درخواست کی قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے درخواست کو قبول کیا اور دعا کرانے کے لئے تشریف لے آئے، تین چار سال تک رمضان المبارک میں ختم قرآن کریم کی دعا کرانے کے لئے آتے رہے، عربی دوم کے سال حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بلاسپور میں دعا ختم القرآن کے لئے بلایا گیا آپ رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے، جب مجھے معلوم ہوا بے حد مسرت ہوئی عصر کی نماز کے بعد حضرت قاری

صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلاسپور کے مہمان خانہ میں ناشتہ کررہے تھے اور حضرت ناظم تعلیمات مولانا میر زاہد صاحب سے میرے پڑھنے کے بارے میں معلوم کررہے تھے، ناظم صاحب نے کہا ماشاءاللہ اچھا پڑھتا ہے آگے عبارت بھی پڑھتا ہے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مہتمم صاحب کہا محمد عدنان میرٹھ کے ہیں انہیں بلاؤ! میں گیا سلام کیا، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اپنی چائے بچا کر دی، جاتے وقت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ابا سے سلام کہنا بار ہا مجھ جیسے ناکارہ ناچیز کے پاس فون کیا کرتے تھے اور خیریت معلوم کرتے تھے، یہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت اعلی درجے کی سادگی تھی اور جب بھی ابو کے پاس فون کرتے تو معلوم کرتے عدنان کیا کررہے ہیں، فارسی سے لے کر عربی پنجم تک میں نے بلاسپور میں پڑھا، اس کے بعد عربی ششم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے لئے گیا، جب وہاں نام نہیں آیا تو میں نے حضرت قاری عثمان صاحب صاحب منصور پوری پوری رحمۃ اللہ علیہ سے معلوم کیا، اباجی اب کہاں داخلہ لینا ہے، والد صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے امروہہ کا ذکر کیا اور کہا حضرت وہاں پر مفتی عفان صاحب بھی ہیں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، وہاں پر بھی اچھی تعلیم وتربیت ہے اور فرمایا مفتی عفان صاحب کی نگرانی میں رہیں گے، وہاں پر جب قاری عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ امروہہ تشریف لائے، میں نے حضرت سے ملاقات کی حضرت بہت خوش ہوئے، حضرت قاری صاحب اور والد صاحب کے بارے میں معلوم کیا اور کہا ابا سے سلام کہنا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی مثال ہی نہیں ہے، فرشتہ صفت انسان تھے بعض مرتبہ میری اصلاح بھی کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ میں نے کہا دارالعلوم وقف قاف کے زبر کے ساتھ فرمایا وقف کیا ہوتا ہے وقف ہے قاف کے جزم کے ساتھ اور بہت سی مرتبہ اصلاح کی اور اگر میں کبھی دیوبند جاتا اور ملاقات کرتا تو فرمایا کرتے تھے، بھائی بتا کر آنا چاہیے تاکہ کچھ انتظام ہو، انتقال سے ایک سال پہلے میں اپنی طرف سے مٹھائی لے گیا، معلوم کیا کیا ہے اس میں؟ میں نے بتایا فرمایا ابا نے بھیجی ہے میں چپ رہا کہا اسے واپس لے جاؤ، میں

نے آپ بھی تو ہمارے ابا ہیں، فرمایا وہ ٹھیک ہے؛ لیکن میں یہ نہیں رکھونگا اگر ابا سے بات کراؤ گے اور ابا کہیں گے کہ میں نے بھیجی ہے تو رکھ لونگا، ابو نے بات کی اور کہا حضرت یہ میری طرف سے ہے، اس کے بعد بھی فرمایا ابا سے جا کر اس کے پیسے لینا، میں نے کہا ٹھیک ہے، فرمایا جب بھی آیا کرو بتا کے آیا کرو تا کہ کھانے کا انتظام کرلیا کریں، ابھی انتقال سے ایک سال قبل ہمارے خاندان میں سے ہماری پھوپھی کا نکاح پڑھانے کے لئے موانہ تشریف لائے تھے، وہاں پر ناکارہ بھی موجود تھا آپ کو نماز کے لئے وضو کرنا تھا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ناکارہ سے چپل لئے وضو کے لئے حالانکہ وہاں بہت لوگ تھے؛ لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی سے چپل نہیں مانگے ناکارہ سے مانگے، یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت، شفقت اور نہایت سادگی کی بات تھی۔ نماز کے بعد کھانا تھا میں قاری عثمان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے برابر میں تھا، اپنا سالن بچا کر مجھے دیا اور لسی بھی دی، یہ مجھ جیسے ناکارہ اور ادنی سے انسان کے لئے فخر اور خوش نصیبی کی بات ہے، پھر موانہ سے دیوبند واپسی کے وقت میں نے حافظ عبداللہ جو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ڈرائیور ہے، ان سے دیوبند جانے کے لئے کہا عبداللہ بھائی نے مجھ سے کہا ابا سے معلوم کرلو میں نے عبداللہ بھائی سے کہا میری ہمت نہیں ہورہی، آپ معلوم کرلو عبداللہ بھائی نے معلوم کیا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جانے کے لئے کہہ دیا دیوبند جانے کے بعد کھانے کے لئے کہا، جب صبح میں دیوبند سے گھر جانے کے لئے اجازت مانگی تو فرمایا، دوپہر کا کھانا کھا کے جانا، پھر دوپہر میں کھانا کھانے کے بعد اجازت مانگی، تو مجھے کچھ پیسے دیئے اور فرمایا انہیں رکھ لو سفر میں کام آجائیں گے اور کچھ کھا پی لینا یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بے پایاں شفقت ومحبت کی بات تھی، آپ رحمۃ اللہ بے پناہ مشفق ومحسن اور مربی تھے اور بہت سخی بھی تھے اور آپ رحمتہ اللہ علیہ کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کوئی چھوٹا ہو یا بڑا کسی کو کھانا کھلائے بغیر جانے نہیں دیتے تھے اگر کوئی شخص آپ کے پاس ملاقات کے لئے پہلی مرتبہ آتا تو آپ رحمتہ اللہ علیہ اس سے ایسے ملاقات کرتے تھے، جیسے آپ رحمتہ اللہ علیہ پہلے سے ہی اس شخص کو جانتے ہوں اور جب بھی والد

صاحب حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کرتے تو وقت نکال کر فوراً تشریف لاتے تھے، ہم اس لائق نہیں تھے؛ لیکن یہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت سادگی و عاجزی اور محبت اور شفقت تھی ہم چھوٹوں کے لئے یہ ہمارے اکابر و بزرگوں اور حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کی نہایت اعلیٰ درجہ کی سادگی عاجزی وانکساری تھی۔ اب ہمیں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات کا ملنا بہت مشکل و دشوار ہے۔

کہتے تھے امیر الہند جنہیں وہ فرشتہ بشکل انسان تھے
وہ ختم نبوت کے قائد وہ حضرت قاری عثمان تھے

کچھ یادیں- کچھ باتیں

ڈاکٹر محمد عبید اللہ قاسمی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ عربی ذاکر حسین دہلی کالج، دلی یونیورسٹی

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ کے انتقال سے بہت صدمہ پہنچا۔ قحط الرجال والعلماء الصالحین کے زمانے میں وہ بہت غنیمت شخصیت تھے۔ ظاہری خوبصورتی اور خوش لباسی کے ساتھ وہ خوبصورت اور عمدہ اوصاف وکمالات والے بھی تھے۔ حضرت سے میں نے دارالعلوم دیوبند میں دارالحدیث فوقانی میں ۱۹۹۲ء میں عربی ہفتم میں ہدایہ جلد ثالث پڑھی تھی۔ پھر جب ۲۰۰۲ء میں بغرض تدریس دارالعلوم جانا ہوا تو شعبۂ انگریزی زبان وادب کے توسط سے حضرت سے قربت بڑھی اور ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اس شعبے کے دوسالہ کورس میں فارغین کا داخلہ لیا جاتا ہے اور شعبۂ افتا، تدریبِ افتا، ادب، دیگر تکمیلات ودورۂ حدیث کے طلبہ نمبرات اور امتحان کی بنیاد پر داخل ہوتے تھے۔ شعبہ نامانوس ہونے کی وجہ سے بہت سارے چیلنجز تھے؛ مگر چند حضرات اساتذہ اور حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ حضرت قاری صاحب کی خصوصی توجہ سے ان پر قابو پانے میں کامیابی حاصل ہوسکی۔ قیامِ شعبہ کے روزِ اول سے ہی حضرت کی توجہات شعبے کو اور ہم دو اساتذہ (مولانا محمد افضل صاحب قاسمی، برطانیہ اور احقر) کو حاصل رہیں۔ شعبے کی درسگاہ میں جو سب سے پہلا پروگرام ہوا، اس میں حضرت کی صدارت تھی اور آپ نے بہت جامع تقریر فرمائی، جس میں بہت تفصیل کے ساتھ، دلائل کے ساتھ اور تاریخِ دارالعلوم وا کابرِ دارالعلوم کے حوالوں کے ساتھ انگریزی زبان کی تحصیل کی اہمیت

وفضیلت پر روشنی ڈالی۔اس کی رپورٹ ہمارے دوست مفتی اعجاز ارشد قاسمی مرحوم نے تیار کی اور متعدد اخبارات میں شائع ہوئی۔ ہمارے شعبے میں ہر سال متعدد پروگرام ہوتے تھے (اور الحمدللہ اب بھی سلسلہ جاری ہے) کبھی درسگاہ میں اور کبھی دارالحدیث فوقانی میں؛مگر مجھے یاد نہیں ہے کہ حضرت قاری صاحب کسی پروگرام کی زینت نہ رہے ہوں۔طلبہ کی انگریزی میں تقریریں ہوتی تھیں اور پھر اساتذہ کی بھی۔حضرت قاری صاحب ان تمام پروگراموں میں صدر ہوا کرتے تھے اور گھنٹوں انگریزی سنتے رہتے تھے،واقف نہ ہونے کے باوجود صبر کرکے بیٹھے رہتے اور پھر اخیر میں اپنا قیمتی خطاب اور تاثرات ظاہر فرماتے،جن میں حوصلہ افزائی کا بہت سامان ہوتا؛ چونکہ اس وقت ہمارا شعبہ دفترِ اہتمام کے ماتحت تھا لہٰذا بکثرت دفتر جانا ہوتا اور حضرت قاری صاحب سے ملاقات ہوتی۔حضرت اس وقت نائب مہتمم تھے۔افسوس کہ اب دفترِ اہتمام کے وہ سارے لوگ سوائے حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم (حضرت بھی شعبے کے خاموش روحِ رواں تھے) کے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ بڑے مہتمم صاحب،حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب اور اب حضرت قاری صاحب اور پیشکار جناب عدنان صاحب سب رخصت ہوگئے۔ جب میڈیا والے اور بیرون ملکی وفود اور سفارت کار دارالعلوم پہنچتے تھے تو حضرت قاری صاحب ان ملاقاتوں اور میٹنگوں میں ضرور موجود رہتے اور بہت عمدہ جوابات دیتے تھے۔ انگریزی ترجمانی پر ہماری حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔کبھی ایسی ملاقاتوں اور میٹنگوں کی رپورٹ تیار کرنے کے لئے حکم دیتے۔حضرت کو دارالعلوم سے بہت دلچسپی اور محبت تھی۔مسلکِ دارالعلوم پر مضبوطی سے قائم تھے اور بہت متصلب تھے۔

حضرت قاری صاحب ٹھوس علم کے ساتھ تقویٰ اور وضع داری والے انسان تھے۔عربی زبان وادب پر بھی عبور تھا۔دارالعلوم کے انتظامی معاملات میں بے لوث خادم تھے۔لالچ وطمع سے بہت دور اور رجال سازی وتربیت میں مثالی تھے۔

اپنے ایک امریکی دوست کے ساتھ جو حضرت قاری صاحب سے پہلے سے بہت متاثر

تھے دار العلوم ڈیڑھ سال قبل جب جانا ہوا تو ضیافت حضرت قاری صاحب کے ہاں ہی تھی۔ہم لوگوں نے چھتہ مسجد کے حجرے میں حضرت کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔حضرت سے وہ ملاقات دار العلوم میں میری آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

باتیں اور یادیں بہت ساری ہیں،حضرت قاری صاحب کے کمالات اور محاسن کے لئے ایک دفتر چاہئے۔

حضرت قاری صاحب کے انتقال سے دار العلوم میں ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، سوگواری کا ماحول ہے. ایک ایک کر کے اس وبائی زمانے میں دار العلوم کے بہتیرے انتہائی قیمتی فرزند اور بے لوث خادم رخصت ہوگئے۔حضرت قاری صاحب ایک بڑے ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل دے اور دار العلوم کو نعم البدل عطا فرمائے۔

کچھ یادگار لمحات

مفتی شاہ محمد ملک قاسمی محکمہ شرعیہ اسلامیہ خیر المدارس بھدرواہ جموں وکشمیر

تیرے بغیر بے روح یہ بزم لگ رہی ہے
محفل سجانے والے تیری یاد آ رہی ہے
بیتاب ہر بشر ہے دشوار ضبطِ غم ہے
ابد کو جانے والے تری یاد آ رہی ہے

حضرت والا کے نام کے ساتھ لفظ ''قاری صاحب'' کا لاحقہ

یوں تو یہ لفظ ویسے بھی عرفِ عام میں قرآن کریم کی تلاوت کے علوم وفنون اور اس کے حروف کی طریقۂ ادائیگی، تلاوت کلام پاک کی مشق کی نسبت، ایک عظیم الشان خطاب ہے، جس کی قابلیت حضرت والا میں بدرجۂ اتم موجود تھی اور اس میں بھی شک نہیں کہ حضرت والا بہترین قاری بھی تھے؛ لیکن وہیں پر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آپ نہ صرف حافظ، عالم ربانی؛ بلکہ محدث اور عظیم المرتبت فقیہ بھی تھے، میں نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی خود دیکھا کہ تفسیر، ودیگر علوم عالیہ کی اہم کتب کے ساتھ ملا علی قاری کی شاہکار ضخیم کتاب مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح تو حضرت کو لفظ بلفظ ازبر یاد تھی۔ فتاویٰ کی فقہی پیچیدگیوں کے حل میں اصولِ فقہ ومبادی پر ان کو دست رس حاصل تھی۔ فن حدیث واصولِ حدیث، فقہ واصولِ فقہ میں مہارت کے باعث استنباطِ مسائل میں وہ فقیہانہ انداز رکھتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں تکمیل افتاء میں

جب میں زیرِ تعلیم تھا، اس سال مجھ سے بالخصوص تمرینِ فتاوی طلب کرتے اور پھر اس میں قابلِ اصلاح نکات کی تصحیح اور اکابر علماءِ دیوبند کی مایۂ ناز ومقبول انداز افتاء وفتاوی کی زبان سیکھنے پر زور دیتے۔ اکثر فقہی اجتماعات میں جدید مسائل کی تلخیص میں مشکل ترین پیچیدگیوں کے وقت مختلف آرا کی صورت میں پورے ملک کے اربابِ فتاوی کو فقہی نظائر کی جانب متوجہ فرماتے۔ حضرت والا ایک کامیاب مؤرخ اور سیرت نگار بھی تھے، اس کی مثالیں ان کے رسائل اور تحریرات سے نمایاں ہیں۔

اہم نکتہ:- علوم نبوت کے اسرار ورموز سے واقفیت، علوم آلیہ اور عالیہ پر گہری نظر ہونے کے باوجود بھی نہ جانے کیوں آپ نے خود مستقل کوئی بڑی کتاب تصنیف نہیں فرمائی مگر رد قادیانیت واصلاح معاشرہ کے اہم موضوع پر آپ کے جامع محاضرات اہل علم وعوام میں مقبول عام ہیں۔ تمام اکابر واسلاف کی تصانیف پر مکمل نگاہ تھی، لیکن یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت والا کے دونوں صاحب زادے ان کی ہی بے مثال تربیت سے ملتِ اسلامیہ ہند کے صف اول کے مقبول ترین مصنف ومؤلف وفقیہ حضرت مولانا سید محمد سلمان منصور پوری مدظلہ اور شہنشاہِ خطابت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مثل اندازِ بیاں کے مالک حضرت مولانا سید محمد عفان منصور پوری مدظلہ اپنے علوم شریعت ومعرفت سے امت مسلمہ کی بہترین راہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ آج کے اس پرفتن دور میں حضرت والا اکثر اپنے درس وخطابات وبیانات میں راہ ہدایت سے منحرف مصنفین کے ضیغ وضلال اور دجل وفریب سے قرآن وسنت کی روشنی میں عامۃ المسلمین کو باخبر کرتے رہے۔

ریاست جموں وکشمیر کی جانب حضرت والا کی توجہات

ہمارے اس ملک کی قابلِ رحم ریاست جموں وکشمیر کے باشندگان بالخصوص اس ریاست میں دینی خدمات میں مشغول علماء کرام کے جدید وقدیم طبقہ کے حوصلوں کو بلند رکھنے اور اس ریاست میں دینی امور کے استحکام وتنظیم کے لئے محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی

طرح کوشاں رہتے۔ حضرت والا کا یہاں کی عوام وخواص کے ساتھ جو قلبی تعلق تھا اس کا اندازہ اس سے بخوبی ہوجاتا ہے کہ قدیم زمانے سے یہاں ریاست میں پھیلے ہوئے الحاد وارتداد اور بے دینی کی سرکوبی وبیخ کنی کے لئے آپ ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔ اپنی پیرانہ سالی اور دارالعلوم دیوبند وجمعیۃ علما ہند کی قومی وملی مشغولیات اور یہاں کے تھکا دینے والے طویل المسافت پہاڑی راستوں کے باوجود کبھی بھی یہاں تشریف لانے سے معذرت نہ کی۔ ہمارے جموں کشمیر میں ان کے عقیدت مند تمام اکابر واصاغر علماء وعامۃ المسلمین حضرت کی آمد کے شدت سے منتظر رہتے۔ جموں وکشمیر میں دارالعلوم دیوبند کے مسلک ومشرب کے نقیب وپاسدار ہمارے مشفق ومحسن حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب میر قاسمی مدظلہ کی منظم کاوشوں سے ان کے زیرانتظام سری نگر، بانڈی پور کے پروگراموں کے علاوہ ہمارے یہاں ریاست کے مشہور قدیم قصبہ بھدرواہ میں بھی احقر کی عاجزانہ درخواست پر تحفظ ختم نبوت اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرعنوان پروگرام منعقد ہوئے۔

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب میر قاسمی مدظلہ ناظم دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پور کشمیر ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے عظیم الشان کارناموں کی ہمارے سامنے جو لمبی فہرست ہے اس میں نمایاں یہ ہے کہ کشمیر کی بلند وبالا پہاڑیوں اوران کے دامن میں اکابر علماء حق واہل اللہ کی مجالس کا انتظام وانعقاد کرکے یہاں کی پیاسی عوام کو کفر شرک اور ارتداد والحاد وبے دینی سے دور رکھنے اور صالحین کے طبقے سے عامۃ الناس کو جوڑے رکھنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر صحت وتندرستی کے ساتھ قائم ودائم فرمائے۔ آمین جزاہ اللّٰہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء.

حضرت امیر الہند کے ساتھ مجھ سیہ کار کی وابستگی اور واسطہ

جامعہ محمودیہ میرٹھ سے ۲۰۰۰ء مطابق ۱۴۲۰ھ سال ششم عربی سے فراغت کے بعد بالخصوص وہاں کے دوموٴقر ومشفق اساتذۂ کرام حضرت مولانا مفتی معراج الدین صاحب قاسمی و

حضرت مولانا مفتی کوکب عالم صاحب قاسمی مدظلہما حضرت والا کے ساتھ میرے تعلق کا سبب بنے۔ جامعہ محمودیہ میں طالب علمی کے وقت بشمول دیگر جملہ اساتذہ ان دونوں حضرات کے مجھ سیاہ کار پر تعلیم وتربیت وتوجہات کے سلسلے میں گراں قدر احسانات ہیں جن میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے خارج اوقات میں بھی مجھے پڑھایا اور داخلہ امتحان کی تیاری کرا کے دارالعلوم دیوبند میں امتحان داخلہ کے لئے بھیجا۔ اللہ کے فضل اور ان اساتذہ کی محنت اور دعاؤں کی برکت سے داخلہ امتحان میں پاس ہوا اور داخلہ ہوجانے کے معاً بعد جب تعلیمی تصدیق نامہ حاصل کرنے جامعہ محمودیہ میرٹھ گیا تو ان دونوں حضرات اساتذہ کرام نے مجھے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی مدظلہ کی خدمت میں حاضری دینے اور ان سے اجازت لے کر ان کی تربیت ونگرانی میں رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا، یہ ان دونوں حضرات کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی سلسلہ شروع ہونے کے بعد ان دونوں حضرات میں پہلے حضرت مولانا مفتی محمد یوسف تاؤلوی مدظلہ سے ملاقات کا موقع ملا۔ سلام مسنون کے بعد میں نے اپنے ان دو اساتذہ کا حوالہ اور جامعہ محمودیہ میرٹھ کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا تو پہلی ہی ملاقات میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بہت محبت اور شفقت سے نوازا اور خدمت میں حاضری کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی شفقت سے مجھے کافی حوصلہ ملا۔ اب میں حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری سے ملاقات کے وقت کا سوچ ہی رہا تھا کہ حسن اتفاق تھا یا میری خوش نصیبی کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک بزرگ ملازم جن سے مجھے بعض انتظامی امور میں چند بار واسطہ پڑا اور جان پہچان ہوگئی تو ایک روز انہوں نے بھی غیر متوقع طور پر مجھ سے فرمایا کہ اے کشمیری آپ کو کچھ حاصل اگر کرنا ہے تو حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری کے پاس آتے جاتے رہو۔

میں نے حامی بھری، اپنی بے بضاعتی کے باعث اس بارعب شخصیت کے یہاں زیر

نگرانی رہنے کی اجازت لینے کے اس مشکل کام کی اوّلاً مجھے ہمت نہ ہوئی۔ جب دوسری بار دارالعلوم دیوبند کے اس بزرگ ملازم نے پوچھا کہ حضرت قاری صاحب سے ملے؟ میں نے نفی میں جواب تو دیا مگر انہوں نے اس سے آگے کچھ نہ کہا؛ لیکن اب میرا عزم مصمم ہو گیا۔ سوچا کہ اس بارعب شخصیت کی خدمت میں جا کر کیا کہوں؟ (آپ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں نائب مہتمم کے عہدے پر فائز تھے جب کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے) اس پر میں نے بہت غور کیا، تو بالآخر میں نے ایک عریضہ لکھ کر پیش کیا، جس میں آپ کے زیرِ نگرانی رہنے کی گذارش تھی، حضرت نے پڑھ کر فرمایا کہ ابھی جاؤ فلاں گھنٹے میں آنا اس طرح تین مرتبہ خدمت میں حاضر ہوا مگر کام کچھ نہیں بتایا، اس کے بعد حضرت خدمت میں آنے کا موقع مرحمت فرماتے رہے اور حسب موقع کام بھی دیتے رہے۔ کچھ ماہ کے بعد اصلاحِ نفس و عمل میں حضرت کی جانب سے کبھی ڈانٹ ڈپٹ بھی شروع ہوئی مگر خوش نصیبی کہ میں نے بھی ہمت رکھی اور ان کا دامن نہیں چھوڑا۔ دارالعلوم دیوبند سے رسمی فراغت کے بعد حضرت والا اپنی توجہ مبذول کرتے رہے اور مجھ ناکارہ سے تدریسی خدمات اور دارالافتاء کے کام کی سالانہ کارگذاری ہر سال طلب کرتے، پھر ہمارے یہاں قادیانیت زدہ علاقہ قصبہ بھدرواہ میں تحفظ ختم نبوت کے پروگرام کے لئے حضرت والا کے زیر قیادت دارالعلوم دیوبند کے مؤقر اساتذہ کا تاریخی دورہ ہوا، جس میں عصر حاضر کے جبال العلم استاذ المحد ثین والعلما حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا شوکت علی بستوی مدظلہ ناظم کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری مدظلہ نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ رد قادیانیت کے سلسلے میں حضرت والا خود ہی براہ راست فون کر کے اور کبھی حضرت مولانا اسداللہ بستوی مدظلہ کے توسط سے کام کی کارگذاری جلدی بھیجنے کا مکلّف بناتے۔ ترستا ہوں اب ان کے اندازِ تربیت کو مگر اب وہ نہ رہے۔ حضرت

والاؒ سے رابطہ کرنے میں جب کہیں تاخیر ہو جاتی تو حضرت والا مجھ سیاہ کار پر بے انتہا شفقت کے باعث خود ٹیلی فون کر کے احوال معلوم کرتے اور بال بچوں کے حق میں دعائیں دیتے اور یہ ہفتہ میرے لئے بڑی فرحت وانبساط والا ہوتا۔ کچھ دینی اور کچھ گھریلو ناموافق احوال کے پیش آنے کی خبر جب اس مشفق ومربی کو ہوئی تو حوصلہ دینے کے لئے مجھے بچوں کے ساتھ دیوبند بلایا، اہلیہ اور بچوں کو اپنی اہلیہ محترمہ سے ملایا، جنہوں نے شفقت بھرے انداز میں اہلیہ کو بلند حوصلوں سے نوازا، پریشانیوں کے شدید گھیراؤ کے وقت دومرتبہ بچوں کے ساتھ اس مشفق بے کراں نے دیوبند بلا کر ہمت افزائی فرمائی۔ حضرت کی توجہ مجھ سیاہ کار کی جانب جس انداز کی تھی اس کی نسبت ان کی جانب سے ہمیں دور دراز پسماندہ علاقوں میں مفوض کام میں کوتاہیاں ہی رہیں؛ لیکن حضرت والا کی ملاقات کے بعد ہر بار نیا حوصلہ اور تازہ دم ہو جاتا تھا۔

میرے آبائی علاقہ کے قصبہ بھدرواہ میں جہاں پر دیگر علاقوں کہ بہ نسبت الحاد وبے دینی جلد بام عروج تک پہنچی، وہیں پر بدقسمتی سے ۱۹۴۲ء میں فتنۂ قادیانیت نے ریاست کے مخصوص اہمیت کے حامل اس علاقے میں منصوبہ بند پروگرام کے تحت اپنا بیج ڈالا۔ اس کی بیخ کنی کے لئے اس سے قبل بھی حضرت مولانا لعل اختر حسین صاحب نے بروقت اس فتنے کی سرکوبی کی۔ طویل مدت کے بعد اس فتنے نے دوبارہ اپنی جڑیں مضبوط کرنی شروع کی، تو حضرت والا نے اپنی توجہات مبذول فرمائیں اور متعدد بار مؤقر اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کا وفد لے کر یہاں تشریف لائے، جس میں نمونۂ اسلاف قائدِ ملت حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب میر قاسمی مدظلہ کا ہر لحاظ سے تعاون شاملِ حال رہا۔

حضرت والاؒ کا حکیمانہ انداز

میں قصبہ بھدرواہ کے ایک دینی ادارہ میں تقریباً بارہ سال تک افتاء وتدریسی خدمت پر مامور رہا۔ اس کے بعد وہاں بعض انتظامی دشواریوں میں درپیش مسائل کے باعث مستعفی ہو کر

علیحدگی اختیار کی، اس کے کچھ عرصہ بعد ملک قطر کے وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ کی جانب سے امامت کی جگہ کا انٹرویو تھا جس کے مطلوبہ تمام لوازمات مجھے حاصل تھے۔ دیوبند میں حضرت کی خدمت میں پہنچ کر حضرت والا کو اپنی اس پیش قدمی کی اطلاع اس غرض وخیال سے دینا مقصود تھا کہ حضرت والا کی دعائیں شامل حال رہیں گی۔ مگر حضرت نے خاموشی اختیار فرمائی، کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اسی سال دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی عربی درجات میں استاذ کی تقرری کے لئے مشروط درخواستیں مطلوب تھیں، شرائط کی تکمیل کے باعث میں نے اس عزم سے دارالعلوم دیوبند کے دفتر اہتمام کو مطلوبہ درخواست بھیجی کہ تقرری کے بعد حضرت والا اور دیگر اساتذہ کی خدمت میں رہنے کا موقع ملے گا۔ دارالعلوم دیوبند کے تحریری بلاوے کے بعد دیوبند حضرت کی خدمت میں پہنچا تو حضرت نے نہایت بشاشت سے میرے ذاتی نجی وگھریلو احوال پوچھے، مگر اس موضوع سے متعلق تذکرہ کرنے کے باوجود کچھ نہ فرمایا۔ مجھے حضرت کے مزاج کا علم تھا کہ جس چیز پر انشراح نہیں ہوتا تھا اس کو یا تو فی الفور منع کرتے یا مخاطب کی دل شکنی سے بچنے کے لئے صرف سکوت فرماتے، سمجھنے والا خود سمجھتا۔

وہاں سے واپسی پر مفتی پرویز عالم صاحب کی صدارت میں رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ ضلع ڈوڈہ کے ششماہی امتحانات کے انعقاد کے مشورے میں میرے متعلق اراکین رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ ضلع ڈوڈہ کا اتفاق ہوا کہ علاقہ بھدرواہ میں شعبہ عربی درجات کی تعلیم کا نظم باقی نہ رہنے کے باعث مستقل ادارے کی شکل میں انتظام کرنا میرے ذمہ قرار پایا تو میں نے حضرت والا کو فون پر مشورہ سے مطلع کیا تو بشاشت سے حضرت نے دیوبند بلایا اور کچھ نصائح کیں بعد ازاں مدرسہ کا نام تجویز کرکے اپنے ہاتھ سے جامعہ خیر المدارس بیادگار شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن گنگوہی تحریر فرما کر کام شروع کرنے کا حکم فرمایا۔ چوں کہ حضرت والا ہمارے یہاں کے علاقوں کی دینی صورتِ حال سے بخوبی واقف رہے۔ غالباً اسی وجہ سے اس سیاہ کار کو یہیں پر کام کرنے کا عندیہ دیا۔

حضرت والا کا علم حدیث میں مقام

دیگر علوم شرعیہ کی طرح علم حدیث میں حضرت والا کو جو مقام حاصل تھا گو اس میں شہرت کم تھی مگر ان کے درس حدیث میں علوم نبوت کے انمول موتیوں کی برسات دلوں کو محظوظ کرتی تھی۔ حدیث کی سند ہو کہ اس کا متن، اس پر ان کی گہری نظر تھی، درسِ حدیث کے وقت آواز میں نرمی، گفتار میں تسلسل اور تشریحات حشو وزوائد سے پاک رہتی تھیں۔ ہمارے زمانۂ طالب علمی کے قبل سے مشکوۃ المصابیح اور موطا امام مالک ان کے زیر درس ہیں۔ بلند علمی مقام کے ساتھ ولایت اور بزرگی میں بھی ان کا مقام بہت بلند تھا، حضرت کے علم وفکر وعمل کے وارثان حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ حضرت مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری مدظلہ ہمارے درمیان چمکتے اور روشن چراغ ہیں، جن کے توسط سے ہم اپنے حضرت کے خوشہ چیں ہو سکتے ہیں۔ بالواسطہ استفادے کے مواقع میسر ہیں۔

حضرت والا کا جرأت مندانہ اندازِ خطاب

حضرت والاؒ کا انداز خطابت درس وتدریس کے منصب پر نہایت باوقار، علمی دقائق پر مدلل انداز ہوتا تھا؛ لیکن میں نے خود دیکھا کہ خطابت کا یہ شہسوار جس وقت لاکھوں کے مجمع سے مخاطب ہوتے تو اپنے انقلاب آفریں پیغام کو نہایت جرأت مندانہ انداز میں پیش کرتے، مجھے بخوبی یاد ہے کہ دیوبند میں جمعیۃ علما ہند کی جانب سے منعقد امن عالم کانفرنس جس میں مجھے بھی جمعیۃ علما ہند نے مدعو کیا تھا، حضرت والا نے کئی ملکوں سے تشریف لائے ہوئے علماء سے دیوبند میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہادری حاصل کرنے اور غیرتِ اسلامی کو بیدار کرنے کا جو ولولہ انگیز خطاب فرمایا تھا کہ پورے مجمع پر سناٹا چھا گیا، حضرت والا نے یہاں تک فرمایا تھا کہ اسلام کے تحفظ اور ماؤں بہنوں کی عزت وعصمت کے حوالہ سے حکمت کا نام دے کر اپنی جان چھڑاتے ہو یہ بزدلی ہے۔ ملت اسلامیہ کی جان ومال عزت وآبرو کے خطرے کے وقت کسی کے مشورے کا انتظار مت کرو (مفہوم)

حضرت والا کا رعب

حضرت والا نہایت شفیق تو تھے، مگر حسنِ انتظام کے معاملہ میں کسی بھی بے اصولی سے مفاہمت نہیں کرتے، خود بھی اصول وضوابط اور وقت کے پابند تھے اور اگر کوئی بے اصولی کرتا میں اس معاملہ میں ان کی جانب سے سخت ڈانٹ ڈپٹ کا سامنا ہوتا، جب میں دارالعلوم میں زیرِ تعلیم تھا تو اس وقت کی بات ہے کہ حضرت کو بعد مغرب دارالعلوم کے کسی کام کے سلسلے میں مظفر نگر جانا تھا، مجھ سے فرمایا کہ مولوی شاہ محمد! جا کر بھائی یاسین (جو کہ ان کی گاڑی کے ڈرائیور تھے) کو بلا لاؤ! میں گیا صدر گیٹ، مدنی گیٹ، مہمان خانہ وغیرہ سب جگہ دیکھا مگر بھائی یاسین نہیں ملے، دارالعلوم دیوبند کے چوکیدار بھی تلاش میں تھے مگر نہیں مل سکے، وقت کافی ہو چکا تھا، آ کر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ نہیں ملے۔ چوں کہ انہیں جانا ضروری تھا اور اس وقت بھائی یاسین کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ فرمایا جا دارالعلوم چوک کی جانب دیکھ کر آ؟ میں جلدی سے وہاں پہنچا تو بھائی یاسین مہمان خانہ کے دروازے کے باہر کھڑے کسی سے بات کر رہے تھے۔ میں نے کہا بھائی یاسین صاحب جلدی آ و حضرت آپ کو پونے گھنٹہ سے تلاش کر رہے ہیں، یہ سن کر وہ پریشان انگشت بدنداں ہوگئے اور فوراً چل دیے؛ مگر انہوں نے ازالۂ خوف کے لئے کچھ قدرے بلند آواز سے سورۂ یاسین پڑھنا شروع کیا تو میں حیران پریشان ہوگیا کہ خود بھی یہ صاحب معمر تھے مگر اتنا خوف کہ مجھے اپنے آگے آگے رہنے کو کہا، میں نے وجہ پوچھی تو کہا خیریت نہیں ہے، بس آپ آگے آگے رہو۔ اندر پہنچ کر میں نے حضرت کو ان کی آمد سے مطلع کر دیا۔ مجھے بھی ڈر تھا کہ نہ جانے کتنی ڈانٹ پڑے گی، مگر بات یہ ہوئی کہ آپ نے ان کو صرف اتنا کہا کہ ابھی تک بھائی کہاں تھے؟ بہت دیر سے انتظار میں ہیں۔ بھائی یاسین نے اپنی کوئی صفائی یا تاویل نہ کی بلکہ خاموش رہے، پھر حضرت نے نرم لہجے میں فرمایا کہ چلو مظفر نگر نکلنا ہے۔
حضرت والا کے فرزند حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ ہوں یا حضرت مولانا مفتی عفان منصور پوری جب بھی حضرت کے پاس ان کو بیٹھے ہوئے دیکھتا تو غایتِ ادب سے بیٹھنے کے باعث تصور نہیں ہوتا تھا کہ یہ ان کے بیٹے ہیں۔

ہر کام میں شفافیت

کسی بھی کام میں عجلت پسندی کے عادی نہیں تھے، حتی کہ کوئی مؤلف یا مصنف اپنی کتاب کے متعلق ان سے کلمات بابرکت لکھوانے کی گذارش کرتا تو موضوع کے پیش نظر اپنی بے حد مشغولیات کے باوجود جب تک اس کو مکمل نہ پڑھتے تب تک اس پر کوئی رائے تحریر نہ کرتے۔ احقر نے علمی کاوش کے طور پر حضرت والا کے زیر سایہ کتاب ''مسائل وقف وہدایا'' کا حسبِ توفیق الٰہی مسودہ تیار کیا، تو حضرت نے پوری فائل طلب فرما کر قریب چار ماہ کے بعد چند مقامات کی تصحیح فرما کر اس پر اپنے گراں قدر تاثرات تحریر فرمائے، جو میرے لئے انتہائی حوصلہ افزا ثابت ہوئے، بہت سوں کے مسودے اسی طرح کچھ لکھے بغیر خالی واپس کردیے۔ طالب علمی کے وقت اسی طرح کا ایک واقعہ خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کا میری موجودگی میں پیش آیا۔ میں اپنے ایک چہیتے ساتھی محترم مولانا غلامِ مصطفیٰ قاسمی حال امام وخطیب مسجد خدیجۃ الکبریٰ پارِم پورہ بائی پاس سری نگر کشمیر کے ہمراہ بعد عصر حضرت خطیب الاسلام کی مجلس میں تھا، کہ ایک صاحب نہایت عالی شان جبے قبے میں ملبوس غیر متعارف شخص ہم سے پہلے ہی مجلس میں موجود تھے اور تخمیناً ایک ہزار صفحات پر مشتمل مسودہ ہاتھ میں لئے ہوئے شاید اس پر حضرت کے تاثرات لکھوانا چاہتے تھے، نہیں معلوم موضوع کیا تھا، حضرت کی زبان سے صرف یہ سننے میں آیا کہ ہم کو بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو؟ میں اس پر کچھ نہیں لکھتا مرضی ہے تو بیٹھے رہو نہیں تو چلے جاؤ؟ اس کے بعد ہم سے صرف یہ فرمایا کہ لوگ بہت ہوشیار بنتے ہیں، جو کام ہم نے نہیں کرنا ہے بس نہیں کرنا ہے۔ کسی کو بے جا اصرار کا کیا مطلب؟

حضرت والا کا درس مشکوۃ المصابیح اور مؤطا امام مالک

حضرت والاؒ کی شخصیت عجب انداز کی تھی، جب حضرت والا دارالعلوم دیوبند کے نائب

مہتمم کی مسند پر براجمان ہوتے، تو اس وقت ان کے تیقظ ومزاج شناسی موقع شناسی معاملہ فہمی قوت نفاذ کی اہلیت سے ایسا لگتا کہ وقت کے امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین تشریف فرما ہیں۔ ہمارے وقت میں مشکوۃ المصابیح کے علاوہ دورۂ حدیث شریف کی کتب احادیث کی بڑی اہم کتاب مؤطا امام مالک حضرت والا سے متعلق تھی، چوں کہ یہ کتاب اگر چہ بخاری ومسلم ترمذی وابوداد سے ضخامت میں کم ہے؛ لیکن اپنے وقت میں اس کتاب کا مقام ومرتبہ وہی ہے جو آج کے اس وقت میں بخاری شریف کا ہے۔فن حدیث میں امام مالک کا بڑا مقام ہے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں نے روئے زمین پر قرآن پاک کے بعد زیادہ مستند کتاب مؤطا امام مالک کے سوانہیں دیکھی۔

حضرت امیر الہند رابع کی اصلاحی مجلس کا انداز

ان کی مجلس لغویات سے پاک رہتی، اگر کوئی صاحب اپنی نادانی سے کسی کی غیبت کی، چغلی کی جرأت کرتا، تو فوراً اس کو روک دیتے یا آپ دوسری کوئی اصلاحی بات شروع کردیتے۔ آج عوام وخواص میں اس مرض کا عموم ہے۔ بعض حضرات تو کارگذاری یا حالات سے آگہی پر محمول کر کے اس حرمتِ قطعی کی گنجائش نکال کر اس کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح بعض احباب اپنے دینی کارناموں کی خوبیاں بیان کرتے تو بھی حضرت والا دوسری بات شروع فرماتے۔ اسی طرح قول یا عمل میں تصنع کو پسند نہ فرماتے۔ اپنے کام کی کوئی تعریف کرتا، تو بھی اس کی بات کی جانب متوجہ نہ ہوتے، گویا کہ اخلاص کا یہ پہاڑ اس چیز کو کیسے برداشت کرتا جو اپنے ہر عمل کو لوجہ اللہ کرنے کا عادی رہا ہو۔

دارالعلوم دیوبند کے ہر ایک نظم کی پابندی

دارالعلوم دیوبند میں زمانۂ طالب علمی کے دوران حضرت کی خدمت میں چند برس رہنا نصیب ہوا تو اس دوران دیکھا کہ جب بھی اہتمام یا تدریسی ذمہ داری کے لئے گھنٹہ بج جاتا، تو انتہائی مستعدی کے ساتھ وقت پر ہی کلاس میں پہنچ جاتے۔ راستے میں رک کر کسی سے ہم کلام نہیں

ہوتے۔طلبہ کی سبق میں غیر حاضری برداشت نہیں کرتے۔ میں جب بھی خدمت میں حاضری دیتا تو ضرور معلوم کرتے کہ آج کس کس کتاب کا سبق ہوا، بعض اوقات استاذ کی تقریر کا ماحصل کبھی اچانک طلب فرماتے۔ مجھے حضرت والا سے حدیث مبارکہ کے علاوہ شعبۂ تکمیل افتاء میں تعلیم کے وقت ردقادیانیت پر حضرت کے ہی لکھے ہوئے مقبول محاضرات پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

مہمان نوازی

حضرات والاؒ نہایت بلند مقام ومرتبہ والے تھے کہ ان کے پاس خدام کی کیا کمی تھی حضرت کے تلامذہ ہوں کہ ان کے معتقدین ان کے اشاروں پر مرمٹنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے؛ لیکن جیسے ہی حضرت والا کے یہاں کوئی مہمان جاتا، تو حضرت والا اپنے بالا خانہ سے خود چائے ناشتہ لاتے اور مہمانوں کی دل جوئی کے لئے ان کے ساتھ بیٹھ جاتے۔تعلیمی نظام ہو یا انتظامی امور جمعیۃ علماء ہند ہو یا امارت شرعیہ ہند ہر ایک میں کام کی ترقی کی جانب توجہ رہتی، یہی وجہ ہے کہ حضرت والا خاص طور پر اپنے زیر نگرانی چلنے والے ہر نظم سے متعلق عملہ سے رپورٹ طلب کرتے؛ بلکہ اس مرتبہ مارچ ۲۰۲۱ء میں منعقدہ فقہی اجتماع کی تلخیصات وتجاویز کو عام کرنے کے لئے تمام مندوبین مفتیان کرام سے رپورٹ تیار کرکے وقتاً فوقتاً ادارۃ المباحث الفقہیہ کے مرکزی دفتر میں ارسال کرنے کا حکم فرمایا، الحمد للہ اس تعلق سے کارگذاری حضرت کو ان کی حیات میں ہی دے دی تھی۔ حضرت والا نے فقہی اجتماع کے آخر میں سب مندوبین کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شہرۂ آفاق کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے مطالعہ کی تلقین فرمائی، اس ضمن میں حضرت والا نے تمام مندوبین سے جو آخری خطاب فرمایا۔اجتماع کی آخری نشست کے اس خطاب کا لباب یہ ہے۔فرمایا: **تعلموا العلم وعلموہ الناس**. اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین وآخرین کا علم دیا گیا؛ لیکن اس کے باوجود اللہ کا حکم ہے قل رب زدنی علما، تمام دینی کتب کے مطالعہ کا نظام بنائیں، اگر کہیں پر سمجھ میں نہ آئے تو معاصرین سے یا متقدمین (کی کتب) سے رجوع کریں۔نشست کے موضوع کے حوالہ سے فرمایا ہمارے اس

ملک پر انگریزوں کے قبضہ جمانے کا واحد مقصد یہ تھا کہ پورے ملک میں عیسائیت غالب ہو جائے۔ اس وقت ملت اسلامیہ ہند بیرون ملک سے انگریز سے اور اندرون ملک ہندو آریہ سماج سے پریشان تھی۔ اس وقت ہمارے اکابر علماء کے پاس علم وعمل تھا، انہوں نے پورا مقابلہ کیا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اس ملک میں سوسال سے نہیں؛ بلکہ اس سے قبل بھی اسلام پر حملے ہوئے، دین الٰہی کا جب فتنہ اٹھا تو حضرت شیخ احمد سرہندی نے مقابلہ کیا۔ تاریخ دعوت وعزیمت کا بالاستیعاب مطالعہ ضروری ہے، جس کے مطالعہ سے آج کے اس دور میں رہنمائی ملے گی۔ علوم نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی کیفیات سے منتقل ہوتے تھے۔ پھر فرمایا کہ جب مطلق لفظ علم بولا جاتا ہے تو اس سے قرآن وحدیث کے علوم مراد ہوتے ہیں۔ صرف اپنی فکر کرنا آخرت میں کامیابی کا ضامن نہیں۔ پوری انسانیت کی فکر کرنا اس کی اصل ضامن ہے۔ پھر فرمایا: ”**اللھم لا تسلط علینا بذنوبنا من لا یخافک فینا ولا یرحمنا**“ اس دعا میں اصل علت گناہ ہے؛ اس لئے ان حالات میں جن سے ہم گذر رہے ہیں اس میں بنیادی چیز یہ ہے کہ آج کے زمانے کی جو تعبیرات ہیں ان سے استفادہ کیا جائے۔ پھر فرمایا یہ جو عام بات ہے کہ ہم بڑوں کی کتابوں کو نہیں سمجھ سکتے، اصل بات یہ کہ ان میں موجود مشکل تعبیرات کو سمجھنا چاہیے، خوب سمجھ کر ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ مطالعہ میں ترتیب، تسلسل، گہرائی، یہ بار بار پڑھنے سے سمجھ میں آئے گی۔ منطق، فلسفہ اور مناظرہ تمام علوم کو مستحضر رکھنا چاہیے۔ ہمارے پاس اس کی دستاویزات ہونی چاہیے کہ کون عالم کس مدرسہ میں کس فن میں مہارت رکھتے ہیں؟

پھر فرمایا اپنے اکابر کی کتابوں سے استفادہ سے دور نہ رہیں پھر آگے فرمایا ہمارے اکابر نے اسلام کے دفاع میں جو کتب لکھی ہیں ان کو اپنے مطالعہ میں لاکر اس کی کارگذاری بھیجتے رہیں۔ موجودہ حالات کا مقابلہ کس طرح کرنا ہے تاریخ دعوت وعزیمت کتاب سے اس معاملہ میں فائدہ ہوگا۔

اجتماع کے بعد واپسی پر دیوبند میں مجھ سے فرمایا کہ تاریخ دعوت وعزیمت کتاب خریدی

؟ میں نے عرض کیا جی ہاں تو بہت خوش ہوے اور مطالعہ کا ماحصل ارسال کرنے کو فرمایا۔ جس کی پہلی اور آخری کارگذاری حضرت والا کو میں ان کی حیات میں دے چکا۔ الحمدللہ

فنا کے بعد زندہ ہے شانِ رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں ہوں اے میرِ کارواں تجھ پر

حضرت والا کی مہمان نوازی کا تصور کرنا اس آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے جنہوں حضرت والا کا طریقہ خود سے نہ دیکھا ہو۔ مجھے یہ منظر عصر کے بعد دیکھنے کو بارہا ملا۔

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات ان کی علمی عملی قومی خدمات پر بالتفصیل وکما حقہ میری نظر میں صرف ان کے فرزند لکھ سکتے ہیں؛ البتہ حضرت امیر الہند رابع کے ساتھ راقم الحروف کی اس عظیم شخصیت کی عقیدت مندی اپنی جگہ مگر اس سلسلے میں کسی بھی رطب ویابس جمع کرنے کا عادی نہیں، یہ جو کچھ لکھا سادے انداز میں سہی اپنے مشاہدات کی روشنی میں لکھا ہے جس میں کسی بھی قسم کے مبالغہ کی آمیزش نہیں:

صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہوں تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سراپائے انسانیت کی حسین یادیں

مفتی اسرار احمد دانشؔ نجیب آبادی خطیب مسجد اسٹیشن والی نجیب آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمانۂ طالب علمی سے آج تک قریب تیس سالہ عرصۂ دراز میں حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کو نہ صرف دیکھنے بلکہ بغور پڑھنے کا موقع ملا، آپ کی بے شمار خوبیوں نے دل و دماغ کو متاثر کیا، ہر جگہ ہر موڑ پر جو اعلیٰ ترین اخلاق مشاہدے میں آئے، ان کے پیش نظر اس حقیر کا تأثر یہ ہے کہ اس عاجز نے آپ کی ذات مبارکہ کو انسانِ کامل کا نمونہ پایا۔ آپ کی چال ڈھال، حال قال، غرض کہ ہر نقل وحرکت میں اسوۂ انسانِ کامل علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جھلک محسوس ہوتی تھی۔ آپ کو جب اور جہاں دیکھنے کا اتفاق ہوا، آپ کی ذاتِ عالی سے سرزد ہونے والے اس وقت کے عمل نے دل کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ اس موقع پر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مبارک عمل رہا ہوگا، بلا شبہ یہی اسوۂ نبوی ہے۔ آپ کے ہر عمل کو دیکھ کر لگتا کہ یہی شریعت، طریقت اور حقیقت ہے۔

آپ کو دیکھ کر اپنے اکابر واسلاف کا تصور دل میں انگڑائی لینے لگتا، آپ کی ہر ہر ادا میں سچے متبعینِ سنت، اکابرین امت کا رنگ دکھائی دیتا۔ پیر مغاں، فقیہ دوراں، مفسر زماں، میر کارواں، وقت کے ادیب، شیخ الحدیث اور ان جیسے بے شمار اوصاف کے حاملین تو بہت نظر آتے

ہیں لیکن وصفِ انسانیت اور انسانِ کامل کی تصویر جو آپ میں نظر آئی، وہ عنقاء ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے:

زاہد شدی و شیخ شدی و دانش مند
ایں جملہ شدی ولیکن انساں نہ شدی

ایسا مجسمۂ اِنسانیت جس کے اندر خلوص وللّٰہیت، تقویٰ، طہارت، خوف وخشیت، فکرِ آخرت طبعی شرافت، زہد وقناعت، عبادت وریاضت، اہتمامِ سنت، درد ومحبت، صبر واستقامت، دیانت وامانت جیسے بلند پاکیزہ اخلاق اور رسوخ فی العلم کی صفت کے ساتھ اکرامِ ضیف اور خورد نوازی، حقیقی تواضع اور سادگی، عاجزی وانکساری، فنائیت و بےنفسی، نرم خوئی اور خوش گفتاری، دل جوئی وخوش طبعی غم خواری و ہمدردی، حلم وعفو اور صلہ رحمی، وقار وسنجیدگی اور اصول پسندی، ادائیگی حقوق اور احساس ذمہ داری، نظم وضبط اور حسن سلیقگی، حق گوئی وحق نوازی، شہرت سے پرہیز اور عہدہ ومنصب سے دوری، اصابت رائے اور دور بینی جیسے اوصاف شامل ہوں اور اس پر اخفاء حال کی دبیز چادر بھی پڑی ہو اس کو امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصوری پوری کہا جاتا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

حضرت والاؒ کی زندگی کو قریب سے دیکھنے والے حضرات اس بات کی شہادت دیں گے کہ مذکورہ بالا اوصاف عقیدتِ محض اور لفاظی نہیں ہے؛ بلکہ ایک ایک وصف آپ کی حیاتِ مبارکہ کا کھلا روشن باب ہے۔

ولیس علی اللّٰہ بمستنکر
أن یجمع العالم في واحد

اسی پیکرِ انسانیت اور سراپائے حسن کی کچھ حسین یادیں جو دل کے نہاں خانوں میں مرتسم ہیں، اس نیت اور امید کے ساتھ سپردِ قلم کرنے کی ہمت کر رہا ہوں کہ شاید کسی کو توفیق عمل ملے اور اس کے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت ہو جائے۔

پہلی زیارت

۳ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ مدرسہ انوار العلوم نجیب آباد میں اپنی حفظِ کلام پاک کی دستار بندی کے موقع پر جس وقت تقریباً ۱۵ سال عمر رہی ہوگی، اس عاجز کو پہلی بار آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور غالباً نجیب آباد میں آپ کی یہ پہلی آمد تھی۔

بہت اجلا سفید لباس، سر پر سادہ سفید رومال، نہ ہاتھ میں عصا، نہ ساتھ میں کوئی خادم، حسین نورانی چہرہ، موتی جیسے سفید چمکیلے دانت، ہونٹوں پر تبسم اور خاص انداز کی مسکراہٹ، اس وقت کا یہ نورانی سراپا آج تک ذہن میں خوب اچھی طرح محفوظ ہے۔

اسٹیج پر بڑی متانت وسنجیدگی کے ساتھ کرسیِ خطابت پر جلوہ افروز ہوکر آپ کی شیریں اور شگفتہ بیانی، مقصدِ بعثت کی اپنے خاص لب ولہجہ میں وضاحت، اس کے بعد اپنے مبارک ہاتھوں سے اس ناکارہ کی دستار (جس میں دیگر اکابر بھی شریک تھے) پھر آپ کی خدمت میں بندہ کی حاضری اور معمولی خدمت کی سعادت، مزید خوش نصیبی کہ آپ کی اقتدا میں نمازِ فجر کی ادائیگی، جس میں سورۂ الٓمٓ سجدہ اور سورۂ دہر کی تلاوت نے کانوں میں رس گھول دیا، یہ سب دل و دماغ پر آج تک مرتسم ہے۔

آپ کے ہاتھوں باندھی گئی دستار آج پینتیس سال گذرنے کے بعد بھی اس عاجز کے پاس اب تک موجود ہے اور اس وقت سے اب تک مسلسل استعمال میں رہنے کے باوجود الحمدللہ لائقِ استعمال ہے۔

یہ تھی پہلی زیارت وملاقات جس نے نوعمری اور بےشعوری کے زمانہ ہی میں آپ کے ساتھ انسیت ومحبت کو دل میں اتار دیا تھا۔

ہو گیا تھا بے ارادہ ہی کبھی یہ دل اسیر
جب نظر آیا تھا وہ پہلے پہل روشن ضمیر

شرفِ تعلق اوراس کے اسباب

احقر کو ۱۴۱۳ھ میں دار العلوم میں داخلہ کی سعادت ملی اور صرف دورۂ حدیث شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، اس وقت حضرت علیہ الرحمہ کا کوئی سبق دورہ میں نہیں تھا جس کی بنا پر براہِ راست شرفِ تلمذ حاصل نہ ہوسکا، لیکن حسن اتفاق کہ اپنے ابتدائی وانتہائی دو اساتذۂ کرام کے -حضرت علیہ الرحمہ کے نہ صرف شاگرد بلکہ خاص تربیت یافتہ ہونے کی بنا پر بالواسطہ آپ کی شاگردی سے محرومی نہ رہی۔ چنانچہ حفظ کلام پاک اور کتب تجوید کے میرے استاذ گرامی قدر ضلع بجنور کے معروف عالم دین، مدرسہ انوارالعلوم نجیب آباد کے ناظم اعلیٰ اور شہری جمعیۃ کے صدر محترم حضرت مولانا محمد اسلم صاحب کرتپوری آپ کے جامعہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے لائق و فائق شاگرد ہیں، موصوف نے آپ سے فن قرأت سمیت متعدد فنون کی کتابیں اور دورۂ حدیث شریف پڑھا ہے، حضرت الاستاذ کی آپ کے ساتھ گہری عقیدت ومحبت، غایت درجہ ادب و احترام، بوقت تذکرہ ایک خاص وارفتگی کی کیفیت نے دل میں پیدا شدہ عقیدت کی چنگاری کو مسلسل ہوا دینے کا کام کیا اور رسمی تعلیم کی آخری کڑی افتاء کے سال استاذ المکرّم حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، جو آپ کے فرزند ارجمند ہونے کے ساتھ آپ کے تلمیذ خاص اور آپ کی تربیت کا بہترین شاہکار، مجسمۂ علم وفن ہیں۔

استاذ محترم جو اس وقت بندہ کے مرشد و مربی بھی ہیں- کے ساتھ خاص تعلق ہونے کی بنا پر حضرت والاؒ کے ساتھ تعلق کی راہ ہموار ہوئی اور پھر آپ کی شفقت وعنایت، دلداری ومحبت نیز ہر بار کی زیارت وملاقات پر نئے نئے اوصاف وکمالات کے مشاہدے نے اپنی عقیدت ومحبت کا اسیر کرلیا۔ تا آنکہ آپ کی وفات حسرت آیات اس دلِ ناتواں کو نہ جانے کتنی حسرتوں کا مزار بنا کر چلی گئی۔

تعلق کی ابتداء اور غیر معمولی تأثر

کسی کی عظمت و بڑائی اور رعب و دبدبہ کا اثر جس طرح اس کے حشم وخدم کو دیکھ کر یا اس

تک پہنچنے میں ہٹو بچو کی شان سے ہوتا ہے، اسی طرح سادگی وتواضع بھی دلوں میں عظمت اور رعب پیدا کر دیتی ہے۔ ایسا ہی واقعہ آپ کے دولت کدہ پر بندہ کی پہلی بار حاضری کے وقت پیش آیا، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے

حضرت استاذ محترم مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم کا سہارن پور کے گاؤں سنسار پور میں جلسہ کا پروگرام تھا، حضرت والا نے مرادآباد سے، ٹرین سے تشریف لاتے ہوئے نجیب آباد اسٹیشن سے احقر کو اپنی ہمراہی کا شرف عنایت کیا۔ وہاں سے دیوبند پھر منصور پور وغیرہ جانا ہوا، اس وقت دیوبند میں چند گھنٹہ قیام کے دوران چھتہ مسجد کے حجرہ (خلوت گاہِ قاسمی) میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہلی مرتبہ تھوڑا سا وقت گذارا، ایک بے حیثیت شاگرد ومسترشد جو خادم کی حیثیت سے تھا، اس کے ساتھ حضرت والا کے ایک مہمان جیسے برتاؤ، بے تکلف گفتگو، محبت بھرے انداز اور اپنائیت پن نے نہ صرف یہ کہ اپنا گرویدہ بنایا بلکہ اخلاقِ نبوی کا عملی طور پر ایک مکمل درس اس ناکارہ طالب علم کو پڑھا دیا، جس میں اکرامِ ضیف، چھوٹوں پر شفقت، نووارد کی دلداری، وقار ومتانت اور سنجیدگی کے ساتھ بے تکلفی اور سادگی اور بھرپور تواضع جیسے بہت سے اخلاق کی جھلکیاں تھیں۔ اس ملاقات نے جو تعارف اور تعلق کا سبب بنی دل ودماغ کو غیر معمولی طور پر متأثر کیا اور یہی چیز، دل پر آپ کی عظمت ووقار اور خاص رعب کا باعث بن گئی اور وہاں سے اٹھتے ہوئے بے ساختہ زبان پر آ گیا:

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

اسی ملاقات میں پہلی مرتبہ اپنے جلیل القدر استاذ ومربی مخدوم گرامی قدر کو اپنے والد بزرگوار کے سامنے سراپا ادب واحترام اور ہر خدمت کو سعادت سمجھ کر بجالاتے دیکھنے کا پر کیف سماں بھی کبھی بھلائے نہیں بھلایا جاسکتا، جس نے پہلے سے دل میں پیدا شدہ عظمت وعقیدت، رعب وہیبت، الفت ومحبت میں اور نئی روح پھونک دی۔

مجسمۂ حسن و جمال وسراپائے خوبی وکمال

مجسم حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بتا اے دل کوئی ایسا حسیں بھی ہے حسینوں میں
(اقبال)

خلّاق ازل نے آپ کوظاہری وباطنی کمالات ومحاسن کا پیکراور مجسمہ بنایا تھا، ایک طرف آپ کے اندر کسبی اور اختیاری محاسن تھے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کوخلقی اور غیر اختیاری فضل و کمال سے خوب بہرہ ورفرمایا تھا، چنانچہ ظاہری صورت، باطنی سیرت، خاندانی نسبت، علمی قابلیت ان میں سے ہرایک آپ کوکمال درجہ کی عطا ہوئی تھیں۔ **ذالک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء.**

صورت اور ظاہری سراپا، حسن و جمال کا بہترین شاہکار، جس پر آپ کی نفاست پسندی اورخوش پوشا کی چار چاند لگائے رکھتی، مزید حسن باطنی اور قلبی انوارات، چہرہ کو روشن اور منور کر کے اسے رخ زیبا بنا دیتے اور آپ کی پرنور روشن جبیں ''سیماہم فی وجوہہم من اثر السجوذ'' کا نظارہ پیش کرتی نظر آتی، پھر اس حسن سراپا اور نورانی پیکر میں مصطفوی اداؤں کی جھلک مشتاقان زیارت کے دلوں کوموہ لینے کا کام کرتی، نیز اعلیٰ نسبی یعنی آلِ رسول ہونے کا شرف جو محض عطیہ ٔخداوندی وموہبت ربانی ہے، اسی طرح رسوخ فی العلم کی صفت نے آپ کی شخصیت کو دوآتشہ کر دیا تھا، ان ظاہری وباطنی خلقی اور کسبی اوصاف کے نتیجہ میں آپ کا وجود مسعود بے شمار خوبیوں کا سرچشمہ بن کر انسانیت کوحیاتِ دوام بخشنے کا ہمیشہ ذریعہ بنا رہا۔

تھا حسن یوسفی اور اس میں مصطفوی ادائیں تھیں
جبیں سے پھوٹتی ہر وقت نورانی شعاعیں تھیں
حسب کی اور نسب کی بھی فضیلت دائیں بائیں تھیں
یہ لگتا ہے کہ ظلِ یوسفِ کنعان کو دیکھا
یہی ہے جس میں ہم نے سیرت وقرآن کو دیکھا

چند اہم اوصاف و امتیازات

آپ کے اوصاف عالیہ میں سے جو وصف بندہ کی نظر میں بہت ہی نمایاں اور امتیازی شان کا حامل ہے، جس کی اہمیت اہلِ علم پر بالکل مخفی نہیں، وہ ہے تواضع، بے نفسی اور فنائیت:

پردۂ عجز میں مخفی ہے تیرا اوجِ کمال
خاکساری میں نہاں رتبۂ اعلیٰ تیرا

کسی کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ جانا، زبان سے اپنے کمالات کی نفی کرنا، دوسروں کے سامنے اپنے سراپا سے عجز و انکسار کو ظاہر کرنا اس کا نام تواضع نہیں ہے، اسی طرح پیوند لگے، معمولی اور میلے کچیلے کپڑے پہننا سادگی، بے نفسی اور فنائیت کی علامت نہیں، بلکہ یہ چیزیں اخلاق باطنہ میں سے ہیں جن کا تعلق دل سے ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ ایک صورت تواضع ہے اور ایک اس کی حقیقت۔ صورتِ تواضع جو عام طور پر متکبرین میں خود کو خلیق ظاہر کرنے کے لئے ہوتی ہے، درحقیقت ریاکاری ہے جو اخلاق ذمیمہ میں سے ہے اور صفتِ تواضع اخلاقِ حسنہ عظیمہ میں سے ایک عظیم خلق ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا تھا۔

جب حقیقت میں یہ اوصاف کسی کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں، تو پھر خود بخود اس کی تمام حرکات و سکنات سے ان کے آثار کا ظہور ہوتا ہے، اظہار کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ ہی کسی خاص حال کے بنانے اور اختیار کرنے کی حاجت ہوتی ہے اور پھر ان اوصاف کے ثمرات بھی اس صاحب اوصاف پر انعاماتِ الٰہیہ کی شکل میں مرتب ہوتے ہیں۔

ایسی حقیقی تواضع اور اصل بے نفسی و فنائیت ہم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اندر دیکھی اور بارہا خوب مشاہدہ کیا اور آپ کی شانِ شاہانہ و شانِ متواضعانہ کو ایک ساتھ دیکھ کر یہ انکشاف ہوا کہ شاہی و گدائی اور سادگی اور زیبائی آپس میں متضاد نہیں، خوش پوشاکی کے ساتھ بلا کی سادگی وقار و متانت کے ساتھ انتہا کی عاجزی، اعلیٰ درجہ کی نفاست اور فنائیت و بے نفسی آپ کی ذاتِ عالی کی خصوصیت تھی، اس شان دلربائی کا مشاہدہ ابھی کل تک سب نے کیا ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی

چیز نہیں ہے۔

مثالی وصف تھے سارے، نرالی شان پائی تھی
شہنشاہی میں ان کی واقعی شانِ گدائی تھی
تواضع از سر تاپا، بظاہر خوشنمائی تھی
عیاں آثارِ تقویٰ تھے مسلم پارسائی تھی

یہ حقیقی تواضع، بے تکلفی اور سادگی، فنائیت و بے نفسی، آپ کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، عمل و کردار غرض کہ چوبیس گھنٹہ کی زندگی کی ہر ہر نقل وحرکت سے بالکل عیاں اور ظاہر تھی۔ لیکن اس متواضعانہ شان کی دل میں سمائی وہ تصویر زبان وقلم کے ذریعہ سامنے لانا ممکن نہیں۔ شاید ایسے ہی موقع کے لئے کسی نے کہا ہے:

تحریر میں آتی ہے کہاں کیفیت دل کی
محسوس جو ہوتا ہے، بتایا نہیں جاتا

طبعی شرافت، بزرگوں کی نسبت اور ریاضت ومجاہدہ کی برکت سے قلب ایسا مجلّیٰ ومصفّٰی ہو چکا تھا کہ نام ونمود اور ریا، عہدہ ومنصب کے لئے دوڑ دھوپ تو بہت دور کی بات ہے، اپنے کسی کمال کا اظہار یا کسی عہدہ کی چاہت سے بھی آپ کا قلب پاک تھا، شہرت و ناموری کے خیال اور احساس برتری کا تو کبھی آپ کے پاس سے گذر بھی نہیں ہوا ہوگا۔ رسمی بزرگی سے نفور، مجلس آرائی سے دور، حقیقت پسندی آپ کی طبیعت تھی۔ بے نفسی اور فنائیت جیسے اوصاف نے آپ کی حقیقت پسند طبیعت کو عمومی بیعت وارشاد کی طرف کبھی مائل نہ ہونے دیا۔

حضرت فدائے ملت جیسے عظیم روحانی پیشوا کے خلیفۂ اجل ہونے کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا فرزند نسبتی ہونے کا بھی شرف آپ کو حاصل تھا، دار العلوم دیوبند کے محدث جمعیۃ علماء ہند کے صدر، ساتھ ہی امیر الہند کے مقام پر فائز، ان جیسی اعلیٰ ترین نسبتوں کے ہوتے ہوئے پیر بننا کس قدر آسان تھا، لیکن یہاں تو پیری اور بزرگی حاشیۂ خیال میں بھی کبھی نہ

آئی ہوگی، بلکہ مریدین کی بھیڑ، حلقے، مجلسیں غرض وہ تمام کام جن سے آپ کا پیر و مرشد ہونا ظاہر ہو آپ کی شانِ تواضع کے خلاف ایک متضاد چیز تھی۔ عام آدمی کی طرح سب سے بات چیت، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ محسوس ہی نہ ہوتا تھا کہ آپ پیر و مرشد اور بزرگ شخصیت ہیں، ایسی کوئی بات ظاہر نہ فرماتے جس سے مشیخت کی بو آتی ہو اور بزرگی اور درویشی کا احساس ہوتا ہو۔

بیعت کے لئے لوگوں کی درخواست پر اپنے معاصر بزرگوں کی طرف رجوع کا مشورہ، اس سے بڑھ کر اپنے چھوٹوں کی طرف ان کی رہنمائی، آپ کی فنائیت و بے نفسی اور مرکزِ عقیدت بننے کے خیال سے دوری کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اللہ جانے کب کب اور کن وقتوں میں شانِ فنائیت پر شانِ خدمت کا غلبہ رہا ہوگا کہ کچھ خوش نصیب آپ کے دامنِ فیض سے وابستہ ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

لگتا ہے کہ کبھی مرشد کی تعمیل حکم کے لحاظ میں، کہیں کسی عزیز شاگرد کی دلداری کی خاطر اور کہیں عوام الناس کی گمراہی کے خطرات کی بنا پر آپ نے اس بیعت وارشاد کے کام کو بھی اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہوئے وقتاً فوقتاً انجام دینا ضروری سمجھا ہوگا۔ ورنہ آپ کی فطری طبیعت تو اس شعر کی مصداق نظر آتی تھی:

احمد تو عاشقی ست بمشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش، سلسلہ شد شد، نہ شد نہ شد

اس حقیقی تواضع کے ثمرات کھلی آنکھوں سب نے دیکھے کہ ایک پردۂ خفاء کا دلدادہ گمنامی کی زندگی گذارنے پر دِل سے راضی رہنے والا انسان، شہرت کے آسمان پر اڑتا نظر آیا، کتنی ہی رفعتیں اور بلندیاں اسے تکتی رہ گئیں اس کے متعلق کہا ہوا یہ شعر حرف بحرف صادق آیا:

جہاں رفعتوں کو بھی ناز ہو، وہ مقام اس کا نصیب تھا
وہ جو اختروں میں شمار تھا، وہ کہاں گیا، اسے ڈھونڈ لا

اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ صادق ومصدوق امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے: من تواضع للّٰہِ رفعه الله۔

آپ کی سادگی، تواضع، فنائیت اور کسرِ نفسی کے مشاہدہ پر مبنی چند واقعات ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کی فنائیت، سادگی اور بے نفسی کی مثال اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ آپ ایک عالمی شخصیت ہوکر کہیں مہمان داری میں کسی گلی محلّہ کے امام سے ملاقات کرنے کے لئے ازخود تشریف لے جائیں، تصور نہیں ہوسکتا، لیکن یقیناً ایسا ہوا ہے۔

نجیب آباد کے قریب ایک گاؤں فضل پور میں آپ کسی مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لائے تھے، وہاں سے فراغت پر اپنے قریبی رشتہ دار اور بھائی ماسٹر اعزاز الحسن صاحب جو نجیب آباد میں اسٹیشن کے قریب سکونت پزیر ہیں- کے یہاں تشریف لے گئے۔ ماسٹر صاحب احقر سے محبت اور لگاؤ رکھتے ہیں، صبح کے وقت آپ کے سامنے احقر کا تذکرہ کرنے پر آپ نے ماسٹر صاحب کے ہمراہ احقر سے ملاقات کے لئے اسٹیشن والی مسجد میں قدم رنجہ فرمائی کی، بدقسمتی یہ کہ احقر اس وقت مسجد میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے ملاقات نہ ہوسکی۔ کافی دنوں بعد دیوبند حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو دورانِ گفتگو بڑی بے تکلفی سے مسکراتے ہوئے فرمایا:

> ''ہم تو ایک دن ماسٹر صاحب کے ساتھ آپ سے ملنے آپ کی مسجد میں گئے تھے آپ ملے ہی نہیں۔''

یہ سن کر احقر ہکا بکا رہ گیا کہ حضرت کیا فرمارہے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے دل و دماغ پر سناٹا سا چھا گیا کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے گھر کے ایک ادنیٰ کفش بردار کے پاس اس طرح بے تکلف تشریف لے جائیں، ایسی مثال ملنی بہت مشکل اور دُشوار ہے اور پھر بعد میں بڑی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ اس کا ذکر۔ اللہ اکبر!

اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا

واقعی کسی نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے:

فروتنی است دلیل رسیدگانِ کمال
کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

شانِ بےنفسی ہی کی بات اور سنتے چلیں، جس کا ذکر اپنی ذات سے متعلق ہونے کی بنا پر مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن بڑوں کے حکم کی تعمیل میں بیان کرنا ضرور سمجھا گیا۔

حضرت کی قیام گاہ مسجد چھتہ کا حجرہ (خلوت گاہ قاسمی) میں آپ کی نشست گاہ پر ایک دو بڑے بڑے گاؤ تکیے وہاں جانے والوں نے یقیناً دیکھے ہوں گے۔ ایک مرتبہ کی بات آج تک یاد ہے کہ جب یہ حقیر حاضرِ خدمت ہوا آپ اوپر سے تشریف لائے، سلام ومصافحہ کے بعد جب احقر سامنے دوزانو بیٹھنے لگا، تو اپنی برابر میں رکھے تکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے فرمایا: ''ادھر آجایئے، تکیہ لے لیجئے''۔

انداز ایسا، گویا کسی بڑے، صاحب حیثیت آدمی سے کہا جارہا ہو۔ احقر دل ہی دل میں شرمسار، کیسے یہ گستاخی اور بےادبی انجام دے اور حضرت ہیں کہ بےتکلف دوبارہ وہی بات فرما رہے ہیں، تا آنکہ تیسری مرتبہ کے کہنے پر (تکیہ پر تو نہیں) اس کی جانب دوزانو جاکر بیٹھنا پڑا، تب آپ نے گفتگو شروع فرمائی۔

جب بھی فون کیا جاتا، کون؟ کے جواب میں بندہ کے عرض کرنے پر کہ اسرار احمد نجیب آباد سے بول رہا ہے، بڑی سادگی سے فرماتے: ''اچھا، مفتی صاحب بول رہے ہیں''

بندہ کو کبھی نام لینا یاد نہیں اور پھر جتنی دیر بھی ضرورت کے مطابق گفتگو کی جاتی، آپ کی طرف سے فون کاٹنے کی جلدی محسوس نہ ہوتی۔ جب کبھی آپ سے وقت مانگا جاتا کبھی انکار نہ فرماتے، چھوٹا جلسہ ہو یا بڑا، گاؤں دیہات ہو یا شہر، ہر جگہ کے لئے بےتکلف وقت عنایت فرما دیتے۔ بلکہ یہ سوال ہی نہ ہوتا تھا کہ جلسہ کس نوعیت کا ہے، کون کون مقررین ہیں، میرا نمبر پہلے ہوگا یا بعد میں، مجمع کی کمی زیادتی آپ کے دل ودماغ پر اثر انداز ہوتی ہوئی نہیں دیکھی گئی۔

آپ کی تواضع اور کسرِ نفسی کا ایک اور واقعہ جو عوام وخواص سب کے لئے نمونۂ عمل ہے یہاں پر ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت والاؒ کے پہلی مرتبہ جمعیۃ علماء ہند کا صدر بننے کے بعد نجیب آباد کسی پروگرام میں اوّل مرتبہ تشریف لانے پر نجیب آباد سے دور چالیس کلومیٹر پہلے بیراج پل پر خواص حضرات نے آپ کا استقبال کیا تھا اور پھر شہر سے قریب بستی جلال آباد سے سیکڑوں لوگوں نے چھوٹی بڑی گاڑیوں کے ساتھ نعروں کی گونج میں ڈھائی تین کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے نجیب آباد جائے قیام تک پہنچایا تھا پھول نچھاور کر کے مالائیں پہنا کر اپنے خلوص وعقیدت کا اظہار کیا گیا تھا؛ لیکن اس کے مہینہ بیس دن بعد ہی حضرت کا نجیب آباد کسی تقریبِ نکاح میں آنا ہوا اور آپ نے کسی کو اطلاع تک نہیں کی، تن تنہا تشریف لا کر شرکت فرمائی اور اس سے آگے تواضع وخلوص اور بے نفسی کا نمونہ یہ پیش کیا کہ قاری حفظ الرحمٰن میرٹھی مرحوم جن سے آپ کی معمولی شناسائی تھی، ان کی علالت کی آپ کو کسی طرح اطلاع مل گئی اور آپ نے بنفس نفیس ان کے گھر پر تشریف لا کر عیادت فرمائی۔ نہ شاگرد کو اطلاع، نہ اراکین جمعیۃ کی رہنمائی کی ضرورت، نہ تنہا آنے میں کوئی خفت، احساس ہی نہ تھا کہ کل اسی جگہ سیکڑوں لوگوں کے جلو میں چل کر آنے والا، آج عام معمولی آدمی کی طرح یہاں آئے گا تو لوگوں میں کیا تأثر پیدا ہوگا۔ واقعی دور دور تک انہیں اس کا کوئی خیال نہیں تھا، نہ سیکڑوں کے استقبال سے ان کی عزت افزائی تھی اور نہ تنہا آنے میں کوئی ہتک۔

استقبال کا ہونا، نہ ہونا ان کی نظر میں برابر تھا، جیسا کہ آپ کے محبوب مرشد گرامی حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ نے کسی جلسہ میں بوقت تقریر لوگوں کے زندہ باد کے نعرے لگانے پر انہیں خاموش کرتے ہوئے فرمایا تھا، زندہ باد اور مردہ باد میرے نزدیک دونوں برابر۔ ان حضرات کا نظریہ اس سلسلہ میں ہر موقع پر یہ رہتا تھا:

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکیں
وہ نہ سمجھیں مری بزم کے قابل نہ رہا

سادگی اور تواضع کا ایک اور واقعہ جس سے آپ کے جذبۂ دل جوئی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور مشاہدہ میں آیا۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد اسلم صاحب زید مجدہم نے اپنے بیٹے کی تکمیلِ حفظ قرآن پاک کی تقریب میں حضرت والاؒ کو مدعو فرمایا تھا، مسجد کے اندر بہت ہی پروقار پروگرام تھا علماء وعوام سے مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، اس موقع پر خطاب سے پہلے اسٹیج پر حضرت کو عربی عبا پہنا کر رومال اڑھایا گیا جس کو آپ نے قبول فرمایا، اسی وقت احقر کا تیار کردہ منظوم سپاس نامہ کی ترنم کے ساتھ خواندگی کے بعد آپ کی خدمت میں اس کو پیش کیا گیا۔ جس وقت وہ پڑھا جارہا تھا، تو آپ کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر دوسرا منظوم سپاس نامہ آپ کے سامنے پڑھا گیا اور خدمتِ عالیہ میں پیش کیا گیا آپ نے قبول کرنے اور ساتھ لے جانے سے انکار نہیں فرمایا۔ یہ سب دل جوئی کی بنا پر تھا، ورنہ ایسی چیزیں آپ کو طبعاً کتنی ناگوار تھیں اس کا اندازہ آپ کی اس گفتگو سے ہوتا ہے جو نجیب آباد کے اپنے آخری پروگرام میں آپ نے فرمائی تھی جس کا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔ ان شاءاللہ

دل جوئی کا عالم یہ تھا کہ پروگراموں میں تشریف لانے پر واپسی کے وقت عموماً اہلِ مدارس اپنے یہاں کے لئے وقت مانگتے تو آپ سے انکار نہ ہوتا، کبھی مسلسل پروگراموں کی بنا پر زیادہ تکان اور آئندہ صبح کی مصروفیات کی بنا پر گھر جلد پہنچنے کے خیال سے اگر انکار بھی ہوتا تو لوگ معمولی وقت کی درخواست کر کے اصرار کرتے اور آپ درخواست قبول فرمالیتے، پھر وہاں جانے پر اہلِ مدرسہ اپنی کارکردگی پیش کرنے اور ناشتہ وغیرہ کے اہتمام میں دیر لگا دیتے لیکن آپ کے ماتھے پر شکن نہ آتی، ایسا محسوس ہوتا گویا کوئی عجلت ہی نہیں ہے۔

نجیب آباد سے قریب ہمایوں پور گاؤں میں ایک مرتبہ تشریف آوری پر رات کے ۱۲ بجے جلسہ کے اختتام کے بعد، گاؤں کے متعدد لوگوں نے اپنے گھروں میں لے جانے کی درخواست کی، آپ نے کسی کو محروم نہیں فرمایا، قریب گھنٹہ بھر اس میں لگ گیا، آپ کی بشاشت سے ایسا

محسوس ہوتا تھا گویا یہ بھی پروگرام میں شامل چیز ہے۔

ایک مرتبہ اسٹیشن والی مسجد میں نوجوانوں کی ایک نئی تنظیم جمعیۃ شبان اسلام کی طرف سے منعقد جلسہ میں آپ تشریف لائے، اختتام پر کھانے کے بعد احقر نے عرض کیا، ان نوجوانوں کو دین سے جوڑے رکھنے کے لئے یہ تنظیم شروع کی گئی ہے، ان کی حوصلہ افزائی کے لئے آپ چند منٹ الگ سے انہیں نصیحت فرما دیں اور مصافحہ کا خصوصی شرف عنایت فرمائیں۔ واپسی کا وقت تھا دیر کافی ہوچکی تھی لیکن آپ باطمینان مسجد میں فروکش ہوگئے اور قریب آدھا گھنٹہ وقت مرحمت فرمایا، اس وقت آپ کی پیرانہ سالی اور رات کی بے آرامی کو دیکھ کر ترس آ رہا تھا اور دل کہتا تھا کہ آپ سے یہ درخواست نہیں کرنی چاہیے تھی۔

انتہائی تواضع اور سادگی کے باوصف آپ کی جلالتِ شان اور خداداد رعب کا حال استاذ المکرّم حضرت مولانا محمد اسلم صاحب دامت برکاتہم بیان فرماتے ہیں کہ

> ہماری زمانۂ طالب علمی میں جس وقت حضرت جوان العمر تھے، داڑھی بالکل کالی تھی جامعہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تمام طلبہ پر آپ کے رعب کا حال یہ تھا کہ کسی کو سامنے پڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، جب کہ آپ نہ کسی کو ڈانٹتے تھے، نہ مارتے تھے اور چلنے کا انداز بھی یہ تھا کہ آنکھیں جھکی رہتیں، نظر نیچی، ہرے رنگ کا رومال کاندھے پر یا گلے میں پڑا ہوتا۔
>
> سبق میں بھی کبھی ڈانٹ پھٹکار اور سختی نہیں دیکھی، زیادہ غصہ آتا تو کتاب بند کر کے چلے جاتے اور پھر دوبارہ درس گاہ میں تشریف لاتے تو گذشتہ واقعہ کا کوئی اثر چہرہ پر بالکل ظاہر نہ ہوتا۔
>
> کوئی طالب علم بیمار ہوتا تو اس کی مزاج پرسی اور حسب موقع اعانت فرماتے، چہرہ پر جلال نہیں جمال رہتا، لیکن اس کے باوجود آپ کا رعب اس درجہ تھا کہ آج فراغت کے پینتیس سال بعد بھی آپ کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

آپ کے خداداد رعب کا نظارہ دیکھنے کا موقع ایک مرتبہ آپ کی قیام گاہ چھتہ مسجد میں ملا

کہ سابق صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش حضرت مولانا حیات اللہ صاحب علیہ الرحمہ تشریف لائے ہوئے تھے احقر بھی حاضر تھا، کھانے وغیرہ سے فراغت پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اوپر تشریف لے گئے، مولانا حیات اللہ صاحب سفر کی تکان اور ضعف کی بنا پر آرام کے لئے بڑی پژمردگی کے ساتھ کرتا نکال کر کھونٹی پر لٹکا ہی رہے تھے کہ اچانک حضرت کسی کام سے اندر تشریف لے آئے، حضرت کو دیکھتے ہی مولانا مرحوم میں ایک کرنٹ سا دوڑ گیا، سیکنڈ بھر میں کرتا اتار بھی لیا اور پہن بھی لیا اور حضرت سے کھڑے کھڑے اس طرح محوِ گفتگو ہوئے گویا ضعف ونقاہت کا کوئی نام ہی نہیں۔ آپ کے خداداد رعب ہی کی بات تھی کہ آپ کی حد درجہ سادگی اور بے تکلف شخصیت کے باوجود مجلس میں کسی کو آپ کے سامنے آدابِ مجلس کے خلاف کوئی کام کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

اکرامِ ضیف اور خورد نوازی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی اوصاف میں اکرام ضیف اور خورد نوازی بھی بے مثال تھی، مہمانوں کی آمد پر مخصوص انداز میں مہمان نوازی کا اہتمام متعدد مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، کھانے میں حسب موقع انواع واقسام کی چیزیں دسترخوان پر ہوتیں، پھل اور مٹھائی کا اہتمام ضرور ہوتا، قدیم معزز گھرانوں کے طرز کے مطابق بڑے بڑے طباقوں میں سلیقہ سے رکھے ہوئے صاف ستھرے خوبصورت چینی کے برتن، بڑی چھوٹی پلیٹیں، پیالیاں، چمچے، ڈونگے وغیرہ دسترخوان پر لاکر رکھے جاتے، چائے اور ناشتے کے وقت بھی یہی حال ہوتا، کپ کے ساتھ پرچیں بھی ضرور آتیں، کبھی کبھی وقت پر کوئی نہ ہوتا تو کسی کا انتظار کیے بغیر حضرت والاؒ ازخود بالائی منزل سے پیرانہ سالی کے باوجود کھڑے زینے پر چل کر اسی انداز سے بے تکلف پوری بشاشت کے ساتھ کھانا لے کر آتے، ایک ایک مہمان پر نظر رہتی، روٹیاں رومال میں چھپی ہوئی آپ کے سامنے ہوتیں، اپنے دست مبارک سے ایک ایک روٹی نکال کر سب کو پیش فرماتے، ختم ہونے سے پہلے ہی دوسری روٹی سب کو پیش کردی جاتی ہر ایک پر توجہ کا حال یہ ہوتا کہ کبھی کسی کو روٹی لینے کے لئے انتظار یا اشارہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی، ختم ہونے سے پہلے دوسری اور

تیسری روٹی ہر ایک کے سامنے آپ بذات خود رکھتے رہتے۔

خاطر داری کرتے ہوئے اکراماً مزید شکم سیر ہونے اور کھانے کے لئے فرماتے اور آخر تک خود شریک رہتے، اس عاجز کے ساتھ بہت محبت اور دلداری کا معاملہ فرماتے۔ احقر کو کبھی یاد نہیں کہ خدمت میں حاضری پر، بڑے لوگوں کی طرح کسی کے ہاتھ کھانا نیچے بھیج دیا ہو۔ ہمیشہ اس دریوزہ گر کو اپنے ساتھ ہی کھلانے کا شرف بخشا۔

ایک مرتبہ اہل خانہ کہیں گئے ہوئے تھے، رات میں احقر کا آپ کے یہاں قیام ہوا، بعد الفجر کسی خادم نے ناشتہ تیار کیا، اوپر مکان میں مطبخ سے متصل کمرہ میں دسترخوان لگایا گیا، شکم سیر ہو کر آخر میں ایک کپ چائے پینے کے بعد احقر نے جب کپ رکھنا چاہا تو اپنے خاص لب ولہجہ میں مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا:

''اور لیجئے، صبح کا نصاب تو دو کپ ہوتا ہے''

اس چھوٹے سے جملہ میں بولنے والے کے انداز نے کس قدر مٹھاس پیدا کر دی تھی اس کا اظہار ممکن نہیں کیونکہ الفاظ کی طرح انداز کو کاغذ کے سینہ پر نہیں اتارا جا سکتا۔ مجبوراً کہنا پڑتا ہے:

کھینچ لائیں حسن کی تصویر ہے ممکن مگر
حسن کا جو ناز تھا وہ زاویہ کیسے لکھیں

خوش طبعی کا یہ محبت آمیز خاص انداز میں فرمایا ہوا جملہ سالہا سال گذر جانے کے باوجود آج بھی کانوں میں رس گھولے بغیر نہیں رہتا۔

فون پر حاضری کی اطلاع پہلے سے دی جاتی تو ضیافت کا اہتمام بھی فرماتے اور منتظر بھی رہتے اور اگر کسی دوسرے کام سے جانا ہوا اور آپ سے ملاقات کے لئے بروقت اجازت چاہی تب بھی کسی ناگواری کا اظہار نہ ہوتا، بلکہ کھانے کے متعلق دریافت فرماتے، کھانا کہاں کھائیں گے اور کب تک قیام رہے گا۔ وغیرہ

آپ کے آنت کے آپریشن کے موقع پر دولت کدہ پر تشریف لے آنے کے بعد استاذ

محترم مولانا محمد اسلم صاحب دامت برکاتہم اور دیگر چند احباب کے ہمراہ احقر نے عیادت کے لئے حاضری کی اجازت چاہی اور بتایا کہ ہم لوگ صبح ۱۱ بجے تک آجائیں گے، حضرت نے غالبًا آخری گھنٹہ میں سبق کی بنا پر ۱۲؍ بجے ملاقات کا وقت دیا اور کھانا ساتھ کھانے کے لئے فرمایا، ہماری نادانی کہ ۱۱ بجے پہنچ کر دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے اور ۱۲ بجنے کا خیال ذہن سے نکل گیا، کافی دیر گذرنے پر حضرت کے خادم کا فون آیا: آپ لوگ ابھی تک پہنچے نہیں؟ حضرت دیر سے آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں، کھانے کے بعد حضرت کو آرام بھی کرنا ہے، فون آتے ہی فوراً حاضر ہو کر تاخیر کی معذرت پیش کی لیکن اللہ اکبر! ہماری اس نادانی کی بنا پر چہرہ پر بالکل کوئی اثر نہیں تھا، نہ ہی زبان سے کوئی بات فرمائی بلکہ عادت شریفہ کے مطابق کھانا کھلانے کے بعد مختصر گفتگو فرما کر ہمیں رخصتی کی اجازت دی اور خود آرام کے لئے اوپر تشریف لے گئے۔

مہمان داری میں بے تکلفی

جب آپ خود کسی کے یہاں مہمان ہوتے تو کھانے پینے میں کوئی تکلف نہیں فرماتے تھے۔ دسترخوان پر جو بھی ہوتا اسے نوشِ جان فرماتے، آپ کی آمد پر ہم میزبان اگرچہ حق ضیافت کی ادائیگی کے لئے اپنی سی کوشش ضرور کرتے؛ لیکن آپ کی طرف سے کھانے میں کسی خاص چیز کی طلب یا پرہیز کا کبھی کوئی تذکرہ نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ نجیب آباد کے قریب ہمایوں پور پروگرام میں صوفی محمد داؤد صاحب جو اکابر دیوبند بالخصوص خانوادۂ مدنی سے قلبی لگاؤ رکھتے ہیں اور آپ کے خاص معتقدین میں سے ہیں – کے یہاں کھانا تھا آپ کی وجہ سے بہت پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا اس موقع پر شکم سیر ہونے پر اخیر میں بڑی سادگی کے ساتھ دال چاول کو یکجا کر کے روٹی سے تناول فرماتے دیکھ کر پرانے لوگوں کے ایک خاص سادہ ذوق کی یاد تازہ ہوگئی۔

ایک دلچسپ واقعہ

ایک موقع پر کھانے کے بعد آپ سے چائے نوشی کے لئے پوچھا گیا تو اپنا ایک دلچسپ

اور حیران کن واقعہ بیان فرمایا کہ مجھے کھانے کے بعد چائے پینے کی ایسی عادت تھی کہ اس کے بغیر کام نہ چلتا تھا، نکاح کے بعد حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ کے گھر بھی سب کو اس عادت کا علم ہو گیا تھا، اور میرے آنے پر کھانے کے بعد خاص میرے لئے چائے ضرور بنتی تھی، ایک مرتبہ کھانے کے بعد حسبِ معمول میں چائے پی رہا تھا کہ اچانک فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ تشریف لے آئے اور میرے ہاتھ میں چائے کی پیالی دیکھ کر سختی کے ساتھ ڈانٹ کے انداز میں فرمایا: کھانے کے بعد کیا یہ چائے چائے ہے۔

اس دن سے میری طبیعت چائے کی طرف سے بالکل ہٹ گئی اور کھانے کے بعد پھر کبھی اس کی چاہت نہیں ہوئی۔ چناں چہ پیش کرنے پر تھوڑی بہت آپ نوش فرما لیتے، خاص رغبت اور ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

عزیز داری کا خیال اور صلہ رحمی

آپ کے اوصاف عالیہ میں سے تعلقات کا لحاظ، عزیز داری کا خیال اور صلہ رحمی بھی بہت ہی نمایاں وصف تھا۔ اس کا نمونہ نجیب آباد میں آپ کی ایک عزیز داری میں آپ کے آتے جاتے خوب دیکھنے کو ملا۔ ماسٹر سید اعزاز الحسن صاحب آپ کے خاندانی، رشتہ کے تایازاد بھائی ہیں، اس رشتہ داری کا اس قدر لحاظ تھا کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو کہ آپ نجیب آباد تشریف لائے ہوں اور اپنے برادرِ محترم کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں۔ مزید کبھی ایسا بھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ خالی ہاتھ ان کے گھر گئے ہوں، بلکہ ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی تحفہ دیکھا گیا جس کو گاڑی سے اترنے پر اپنے ہاتھوں میں لے کر آپ اندر تشریف لے جاتے۔

دیانت وامانت

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کی صفت ورع وتقویٰ سے نوازا تھا جس کے نتیجہ میں آپ کے اندر دیانت وامانت بھی قابل رشک تھی، اس سلسلہ کے دو چشم دید واقعات ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔

آل انڈیا امام کاؤنسل کے صدر قاری حفظ الرحمٰن میرٹھی قدس سرہٗ جو ہندوستان کے ہر دل عزیز مقرر تھے، انہوں نے ایک مرتبہ اپنی تنظیم کے کسی اہم پروگرام میں لکھنؤ کے لئے آپ کو مدعو کیا تھا اور فرسٹ کلاس کرایہ کی رقم بھی غالبًا تیرہ چودہ سو روپے پیش کر دیے تھے، کسی وجہ سے آپ وہاں تشریف نہ لے جا سکے تو آپ نے اس رقم کو مع دعوت نامہ کے اپنے پاس محفوظ کیا ہوا تھا، ڈیڑھ دو ماہ بعد کسی ذریعہ سے پتہ لگا کر وہ رقم ان تک پہنچانے کے لئے احقر کے حوالہ فرمائی۔ جب بندہ وہ رقم لے کر قاری صاحب موصوف کے پاس پہنچا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، اس لئے کہ کتنے ہی لوگوں سے ایسا سابقہ پڑا ہوگا جنہوں نے شرکت نہ کرنے کے باوجود گاڑی کا کرایہ واپس نہیں کیا تھا۔ ایک مرتبہ خود دیوبند ہی کے معروف بڑے عالم دین جواب مرحوم ہو چکے ہیں ان کو نجیب آباد آنے کے لئے پانچ سو روپے گاڑی کا کرایہ پیش کیا گیا، مرحوم نے بروقت انکار فرما دیا اور پیشگی رقم کا کوئی ذکر تک نہیں فرمایا۔ آپ کی ان جیسی صفات سے متأثر ہو کر قاری صاحب مرحوم آپؒ سے غیر معمولی عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور جس وقت ان کی عیادت کے لئے حضرت والا غیر متوقع طور پر ان کے پاس تشریف لے گئے، مرض سے شفا اور جان بری کی امید ختم ہو چکی تھی، بہت پر امید ہو کر خوشی سے بار بار لوگوں سے کہتے تھے: حضرت قاری صاحب جیسے فرشتہ صفت انسان، اللہ کے ولی میری عیادت کے لئے تشریف لائے ہیں، اب مجھے امید ہے، ان شاء اللہ اب ضرور میری مغفرت ہو جائے گی۔

ایک اور واقعہ جس کی یاد ہمیشہ دل کو لبھاتی رہے گی اور آپ کی مروت وانسانیت کی یاد دلاتی رہے گی خود احقر کے ساتھ پیش آیا۔ اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آپؒ کے نبیرۂ محترم برادرِ عزیز مفتی ابوبکر صدیق نے عشاء بعد فون پر بتایا کہ حضرت والا لکھنؤ سے دیوبند بذریعہ ٹرین تشریف لے جا رہے ہیں چند حضرات اور بھی ساتھ میں ہیں، صبح فجر کے قریب نجیب آباد سے گذریں گے۔ یہ سنتے ہی جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، بھائی ابوبکر کا شکریہ ادا کیا اور حضرت سے فون پر سفر کی تفصیل معلوم کی، مزید اسٹیشن سے رابطہ کر کے گاڑی

پہنچنے کا صحیح وقت معلوم کیا اسی وقت صبح اسٹیشن پہنچ کر ملاقات کرنے اور ناشتہ پیش کرنے کا نظام بنایا، حتی الوسع حضرت کی نفاستِ طبع کا خیال کرتے ہوئے، صاف ستھری تھرمس، کپ، چمچے، وغیرہ اور تھیلیوں میں ناشتہ پیک کرکے ایک بڑے تھیلے میں لے کر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ صبح فجر سے قریب ۲۰ منٹ پہلے اسٹیشن پر پہنچا۔ ٹرین پلیٹ فارم پر آکر رکی تو ہم خدام کو تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی بلکہ اس وقت بھی سادگی، انکسار مروت وانسانیت کا مجسمہ ٹرین کے گیٹ پر دیکھ کر آنکھوں کو سرور حاصل ہونے کا موقع ملا، دیکھا کہ خادم ساتھ میں تھرمس لئے ہوئے ہے اور آپ کی نگاہیں ہمیں تلاش کر رہی ہیں۔ دیکھتے ہی سلام ومصافحہ کے بعد فرمایا چائے اس میں پلٹ دو، احقر نے عرض کیا حضرت پلٹنے کی ضرورت نہیں ہے سب سامان آپ کے لئے ہدیہ ہے، آپ ساتھ لے جائیں، یہ کہتے ہوئے آپ کی سیٹ تک پہنچ کر آپ کے ہم سفر اساتذۂ دارالعلوم سے ملاقات کی۔ اتنے میں ٹرین چل پڑی اور احساس نہ ہوسکا، آپ کی سیٹ بیچ ڈبے میں تھی جس کی بنا پر فوراً مصافحہ کرکے تیزی سے کئی کوچ عبور کیے لیکن جب تک ٹرین ہلکی رفتار پکڑ چکی تھی، اسی حالت میں پلیٹ فارم کی دوسری جانب ہمت کرکے کود کر اترنا پڑا۔ ابھی اسٹیشن پر ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، فون اٹھایا تو پھر انسانیت ایک بار آنکھوں سے دیکھنے کو ملی، فون اٹھا کر احقر نے سلام کیا تو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

> ''اس لئے فون کیا تھا کہ جب تم اترے تو ٹرین رفتار پکڑ چکی تھی، اس لئے مجھے تشویش ہوئی، کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

اللہ اکبر! کس درجہ شفقت و ہمدردی مروت وانسانیت ہے، کہ ایک ادنیٰ تعلق دار کے خطرہ میں ابتلاء کی فکر آپ کو تشویش میں مبتلا کر رہی ہے اور بذاتِ خود خیریت معلوم کرکے اطمینان ہو رہا ہے۔ یہی ہے وہ دردِ دل جسکو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیاں

چلتی ٹرین سے پلیٹ فارم کی جانب مقابل، میں کیسے اتر گیا، خود مجھے تعجب ہے، ہلکی سی ہراسانی کی کیفیت تھی، آپ کے ان دو جملوں نے نہ صرف اس کو دور کیا بلکہ دل ودماغ کو ایسا کیف وسرور عطا کیا جس کی لذت کبھی بھی یاد آنے پر اسی دن کی طرح محسوس ہوتی ہے۔

دو تین ماہ گذرنے پر مرادآباد استاذِ محترم حضرت مفتی محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ نے ایک تھیلی میں محفوظ وہ سب برتن یہ کہتے ہوئے اس عاجز کے حوالہ کیے کہ یہ وہ برتن ہیں جو دیوبند چلے گئے تھے۔

حضرت والا نے چونکہ ان کو امانت سمجھا تھا اس لئے پوری ذمہ داری کے ساتھ انہیں اس طرح واپس فرمایا کہ ذرہ برابر ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ محسوس ہوا کہ انہیں استعمال بھی نہیں کیا گیا ہے۔ اس طرح زبانی نہیں بلکہ اپنے عمل سے امانت کی ادائیگی کی اہمیت کا سبق اس نا اہل کو پڑھایا۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت الاستاذ مولانا محمد اسلم صاحب دامت برکاتہم کی زبانی کئی مرتبہ سنا کہ: جب جامع مسجد امروہہ سے مستعفی ہوکر آپ دارالعلوم دیوبند جانے لگے، تو جس کرایہ کے مکان میں آپ رہا کرتے تھے اس کو خالی کرنے کے وقت آپ نے ہم طلبہ سے دو بلب منگوائے اور دو خالی ہولڈروں میں لگا دیے اور فرمایا کہ جب میں اس مکان میں آیا تھا تو ان دونوں جگہوں پر بلب لگے ہوے تھے اس لئے یہ بلب لگوائے ہیں۔

عشقِ رسول

آپ کے دل میں کس درجہ حب نبی اور عشق رسول تھا اس کا صحیح علم تو خود آپ کو یا پھر اللہ کی ذات کو ہوسکتا ہے لیکن ہاں کچھ قرائن اور علامات و کیفیات کسی مخفی چیز کے پتہ لگانے میں معین و مددگار ہوتی ہیں۔ ہم نے بھی آپ کی ذات میں ان کیفیات کا مشاہدہ کیا جن کی بنا پر بلاتردد کہا جاسکتا ہے کہ آپ سچے عاشق رسول تھے، حبِ نبی دل میں رچی بسی اور رگ وپے میں سمائی ہوئی تھی ہر عمل میں اتباعِ شریعت اور اہتمامِ سنت عشقِ رسول ہی کا نتیجہ تھا۔ اسی عشقِ رسول

نے تحفظ ختم نبوت اور قادیانیت کے مسلسل تعاقب کے لئے آپ کے اندر گرم جوشی پیدا کر رکھی تھی، دل کے عشق رسول سے سرشار ہونے کی ایک خاص علامت جس کو بندہ نے بارہا محسوس کیا اور اس کا خوب مشاہدہ ہوا وہ اپنے محبوب، محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے کی خاص کیفیت تھی۔

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' اس محبت بھرے انداز سے کہتے، لگتا کہ یہ لفظ صرف زبان سے نہیں بلکہ دل کی گہرائی سے نکل رہا ہے، اس کے تلفظ پر سننے والوں کو بھی ایک خاص کیف محسوس ہوتا اور عجیب بات یہ ہے کہ جب بھی اور جتنی مرتبہ بھی یہ اسم مبارک آتا تو اسی خاص کیف کے ساتھ اس کی ادائیگی ہوتی۔ عام لوگوں کی طرح سَلاَّ سَلَّم کبھی نہیں سنا گیا۔ (نعوذ باللہ)

نجیب آباد کا آخری سفر اور آخری یادیں

یہ دلچسپ واقعہ جس سے آپ کے کتنے ہی حسین اوصاف کی یادیں وابستہ ہیں اور اس میں بعد والوں کے لئے بہت سے رہنما نقوش ہیں، یکم شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۵/مارچ ۲۰۲۱ء بروز منگل کا ہے۔ اس کے بعد کی ہر یاد آخری یادگار بنتی چلی گئی۔

تعلیمی سال کے اختتام پر مدرسہ ضیاء العلوم کرتپور میں جہاں پر احقر تدریس کا خادم ہے افتاء سے فارغ ہونے والے طلبہ کی دستار بندی کے لئے حضرت والاؒ سے درخواست کی گئی، آپ نے پہلی بار اس عاجز کی درخواست قبول کرنے سے مجبوری ظاہر کرتے ہوئے اس طرح عذر فرمایا:

> ''اس وقت کورونا کی دوسری لہر کا آغاز ہو چکا ہے جو پہلی سے بھی زیادہ سخت ہے اس کی بنا پر سفر کرنے سے مولانا محمود مدنی نے مجھے سختی سے منع کیا ہے، پہلے سے کئی پروگرام طے ہیں جہاں مجبوراً جانا ہے، اس لئے آپ پھر کبھی دیکھ لینا''

حضرت کی شفقت، سادہ مزاجی اور نرم خوئی کی بنا پر یہ حقیر آپ کے سامنے اپنی بات رکھنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا تھا، چنانچہ بڑی لجاجت کے ساتھ عرض کیا: حضرت! بس یہ پروگرام دے دیجیے، اس کے بعد کوئی اور تاریخ کے لئے کہے، تو منع فرما دیجیے۔

اتنا عرض کرنا تھا کہ فرمایا: بتاؤ کونسی تاریخ لینی ہے اور اسی وقت ڈائری دیکھ کر ڈیڑھ دو منٹ میں یکم شعبان کی تاریخ مقرر فرمادی۔ اتفاق یہ ہوا کہ بعض حکومتی پابندیوں اور خطرات کے پیش نظر جلسہ کو ملتوی کر دیا گیا۔ احقر نے آپ کی مشکل سے ملی تاریخ کو غنیمت جانتے ہوے نجیب آباد میں پہلے سے طے شدہ جمعیۃ کے ایک اصلاحی پروگرام کو مشورہ سے اسی تاریخ میں منتقل کرا کر حضرت کو اطلاع کی اور پوری صورتِ حال بتائی کہ دن تاریخ وہی ہے صرف مقام اور نوعیت کا فرق ہے، یہ پروگرام تحریک اصلاح معاشرہ کے عنوان پر ہے جس میں شہر اور اطراف کے علماء کو جوڑا گیا ہے۔

آپ نے بڑی صفائی کے ساتھ فرمایا: ایسا تو نہیں میرے لحاظ میں آپ دوسری جگہ پروگرام رکھ رہے ہوں، اگر تاریخ کینسل کرنی ہے تو مجھے کوئی ناگواری نہیں، بلکہ میرے لئے راحت کا باعث ہے، اس وقت اہتمام کا بھی بہت کام سر پر ہے، آگے پیچھے مسلسل پروگرام ہیں، بڑی مشکل سے وقت نکالنا پڑیگا اگر تاریخ کینسل کر دو تو زیادہ بہتر ہوگا۔

احقر کی طرف سے آنے کے اصرار پر آپ نے رضامندی ظاہر کرتے ہوے فرمایا:

''مجھے ذرا جلدی فارغ کر دینا تا کہ رات میں گھر پہنچ کر کچھ دیر آرام مل جائے
اس لئے کہ صبح میں اہتمام میں بیٹھنا ہے اس کے بعد کسی اور جگہ جانا ہے''

احقر نے اس بات کی ہامی بھرتے ہوے عرض کیا: مغرب بعد پروگرام ہے اور نماز کے بعد متصلاً شروع ہو جائے گا اور ایک گھنٹہ بعد قریب ۸ بجے سے آپ کا بیان طے پایا ہے، سوا نو بجے نماز ہوگی اس کے بعد ان شاء اللہ بہت جلد آپ کی واپسی ہو جائے گی۔

دیوبند سے روانگی کا وقت معلوم کرنے پر فرمایا: عصر سے ایک گھنٹہ پہلے انشاء اللہ نکلیں گے۔

اس خیال سے کہ یہاں آ کر آپ کا وقت ضائع نہ ہو درخواست کی گئی کہ آپ عصر پڑھ کر دیوبند سے چلیں، دو ڈھائی گھنٹہ میں ان شاء اللہ نجیب آباد پہنچ جائیں گے، لیکن آپ نے انکار فرما

دیا اور اپنے طے شدہ وقت کے مطابق وہاں سے روانگی فرمائی۔ چونکہ درمیان میں ۲ نمازیں باطمینان پڑھی گئیں جس کی بنا پر جلد چلنے کے باوجود ۸ بجے کے بعد قدرے تاخیر سے تشریف آوری ہوئی اور مختصر ناشتہ کے بعد فوراً ہی آپ کا خطاب شروع ہو گیا۔ اس خیال سے کہ تاخیر ہو چکی ہے واپسی جلدی ہو جائے بندہ نے عرض کیا: حضرت آدھا گھنٹہ بیان فرما کر دُعا فرما دیں۔ حیرت کے انداز میں فرمایا: آپ تو فرما رہے تھے ایک گھنٹہ بیان کرنا ہے۔ لگتا تھا کہ دل میں ایک درد ہے جس کو ظاہر کرنے کے لئے آدھا گھنٹہ کافی نہیں ہوگا۔

واقعۃً آج کا خطاب بڑا عجیب وغریب، آپ کے عام بیانات سے ہٹ کر انتہائی درد بھرا اور اثر انگیز تھا۔ عادت کے مطابق چہرہ پر تبسم اور مسکراہٹ بھی دیکھی گئی اور کبھی جلال کے آثار بھی۔

آپ کا اندازِ تکلم عامۃً بڑا سادہ اور دل فریب ہوا کرتا تھا جس پر شاعر کا یہ شعر کما حقہ صادق آتا:

پھول جھڑتے ہیں دمِ گفتار تیرے نطق سے
علم کے سانچہ میں ڈھل کر جب تو کرتا ہے کلام

ہر مرتبہ کی طرح آج بھی آپ کی شان میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا گیا لیکن آج اس پر نکیر کیے بغیر آپ نہ رہ سکے اور افتتاح تقریر میں کسی تقریب سے غصہ یا سخت لہجہ میں نہیں بلکہ مسکراتے ہوئے، کہیے کہ لبوں سے پھول برساتے ہوئے منھ پر تعریف کی مذمت کو اس طرح واضح کیا کہ دل میں بھری تواضع، عجز وانکسار، فنائیت اور بے نفسی آشکار ہوگئی، آپ کے فرمائے ہوئے تقریباً الفاظ جو یاد رہ گئے ہیں یہ تھے:

''ہم ایسے نہیں ہیں کہ ہمارے سامنے ہماری تعریف کی جائے تو اس کا ہم پر اثر نہ ہو، ہمارا نفس اپنی تعریف سن کر خوش ہوتا ہے جو بڑے خطرے کی بات ہے۔ وہ ہمارے اکابرین تھے کہ ان کے سامنے ان کی تعریف کی جائے یا برائی بیان کی جائے دونوں ان کے لئے برابر تھے، ہر آدمی ایسا نہیں ہوتا''

حضرت گنگوہیؒ نے اپنے مرشد حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو جواباً جو اپنا حال

لکھا تھا وہ بیان فرمایا، مزید رسمی بزرگی اور تواضع نیز اصل بزرگی کی حقیقت، اتباعِ سنت وشریعت کو خاص لب ولہجہ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''آج کل لوگ بزرگی اس کو سمجھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر آہستہ آہستہ چلا جائے۔ یہ بزرگی نہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نہیں چلتے تھے، آپ کی رفتار تیز ہوتی تھی، جیسے ڈھلان سے اتر رہے ہوں، قدم پوری قوت سے اٹھایا کرتے تھے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح چلتے ہوئے دیکھا۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کے دن ایصال ثواب کے لئے مزارِ قاسمی جایا کرتے تھے، باوجود بڑھاپے کے ان کی ایسی رفتار ہوتی تھی کہ ہم جیسوں کو ان کے ساتھ جھپٹ کر چلنا پڑتا تھا''

اس موقع پر طبیعت ایسی کھلی کہ دیر تک اپنے اکابر، خاص کر حضرت تھانویؒ کے واقعات بیان فرماتے رہے۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ یہ سب آپ کے اپنے حالات اور قلبی کیفیات ہیں جن پر اکابر کے واقعات کا پردہ ڈال کر سامعین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اس وقت یہ شعر آپ کے اوپر صادق آ رہا تھا :

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس وقت سمجھ میں آیا کہ وہ تمام اوصاف جنہوں نے آپ کی ذاتِ عالیہ کو نمونۂ انسانیت بنایا ہوا ہے، ان سے آراستگی، سنت وشریعت کو آئینہ اور اپنے اکابرین کو اپنا آئیڈیل ونمونہ بنانے کا نتیجہ ہے، گویا یہ دولت موروثی یا اتفاقی نہیں بلکہ اپنے ارادہ واختیار سے ریاضت ومجاہدہ کے نتیجہ میں حاصل ہوئی ہے۔

کارزار ہستی میں عز و جاہ کی دولت
بھیک میں نہیں ملتی آدمی کماتا ہے

اس کے بعد آدھا گھنٹہ سے زائد اصلاحِ معاشرہ کے عنوان پر بہت پرمغز بیان فرمایا،

جس میں نکات بھی تھے اور اہل علم کو ان کی ذمہ داریوں کی یاد دہانی بھی، تصنیفاتِ اکابر کے مطالعہ کی ترغیب اور سہولت پسندی سے اجتناب کی تاکید کرتے ہوئے اہل علم کو مخاطب کر کے فرمایا: علماء کو بیان القرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے، لیکن عام طور پر اس کو مطالعہ میں نہیں رکھا جاتا۔ سب لوگ معارف القرآن دیکھتے ہیں حالانکہ معارف القرآن تو عوام کے لئے لکھی گئی تھی۔ اسی طرح دیگر اکابر کی تصنیفات کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ دعوت وعزیمت کے مطالعہ پر خاص زور دیا۔

قرآنی آیات کی تفسیر، احادیث مبارکہ کی تشریح، اکابر کے واقعات، کام کرنے والوں کے لئے زریں ہدایات پر مشتمل آج کا بیان اپنے اندر ایک خاص ندرت لئے ہوئے تھا، ساتھ ہی ایک خاص دعوتی جوش اور اصلاحی جذبہ بھی دیکھنے میں آیا جو پہلے نہیں دیکھا گیا۔ افسوس کہ اس بیان کو ریکارڈ نہیں کیا جا سکا۔

یہاں پر آپ کے نسبتی اور روحانی باپ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا ایک تأثر نقل کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

> ''(حضرت شیخ الاسلام کا) آخر دور میں اپنے اسلاف کی امانت کی حفاظت اور ان کی نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے مسلک پر قائم رہنے کا جذبہ بہت شدید ہو گیا تھا اور وہ اس راستہ سے بال بھر ہٹنا گوارہ نہیں کرتے تھے''

یہ تأثر آپ کے آخری ایامِ زندگی کے احوال پر حرف بحرف صادق آتا صاف محسوس کیا گیا۔

چھوٹی بڑی کوئی مجلس ہو یا جلسہ اور اجتماع ہو، ہر جگہ آپ کی زبان پر ''ہمارے اکابر، ہمارے اکابر'' کا جملہ دیکھنے کو ملتا۔ مشہور مقولہ ہے: کل اناء یترشح بما فیہ۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ کسی بھی چھوٹے، بڑے جلسہ کے موقع پر دینی اصلاحی کتابچوں اور پمفلٹ کی شکل میں لٹریچر کی تقسیم ضرور ہونی

چاہیے۔ چنانچہ جب بھی تشریف لاتے تو عموماً یہ سوال ہوتا کہ سامعین کے لئے کچھ لٹریچر کی تقسیم کا بھی انتظام کیا ہے یا نہیں؟ آپ کے اس سوال کے ڈر سے کسی کتابچہ یا پمفلٹ کی تقسیم کا پہلے سے انتظام کیا جاتا اور اگر کبھی نہ کر پاتے تو خفت کا سامنا کرنا پڑتا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جلسوں کی گھنٹوں کی تقریریں ذہن میں محفوظ نہیں رہ پاتیں، ایک کان سے سنی، دوسرے کان سے نکل گئی، اس لئے چلتے ہوئے ان کے پلہ کچھ ضرور باندھ دو، اس سے جلسہ کا فائدہ دوگنا ہو جائے گا۔

آج بھی بیان کے ختم پر منتظمینِ جلسہ کو اس کی ترغیب دلائی اور مزاحاً فرمایا میں کہا کرتا ہوں:

> ''ہمارے علماء میں حیوان ناطق تو بہت ہیں، حیوان کاتب کی کمی ہے، علماء کو حیوان کاتب بھی بننے کی ضرورت ہے''۔

اس کے بعد دارالعلوم کی اصلاحِ معاشرہ تحریک (جس کے آپ سرپرست تھے) کے زیر اہتمام شائع شدہ بہت سے مختلف موضوعات پر مشتمل کتابچے جو آپ بڑی مقدار میں اپنے ساتھ لائے تھے ان کی تقسیم کرائی اور تقسیم سے قبل ان کی اہمیت وافادیت، پڑھنے اور عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتابچے انہیں لوگوں کو ملیں گے جو پہلے ان کی قیمت ادا کردیں اور قیمت تین شرطیں ہیں۔ پہلے عہد کرو کہ ہم ان شرطوں کو پورا کریں گے تب آپ کو یہ کتابچے دیے جائیں گے۔

(۱) کم از کم تین بار ہم ان کو پڑھیں گے اور پڑھے ہوئے نہیں ہیں تو دوسروں سے پڑھوا کر سنیں گے۔

(۲) ان میں لکھی ہوئی باتوں پر عمل کریں گے۔

(۳) ۱۰-۱۰ ارفوٹو کاپی کرا کر دوسروں تک پہنچائیں گے۔

حاضرین کے عہد کرنے پر آپ نے تقسیم کا حکم فرمایا، ہم لوگوں نے عرض کیا تقسیم میں وقت لگ جائے گا، آپ کو تاخیر ہوگی اس لئے ہم بعد میں تقسیم کردیں گے لیکن آپ نے فرمایا نہیں ابھی تقسیم کرو۔ بندہ نے ائمہ اور علماء کے حوالے کرنے شروع کر دیا اور حضرت سے عرض

گذار ہوا کہ یہ حضرات اپنی اپنی مسجدوں میں از خود تقسیم کرلیں گے، فی الحال پورے مجمع میں تقسیم سے بہت وقت ضائع ہوگا، اس پر قدرے چہرہ پر تغیر پیدا ہوگیا اور تیکھے انداز میں فرمایا کیا پورے مجمع کو ضرورت نہیں ہے، ابھی میرے سامنے سب کو تقسیم کیجیے۔

آپ کا اس دن کا لب ولہجہ، انداز، آپ کی اس اندرونی دلی کیفیت کو ظاہر کر رہا تھا جو اصلاحِ امت اور دین کی نشر واشاعت کے لئے ہمہ وقت آپ کو بے چین کیے ہوے اور پیری میں جواں ہمت بنائے ہوے تھی۔ آپ کے اسی جذبۂ خلوص کو ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

مجاز اسعد مدنی تھے وہ عالم بلند پایہ
تھا ہر دم فکر ان کو بلغو عنی ولو آیہ
اٹھتے، ان کے دل میں، دعوتی طوفان کو دیکھا

آہ! کیا معلوم تھا کہ یہ مجسمۂ علم وفضل، سراپائے عجز وتواضع، حق کا علمبردار، امت کا غم گسار نبی کا عاشق زار اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوکر اب بہت جلد دنیا سے رخصت ہوا چاہتا ہے اور نجیب آباد میں اس کی یہ آخری صدائے دل نواز اور آہ جاں گداز ہے۔ آج کے بعد اس حسن سراپا کو دیکھنے اور سننے سے نجیب آباد ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گا۔

دلداری کی انتہا بھی دیکھتے چلیں کہ خاصی تاخیر ہو جانے کے باوجود مدرسہ اختر العلوم جلال آباد کے ناظم قاری الطاف الرحمٰن صاحب کی درخواست اور پیہم اصرار پر راستہ سے گذرتے ہوے وہاں جانے کا وعدہ فرمالیا اور ساتھ ہی اپنے عزیز ماسٹر سید اعزاز الحسن صاحب کے یہاں چونکہ آتے ہوے تشریف نہیں لے جا سکے تھے، وہاں پر اطلاع ہو چکی تھی، اس لئے دونوں جگہ پوری بشاشت کے ساتھ وقت دیا اور اپنا راحت وآرام جس کا آتے وقت خیال تھا دوسروں کی دلداری کے لئے قربان کر دیا۔ اس روز یہاں سے ۱۲ بجے کے قریب دیوبند کے لئے روانگی ہوئی۔

اس کے بعد فقہی سمینار دہلی میں شرف زیارت و ملاقات حاصل ہوا، استفادہ کی بھی

خوب توفیق ملی، کچھ کرنے کے عزم کو دلوں میں اتار دینے کا جوش وجذبہ کا نظارہ وہاں پر بھی دیکھا اور ۵؍شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ سمینار کی آخری نشست میں آپ کا دیدار پرانوار، آخری دیدار بن گیا۔

عجیب اتفاق کہ پہلی زیارت اس عاجز کو ۳؍شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ بروز جمعرات شب میں ہوئی تھی اور آخری دیدار ۵؍شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ صبح میں۔ گویا یہ تخیل سچ ثابت ہوا

طے کر رہا ہے جو تو دو دِن کا یہ سفر ہے

یہ تھیں پہلی اور آخری زیارت جمعرات و جمعہ کے درمیان کی یادیں جن کو اپنی تسکینِ دل کے لئے سپردِ قلم کیا گیا ہے۔

خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

امید ہے کہ یہ سطور تسلیہ احباب اور اشک بار آنکھوں کی اشک شوئی کا سامان بھی بنیں گی اور ان شاء اللہ دوائے دل وغذائے روح ثابت ہوں گی۔

ایک مستجاب الدعوات اور قناعت شعار شخصیت

مولانا محمد فاروق صاحب چودھری نیویارک، امریکہ

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے بارے میں دو چار باتیں کہنے کو جی چاہ رہا ہے؛ لیکن میری طبعیت ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ حضرت سے میری پہلی ملاقات دیوبند ہی میں ہوئی تھی، میں وہاں مسجد رشید میں نماز پڑھتا تھا، اس وقت جامع مسجد میں بھائی عفان صاحب تراویح میں قرآن سنایا کرتے تھے، میں اور میرے ساتھ ہماری مسجد کے امام مولانا محبّ الرحمٰن صاحب بھائی عفان کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ تراویح سے فارغ ہوکر ہم لوگ حضرت قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کی انھیں شبینہ مجلسوں میں ایک روز میں نے حضرت سے کہا کہ ہم آپ کے صاحب زادے عفان بھائی کو امریکہ لے جانا چاہتے ہیں، ہمیں لوگ ان کو ویزا دلائیں گے، کاغذات بنوائیں گے، غرضیکہ سب کچھ ہمارے ذمے ہی ہوگا۔ آپ عفان بھائی کو ہمارے ساتھ وہاں بھیج دیجیے، حضرت نے نگاہیں نیچی کرلیں اور زبان سے کچھ بھی نہیں فرمایا، نہ منع کیا اور نہ ہی اجازت دی۔ پھر میں نیویارک واپس چلا آیا، یہاں سے ایک بار پھر حضرت کو فون کیا اور عفان بھائی کو بھیجنے کی گزارش کی؛ لیکن اس بار بھی حضرت نے خاموشی اختیار کی، جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ حضرت کی مرضی نہیں ہے۔ امریکہ آنے کے لئے دنیا بے تاب ہے، بڑے بڑے علماء ویزے دلانے کے لئے منتیں کرتے ہیں، تراویح و امامت کا نظم کرنے کے لئے گزارشیں کرتے ہیں؛ لیکن میں نے حضرت کو پہلا شخص پایا جنھوں نے موقع ہونے اور ہماری گزارشات کے باوجود اس جانب کوئی

توجہ ہی نہیں کی۔شاید حضرت کو معلوم تھا کہ بھائی عفان کی دنیا و آخرت کی بھلائی ہندوستان ہی میں دین کی خدمت میں مضمر ہے۔دنیا اور دنیوی ترقی، پیسہ اور مال و دولت اور امریکہ جانے سے ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔حضرت نے اس دنیوی چکا چوند کو ٹھکرا دیا جب کہ دوسرے لوگ اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

حضرت جب امریکہ تشریف لائے تو میں نے بھی اپنے یہاں دعوت کی کوشش کی، مولانا محمود مدنی جن کو میں بھائی جان کہا کرتا ہوں سے رابطہ ہوا، انھوں نے حضرت کا فون نمبر دیا اور بات کرنے کو کہا، میں نے حضرت کو فون کیا، تو انھوں نے بتایا کہ محمود میاں کا فون آیا تھا، پھر مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ مولانا روح الامین صاحب سے واقف ہیں، میں نے کہا جی، ہم لوگ ایک ساتھ ہی رہتے ہیں، ایک ساتھ ہی پروگرام بنالیں گے، حضرت نے مجھ کو ان سے رابطہ کرنے کو کہا میں نے فون کیا، ادھر حضرت نے بھی مولانا روح الامین کو فون کر کے میرے بارے میں معلوم کیا ہوگیا۔حضرت کو اللہ رب العزت نے بہت سوجھ بوجھ اور سمجھ سے نوازا تھا، لوگ ان کو بہت سیدھا سادہ سمجھتے تھے کہ کوئی بھی ان سے کچھ بھی کرالے؛ ایسا نہیں تھا، وہ بہت ہوشیار، زیرک اور سمجھ دار تھے، وہ جانتے تھے کہ دنیا کے اس جھنجھٹ سے کیسے نپٹنا ہے، اس لئے انھوں نے مولانا روح الامین صاحب سے میرے بارے میں معلومات لیں، تحقیق کی کہ میں کیسا آدمی ہوں، کیا شغل ہے، پھر میری دعوت قبول کی اور آنے کے لئے راضی ہوئے۔

ادھر دہلی سے بھائی جان نے فون کر کے کہا کہ فاروق بھائی حضرت کا خیال رکھنا، دعائیں لینا، حضرت کی دعائیں خوب قبول ہوتی ہیں۔اسی وقت سے ہماری زندگی میں حضرت کی دعاؤں کی برکات ظاہر ہونی شروع ہوگئیں، یہ بتانے کی چیز نہیں ہے، بس سمجھو کہ اسی وقت سے میرا گھر روشن ہوگیا تھا۔اس کے بعد حضرت جب بھی تشریف لاتے تھے ہمارے گھر میں قیام فرماتے تھے، حضرت کی تشریف آوری اور میرے گھر میں قیام میری زندگی کا سب سے بڑا واقعہ ہوتا تھا۔میرے یہاں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، فجر کی نماز کے بعد اس میں حضرت کا بیان

ہوا کرتا تھا، کبھی آدھا گھنٹہ کبھی زائد، بس حضرت نماز کے بعد بیٹھ جاتے تھے اور کسی بھی موضوع پر علمی بیان ہوجایا کرتا تھا، تیس چالیس لوگ سامعین میں ہوا کرتے تھے، ان بیانات سے حضرت کی علمی گہرائی کا پتہ چلتا تھا۔

میری اہلیہ روز جلدی اٹھتی تھی، ناشتہ بناتی تھی، حضرت کے سامنے ناشتہ پیش کیا جاتا تھا تو حضرت بہت کم کھایا کرتے تھے، ہم لوگ پریشان ہوتے تھے کہ شاید حضرت کو کھانا پسند نہیں آیا، میری اہلیہ دوسرے قسم کا کھانا بناتی، لیکن حضرت پھر بھی بہت کم کھایا کرتے تھے، ہم لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت اتنا کم کیوں کھاتے ہیں۔ پھر آخر میں پتہ چلا کہ حضرت بہت کم خوراک ہی ہیں اور میری اہلیہ نے کھانے لذیذ بنائے تھے، کیوں کہ ایک دفعہ امی (ام عفان) نے میری اہلیہ کو کہا کہ آپ لوگوں نے تو طرح طرح کے کھانے کھلا کر ان کی خدمت کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت کی آمد کی ہی وجہ سے ہمارے گھر میں برکتوں کا نزول شروع ہوا ہے۔

حضرت کی آمد کے تین چار روز کے بعد میں نے حضرت سے کہا کہ استعمال شدہ کپڑے دھونے کے لئے دے دیجیے، تو حضرت نے کچھ نہیں کہا، دو تین روز کے بعد میں نے پھر کہا تب بھی حضرت نے کچھ جواب نہیں دیا، اتنے میں ایک ہفتہ گزر گیا پھر ایک روز حافظ نثار صاحب آئے اور انھوں نے دھلنے کے کپڑے مانگے تو حضرت نے فوراً دے دیے، میں نے تعجب کیا کہ میں نے حضرت سے کہا تو حضرت نے نہیں دیے حالاں کہ ہمارے گھر پر بھی مشین تھی، پھر مجھے مطلب سمجھ میں آیا کہ حضرت نے پردے کا اہتمام کیا ہے کیوں کہ میرے یہاں میری اہلیہ کپڑے دھلتی، حضرت نہیں چاہتے تھے کہ کوئی غیر محرم ان کے کپڑے دھلے، اس لئے باہر کے آدمی کو فوراً دے دیے۔

ایک اہم بات اور ہے کہ جب حضرت پہلی مرتبہ تشریف لائے تو ہمارے محلے کا ہی ایک لڑکا شاید زبیر نام ہے اس کا، ملنے کے لئے آیا، یہ لڑکا ایسا ہی تھا جو جی چاہتا بول دیتا تھا اور جو جی چاہے کرتا تھا اور حضرت کچھ نہیں بولتے تھے، ایک روز وہ جوتا لے کر آ گیا، میں نے کہا بھائی یہ

کیا ہے؟ ہدیہ دینے کے لئے کوئی اور چیز نہیں ملی کیا؟ میں نے کہا اسے واپس لے جاؤ، تو حضرت نے کہا نہیں نہیں، تو اس نے اپنے ہاتھ سے حضرت کے پیر میں ڈال دیا تو وہ قدرے بڑا تھا، دوسرے روز وہ دو جوڑے لے کر آ گیا، میں نے کہا کہ کیا کر رہے ہو، لیکن حضرت نے کچھ نہیں کہا، وہ سمجھتے تھے کہ اس لڑکے کا دل صاف ہے، اچھا لڑکا ہے، حضرت دل نہیں دکھانا چاہتے تھے اس لئے وہ ہدیہ قبول کر لیا۔ پھر جب ہم لوگ حضرت کو رخصت کرنے ایئر پورٹ گئے تو زبیر پھر آ گیا، ایر پورٹ کی کمپاؤنڈ ہی میں حضرت کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ حضرت میں آپ کو باتھ روم لے کر چلتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ مجھے تقاضا نہیں ہے تو کہنے لگا کہ حضرت راستہ بہت لمبا ہے یہیں فارغ ہو جائیں یہ کہتے ہوئے وہ حضرت کو باتھ روم لے کر چلا گیا، وہ اسی طرح کے کام کرتا تھا لیکن حضرت اس سے ناراض نہیں ہوتے تھے، ابھی کچھ روز قبل وہ بیمار ہو گیا، اس کا آپریشن ہوا اور ڈاکٹر نے کہا کہ اب یہ پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا، اس کی بیماری بڑھتی چلی گئی ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ دوبارہ اچھا ہونے کے اب صرف دو فی صد چانس ہیں، حضرت کو فون کیا حضرت اس وقت دیوبند میں تھے، بتلایا کہ زبیر اتنا سخت بیمار ہے، حضرت بہت غمگین ہوئے اور کچھ روز بعد خود سے فون کر کے خیریت دریافت کی اور کہا کہ میں دعا کرتا ہوں ان شاء اللہ شفا ملے گی اور پھر کچھ روز کے بعد وہ لڑکا جس کی صحت یابی کی امیدیں ڈاکٹروں نے بھی چھوڑ دی تھیں، کہہ رہے تھے کہ کبھی اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو پائے گا، حضرت کی دعاؤں کے نتیجے میں صحت یاب ہو گیا اب ماشاء اللہ چلتا پھرتا ہے، سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔

اسی طرح کا واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا، ایک مرتبہ میری بھی طبیعت خراب ہو گئی، حضرت کو فون کیا حضرت عمرہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، میں ڈاکٹر کے پاس گیا، ایکسرے ہوا ایم آر آئی کیا گیا پھر ڈاکٹروں نے بتلایا کہ آپ کی کمر میں ٹیومر ہے، میں دوسرے ڈاکٹروں کے پاس گیا انھوں نے بھی یہی مرض بتایا۔ اسی دوران میں نے حضرت کو فون کیا حضرت فون اٹھاتے ہی طبیعت کے بارے میں دریافت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میں تو آپ

کے بارے میں بہت تشویش میں تھا، میں فون یہیں بھول گیا تھا اس لئے آپ سے بات نہیں ہوسکی، میں نے حضرت کو پوری صورت حال بتلائی، حضرت نے حوصلہ بڑھایا اور بہت ساری دعائیں دی۔ کچھ روز کے بعد میں پھر ڈاکٹر کے پاس گیا اور ایم آر آئی کرائی تو وہی ڈاکٹر کہتا ہے کہ اب ٹیومر نہیں ہے، عجیب! میں تو اسے حضرت کی ہی دعاؤں کا نتیجہ سمجھتا ہوں کہ میرے حضرت کی دعاؤں کی برکت ہے کہ اللہ نے مجھے اس مہلک مرض سے نجات دے دی۔

حضرت جب امریکہ آیا کرتے تھے تو ملنے والے ہدایا تحائف بھی دیتے تھے، حضرت منہ پھیر لیتے تھے، میں سمجھتا تھا کہ میں لے لوں اور رات کے وقت حضرت کو دے دیں گے؛ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت نے ہدیہ کی ساری رقم جمع کی، اور جانے سے پہلے ساری رقم میرے ہاتھ دے دی، اور کہنے لگے کہ آپ رکھ لیجیے، میں تو پریشان ہوگیا، میں نے بعض حضرات سے مشورہ کیا کہ کیا کروں، تو انھوں نے کہا کہ کچھ مت بولئے حضرت کے جانے کے بعد دیوبند اُن کے پاس بھجوادیں گے، وہاں سے واپس نہیں کریں گے، ان شاء اللہ۔

حضرت کی واپسی سے ایک روز قبل ایک صاحب ایک سوٹ کیس بھر سامان لے آئے، یہاں ان کی دوکان ہے جس میں ہر سامان ایک ڈالر سے کم میں ملتا ہے، سامان کی قیمت ۳۰ / یا ۴۰ / ڈالر تھی، انھوں نے سارا سامان حضرت کے سامنے رکھ دیا، تو میں نے کہا کہ پہلے اجازت لینا چاہیے تھی اور اتنا سامان آپ لائے ہیں حضرت کو لے جانے میں تکلیف ہوگی، ان صاحب نے کہا کہ ایک اور سوٹ کیس بنا لیجیئے، میں نے کہا کہ آپ کے ۴۰ / ڈالر کے سامان کے لئے ۱۰۰ / یا ۱۵۰ / ڈالر صرفہ کے دینے ہوں گے، حضرت نے کہا کوئی بات نہیں رکھ لیجیے، پھر حضرت وہی ۴۰ / ڈالر کا سامان ڈیڑھ سو ڈالر صرفہ کرکے ہوائی جہاز سے لے گئے، صرف اس لئے کہ حضرت اس کا دل نہیں دکھانا چاہتے تھے، حضرت کے سامنے پیسہ کی قیمت نہیں تھی، انسان کے ساتھ حسن سلوک، شرافت اور دل نہ دکھانے کا جذبہ تھا جس کی وجہ سے حضرت نے وہ سامان قبول کیا تھا۔

ہم ایک بار حضرت کو نیوجرسی کی ایک مسجد میں بیان کے لئے لے گئے، میں نے سوچا کہ

حضرت کے بیان سے پہلے حضرت کا مختصر سا تعارف کرادوں تو ایک صاحب غصہ ہونے لگے کہ زیادہ تعارف کی ضرورت نہیں ہے بس بیان کرائیے، میں نے کہا آپ اس طرح توہین آمیز بات کیوں کررہے ہیں ہمارے حضرت نواب صاحب کے بیٹے ہیں اور نواب صاحب ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہیں، اولادِ رسول ہیں، جب میں نے یہ کہا تو حضرت کے چہرے پر شکن پڑنے لگیں اور حضرت نے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا، بعد میں پتہ چلا کہ حضرت اپنے خاندان کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی تعریف وتوصیف کو پسند کرتے ہیں، میں اپنے آپ میں بہت شرمندہ ہوا کہ میری وجہ سے حضرت کو ناگواری ہوئی۔

حضرت اپنے بچوں کا نام بہت عزت و احترام سے لیا کرتے تھے، دونوں صاحب زادوں کے نام سے پہلے عزت و اکرام والے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے، میں نے کسی دوسرے شخص کو اپنے بچوں کو اتنی عزت دیتے ہوئے نہیں دیکھا، بھائی جان کا نام بھی جناب اور مولانا کے ساتھ لیا کرتے تھے۔

حضرت جب بھی یہاں آیا کرتے تھے تو واپسی پر اپنے استعمال کیے ہوے کپڑے ہمیں دیا کرتے تھے، اب میرا معمول ہوگیا ہے کہ جب بھی میں پریشان سا ہوتا ہوں سکون نہیں ہوتا ہے تو میں حضرت کا یہ کرتا پہن لیتا ہوں اور اللہ کی طرف سے سکون مل جاتا ہے اور راحت ہوجاتی ہے۔

بہت سی باتیں کہنی ہیں، ذہن ودماغ میں بہت سی باتیں آرہی ہیں لیکن آخری بات یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالی نے اتنے انسانوں کو پیدا کیا ان میں میرے حضرت کا درجہ بہت بلند ہے اور ایسی شخصیت کا دنیا سے چلے جانا ہمارے لئے بہت نقصان کی بات ہے۔ اللہ رب العزت ہمارے حضرت کو اپنے یہاں بھی اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

اور عہدِ عثمانی

مولانا اسد اللہ صاحب شیخ الحدیث دار العلوم حسینیہ چلہ، امروہہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یقیناً کچھ شخصیات عہد ساز ہوتی ہیں لوگ ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا بناتے ہیں اور ان کی ایک ایک ادا پر مر مٹتے ہیں۔

یہ شخصیات ایسے افراد پیدا کرتی ہیں جن کے ذریعے سوچ کے دھارے بدل جاتے ہیں اور زندگی کے زاویے تبدیل ہو جاتے ہیں، ان لوگوں کی طرز زندگی اور نظم وضبط کے طریقے ایسے ہوتے ہیں کہ انسان وہ سوچنے لگتا ہے جو وہ سوچتے ہیں۔ ان کی ذہن سازی ایسی کی جاتی ہے کہ ان سے وہ چیزیں بے اختیار صادر ہوں جو ان کی منشاء ہے اور اسی میں خیر پوشیدہ ہے۔

تربیت اور کردار سازی کے ماڈل اور نمونے ہوتے ہیں۔ ایسی ہی شخصیات کا نقش دوام ہوتا ہے اور زندگی اسی محور پر گھومتی ہے۔ انھیں حضرات میں ایک عبقری شخصیت مربی اعظم، مدرس بے نظیر، سراپا اخلاق حضرت محترم محسن وشفیق حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری علیہ الرحمہ کی ہے۔

حلیہ مبارکہ

چہرہ مبارکہ انتہائی تابناک اسی پر سرخ وسفید رنگت مزید دلکشی عطا کرتا تھا۔خواہش کے باوجود آپ کے چہرہ مبارکہ کو رعب کی وجہ سے کوئی نگاہ بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ڈاڑھی مبارک سیاہ قدرے سفید بال جس سے بالوں کی سیاہی میں حسن پیدا ہو گیا تھا۔

سر پر بال زیادہ سفید تھے،کبھی تھوڑے بڑے اور کبھی چھوٹے بال ہوتے، بالوں کی خوبصورتی میں گھونگرا اضافہ کرتا۔

لباس مبارک

سر پر لکھنوی ٹوپی بھا گلپوری کھادی کا چارخانے دار سفید کرتا اور کھادی کا پائجامہ لباس انتہائی صاف ستھرا چمک دار ہوتا۔جوتا ہمیشہ باٹا کمپنی کا سیاہ جلسہ پہنتے تھے۔موسم سرما میں شیروانی اور کشمیری شال زیب تن فرماتے اور سر پر شیروانی کے ہم رنگ ٹوپی ہوتی۔آنکھوں پر سنہری فریم کا چشمہ آپ کو مزید جاذب نظر بناتا تھا۔ چال انتہائی مناسب اور وقار کے ساتھ تیز رو، نگاہیں یغضون من الابصارہم کا نمونہ تھیں۔

جیسا کہ شروع میں میں نے عرض کیا ہے ایسے حضرات عہد ساز ہوتے ہیں اور لوگ ان کی نقل اور اقتداء اپنے لئے فخر کی بات سمجھتے ہیں، چنانچہ اس زمانے کے سارے طالب علم حضرت علیہ الرحمہ کی ایک ایک بات کی نقل واقتداء کرتے تھے۔سب کا یہی لباس تھا، یہی انداز تھا؛ حتی کہ چال میں آپ کی اقتداء کو ضروری سمجھتے تھے۔گویا پورا مدرسہ آپ کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔

طریقۂ تدریس

آپ علیہ الرحمہ سبق سے آنے والے مضمون کو مختصراً سمجھاتے، اس کے بعد تفصیل اور تحقیق سے گفتگو فرماتے، پڑھانے کا انداز ایسا عجیب کہ ہر ہر بات ذہن پر نقش ہو جاتی۔

مقامات حریری پڑھانے کا انداز یہ تھا کہ پہلے مضمون سمجھایا پھر عبارت پڑھائی اس کے

بعد لغوی، نحوی وصرفی تحقیق ہوتی قرآن پاک کی آیات مبارکہ سے اس پر استدلال ہوتا اور جن معانی اور مفاہیم کا قرآن پاک میں استعمال ہوا ہے، اس کو بالتفصیل بیان فرماتے۔

کاپی لکھانے کا نظم ہوتا اس کا طریقہ یہ تھا پہلے لغت پھر معنی پھر صیغے کی تحقیق مجرد ومزید کا معنوی فرق بعدہ قرآنی آیت سے استدلال، جن حضرات نے حضرت لاستاذ رحمۃ اللہ علیہ سے مقامات پڑھی ہے اس کی لذت کو وہی جانتے ہیں۔

جلالین شریف کے درس میں بھی یہی انداز تھا، لغوی تحقیق مفسرین کے مختلف اقوال کا بیان فرمانا اس میں تطبیق یا پھر راجح وضاحت اور دلیل فرمائی جاتی۔ حسب ضرورت اس میں بھی کاپی املا کراتے تھے۔

ہدایہ اخیرین میں بھی حضرت کا انداز انتہائی محققانہ تھا، اختلاف ائمہ رحمہم اللہ کے ساتھ انصاف اور ان کی وجہ ترجیح انتہائی تفصیل سے تشفی بخش انداز میں بیان فرماتے۔

تمرین وانشاء آپ کا انتہائی پسندیدہ مضمون تھا، اس میں خاص طور سے آپ طلبہ میں انقلاب لانے والے تھے۔ آپ محنت اس انداز سے کراتے کہ القراءۃ الواضحہ جزء اول کے طالب علم میں بھی عربی بولنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا اور اس وقت تقریباً سارے طلبہ عربی میں بلاتکلف گفتگو کرتے تھے۔ ایسا ماحول حضرت نے مدرسہ کا بنا دیا تھا کہ ہر طالب علم کی خواہش عربی زبان بن گئی تھی۔

ہر ہفتہ بدھ کے دن ''النادی العربی'' کا ہفتہ واری پروگرام ہوتا تھا جس میں ہر جماعت کے طالب علم عربی لب ولہجہ میں اپنی اپنی استعداد کے مطابق خطاب کرتے۔ حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ خود نگرانی فرماتے اور حسب ضرورت اصلاح فرماتے۔ ''النادی العربی'' کے زیر انتظام ایک اردو اور ایک عربی دیواری پرچہ نکلتا تھا جس میں طلبہ اپنے مضامین لکھتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے ادیب جیسے حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری، حضرت مولانا عمر فاروق صاحب مالیگانوی، حضرت مولانا یوسف صاحب

امروہی۔ ایسی اور بھی بہت سی شخصیات ہیں جو تدریسی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ نے ''النادی العربی'' کے نام سے انجمن قائم فرما کر اس کی ایک لائبریری قائم کی تھی جس میں جدید عربی کا لٹریچر، لغات وغیرہ تھیں جس میں شام کو طلبہ اکٹھے ہوتے تھے اور مطالعہ کرتے تھے۔ آپس میں مذاکرے ہوتے اور نئی نئی تعبیرات لغات طلبہ کو معلوم ہوتیں۔

حضرت علیہ الرحمہ اس میں طلبہ کی نگرانی فرماتے اور اغلاط کی اصلاح اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے جس سے مزید کام کی خواہش پیدا ہوتی۔

ایک ماہر استاذ کی پہچان یہ ہے کہ طالب علم میں جیسی صلاحیت ہو اسی طرح کی تربیت کر کے ملک وقوم کے لئے کارآمد شخصیت پیدا کرے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف جہات میں کام کرنے والے لوگ قوم کو دیئے۔

ان حضرات میں ایک نمایاں نام قائد ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی کا ہے جنھوں نے حضرت کی تربیت میں رہ کر قوم کی خدمت کا جذبہ حاصل کیا، ملی وسیاسی میدانوں میں بلندیوں تک رسائی حاصل کی اور اب صدر جمعیۃ علماء ہند ہیں۔

آپ چوں کہ اصول پسند تھے، اس لئے خلاف اصول باتوں کو دیکھ کر مزاج میں سختی پیدا ہو جاتی تھی؛ لیکن لہجے میں ترشی نہیں تھی، آپ کے اصلاح کا انداز یہی تھا۔ کبھی کسی کی شکایت زبان مبارک پر نہ لاتے تھے۔ سب سے خلوص سے ملنا آپ کا شیوہ تھا۔ آواز میں نرمی تھی کرختگی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ لکھنے کو ابھی بہت کچھ ہے؛ لیکن قلم جذبات کو لکھنے سے قاصر ہے۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

آہ میرے مشفق و مربی!

میں ایک حقیقی سرپرست سے محروم ہو گیا

مولانا محمد خالد گیاوی، ناظم شعبہ دینی تعلیمی بورڈ، جمعیۃ علماء ہند

بندہ ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم دیوبند کے پہلے سال شعبان میں جب گھر گیا اور قاری شرف الدین صاحب گیاوی مہتمم مدرسہ محمودیہ شیرگھاٹی جو حضرت قاری فخر الدین گیاوی کے چھوٹے بھائی تھے، ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے معلوم کیا کہ دیوبند چلے گئے؟ جب اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ قاری عثمان صاحب سے ملاقات ہوئی؟ بندہ نے کہا نام تو سنا ہے؛ لیکن ملاقات نہیں کی، انہوں نے ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا کہ اپنے والد کے حوالہ سے ہی مل لیتے۔ اصل میں جس زمانے میں حضرت قاری عثمان صاحب نور اللہ مرقدہ گیا مدرسہ قاسمیہ میں تدریسی خدمت انجام دیرہے تھے ان دنوں والد محترم بھی اکثر اوقات مدرسہ قاسمیہ میں گذارتے اور قاری فخر الدین صاحب علیہ الرحمہ کے معتمد ہونے کی وجہ سے بعض ذمہ داریاں بھی ادا کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ جب دیوبند جانا تو مل کر جانا؛ چنانچہ شوال میں آتے وقت قاری شرف الدین صاحب نے ایک خط حضرت کے نام تحریر فرمایا، جس میں یہ جملہ بھی تھا یہ اپنا بچہ ہے، گھر کا بچہ ہے، خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ جب دیوبند حاضری پر حضرت قاری صاحب کو خط دیا آپ نے فرمایا اب تک کہاں تھے، پھر بہت دیر تک گیا شہر کے مختلف لوگوں کے احوال معلوم کرتے رہے اور فرمایا عشاء کی اذان پر گھر آنا، یہ پہلا دن تھا جب حضرت کے گھر حاضری ہوئی تھی،

یہاں سے حضرت نے تربیت وسرپرستی شروع فرمائی، جو تادم واپسی جاری رہی۔ اس کے بعد سے جب تک دارالعلوم میں رہا بلا ناغہ ملاقات کا سلسلہ رہا، جب کبھی ایک دن حاضری نہ ہوتی تو اگلی ملاقات پر سوال کرتے اتنے دن کہاں تھے۔ دورہ کا سال تھا رجب کے اواخر میں ایک دن دفتر دارالاقامہ میں حاضری ہوئی تو روک کر اگلے سال کے متعلق معلوم کیا کہ کیا کروگے؟ میں نے کہا جیسا آپ فرمائیں تو آپ نے چند لمحے نصیحت فرمائی پھر فرمایا کہ اگلے سال شعبہ تحفظ ختم نبوت میں رہنا ہے، بندہ نے جب تکمیل ادب کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا وہ بھی ہوجائے گا؛ چنانچہ اس سال تکمیل ادب کا تین گھنٹہ شعبہ تحفظ ختم نبوت والوں کیلئے لازم تھا، اسی سال جون ۱۹۹۷ء میں دہلی کے اردو پارک میں تحفظ ختم نبوت کا اجلاس ہوا اور اسی سال صفر ۱۴۱۸ھ میں آپ نائب مہتمم بنائے گئے۔

ردفرق باطلہ کے حق میں حساسیت

آپ فرق باطلہ کے رد کے لئے بہت حساس تھے، آپ خود فرمایا کرتے کہ باطل کی سرکوبی کے لئے چار چیزیں ہونی چاہئے (۱) ایمانی حس (۲) ایمانی غیرت (۳) بسالت وشجاعت (۴) علم وفضل کا کمال اور یہ چاروں اوصاف حضرت کے اندر بدرجہ اتم موجود تھے، کہیں سے کسی باطل فرقہ کی خبر آتی فوراً اس کی سرکوبی کی کوشش شروع فرماتے؛ چنانچہ بندہ کے ختم نبوت کے سال ہی میں مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کے نام ناسک سے ایک خط آیا تھا، جس میں ایک ایسے امام کا مطالبہ تھا جو فرق باطلہ پر مطالعہ رکھتا ہو، مہتمم جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے جب وہ خط حضرت کو دیا تو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ تم چلے جاو۔ بندہ حکم بجالاتے ہوئے ناسک چلا گیا؛ لیکن رمضان کے اخیر میں فون پر جب بات ہوئی تو آپنے شوال تک دارالعلوم دیوبند حاضری کا حکم فرمادیا۔ جب حاضری ہوئی تو پہلے تو دارالعلوم میں رہنے کے لئے فرمایا؛ لیکن چند یوم بعد فرمانے لگے کہ سہارنپور میں قادیانیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے حضرت فدائے ملت بھی بہت متفکر ہیں، مظاہر علوم میں شعبہ تحفظ ختم نبوت قائم تو ہوگیا ہے؛ لیکن کوئی

آدمی نہیں ہے، وہ ہم سے ایک آدمی کا مطالبہ کررہے ہیں؛ لہٰذا اگر تم وہاں رہ لوتو مناسب رہے گا اور پھر شام میں خود ساتھ لے کر بذریعہ بس حضرت سہارنپور تشریف لے گئے اور وہاں کے معاون ناظم قاری رضوان نسیم صاحب جو حضرت کے ساتھیوں میں سے بھی تھے، ان سے تقرری کے سلسلہ میں تفصیلی بات کی اور صبح دیوبند واپس ہوئے اور فرمایا کہ تم کارروائی مکمل کرکے آنا۔ اس کے بعد ہر تین ماہ پر بندہ سے رپورٹ طلب فرماتے اور دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ میں اس کا خلاصہ پیش فرماتے، بندہ بھی ان ایام میں اکثر شام کو دیوبند آجاتا اور حضرت کے حکم ومشورہ سے مختلف علاقوں کا سفر کرتا اور حضرت بھی اکثر و بیشتر اپنے سفر میں بندہ کو ساتھ رکھتے۔ جو سلسلہ کم وبیش اخیر تک جاری رہا۔

اپنے ماتحتوں اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی

حضرت کی ایک خاص صفت یہ تھی آپ سے جو بھی متعلق ہوتا اسے ہر محاذ پر آگے بڑھ کر کام کرنے کی تلقین فرماتے، انہیں آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرتے اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے، اس کی مثال مولانا شاہ عالم گورکھپوری، مولانا مشیر دیناجپوری، مولانا ادریس ہزاریباغوی اور بندہ جیسے بے شمار لوگ ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں کلکتہ پارک سرکس میدان میں ختم نبوت کا بڑا اجلاس منعقد تھا بندہ اور مولانا حکیم الدین صاحب پرتا بگڈھی اس کی تیاری میں ایک ہفتہ قبل حاضر ہوگئے تھے، اجلاس کے دن جب اکابر علما کرام حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری، حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نوراللہ مرقدہ، حضرت مولانا اسماعیل صاحب کٹکی وغیرہ کی موجودگی میں حضرت نے بندہ سے فرمایا کہ تمہیں بھی کچھ دیر بات کرنی ہے، ان اکابرین کی موجودگی میں اگرچہ ہمت نہیں ہورہی تھی؛ لیکن آپ کے حکم سے بیان کرنے کا حوصلہ ملا۔

آپ کی شب بیداری

آپ سفر میں ہوں یا حضر میں رات بہت کم سوتے، دیوبند میں رہتے ہوئے کوئی دن

شاید خالی ہو کہ علاقہ میں کسی پروگرام میں نہ جائیں رات تاخیر سے آنے کے باوجود تہجد کے وقت بیدار ہو جاتے، ٹرین کے سفر میں اکثر بندہ رفیق سفر ہوا کرتا آپ اگرچہ دن بھر کے پروگراموں کے تکان سے چور ہوتے اور دیر رات ٹرین میں سوار ہوتے لیکن تہجد اور فجر کی نماز میں تاخیر نہ ہوتی۔

آپ کی حیا

آپ حیاء عثمان غنی کے پرتو بھی تھے، کسی اجنبی کے سامنے کپڑے تبدیل نہیں فرماتے اور نہ بنیان میں کسی سے ملاقات فرماتے، سفر میں بارہا ایسا موقعہ آیا کہ کمرے میں اگر کوئی موجود رہا تو ہرگز لنگی تبدیل نہ کرتے اسی کپڑے میں لیٹ جاتے۔

میرے مشفق و مربی

ڈاکٹر منور حسن کمال امروہہ

رنج وغم اور حزن و ملال کا یہ طوفان بلاخیز رکنے میں نہیں آرہا ہے۔ قافلۂ اہلِ علم کے سالار یکے بعد دیگرے رخصت ہورہے ہیں۔ ابھی ایک غم نہیں چھوٹتا کہ دوسرا غم آکھڑا ہوتا ہے۔ اب دیکھیے کہ حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری داغِ مفارقت دے گئے۔

میرا ان سے تعلق چار دہائیوں سے بھی زیادہ کو محیط ہے۔ شاید 76-1975 کی بات ہے کہ مدرسہ مرادیہ مظفر نگر کے بعد میں دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم تھا۔ سال پنجم میں تھا کہ اس دوران شاید نصاب میں کچھ تبدیلیاں کی گئی تھیں، جس کی وجہ سے میرا تعلیمی سال لوٹ رہا تھا۔ تعلیمی سلسلے کا ایک سال بچانے کی غرض سے میرے ایک استاد مولانا عبدالحفیظ رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم مدرسہ مرادیہ مظفر نگر (یوپی) میرے تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے مجھے جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی) میں داخلے کے لئے لے گئے۔ وہاں قاری فضل الرحمٰن مرحوم ناظم مدرسہ، مولانا اعجاز حسین مرحوم مہتمم مدرسہ کے ساتھ ساتھ مولانا قاری محمد عثمانؒ سے ملاقات ہوئی۔ داخلے وغیرہ کے التزامات سے فراغت کے بعد راقم کو مہمان خانے میں قیام کے لئے کہا گیا۔ اس کے بعد طعام وغیرہ کا انتظام ہونا تھا۔ اسی دوران حضرت قاری عثمان صاحب نور اللہ مرقدہ نے کھانے سے متعلق استفسار کیا اور مجھے اپنے ساتھ اپنے دولت خانے پر لے گئے۔ یاد پڑتا ہے کہ ساتھ میں برادر عزیز مفتی محمد سلمان اور مفتی محمد عفان کے ہمراہ شاید مولانا محمود مدنی اور برادر عزیز مولانا محمد ازہد بھی تھے۔ حضرت مولانا قاری صاحب نے بڑی محبت کے ساتھ ہم سب

کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور بڑی آہستگی کے ساتھ آداب و تعظیم کے لئے کیا کچھ فرمایا یہ تو یاد نہیں، لیکن محبت واپنائیت کا ایسا نمونہ اپنی خوشگوار یادوں کے ساتھ آج بھی مجھے تر وتازہ ہی لگتا ہے۔ پھر میرے کھانے کا انتظام ہونے تک میں حضرت قاری صاحب کا مہمان رہا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت قاری صاحب قدس سرہ کو ظاہری حسن و جمال عطا کیا تھا، وہیں باطنی طور پر نہایت پاکیزہ حسن وصفات کے حامل تھے۔ ان کی گفتگو میں جو متانت وسنجیدگی تھی وہ بلندیِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ دورانِ سبق بھی نہایت باوقار انداز میں نفسِ متن پر گفتگو فرماتے۔ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں ان سے راقم نے جلالین شریف اور مشکوٰۃ شریف پڑھیں۔ عبارت پڑھنے کی ذمہ داری عموماً راقم کے ہی سپرد تھی۔ یہ حضرت قاری صاحب کی مجھ سے نہایت محبت ومودت تھی کہ مجھے اس لائق سمجھا، ورنہ عام طلبہ کی طرح میں بھی بہت زیادہ کتابوں میں گم ہونے والا طالب علم کبھی نہیں رہا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ دورانِ سبق میں عبارت پڑھ رہا تھا اور لگا تار کئی صفحے جب پڑھ چکا تو اچانک حضرت قاری صاحب نے فرمایا ''اسکت سكوتًا في وقت ما'' میں کب سے منتظر تھا کہ حضرت قاری صاحب کچھ اشارہ فرمائیں۔ پھر نہایت فصیح وبلیغ انداز میں حضرت قاری صاحب نے متن پر گفتگو کی۔ ایسا سہل انداز کہ پوری عبارت ذہن نشیں ہوتی جاتی تھی۔

جامعہ اسلامیہ جامعہ مسجد امروہہ کے دوسالہ زمانۂ طالب علمی کو یاد کرتا ہوں تو قدم قدم پر حضرت قاری صاحب کی مشفقانہ اور مدبرانہ نصیحتیں یاد آتی ہیں۔ وہ ایسے انتہائی مشفق ومربی استاذ تھے کہ کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ دورانِ سبق کے علاوہ بھی حضرت قاری صاحب سے جب بھی سامنا ہوتا، نہایت سادگی اور متانت کے ساتھ گفتگو فرماتے اور ہر ممکن طور پر اسباق میں دل لگانے اور فاضل وقت میں مطالعے کی ترغیب دیتے۔ یوں تو امروہہ میں تمام اساتذہ کرام ہی بہت اچھے تھے، لیکن حضرت قاری صاحب اور مولانا طاہر حسینؒ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امروہہ کا اس ناچیز کے ساتھ خصوصیت سے تعلق تھا۔ یہ انھی اساتذۂ گرامی کی تربیت واصلاح کا

اثر تھا کہ اس دوران میں نے ساتھیوں کو تکرار کرانا بھی شروع کر دیا تھا جس کا اسباق کے دوران خاطر خواہ فائدہ ہوا، جو چیزیں سمجھ میں نہ آتیں ان کو اساتذہ سے سمجھ لیا جاتا۔

حضرت قاری صاحب کی قدم قدم پر تربیت و اصلاح اور نصیحتیں آج بھی یاد آتی ہیں تو سوچتا ہوں کہ اگر میں نے ان پر پورے طور پر عمل کیا ہوتا تو زندگی کتنی سنور گئی ہوتی۔ تربیت و اصلاح کا ایک نمونہ سپردِ قلم کرنے سے خود کو روک نہیں پا رہا ہوں۔ میں بغیر کسی لاگ لپیٹ کے یہ کہہ رہا ہوں کہ میں طالب علمی کے زمانے میں بہت کھلنڈرا اور سیر و تفریح کا دلدادہ رہا ہوں، لیکن امروہہ کی حد تک اسباق نہایت پابندی سے پڑھنے جاتا تھا۔ امروہہ میں قوالیوں کے سلسلے خوب رہتے ہیں۔ شاید آج بھی، لیکن اس زمانے میں بہت ہوتے تھے۔ میں ایک ساتھی کے ہمراہ میں ایک جگہ قوالی کے پروگرام میں شرکت کے لئے چلا گیا۔ شام سے ہی پروگرام تھا اور شاید عشاء کا وقت تھا۔ مدرسہ کے ایک استاذ قاری مرغوب صاحب جو بہرحال طلبہ کی اصلاح چاہتے تھے، انھیں ہمارے جانے کی خبر لگ گئی۔ انھوں نے اس کا تذکرہ حضرت قاری صاحب سے کیا ہوگا...... وہ انھیں لے کر وہاں پہنچ گئے...... قاری مرغوب صاحب راقم کو ڈھونڈتے ہوئے قوالی کی جگہ پہنچ گئے اور مجھے وہاں سے اٹھا لائے...... غصہ شدید تھا...... کہ آج قاری مرغوب سے بات ہی کر لیتا ہوں...... لیکن وہاں سے تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ کیا دیکھتا ہوں ایک کونے میں حضرت قاری صاحبؒ کھڑے ہوئے ہیں۔ مجھے کاٹو تو خون نہیں، پاؤں من من بھر کے ہوگئے۔ کسی حال قدم نہیں اٹھ رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، گلا خشک ہوگیا...... ہائے یہ وقت بھی دیکھنا تھا کہ اپنی اس ناگفتہ بہ حالت کے موقعے پر حضرت قاری صاحبؒ کے میں سامنے تھا۔ قاری مرغوب صاحب مجھے ان کے ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ شاید کچھ دیر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھا اور نصیحتوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ مدرسہ کے دروازے تک جاری رہا...... تمام باتیں تو ذہن کے پردوں میں کھو گئیں۔ اتنا یاد ہے کہ میں رو رہا تھا اور یہی سوچ رہا تھا کہ کاش ایسا نہ ہوتا...... ایک جملہ دماغ کے کسی گوشے میں محفوظ ہے کہ آپ کو والدین

پیسہ خرچ کر کے پڑھنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ یقیناً انھوں نے کہا ہوگا تا کہ آپ ایک اچھے انسان بنیں۔ مہذب اور تعلیم یافتہ کہلائیں اور آپ کی دنیا وآخرت دونوں سنور جائیں۔

اسے میری نااہلی سمجھئے کہ میں اتنے مشفق ومربی اور اصلاح وتربیت کرنے والے استاذ گرامی سے چاہ کر بھی بار بار ملاقات نہ کر سکا۔ ''نمک تیل لکڑی'' کی تگ ودو نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ ان سے برابر ملتا اور دعائیں لیتا؛ لیکن اتنا تو یقینی ہے کہ میرے تمام اَساتذۂ کرام اور والدین کی دعائیں بہرحال شاملِ حال رہیں کہ تلاشِ معاش میں کوئی بڑی پریشانی سامنے نہیں آئی اور اللہ کا فضل واحسان ہے کہ بہت خوش ہوں۔

تین چار برس قبل دیوبند جانا ہوا تو برادرِ عزیز مولانا اشرف عثمانی کے ہمراہ حضرت قاری صاحبؒ سے ملاقات کی غرض سے مسجد چھتہ کے متصل قیام گاہ پر حاضری ہوئی۔ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ نے بڑے شائستہ انداز میں اپنے ہاتھوں سے چائے سے تواضع فرمائی۔ بہت خوش ہوئے، میں نے اپنی کتاب ''تحریک خلافت اور جدوجہد آزادی'' کا تذکرہ کیا تو نہایت مسرور ہوئے، کتاب کا نسخہ میرے پاس نہیں تھا، لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے نہایت مسرت کا اظہار کیا اور بہت سی دعائیں دیں۔ (کتاب کا نسخہ جمعیۃ کے دفتر میں دیا گیا تھا)

ان سے آخری ملاقات جمعیۃ علماء ہند کے سمینار مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا احمد سعید دہلوی کی خدمات پر مشتمل تھا، اس موقع پر ہوئی۔ حضرت قاری صاحب نے اس وقت بھی بہت سی دعاؤں سے نوازا۔ پہلی نشست میں میرا مقالہ تقریباً آخر میں تھا، نہایت توجہ سے سنا۔ اس موقعے پر اپنے صدارتی خطاب میں حضرت علیہ الرحمہ نے جہاں تمام مقالہ نگاروں کی تعریف فرمائی اور دعائیں دیں وہیں ایسے سمیناروں کی اہمیت وافادیت پر بھی روشنی ڈالی۔

مشفق خواجہ کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

نقش گزرے ہوئے لمحوں کے ہیں دل پر کیا کیا
مڑ کے دیکھوں تو نظر آتے ہیں منظر کیا کیا

حضرت امیر الہند رابع علیہ الرحمہ

کا بنگلہ دیش کا ایک اہم سفر

مولانا مفتی رشید احمد صاحب سلہٹ، بنگلہ دیش

باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے زمانۂ طالب علمی سے ہی استاذ محترم حضرت امیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہ استاذِ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند سے گہرا ربط وتعلق رہا، مادر علمی میں جن نابغۂ روزگار اساتذہ کرام سے بے پایاں شفقت ومحبت بندہ کو حاصل رہی، ان میں حضرت امیر الہند رابع نور اللہ مرقدہ و بردہ مضجعہ کی توجہات اور عنایات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے؛ بلکہ یوں کہا جائے کہ راقم الحروف آج جو کچھ بھی ہے وہ حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہ کی چار سالہ سر پرستی اور تربیت کا نتیجہ ہے:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملک کے مقدر کا ستارہ

باری تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو شانِ عالی کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین

سفر کی منظوری

مادر علمی دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد برابر حضرت علیہ الرحمہ کے رابطہ میں رہا اور آپ کی خدمت میں اپنے ملک بنگلہ دیش کے سفر کے لئے درخواست کرتا رہا؛ لیکن آپ کی

گونا گوں مصروفیتوں کی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی، بالآخر بفضلہٖ تعالیٰ ۲۰۱۰ء میں ہماری درخواست پر ایک ہفتہ کے لئے بنگلہ دیش کا سفر طے ہوا، چنانچہ وقت مقررہ پر حضرت نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری ہوئی بنگلہ دیش کے مؤقر علماء کرام کا ایک وفد حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کے استقبال کے لئے ایئرپورٹ پہنچا جس میں حضرت مولانا نوراللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا فریدالدین صاحب دامت برکاتہم قابل ذکر ہیں۔

وہ آئے ہمارے گھر میں خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مختلف اداروں میں پروگرام

حضرت نوراللہ مرقدہ کی آمد سے پہلے پورے ملک بنگلہ دیش کے بڑے بڑے اداروں میں آپ کے پروگرام کے لئے دن وقت اور تاریخ متعین کرایا گیا تھا، جن اداروں کو آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا ان میں جامعہ شرعیہ مالی باغ ڈھاکہ، جامعہ اقرأ ڈھاکہ، دارالعلوم کھولنا، جامعہ مدینہ کھولنا، جامعہ یونوسیہ بی باریا، جامعہ اسلامیہ رامپور ڈھاکہ، نیز سلہٹ میں جامعہ محمودیہ سبحان گھاٹ، دارالعلوم کنائی گھاٹ اور دارالعلوم درگاپور سنام گنج وغیرہ کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاسکتا ہے، ان کے علاوہ بھی متعدد اداروں میں پروگرام ہوا۔

اوقات میں برکت

چوں کہ حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہ ایک ہفتہ کے لئے ہی تشریف لائے تھے، مدارس اور دیگر اداروں کے ذمہ داروں کی طرف سے تقاضے بہت تھے؛ اس لئے ہر روز کم از کم پانچ چھ پروگرام کرنے پڑتے تھے، حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ اپنی نفیس طبیعت اور پیرانہ سالی کے باوجود نہایت وقار وسکون اور انتہائی بشاشت کے ساتھ بیان فرماتے تھے، پروگرام کے اختتام پر دعا بھی کرواتے اور لوگوں سے ملاقات بھی کرتے تھے، اگر ہم حاضرین جلدی کرتے تو آپ فرماتے کہ ''مولوی رشید جلدی نہیں ہے، سب ہوجائے گا'' اور تمام پروگرام وقت متعینہ پر ہوتا جس

کی وجہ سے لوگوں میں آپ کے پروگرام کے تئیں جوش وخروش اور خوشی ومسرت پائی جاتی تھی۔

نہ راحت طلب ہیں، نہ مہلت طلب وہ
لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ

حضرت والا نوراللہ مرقدہ کا اکثر پروگرام افتتاح بخاری شریف کا تھا، چنانچہ آپ بڑی تفصیل کے ساتھ درسِ حدیث دیتے تھے، دورانِ درس محدثین کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ تعلق ومحبت کو محقق انداز میں بیان فرماتے تھے، اس دوران جب بھی آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے تو بڑے ہی ادب واحترام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا نام لیتے تھے حتی کہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف کہتے تھے اور فرطِ محبت سے آپ کی آنکھیں اشکبار ہوجایا کرتی تھیں، سامعین پر بھی ایک طرح کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی اور سب کے سب اشکبار ہوجاتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے تلمیذ رشید بابو پوری کا قائم کردہ ادارہ دارالعلوم کنائی گھاٹ بنگلہ دیش جو کہ بنگلہ دیش کا معروف ومشہور دینی مرکزی ادارہ ہے، یہاں آپ علیہ الرحمہ نے افتتاح بخاری شریف کے موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی کتاب فیوض الحرمین کا تذکرہ کیا اور حضرات محدثین کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ عشق ومحبت کا تذکرہ کرتے ہوئے آبدیدہ ہوگئے، سامعین بھی ڈھاڑیں مار کر رونے لگے۔

ڈھاکہ کے ایک مدرسہ میں افتتاح بخاری شریف کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت میں سرشار ہوکر درس دیتے ہوئے، آپ اشکبار ہوئے تو آپ کے مترجم مولانا فرید الدین مسعود صاحب کے ساتھ پوری مجلس رونے لگی۔

ہیں اور دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں کچھ اور

باری تعالیٰ نے آپ کو جیسے حسن صورت سے نوازا تھا اس سے کہیں زیادہ آپؒ کے اندر حسن سیرت ودیعت کی گئی تھی جو شخص آپ علیہ الرحمہ سے ملاقات کرتا تو بہت خوش ہوجاتا اور

آپ کے حسن لقا کو دیکھ کر کہنے کہنے لگتا کہ حضرت مجھ سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے ☆ آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

کرامت

ہمارے پیر و مرشد حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کے ایک مجاز حضرت مولانا احمد جتول دامت برکاتہم العالیہ کا بیان ہے کہ کنائی گھاٹ کی ایک مسجد جس کا اندرونِ حصہ بہت تاریک ہے؛ لیکن جس وقت حضرت علیہ الرحمہ کا بیان ہو رہا تھا تو مسجد اس طرح منور تھی کہ محسوس ہو رہا تھا کہ ہزار ہزار وارڈ کے بلب نصب کیے گئے ہیں۔

حاجی اولاد علی صاحب سلہٹ متوسل خاص حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ حال مقیم برطانیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کا شب میں ہمارے گھر سلہٹ میں قیام ہوا تو جب حضرت واپس تشریف لے گئے تو میں نے اپنے اس گھر کو جس میں حضرت کا قیام تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پورا کمرہ روشنی سے بھرا ہوا ہے، میں نے فوراً دروازہ کو بند کر دیا پھر شام کو کھولا تو اسے تاریک پایا، اسی طرح کا ایک واقعہ معروف عالم دین حضرت مولانا یحییٰ محمود صاحب نے بھی اپنے مدرسہ کا سنایا ہے۔

القصہ مختصر آپ کے یہ فیوض و برکات تعلق مع اللہ، اتباعِ سنت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت، شب بیداری اور راتوں کو اللہ کے حضور گریہ وزاری کے ثمرہ میں آپ کے اندر پائی جاتی تھی؛ کیوں کہ جہاں بھی آپ تشریف لے گئے وہاں کی حالت یکسر بدل گئی، باری تعالیٰ ہمیں اپنے استاذ محترم اور تمام اکابرین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اپنے ماتحتوں کا خیال

حافظ محمد عبداللہ دیوبند ڈرائیور حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ

راقم السطور بندہ عبداللہ ابن محمد حسنؒ ساکن محلّہ سبزی منڈی موری تیلیان دیوبند نے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری قدس سرہٗ کے ساتھ بسلسلۂ ڈرائیوری تقریباً نو سال سے زائد کا عرصہ خدمت میں رہ کر گزارا۔ اس عرصہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت سے اسفار کئے اس دوران جو واقعات اور حالات پیش آئے بندہ اپنے علم کے مطابق ان میں سے کچھ واقعات درج کرتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام حضرت رحمۃ اللہ کے ان حالات سے سبق لیں گے اور رہنمائی حاصل کریں گے۔

(۱) چرتھاول ضلع مظفرنگر میں ایک نکاح کی تقریب میں حضرتؒ نے شرکت فرمائی۔ تقریب نکاح کے بعد طعام کا پروگرام تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ حسب پروگرام طعام کی مجلس میں تشریف لے گئے، اور حضرت کا معمول یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی کسی پروگرام میں تشریف لے جاتے اپنے ٹفن میں کھانا ساتھ لے کر چلتے تھے اور اسی دسترخوان پر تمام مہمانوں کے ساتھ گھر کا تیار شدہ کھانا تناول فرما لیتے تھے اور دسترخوان پر موجود (طعام) میں سے بھی چند نوالے تناول فرما لیتے تھے تاکہ میزبان کی دل شکنی نہ ہو۔

اس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا کہ بندہ حضرتؒ کے ساتھ دسترخوان پر کھانے کے لئے بیٹھ گیا اور ٹفن گاڑی میں بھول گیا۔ حضرتؒ نے بندہ سے معلوم کیا کہ ٹفن کہاں ہے؟ بندہ نے عرض

کیا کہ گاڑی میں ٹفن رکھا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ ٹفن لے کر آؤ۔ بندہ نے حسب الحکم ٹفن لاکر ایک صاحب کے حوالہ کر دیا کہ حضرت کے سامنے یہ ٹفن رکھ دو اور بندہ وہاں سے واپس چلا گیا۔ بھیڑ کی وجہ سے حضرت کے پاس دسترخوان پر نہیں پہنچ سکا۔ جب حضرت نے مجھے نہیں دیکھا تو کسی صاحب سے معلوم کیا کہ عبداللہ کہاں ہے؟ کسی نے عرض کیا کہ وہ دوسری جگہ کھانا کھا رہا ہے، بالآخر جب حضرتؒ کھانے سے فارغ ہو کر گاڑی کے پاس تشریف لائے اور گاڑی میں بیٹھ کر چلنا شروع کیا تو مجھ سے معلوم کیا کہ عبداللہ تم نے کھانا کھایا یا نہیں تو میں نے نفی میں جواب دیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً گاڑی رکوائی اور گاڑی سے باہر نکل کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور میزبانوں میں سے کسی کو بلا کر کہا کہ ان کو لے جاؤ کھانا کھلا کر لاؤ، جب میں کھانا کھا کر واپس آیا تب ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے لئے روانہ ہوئے۔

(۲) حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب کہیں کا سفر فرماتے تو درمیان سفر کھانے پینے کی اشیاء اپنے ساتھ رکھتے اور چائے وغیرہ کے ہوٹل جہاں کہیں مناسب سمجھتے وہاں گاڑی رکوا کر چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر آگے کے لئے روانہ ہوتے اور احقر اگر کھانے پینے کی چیزیں بسکٹ، نمکین وغیرہ اپنے ذاتی پیسے سے خرید لیتا تو فوری طور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی جیب خاص سے رقم کی ادائیگی کرتے چاہے جتنی بھی چیزیں خریدی گئی ہوں۔ حضرتؒ کا یہ عام معمول تھا۔

(۳) حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب کہیں باہر سے تشریف لاتے تو بندہ گاڑی لے کر ایئرپورٹ یا ریلوے اسٹیشن پر وقت مقررہ پر حاضر ہو جاتا تھا اور وہاں سے حضرت دفتر الجمعیۃ دہلی تشریف لاتے اگر رات کا وقت ہوتا تو فرماتے کہ اس وقت آرام کر لو علی الصباح دیوبند کے لئے روانہ ہوں گے۔ اس پر بھی میری رائے معلوم کرتے کہ ابھی چلنا ہے یا صبح کو۔ میں اگر کہتا کہ ابھی چلنا ہے تو حضرت رحمۃ اللہ تکان کے باوجود اسی وقت دیوبند چلنے کو تیار ہو جاتے اور ذرا سا بھی طبیعت میں ملال نہیں ہوتا، بہت ہی خوش طبعی سے اسی وقت سفر فرما لیتے تھے۔

(۴) اسی طرح ایک مرتبہ راقم الحروف کو حضرت کے ساتھ دہلی سے ''گڑھ'' ایک

پروگرام میں شرکت کے لئے جانا تھا۔ اتفاقاً مجھے دہلی ہی میں اطلاع ملی کہ میرے سسر کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ ایک گاڑی کا انتظام کرنا تھا اور دہلی بغرض علاج روانہ ہونا تھا؛ لیکن اچانک طبیعت اور زیادہ بگڑ گئی تو گھر والوں نے دیوبند ہی علاج کا ارادہ کیا پھر تقریباً ایک گھنٹہ بعد دوبارہ فون آیا اس وقت ہم لوگ گڑھ کے لئے وایا میرٹھ نکل چکے تھے جیسے ہی ہم مودی نگر پہنچے تو اطلاع ملی کہ میرے سسر کا انتقال ہوگیا ہے تو حضرت والا نے مجھ سے کہا کہ تدفین میں دیر مت کرنا۔ اپنی نئی والی گاڑی مجھے دیوبند جانے کے لئے دے دی اور خود ایک جان پہچان والے کی چھوٹی کار میں اپنا سامان رکھ کر آگے سفر کے لئے روانہ ہوگئے۔ پھر جب سفر سے فارغ ہوکر لوٹے تو تیسرے دن میرے سسر کے گھر بغرض تعزیت تشریف لا کر اہل خانہ کو تسلی دلاتے ہوئے فرمایا کہ یہ دنیا فانی ہے، ہر کسی کو یہاں سے جانا ہے، ہر ایک کا ایک وقت متعین ہے، اس لئے صبر کیجیے۔

یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق کریمانہ تھے جو خدا کی طرف سے ودیعت کردہ تھے، ہر حال میں، ہر وقت اپنے خادموں اور ساتھیوں کا خیال رکھتے تھے۔

(۵) ایک دفعہ کی بات ہے جبکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اسفار کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وقت بہت کم مل رہا تھا، اس لئے میں اپنی اہلیہ کو ڈاکٹر کے پاس نہیں لے جا پا رہا تھا، اتفاق سے اہلیہ نے حضرت علیہ الرحمہ کی اہلیہ محترمہ (اماں) سے فون پر بات کر لی پھر اماں صاحبہ نے حضرت علیہ الرحمہ کو اطلاع کر دی تو حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے سفر کے لئے دہلی سے ایک ٹیکسی کر لی پھر مجھے رات میں فون کر کے حال چال معلوم کئے اور پوچھا کہ اہلیہ کا کیا حال ہے۔ میں نے بتایا کہ طبیعت ناساز ہے تو پھر مجھے فرمایا کہ تم اہلیہ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ، میں اپنے سفر کے لئے ٹیکسی کا انتظام کر چکا ہوں۔

(۶) آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ میرے آرام کا حد درجہ خیال رکھتے تھے، چنانچہ جب کبھی دیر رات دہلی اور صبح کو ایئر پورٹ جانا ہوتا اور گرمی کا موسم ہوتا تو مجھے اپنے آرام گاہ میں آرام کرنے کو کہتے تھے تاکہ کہیں دوسری جگہ میرے آرام میں کوئی خلل نہ ہو اور سفر کرنا ہو تو مجھے

تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اسی طرح جب کبھی وقت بیوقت دارالعلوم دیوبند آنا ہوتا تھا تو احقر آپؒ کے خانقاہ ''خلوت قاسمی'' میں سوجاتا تھا تو بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ میں سورہا ہوتا اسی درمیان مہمان آتے تو مہمان یا کوئی اور مجھے بیدار کرنے کی کوشش کرتا اور ''ابا'' کی نگاہ ان پر پڑ جاتی تو ان پر ناراضگی کا اظہار فرماتے تھے اور فرماتے کہ انھیں سونے دو۔ رات کا جگا ہوا ہے۔

حضرت الاستاذ سے متعلق چند یادیں

مولانا مصلح الدین بھاگلپوری مدرس جامعہ حسینیہ لال دروازہ جونپور، یوپی

یہ دنیا فانی ہے دنیا میں جو بھی آتا ہے اس کو جانا ہے، لیکن کچھ ایسی شخصیات ہوتی ہیں جن کے جانے کے بعد ایک بڑا طبقہ متأثر ہوتا ہے، ان ہی شخصیات میں سے ایک شخصیت ہمارے استاذ مربی سرپرست حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ ہم سب کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالیٰ نے حضرت کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا، ان میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ ہمارے استاذ بہت عبادت گزار اور شب بیدار تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے استاذؒ کے ساتھ میں حضر میں رہنے کا موقع نصیب ہوا، حضرت الاستاذ کو دیکھتا کہ کام سے فارغ ہو کر لیٹ جاتے پھر تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد اٹھ کر تسبیحات یا مراقبہ کی حالت میں رہتے، پھر دیکھتا کہ آرام فرمانے لگے، پھر اخیر شب میں تہجد کی نماز پڑھتے، حضرت الاستاذ کی شفقتیں میرے اوپر بچپن ہی سے تھیں، اس لئے کہ بندہ اپنے علاقہ کا مشہور ادارہ مدرسہ اسلامیہ اعزازیہ پتھنہ ضلع بھاگلپور بہار میں اپنے والد محترم حضرت حافظ قاری محمد صالح صاحب خلیفہ ومجاز فدائے ملت کے پاس حفظ کرنے کے بعد ہی والد صاحبؒ نے امروہہ حضرت استاذ کے پاس بھیج دیا۔

حضرت الاستاذ نے احقر کو فارسی شروع کروادی، ساتھ ساتھ عربی تمرین کے لئے القراءۃ الواضحہ بھی شروع کروائی اور فرمایا کہ فائدہ ہوگا حالانکہ بندہ ایک قاعدہ بھی نہیں جانتا

تھا، امروہہ میں اصول الشاشی تک پڑھا جب حضرت الاستاذ بحیثیت مدرس دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے تو احقر کو بھی ساتھ میں رکھ لیا اور خصوصی طور پر عربی چہارم میں داخلہ کروایا، امروہہ میں اور دیوبند کے زمانے میں حضرت الاستاذ نے میری خاص طور پر نگرانی فرمائی، حضرت الاستاذ کا حکم تھا کہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد ملاقات کرنا ہے اسی طرح روزانہ اسباق سے متعلق سوال کرتے کہ مطالعہ کس طرح کرتے ہو، کون سی شرح زیر مطالعہ ہے، اردو شرح کے مطالعہ سے خاص طور پر منع فرماتے، اگر کسی دن ملاقات کرنے نہیں جاتا تو دوسرے روز جب جاتا فوراً سوال کرتے کہ کل کہاں گئے تھے، کیوں گئے تھے، میری فراغت کے بعد میرے چھوٹے تینوں بھائیوں کی نگرانی اور تربیت بھی حضرت نے فرمائی، جب میرے منجھلے بھائی عزیزم بھائی بہاؤ الدین سلمہ کا دیوبند میں عربی دوم میں داخلہ ہوا تو حضرت نے اس کی بہت بہترین انداز سے تربیت فرمائی، آج حضرت کی توجہات اور برکت سے حدیث شریف کا درس دے رہا ہے اور کامیاب مدرس ہے، اسی طرح تیسرے بھائی عزیزم عضد الدین سلمہ کی بھی نگرانی اور تربیت فرمائی، سب سے چھوٹے بھائی عزیزم فرید الدین سلمہ کی نگرانی تصوف کے سلسلے میں کی، ہر سال رمضان المبارک کے مہینے میں اخیر عشرے کا اعتکاف دیوبند میں اپنے پیر کی معیت میں کرنے کی بھی توجہ فرماتے تھے، چند سال قبل حضرت نے بیعت کرنے کی بھی اجازت دی اور بار بار تاکید کرتے کہ بیعت کیا کرو، اللہ کا شکر ہے کہ حضرت کی برکت سے عزیزم نے بیعت کا سلسلہ بھی جاری کیا، اللہ خوب ترقی عطا فرمائے آمین۔

جب میری فراغت ہوئی، تو حضرت کے مشورہ سے سورت تدریس کے لئے جانا ہوا، لیکن چند ہفتے کے بعد حضرت کے حکم سے یہاں سے الگ ہو گیا، اس سال دیوبند میں ہی حضرت کی نگرانی اور سرپرستی میں رہا، پھر جامعہ حسینیہ لال دروازہ جونپور میں تدریس کے لئے آ گیا، آج تک الحمد للہ یہیں اسی مدرسہ میں خدمت پر مامور ہوں، یہ سب حضرت کی نگرانی اور تربیت کا ثمرہ ہے، حضرت کو ہمارے گھر سے بہت زیادہ انسیت تھی، جب بھی حضرت کا ہمارے

علاقہ بھاگلپور کا سفر ہوتا تو میرے والد صاحب سے ملاقات کرنے کی کوشش فرماتے، جب ہم بھائیوں میں سے کوئی گھر پر ہوتا تو حضرت خود فون کر کے اطلاع فرماتے جب رات کا قیام کا نظام ہوتا، تو حضرت فرماتے، یہیں آرام کروں گا، اگر کوئی صاحب یہ کہتے کہ حضرت یہاں آرام فرمائیں گے، تو حضرت جواب دیتے یہ تو میرا گھر ہے، اپنا گھر چھوڑ کر کہاں آرام کروں گا، اگر حضرت کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی، بلا تکلف حکم فرماتے، جب ۲۰۱۶ء میں میرے والد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے، تو حضرت کی توجہات اور زیادہ ہونے لگی، سب بھائیوں کے بچے بچیوں کے بارے میں پوچھتے رہتے، بعض مرتبہ سال میں دو مرتبہ بھی گھر تشریف لاتے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت دو ماہ پہلے بھی یہاں تشریف لائے تھے، پھر ابھی تشریف لائے، تو حضرت نے فرمایا کہ یہ سب چھوٹے ہیں اور محبت کرتے ہیں، اگر چھوٹے محبت کرتے ہیں تو بڑوں کو چاہیے کہ حوصلہ افزائی کریں، حضرت کی کون کون سی شفقتیں بیان کروں یہ سب اب خواب بن کر رہ گیا، بس یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ حضرت استاذ کو کروٹ کروٹ سکون عطا فرمائے آمین۔

چند تابندہ نقوش

مولانا فریدالدین ابن قاری صالح صاحب مرحوم بھاگلپوری

حسنِ صوت

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو بہت سارے اوصاف وکمالات کے ساتھ ساتھ حسنِ صوت کی دولت سے بھی نوازا تھا، جب بھی حضرتؒ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے خواہ نماز میں ہوں یا نماز سے باہر اتنی بہترین انداز سے تلاوت فرماتے کہ دل چاہتا کہ حضرتؒ تلاوت کرتے جائیں اور احقر سنتا رہے۔

بیعت وارشاد

حضرت نوراللہ مرقدہٗ جہاں علمی اور دعوتی شعبے میں سرگرم تھے وہیں تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کے لئے امیر الہند عارف باللہ حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہٗ سے چاروں سلسلوں میں بیعت بھی تھے اور تھوڑے ہی وقت میں چاروں سلسلوں میں خلافت حاصل کی، بعد ازاں حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے بھی مشائخ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوے سلسلوں کی بہت خدمت کی، ضلع بھاگلپور اور دمکا میں کثیر تعداد میں مرد وعورت حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعت ہیں۔

محبوبیت اور مقبولیت

حضرت نوراللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے محبوبیت اور مقبولیت کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

حضرتؒ کی ایک ایک ادا سے محبوبیت ومقبولیت کی شان ظاہر ہوتی تھی، احقر اپنے بچپن سے ہی حضرت نوراللہ مرقدہٗ کو جب بھی دیکھتا اسے محسوس کرتا تھا، جب بھی زیارت ہوتی بے انتہا کشش حضرتؒ کی ذات میں محسوس ہوتی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کومحبوبیت ومقبولیت کا عظیم مقام عطا فرمایا تھا۔

اتباعِ سنت

حضرتؒ کا مزاج تھا کہ ہر کام سنت کے مطابق ہو، کوئی کام خلافِ سنت نہ ہو حتی کہ اپنے متعلقین کو بھی تاکید فرماتے، بارہا حضرتؒ نے احقر کی بھی تنبیہ فرمائی کہ یہ کام سنت کے خلاف کرتے ہو، کوشش کرو کہ کوئی کام خلافِ سنت یا خلافِ شرع نہ ہو، الحمدللہ بندہ اس پر عمل کرکے جب بھی حضرت نوراللہ مرقدہٗ کو بتاتا کہ حضرت اتنے یوم سے بفضلہٖ تعالیٰ کوئی کام خلافِ سنت نہیں ہوا، تو حضرتؒ بہت خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ نماز کے اندر سنت کا بہت اہتمام فرماتے تھے، ہر رکن کو سنت کے مطابق ادا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرتؒ ۲۰۱۸ء میں میرے گھر تشریف لائے تھے ظہر کی نماز کے وقت خود حضرتؒ نے احقر کو نماز پڑھانے کو کہا۔ احقر نے حکم کی تعمیل کی، دوسرے یوم ظہر کی نماز شہر چمپانگر ضلع بھاگلپور میں ادا کی، وہاں بھی احقر کو ہی امامت کا حکم ملا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے احقر کو بلایا پھر نماز کے ارکان کے متعلق بہت ہی پیار ومحبت سے فرمایا کہ عمر دراز شخص کا بھی خیال کیا جاتا ہے۔

نمازِ تہجد کا اہتمام

حضرتؒ کی نمازِ تہجد کبھی فوت نہیں ہوتی تھی سفر ہو یا حضر، خواہ پروگرام کی وجہ سے کتنی ہی تاخیر ہوگئی ہو تہجد کی نماز کا اہتمام فرماتے تھے۔ احقر کو بارہا حضرتؒ کے ساتھ سفر میں رہنے کا موقع ملا، خواہ سونے میں کتنی ہی تاخیر ہوجائے لیکن صبح اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتے تھے۔

تقویٰ اور تواضع

حضرت نوراللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا تھا، تقویٰ کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن کا شاہد خود احقر ہے۔

(۱) حضرتؒ جب دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم تھے اس موقع پر احقر حضرت نوراللہ مرقدہٗ سے ملنے دیوبند گیا تھا، حضرتؒ کے ساتھ ناشتہ کیا پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ دفتر جانے کا وقت ہو چکا ہے تم بھی ساتھ چلو، اکیلے کیا کروگے، میں بھی ساتھ چلا گیا دفتر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ایک منشی صاحب کچھ کاغذات لے کر آئے اور حضرتؒ اس پر دستخط کرنے لگے، اسی درمیان ایک طالبِ علم درخواست لے کر حاضر ہوا درخواست پڑھنے کے بعد حضرتؒ نے اس پر دستخط کرنے کے لئے اپنی جیب سے قلم نکالا اور جس قلم سے مدرسہ کے کاغذات پر دستخط کر رہے تھے اسے الگ رکھ دیا غالباً وہ مدرسہ کا قلم تھا اسی لئے ذاتی درخواست پر اس قلم سے دستخط نہیں کیا۔

(۲) جب حضرتؒ ۲۰۱۹ء میں ضلع پورنیہ تشریف لائے تھے، تو احقر بھی حضرتؒ سے اجازت طلب کر کے حاضرِ خدمت ہوا، جس وقت احقر حضرتؒ کی خدمت میں مصروف تھا اسی درمیان ایک شخص حضرتؒ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا، اس نے پوچھا کہ حضرت آپ مجھے پہچان رہے ہیں؟، حضرتؒ نے نام دریافت کیا تو انھوں نے اپنا نام محمود بتایا، فوراً حضرتؒ نے اس سے فرمایا کہ تم گھر سے دوبارہ دیوبند نہیں آئے تم نے جو پیسے جمع کروائے تھے اس میں سے کچھ باقی ہیں لے لو۔ (تقریباً سترہ سال قبل انھوں نے حضرتؒ کے پاس پیسے جمع کیے تھے)

اور تواضع کا عالم یہ تھا کہ کسی بھی جگہ بٹھا دیتے بلا تکلف بیٹھ جاتے۔ تواضع کے تعلق سے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) حضرتؒ شہر چمپانگر ضلع بھاگلپور تشریف لائے تھے احقر اور میرے برادرِ محترم مولانا بہاؤالدین صاحب نے حضرتؒ کو اپنے گھر تشریف لانے کی دعوت دی حضرتؒ رضامند ہوگئے، گھر کے قریب راستہ خراب ہونے کی وجہ سے بڑی گاڑی کا چلنا مشکل تھا اور پیدل کافی

وقت لگتا، اتنے میں ہمارے ایک رشتہ دار جناب نجم الہدیٰ صاحب وہاں پہنچ گئے جو موٹر سائیکل سے کہیں جارہے تھے، ان کو روک کر احقر نے حضرتؒ سے کہا کہ حضرت پیدل جانے میں کافی وقت لگ جائے گا یہ گاڑی ہے، ابھی اتنا ہی بول پایا تھا کہ فوراً حضرتؒ فرمانے لگے کہ کوئی دقت نہیں ہے اسی پر چلے جائیں گے اور اسی سے حضرتؒ گھر تک تشریف لائے۔

(۲) حضرتؒ جب بھی ہمارے علاقہ ضلع بھاگلپور تشریف لاتے تو جو شخص بھی حضرت نوراللہ مرقدہٗ سے کہتا کہ حضرت ہمارے گھر پر چل کر دعا فرمادیں تو بلا کسی تکلف کے راضی ہوجاتے اور خوشی سے اس کے گھر پر تشریف لے جاتے، بعض لوگ تو ہر کمرے میں علاحدہ علاحدہ دعا کراتے اور حضرتؒ بالکل بھی ناراضگی کا اظہار نہ فرماتے۔

کرامت

حضرتؒ صاحبِ کشف وکرامات اور صاحبِ تصرف شخصیت تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جب ۲۰۱۴ء میں حضرتؒ احقر کے گاؤں کوروڈیہ ضلع بھاگلپور تشریف لائے، تو حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے گاؤں میں ایک پروگرام رکھا، حضرتؒ کے دوپہر کے کھانے کا نظم میرے والدِ محترمؒ نے کیا تھا، تقریباً ۵۰/افراد کے کھانے کا نظم کیا، گیا یہ سوچ کر کہ حضرتؒ کے ساتھ خواص ہی تناول فرمائیں گے، کیونکہ عوام کے کھانے کا نظم حضرت مولانا قاسم صاحبؒ نے کر رکھا تھا، لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرتؒ کے ساتھ ۱۰۰/افراد سے زیادہ آگئے، حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے احقر کو اکیلے کمرے میں بلا کر دریافت کیا کہ کھانے کا کیا نظم ہے؟ احقر نے ساری تفصیل بتادی، حضرتؒ نے فرمایا کہ دسترخوان لگاؤ اور سب کو کھانا کھلاؤ، احقر نے پوچھا کہ حضرت آپ؟ فرمایا کہ میں تھوڑی دیر آرام کرتا ہوں بعد میں کھاؤں گا، حکم کی تعمیل کی گئی اور سب کو دسترخوان پر بٹھایا گیا، اسی پچاس افراد کے کھانے میں احقر کی گنتی کے حساب سے ۱۶۲/افراد نے کھانا تناول فرمایا، یہ دیکھ کر سارے گھر والے انگشت بدنداں رہ گئے، پھر آخر میں حضرتؒ کے ساتھ احقر، برادرِ محترم مولانا بہاؤالدین صاحب اور والد صاحبؒ نے کھانا تناول فرمایا۔

حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی شفقتیں

حضرتؒ سے احقر کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں جامعہ حسینیہ لال دروازہ جونپور یوپی میں حفظ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے کسی سفر سے واپسی پر مدرسہ میں قیام فرمایا تو میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مصلح الدین صاحب قاسمی جو اس مدرسہ کے مقبول ترین استاذ ہیں، مجھے لے کر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوے اور حضرتؒ سے فرمایا کہ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے ابھی حفظ شروع کیا ہے دعا فرمادیں، حضرتؒ نے بہت ساری دعاؤں سے نوازا۔

اسی وقت سے حضرتؒ سے تعلق ہے۔ ہر سال جب بھی حضرتؒ ضلع بھاگلپور تشریف لاتے اور احقر گھر پر موجود ہوتا تو ضرور ملاقات کا شرف حاصل کرتا تھا۔

اسی ضمن میں یہ واقعہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جب احقر جونپور سے جلالین شریف پڑھ کر دارالعلوم دیوبند داخلہ کے لئے گیا تو وہاں زیادہ قربت کا موقع فراہم ہوا، جب احقر کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں نہیں ہوا تو غم کی وجہ سے تعلیمی سلسہ منقطع کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا، لیکن حضرتؒ نے برادرِ محترم مولانا بہاؤالدین صاحب سے فرمایا کہ اسے بلاؤ اپنے پاس بٹھا کر روٹی کھلاؤں گا، احقر حکم کی تعمیل کرتے ہوے حضرتؒ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گیا، لقمہ کے داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ دل کے اندر ایک نور داخل ہو گیا ہو۔ پھر احقر نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ گرچہ داخلہ نہیں ہوا لیکن ایک سال آپ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں، حضرتؒ نے بخوشی رہنے کی اجازت دے دی، احقر وہیں رہ کر سماعت کرنے لگا اور بلا ناغہ حضرتؒ سے ملاقات کرنے جاتا تھا۔ ایک روز فرمانے لگے کہ فجر کی نماز کے بعد امیر الہند حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہٗ کے ذکر کی مجلس لگتی ہے اس میں روزانہ جایا کرو، اس روز سے بلا ناغہ حضرت فدائے ملتؒ کی مجلس میں شرکت کرنے لگا اور عصر کی نماز کے بعد حضرتؒ کے پاس جا کر بیٹھتا۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ میری بہت خاص نگرانی فرماتے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ احقر مسجد رشید میں اعتکاف میں تھا، حضرتؒ نے چاند رات فرمایا کہ

میرے گھر پر آ جانا، احقر نے وعدہ کرلیا، لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ مغرب کی نماز پڑھ کر کسی کام سے بازار چلا گیا، ذہن میں یہ خیال تھا کہ جلد واپس آ جاؤں گا لیکن آنے میں تاخیر ہوگئی، احقر جب حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت انتظار فرمارہے تھے، جب صبح ملنے گیا تو حضرتؒ نے پیار ومحبت سے فرمایا کہ جو وعدہ کرو اسے پورا کرنے کی کوشش کرو، تم تصوف سیکھ رہے ہو اس میں تصحیح نیت اصل ہے صرف علم رکھنے سے کچھ فائدہ نہیں، علم تو شیطان کے پاس بھی تھا پھر بھی وہ گمراہ ہوا۔ اس کے بعد حضرتؒ نے احقر کو اپنے سینے سے لگا کر بہت دعائیں دیں۔

حصولِ تعلیم کے بعد حضرتؒ کے مشورے سے جب ۲۰۰۵ء میں گجرات تدریس کے لئے گیا، تو کافی دور محسوس کرتا تھا (اب عادت سی بن گئی ہے،) احقر نے حضرتؒ سے فون پر کہا کہ حضرت گجرات بہت دور ہے تو حضرتؒ نے نصیحت فرمائی کہ کیا تمام صحابہ نے مکہ ومدینہ میں رہ کر کام کیا ہے؟ پھر جب دوسری مرتبہ حضرتؒ سے درخواست کی کہ قریب میں کوئی جگہ مل جاتی تو اچھا ہوتا، تو حضرتؒ نے ایک تاریخی جملہ کہا کہ دور رہ کر دل ملے وہ اچھا ہے یا قریب رہ کر دل نہ ملے وہ اچھا۔ اس کے بعد سے آج تک بحمد للہ احقر اسی مدرسہ میں مصروفِ خدمت ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ حضرتؒ ایک مرتبہ شعبان المعظم میں گھر پر تشریف لائے تھے، پھر شوال المکرّم میں برادرِ محترم مولانا مصلح الدین صاحب قاسمی نے اپنی لڑکی کا نکاح پڑھانے کے لئے دعوت دی، ہمارے گھر میں سبھی کا نکاح حضرتؒ نے ہی پڑھایا ہے، اسی موقع پر ایک صاحب نے حضرتؒ سے سوال کیا کہ آپ رمضان المبارک سے قبل بھی تشریف لائے تھے دو ماہ کے بعد پھر تشریف فرما ہوئے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی مجھ سے محبت کرتے ہیں اور جب چھوٹے محبت کریں تو بڑوں کو چاہیے کہ حوصلہ افزائی کریں۔ آہ حضرتؒ کی کون کون سی شفقت کو بیان کروں بس اب یہ سب ایک خواب بن کر رہ گئے ہیں۔

ہمارے مشفق ومربی اُستاذ محترم

مولانا حمید اللہ خادم جامعہ اسلامیہ عالم نگر برن پور ضلع پچھم بردوان، مغربی بنگال

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ خلیفہ ومجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا انتقال میرے بچپن میں ہوگیا تھا اور ہمارے پیر ومرشد فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی عادت تھی کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے خلفاء میں سے کسی کا انتقال ہوتا تو ان کے گھر تعزیت کے لئے ضرور تشریف لے جاتے، چنانچہ حضرت فدائے ملتؒ برن پور مغربی بنگال والد محترمؒ کی تعزیت کے لئے تشریف لائے اور میرے لئے حصول تعلیم کی غرض سے حضرت الاستاذ امیر الہند رابع مولانا سید قاری محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ استاذ حدیث ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند کی خدمت میں امروہہ جانا طے کر دیا؛ چنانچہ میں امروہہ آگیا پھر یہاں استاذِ محترمؒ نے بندہ کے ساتھ جس شفقت کا مظاہرہ فرمایا اور میری تعلیم وتربیت پر جو محنت وکدوکاوش کی وہ ناقابل فراموش ہے۔

حضرت امیر الہند رابع نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں

یہ حقیر کاشی وشوناتھ ایکسپریس سے تقریباً ۳؍بجے امروہہ اسٹیشن پہنچ کر حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہی نور اللہ مرقدہٗ کی مسجد، مسجد جھنڈا شہید پہنچ گیا۔ استاذِ محترم سے فجر کی نماز میں ملاقات ہوئی، نماز کے بعد اپنے ساتھ اپنے مکان پر لے آئے، ناشتہ کرایا اور استاذ محترم نے چائے پیتے ہوئے دو نصیحتیں فرمائیں: پہلی یہ کہ ہوٹل وغیرہ میں چائے نوشی نہیں کرنی

ہے، دوسری یہ کہ طلبہ کی دوستی سے دور رہنا ہے۔ اگر یہ منظور ہے تو یہاں مسجد میں رہنے کا انتظام کر دیتا ہوں، نہیں تو مدرسہ میں انتظام کر دوں گا۔ میں نے دونوں نصیحتوں پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ ۲/وقت مدرسہ سے کھانا لے لیا کرنا اور صبح نماز فجر کے بعد ناشتہ گھر سے لے جانا۔ چنانچہ فراغت تک صبح کی چائے ناشتہ ہمیں گھر سے ملتا رہا۔

مثالی تواضع

حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ کی تواضع کہیں یا مہمان رسولؐ کی خدمت، کبھی اگر ناشتہ کے لئے آنے میں دیر ہو جاتی تو ہمیں مسجد ہی میں ناشتہ دے کر مدرسہ چلے جاتے، استاذ محترم کے اس عمل پر ہمیں شرمندگی بھی ہوتی اور افسوس بھی ہوتا مگر طالب علمی کا زمانہ بہت ہی لاپرواہی اور غیر ذمہ داری کا ہوتا ہے کہ اکثر سستی ہو جاتی ہے۔ استاذ محترم کا اخلاق کریمانہ کہیے کہ برسات کے موسم میں اکثر ناشتہ دیتے ہوئے مدرسہ تشریف لے جاتے۔ ''آہ ایسا مہمان نواز وشفیق استاذ کہاں ملے گا۔'' استاذ محترم کے کن کن اوصاف وکمالات کو گنواؤں، مدرسہ کا کھانا مجھ کو راس نہیں آتا تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر بیمار رہتا۔ امروہہ شہر میں ڈاکٹر زاہد صاحب تھے، وہ استاذ محترم سے بے پناہ محبت کرتے تھے، وہاں میرا علاج مفت ہوتا اور پرہیزی کھانا مہینوں حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ کے گھر سے کھاتا۔

منصور پور میں میری ضیافت

حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ عیدالاضحیٰ یا مدرسہ کی چھٹی کے موقع پر اپنے آبائی وطن منصور پور جاتے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے، جب میں پہلی مرتبہ منصور پور پہنچا اور استاذ محترم کا وسیع وعریض دولت خانہ ولمبی چوڑی حویلی دیکھی تو حیران وششدر رہ گیا کہ آپ تو نواب خاندان اور بہت ہی اونچے لوگوں میں سے ہیں۔ اس کے باوجود مجھ ادنیٰ طالب علم پر نوازشات کی یہ بارش آپ کے اونچے مقام کی پہچان ہے۔ استاذ محترم کے تایا جناب نواب یحییٰ

صاحب اور آپ کے چھوٹے بھائی مولوی داؤد صاحب سے ملاقات ہوئی، ان دونوں کی محبت وشفقت مجھ کو بہت ملی، اس طرح چھوٹے ہونے کی وجہ سے گھر کے اندر جاتا تھا۔ وہاں بھی حضرت الاستاذ کی والدہ ماجدہ خوب کھلایا پلایا کرتی تھیں۔ منصور پور پہنچ کر یہ اندازہ ہوا کہ میں اپنے گھر میں آ گیا ہوں، استاذِ محترم کی شفقت سے ہمیں کبھی محسوس نہیں ہوا کہ ہمارے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا ہے اور میں یتیم ہوں مگر جب حضرت الاستاذ ہمارے درمیان نہیں ہیں، تو ایک اہم ترین مشفق مربی اور ایک مرشد و مصلح کی کمی کا احساس ہمہ وقت تڑپاتا ہے اور پریشان کرتا ہے۔ بقول شاعر

مضطرب قلب ہے آنکھوں سے ہیں آنسو جاری
آہ کیا آج دل زار کی حالت کہیے
ملک الموت نے پیغام قضا کس کو دیا
کیوں یہ برپا ہے زمانے میں قیامت کہیے
کس کی میت پہ ہے مخلوق خدا نوحہ گزار
ہے نہاں کون تہہ گوشۂ تربت کہیے

عظیم مربی

حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدۂ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود تعلیم وتربیت کی نگرانی بہت ہی سختی سے کرتے، چنانچہ جب آپ نے محسوس کیا میں عربی قواعد میں کمزور ہوں تو خارج وقت میں نحومیر، میزان الصرف و پنج گنج وغیرہ پڑھاتے اور القراءۃ الواضحہ آپ خود پڑھاتے تھے۔ اس لئے ان قواعد کا اجراء اس کتاب میں کراتے۔ جب بھائی عفان کی والدہ امروہہ سے دیوبند چلی جاتیں تو استاذ محترم فرماتے کل سے فجر کی نماز سے پہلے سبق لاکر سنا دینا۔ جب فجر کی نماز سے قبل جاتا تو فرماتے صبح اُٹھ کر تہجد پڑھ کر اللہ سے علم مانگا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ آپ فجر کی نماز سے قبل سبق سنانے کے بہانے ہمیں تہجد پڑھنے کی تربیت دینا چاہتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی روحانی فضا میں

جس سال میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے دورۂ حدیث شریف میں تعلیم حاصل کررہا تھا، اسی سال استاذ محترم بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، میں بھی امروہہ سے فراغت کے بعد گھر چلا گیا مگر گھر پر آپ کی محبت وشفقت ستانے لگی۔

بہت لگتا تھا جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے

میں نے حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہٗ کو خط لکھا کہ اگر اس حقیر کو دارالعلوم کی نسبت بلاواسطہ حاصل ہوجائے تو زہے نصیب! آپ نے دیوبند آنے کا اشارہ کردیا۔ میں آپ کے سایہ عاطفت میں دوبارہ پہنچ گیا۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کے مکان سے متصل محلّہ بیرون کوٹلہ میں آپ قیام پذیر تھے۔ میرا بھی داخلہ حضرت الاستاذ کی توجہ سے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف میں ہوگیا۔

پانچ ماہ میں حفظ قرآن کی تکمیل

سال کے اختتام پر جب سالانہ امتحان ہونے لگا تو سوچنے لگا کہ امتحان کے بعد گھر جانا پڑے گا اور حضرت الاستاذ کی شفقت سے محروم ہوجاؤں گا۔ چنانچہ میں نے استاذ محترم سے کہا کہ حضرت امتحان کے بعد میں سوچ رہا ہوں کہ قرآن حکیم آپ کے پاس حفظ کرلوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ دعاء فرمادیں گے تو بہت جلد حافظ ہوجاؤں گا۔ چنانچہ حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہٗ نے ہاں کہہ دیا، چنانچہ ۱۷رشعبان المعظم کو حضرت کے پاس حفظ شروع کردیا۔ حضرت نے اس کے بعد جو دعاء کی تو میری عجیب کیفیت بنی اور میرے حفظ قرآن کو اللہ نے آپ کی دعاء سے بہت آسان کردیا اور ۲۳رمحرالحرام کو میرا حفظ مکمل ہوگیا۔ حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہٗ کی شفقت کا اندازہ لگایئے کہ تمام تر مصروفیات کے باوجود عشاء کے بعد قرآن پاک کا سبق خود سنتے اور آموختہ وسبق پارہ سنانے کے لئے مدرسہ اصغریہ دیوبند کے ایک استاذ جو بیرون کوٹلہ

میں رہتے تھے، ان کے پاس بھیج دیا کرتے۔ کل پانچ ماہ چندایام میں قرآن حکیم مجھ جیسے غبی وکند ذہن طالب علم کے سینے میں آجانا یہ حضرت الاستاذ کی دعاء وتوجہ کا نتیجہ ہے اور میرے لئے آپ کی یہ کھلی ہوئی کرامت ہے۔

آپؒ کی کرامت

ہمارے بہار و بنگال میں یہ مشہور ہے کہ حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہٗ کے ہاتھ سے جن مساجد و مدارس کی بنیاد رکھی گئی اس کی تعمیر اللہ تعالیٰ بہت جلد پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ مشاہدہ و تجربہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے ایک پشاوری خلیفہ حضرت الحاج عبداللہ صاحبؒ برن پور پچھّم بردوان مغربی بنگال کا ہے اور میرا بھی ذاتی تجربہ یہی ہے ہمارے آبائی وطن (آرہ) بھوجپور بہار میں جو گاؤں ہے اس کے اطراف و جوانب میں شمع نیازی فرقہ کا ایک پیر آیا اور اس نے لوگوں کو مرید بنا کر ذکری نماز کی ترغیب دیتا اور کہتا کہ ہم نطفۂ ناپاک سے پیدا ہوئے ہیں اور مسجد خدا کا پاک گھر ہے، اس لئے ناپاک بدن کو پاک گھر میں لے جانا مسجد کی توہین ہے۔ لہٰذا ذکراللہ ہی سب سے بڑی عبادت ہے، اس لئے صرف پانچ وقت اللہ کا ذکر سر جھکا کر کھیت کھلیان، دکان، مکان میں کرلیا جائے۔ ایک وہ وقت آئے گا کہ ذکر کرتے کرتے آپ کا دل کہنے لگے گا۔ آپ پاک ہوگئے، تب پاک گھر میں جا کر نماز پڑھیں، اس سہولت پسند عقیدہ سے مسجدیں ویران ہوگئیں، میں نے حضرت الاستاذ سے اس کا تذکرہ کیا اور حضرت والا کا پروگرام لیا۔ جس گاؤں کی مسجد ویران تھی۔ حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہٗ تشریف لائے اور ایک مختصر پروگرام کیا اور دعا فرمائی اس کے بعد اس علاقہ میں عجیب تبدیلی آئی۔

حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہٗ اس کے بعد لگاتار ۳؍سال تشریف لائے پہلی مرتبہ جس گاؤں میں مسجد کی بنیاد رکھی وہ مسجد صالحین محلّہ چھلوس دوسرے سال جو مسجد کی بنیاد رکھی وہ مسجد عثمان قاضی چک، تیسرے سال جو مسجد کی بنیاد رکھی وہ مسجد بلال نارائن پور۔ الحمدللہ! تینوں مسجدیں حضرت مولانا سید ارشد احمد عبدالقادر میر مہتمم مدرسہ فیض سبحانی راجہ واڑی سورت کے

تعاون سے بہت جلد مکمل ہوگئی۔

حضرت الاستاذؒ کے سامنے قادیانیوں کا تائب ہونا

حضرت الاستاذؒ جب پہلی مرتبہ شہر آراہ تشریف لائے تو مولانا بہاء الدین صاحب نقشبندی بخاری امام جامع مسجد آرہ بہار کے دولت کدہ پر چائے نوشی کے وقت فرمایا کہ آپ کے شہر میں قادیانی بھی ہیں اور کافی محنت کر رہے ہیں۔ جب کہ بخاری صاحب نے انکار کیا کہ ایسا تو کچھ محسوس نہیں ہوتا تو حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدۂ نے فرمایا۔ آئندہ جب میرا پروگرام اس علاقہ کا بنے تو دن میں دیہات کا پروگرام ہوجائے اور رات میں تحفظ ختم نبوت پر شاہی جامع مسجد آرہ میں ایک پورگرام کرلیا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت الاستاذ کے ۳؍سال لگاتار شہر آرہ میں تحفظ ختم نبوت کے عنوان پر پروگرام ہوئے، جب تیسرے سال شہر آرہ میں پروگرام کے پوسٹر چسپاں کئے گئے تو معلوم ہوا کہ ایک ہی خاندان کے کچھ لوگ قادیانی ہوگئے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمارے قادیانی امام ومبلغ سے جو مولانا دیوبند سے آرہے ہیں، ان سے بحث کرادیجیے اگر دیوبند والے غالب آجائیں گے ہم توبہ کرلیں گے ورنہ ہم قادیانی رہیں گے۔ چنانچہ ڈاکٹر انور صاحب ملکی محلّہ کے مکان پر حضرت الاستاذ کی اور قادیانی مبلغ وامام کی گفتگو شروع ہوئی۔ الحمدللہ! حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدۂ کے سامنے وہ قادیانی مبلغ وامام لاجواب ہوگئے اور وہ مسلمان خاندان جو قادیانی ہوگیا تھا وہ بھی تائب ہوکر مسلمان ہوگیا۔ حضرت کا آرہ شہر کا یہی آخری سفر تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدۂ اور ان کے والدین اور خاندان کے تمام مرحومین کو غریق رحمت کرے اور جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین ع

آسماں تری لحد پہ شبنم افشانی کرے

ہمیں ہے خاک نشینوں کا مرتبہ معلوم

کہ ان کے قدموں کی برکت نے دی ہے غم سے نجات

❍❖❍

حضرت امیر الہندؒ کا جامعہ ڈابھیل سے تعلق

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (حافظ جی) بارڈولی
استاذ تفسیر وحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين، سيدنا ونبينا وشفيعنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

''کورونا'' کے ایام میں امت محمدیہ جن بہت سارے علماء اور بزرگانِ دین کے علوم و فیوض سے محروم ہوگئی ہے ان ہی میں سے ایک جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم، دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث و معاون مہتمم، امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہ کی ذاتِ گرامی بھی ہے، حضرت مرحوم بہت ہی نیک، با اخلاق، بڑے ذہین اور ملت کا درد رکھنے والے اکابر علماء میں سے تھے۔

حضرت مرحوم کو دارالعلوم ثانی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سے بھی بڑا گہرا ربط اور تعلق تھا، ۱۳۹۱ء، مطابق: ۱۹۷۱ء کے رمضان میں جامعہ میں خانقاہی نظام قائم ہوا، اس کے دوسرے سال ۱۳۹۲ھ، مطابق: ۱۹۷۲ء میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے یہاں رمضان میں اعتکاف (بشکل خانقاہ) فرمایا تھا، اس وقت قاری عثمان صاحبؒ بھی یہاں مقیم رہے اور باجماعت صلاۃ اللیل (تہجد) میں قرآن مجید بہت ہی عمدہ تجوید کی رعایت کے ساتھ سناتے تھے۔

دینی وعلمی کاموں کے لئے مثالی تعاون

جس زمانے میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک کی مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ جامعہ میں فرق باطلہ کے سلسلے میں با قاعدہ ایک شعبے کو قائم کر کے کام جاری کیا جائے، اگر چہ فرق باطلہ کی اصلاح وتردید کا کام جامعہ میں روز اول ہی سے کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا ہے؛ لیکن ماضی قریب میں جب جامعہ کی شوریٰ کے معزز رکن فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب کی فکروں سے یہ کام با قاعدہ شروع ہوا اور اس کے لئے مستقل ایک شعبہ کا قیام عمل میں آیا جس کا نام آج ''شعبہ تحفظ شریعت'' ہے۔

خیر! اس وقت مذاکرہ ہوا کہ اس وقت یہ کام کس طرح کیا جائے؟ اس کی ترتیب کیا ہو گی؟ اس سلسلے میں جامعہ سے برادرِ مکرم حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی مدظلہ اور بندے نے دار العلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا با قاعدہ سفر کیا اور وہاں یہ کام کس نوعیت سے ہوتا ہے؟ اس کو دیکھا گیا، اس سلسلے میں اکابرین سے ملاقاتیں ہوئیں، دار العلوم دیوبند میں میرے مشفق استاذ شیخ الحدیث حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نور اللہ مرقدہ کے مکان پر مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری مدظلہ کی حاضری میں ایک مذاکراتی مجلس ہوئی، جس میں حضرت مفتی صاحبؒ نے بہت اہم اور ضروری باتیں بتلائیں، پھر حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ سے بھی مذاکرے ہوئے، حضرت نے بھرپور رہنمائی فرمائی، بہت ہی اچھا تعاون فرمانے کے ساتھ خوب حوصلہ افزائی فرمائی، دعاؤں سے نوازا اور کام کے اہم رہنما اصول اور خطوط سے ہم کو نوازا، خاص طور پر کچھ نایاب کتابیں جن کے عکس (xerox) کی ضرورت تھی وہ دار العلوم دیوبند کے کتب خانے سے حاصل کرنے میں حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کا ہر طرح کا تعاون حاصل رہا، فرق باطلہ کے سلسلے میں بہت ساری اہم اور نایاب کتابوں کی رہنمائی بھی فرمائی اور اس کی زیروکس بھی دار العلوم سے کیسے حاصل کی جائے؟ اس کا طریقہ بھی بتلایا اور اس سلسلے میں خود حضرت قاری صاحب نے دار العلوم دیوبند کے دفتر میں بیٹھ کر مجھ سے

درخواست لکھوائی اور پھران کی زیراکس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے لئے فراہم کرنے میں بھرپور مدد فرمائی۔

تحفظ شریعت کے کام کے لئے حوصلہ افزائی

الحمدللہ! فرقۂ باطلہ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ مختلف کتابوں کی فراہمی کی گئی، اگر چہ جامعہ کے کتب خانے میں دورِ قدیم سے ایک الماری مختلف فرقوں کی کتابوں کے متعلق تھی، مگر جب باقاعدہ شعبہ کا قیام عمل میں آیا تو بہت ساری کتابیں حاصل کی گئیں، پھر باقاعدہ اس شعبے کے اجرا وافتتاح کا پروگرام بنا، اس کے لئے ۱۴۲۰ھ، مطابق: ۱۹۹۹ء میں حضرت قاری سید عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہ کی خدمت عالی میں درخواست پیش کی گئی، حضرت قاری صاحب نے یہ درخواست منظور فرمائی، پروگرام کی ترتیب کچھ ایسی رکھی گئی کہ دیگر اکابرین ملت بھی اس موقع پر موجود ہوں، جامعہ میں مجلس شوریٰ کی نشست ہونا طے پائی، اسی موقع سے ''شعبہ تحفظ شریعت''، جس کا اول نام ''شعبہ ردفرق باطلہ'' تھا اس کا باقاعدہ اجراء عمل میں آنا طے پایا، حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ بہت ہی شفقت فرما کر سخت سردی کے موسم میں سفر بامشقت فرما کر ڈابھیل تشریف لائے اور جامعہ کے کتب خانے میں بیٹھ کر اولاً بندے کو ختم نبوت کے سلسلے میں طلبہ کو کیسے تیاری کرائی جائے؟ کیسے محاضرات پیش کیے جائیں؟ کیسے مواد فراہم کیا جائے، اس کے لئے بہت ہی اچھی رہنمائی فرمائی؛ بلکہ تدریب فرمائی۔

اس موقع پر بندے نے مرزا قادیانی کی سوانح کے سلسلے میں کچھ باتیں مرتب کی تھیں؛ اس لئے کہ مرزا کی سوانح ہی میں پیدائش سے لے کر وفات تک بہت سی متضاد باتیں ہیں اور وہی ''کذب مرزا'' کے لئے بہت بڑی کافی وشافی دلیل ہے تو اس سلسلے میں کچھ مواد مختلف کتابوں کے مطالعے سے بندے نے اپنی کاپی میں جمع کیا تھا وہ کاپی جب حضرت کے سامنے پیش کی تو انھوں نے بغور مطالعہ فرمایا، کہیں کہیں اپنے قلم سے اصلاح فرمائی اور اس کے بعد بہت حوصلہ افزائی اور دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے کہ آپ نے اچھا خاصا اور زائد مواد ماشاء اللہ! جمع کیا ہے

اور یہ حضرت کی تواضعِ کامل تھی کہ آپ کے ردقادیانیت کے موضوع پر علمی محاضرات جومقبول ہیں، لوگ اس سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں، اس سے بھی بندہ نے استفادہ کیا تھا؛ لیکن مرزا کے سوانحی خاکے کی جو باتیں بندہ نے اپنی کاپی میں لکھی تھیں، اس کے متعلق حضرت قاری صاحب مرحوم نے خردنوازی تواضع اور حوصلہ افزائی کے طور پر یہ جملہ ارشادفرمایا کہ: مرزا کی سوانح کے بارے میں میرے محاضرات کے مقابلے میں آپ نے کچھ زائد باتیں جمع کر لی ہیں اور وہ مفید بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حوصلہ افزائی اور خردنوازی کا بہترین بدلہ آخرت میں عطا فرمائے، آمین۔

معاملات میں دیانت کی عجیب مثال

حضرت قاری صاحبؒ کا وہ سفر حضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہ کے ساتھ ہوا تھا اور یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ حضرت مولانا بایزید محمود پانڈورصاحبؒ (خلیفہ: حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ) جو دیوبند یا دہلی سے واپس وطن اصلی ''سملک'' تشریف لارہے تھے، وہ بھی ساتھ میں تھے، جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب کے ساتھ صبح صبح ''اگست کرانتی راجدھانی ایکسپریس'' پر استقبال کے لئے سورت ریلوے اسٹیشن پر حاضری ہوئی، ٹرین سے اتر کر حضرت فدائے ملت اور حضرت مولانا بایزید پانڈورؒ نے اسٹیشن پر فجر کی نماز باجماعت ادا فرمائی، پھر ڈابھیل تشریف لائے، دوپہر کے بعد تنہائی میں بندہ نے ضابطہ سے عرض کیا، ایک کاغذ بندے نے حضرت قاری صاحب کی خدمت میں پیش کیا کہ حضرت! سفر خرچ نوٹ فرمادیں، حضرت نے نورانی اور مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ ارشادفرمایا کہ:

میں تو حضرت مولانا (سید اسعد مدنی صاحبؒ) کے ساتھ آیا ہوں اور مولانا کے ساتھ سفر میں ایک آدمی کی گنجائش ہوتی ہے، حضرت فدائے ملت کے لئے ''راجیہ سبھا'' کی ممبری کی وجہ سے اس وقت ٹکٹ کے مصارف نہیں ہوتے تھے اور ساتھ میں ایک آدمی کا ٹکٹ بھی فری ہوتا تھا، پھر جب میں نے بہت اصرار کیا تو بہت معمولی غالباً دیوبند سے دلی کا جو عام کرایہ ہوتا ہے

وہی پرچی پر لکھا اور وہ پرچی میرے حوالے فرمادی، میں بے انتہا حیران رہ گیا اور اب تک اس دیانت داری اور اس تقویٰ کے پاکیزہ نقوش ذہن پر کندہ ہیں اور اس سے خود مجھے بھی اپنی زندگی کے لئے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔

آج کل بہت سے مقررین و واعظ حضرات جلسوں اور پروگراموں میں مدعو کیے جاتے ہیں تو ان کے مصارفِ سفر، دیگر اخراجات، واپسی میں ہدیہ، تحفہ کے عنوان سے لفافہ اور دیگر خریداری اور متعلقہ ادارے کے لئے چندے کی داغ بیل، یہ سب ایسے پریشان کن عنوانات ہو گئے ہیں کہ میزبانوں کے لئے ایک مستقل دردِ سر بن جاتے ہیں؛ بلکہ بہت سے میزبانوں کو پہلے سے سوچنا پڑتا ہے کہ ان صاحب کو بلایا جائے گا تو کتنا خرچ ہوگا؟ وہ خرچ ہم کیسے جمع کریں؟ اور آئندہ بھی جو ان کی طرف سے چندے کے تقاضے وغیرہ کے سلسلے جاری ہوں گے، وہ کیسے پورے کر پائیں گے، جس کی وجہ سے اس ذی علم کی ذات سے اور ان کے علمی فیضان سے بہت سے علاقے محروم ہو رہے ہیں، سبحان اللہ! حضرت قاری صاحبؒ کی یہ سادگی، یہ دیانت داری واقعی مجھ جیسے کے لئے بڑی قابل تقلید اور ایک اہم نمونہ ہے۔

محرم ۱۴۳۷ھ مطابق: نومبر ۲۰۱۵ء کو
جامعہ ڈابھیل کا باقاعدہ آخری سفر
اور اس موقع پر ایک اہم بیان کا اقتباس

اس اجلاس کی اختتامی مجلس میں گجرات واطراف، مہاراشٹر وغیرہ سے آئے ہوئے علماء کے ایک عظیم مجمع کو حضرت نے مختصر؛ مگر جامع نصیحت فرمائی، اس میں مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث:

یحمل هٰذا العلم من کل خلف عدوله، ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین.

ترجمہ: اس علم کو ہر زمانے کے قابل اعتماد آگے لے کر جائیں گے، یہ لوگ اس علم سے

وہ تمام تحریفات جوان لوگوں نے کی جو اپنی حد پار کر گئے؛ یعنی کذابوں کے جھوٹ اور جاہل لوگوں کی غلط تشریحات کو خارج کر دیں گے۔

کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ: کیا بس اس وقت ہمارا یہی کام ہے کہ جا بجا صرف مدرسے کھولتے بیٹھیں، چندہ کرتے پھریں، (بےضرورت ہی سہی) فتنوں کا مقابلہ، باطل فرقوں کی اصلاح، احقاقِ حق، اصلاح باطل، دین وشریعت میں غلط تاویل کرنے والوں کی تاویلاتِ فاسدہ سے دین اور شریعت کی حفاظت اور مقدس پاکیزہ شریعت کو اصلی شکل میں آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی عظیم خدمت آج کے دور میں علماء کرام کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ہیں۔

سادگی، تواضع، عجز وانکساری، دین وملت کا عجیب وغریب فکر، کڑھن اور درد

حضرت قاری سید محمد عثمان صاحبؒ کو دار العلوم دیوبند میں ''ختم نبوت'' کے عنوان کی مجلسوں میں سننے اور دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، جامعہ ڈابھیل میں جب بھی تشریف لائے تب بھی بہت قریب سے ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، جمعیۃ علماء ہند کے مختلف اجلاس میں اور جمعیۃ کی ''مباحث فقہیہ'' کے اجلاس میں حضرت کو قریب سے سننے کا موقع بھی ملا، ہر مرتبہ بہت ہی سادگی سے، بہت کڑھن اور فکر کے ساتھ وقت کی اہم ضرورتوں اور نزاکتوں کی طرف رہبری اور رہنمائی کرتے ہوئے پایا، سادہ، مختصر، مگر درد بھرے الفاظ میں ہر مرتبہ بڑی رہنمائی اور حالات میں کس طرح کام کیا جائے اس کا ایک لائحہ عمل ملا۔

کھانے پینے میں نہایت سادہ

ڈابھیل میں مختلف پروگراموں کی نسبت سے ۳؍۲ مرتبہ جب بھی تشریف آوری ہوئی ہر مرتبہ دوروزہ یا تین روزہ قیام رہا، تو جیسے کہ اس علاقے کے لوگوں کی عادت ہے، حضرت مہتمم صاحب کے مکان پر اور دوسری جگہ دعوتوں میں پرتکلف انواع واقسام کے کھانے جب دستر

خوان پر ہوتے تو حضرت قاری صاحبؒ تمام چیزوں کو نظر کر کے سادہ سے سادہ کھانا تلاش کر کے اسے تناول فرماتے، بندے نے دستر خوان پر عرض بھی کیا، بعض کھانے کے اقسام کی تعریف، اس کے فوائد، لذت بھی بیان کی، لیکن ہنستے ہوے چہرہ سے ارشاد فرمایا: مجھے سبزی اور سادہ کھانا زیادہ موافق ہے، دوسری چیزیں بھی کھالیتا ہوں اور یہ بھی فرماتے کہ: کھانے میں اس قدر محنت اور تکلف کے بجائے کچھ سادی سیدھی چیزیں بن جائیں تو میرے لئے زیادہ راحت اور فائدے کا ذریعہ ہے، ماشاءاللہ! ان جملوں سے میز بانوں کی الجھن کتنی کم ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ ہر میز بان مہمان کے لئے پر تکلف کھانے کی فکر کرتا ہے؛ لیکن اللہ کے نیک بندوں کے ایسے سیدھے سادے جملوں کی وجہ سے میز بانوں کے لئے بھی بہت سہولت اور آسانی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کو غریقِ رحمت فرمائے۔ (آمین)

۲۲ر محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۵ر نومبر ۲۰۱۵ء بروز جمعرات دوروزہ تربیتی کیمپ بر عنوان ''تحفظ ختم نبوت'' حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری کی صدارت میں منعقد ہوا۔

حیوانِ کاتب بنیں

قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ نے ایک موقع پر فرمایا: کہ کام تو بہت ہوا، بہت ہو رہا ہے؛ لیکن ہم ''حیوانِ ناطق'' تو ہیں، اب ضرورت ہے کہ ہم حیوان کاتب بھی بنیں۔

یعنی تحفظ شریعت کے جو دینی کام ہو رہے ہیں، اس کو لکھا جاوے، مرکزی دفتر اور دوسرے حضرات کو بھیجا جاوے؛ تاکہ دوسرے حضرات بھی آپ کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

یہاں حضرت قاری صاحب کا ایک مکتوبِ گرامی پیش کیا جاتا ہے؛ جو انھوں نے جامعہ ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ دامت برکاتہم کے بھائی اور نائب مہتمم قاری عبد الرحمٰن بزرگ کے نام ارسال فرمایا تھا۔

مکتوب گرامی

باسمہ تعالیٰ

محترمی ومکرمی جناب مولانا قاری عبدالرحمٰن بزرگ صاحب زیدمجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کی ڈاک سے گرامی نامہ موصول ہوا، اس سے پہلے محترم جناب مولانا احمد بزرگ صاحب زیدمجدکم کا مکتوب گرامی مع دیگر رپورٹوں کے موصول ہو چکا ہے، نیز مولانا محمد اسحاق چانگوی کی مرسلہ رپورٹ مل گئی ہے، ان تمام خطوط سے جو احوال معلوم ہوئے، ان کو منقح کر کے تین الگ عنوانات پر رپورٹیں تیار کی گئی ہیں؛ چنانچہ ضلع آنند وکھیڑا کی مجلس تحفظ ختم نبوت کی تشکیل کی رپورٹ ''آئینہ دارالعلوم'' کے شمارہ ۱۵ر تا ۳۰ر جولائی ۲۰۰۰ء میں شائع ہوگئی ہے اور جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں ''شعبہ ردِّ فرق باطلہ'' کا قیام اور تربیتی کیمپ کی رپورٹ، نیز آنند میں قادیانیوں کی ذلت ورسوائی کی رپورٹ ''آئینہ دارالعلوم'' کے شمارہ یکم اگست تا ۱۵ر اگست ۲۰۰۰ء میں شائع ہوگی۔

یہ معلوم ہوکر بہت خوشی ہوئی کہ جامعہ کی جانب سے گجراتی زبان میں پمفلٹوں کی ترتیب واشاعت ومفت تقسیم کا سلسلہ شروع ہوگیا جن کے چار نمونے آنجناب نے ارسال فرمائے ہیں، یہ سلسلہ بہت مفید رہے گا ان شاءاللہ۔

''ردقادیانیت'' پر دارالعلوم دیوبند سے شائع شدہ تمام کتابوں کے دوسیٹ آنجناب نے طلب فرمائے ہیں، ان کی عام قیمت فی سیٹ ۶۸۰ر بنتی ہے، پچاس فی صد رعایت کے ساتھ ۴۳۰ر میں بذیعہ ''وی پی'' روانہ کی جاسکتی ہیں، بازار میں ردقادیانیت کی جو کتابیں دستیاب ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) قادیانیت شکن (۲) گستاخِ رسول کی (۳) احتساب قادیانیت (۴) قادیان سے اسرائیل تک (۵) علاماتِ قیامت اورنزول مسیح (۶) عقیدہ الامۃ فی معنی آیت ختم النبوۃ

(۷) قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ (۸) قادیانیت (تحلیل وتجزیہ) (۹) محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک (۱۰) مرزا قادیانی کے بیس جھوٹ (۱۱) لاجواب کیجیے (۱۲) ازالۂ تلبیسات (۱۳) عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام

ان کے علاوہ پاکستان کی مطبوعات (ردقادیانیت پر) کتب خانہ نعیمیہ وغیرہ میں مل جاتی ہیں۔

والسلام
محمد عثمان
۱۱/۵/۱۴۲۱ھ

یہ چند اہم باتیں جو اس وقت ذہن میں آئیں ان کو سپرد قلم کیا گیا، اکابرین کی ان باتوں کو لکھنے اور عام کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں جس قدر ہو سکے اس کو ہم اپنی زندگی میں اپنائیں اور اپنے لئے لائحہ عمل بنائیں۔ آخر میں باری تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی زندگی بھر کی حسنات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماوے، دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کو حضرت والا کا نعم البدل یا سواء البدل اپنے خزانۂ غیب سے عطا فرمائے۔ آمین

گلستانِ زندگی کے چند خوشبودار پھول

مولانا محمد عرفان قاسمی بہرائچی مبلغ دارالعلوم دیوبند

امیر الہندؒ ایک ولی کامل کی نظر میں

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ فرشتہ صفت انسان تھے، تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی ان کی روحانی غذا تھی، تعلیم وتدریس وعظ وتبلیغ، بیعت وارشاد، پڑھنا پڑھانا، چلنا پھرنا صرف اور صرف خدا کی رضا کے لئے تھا۔ دولت، عزت، شہرت، اقتدار سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔

۱۹۹۴ء کی بات ہے راجستھان کے شہر جودھپور میں اصلاحِ معاشرہ کے عنوان سے ایک عظیم الشان اجلاس کا انعقاد کیا گیا، جس میں حضرت قاری صاحب باندویؒ کو مدعو کیا گیا اور دارالعلوم دیوبند سے حضرت امیر الہند قاری صاحبؒ اور راقم السطور کو دعوت دی گئی، اسٹیج پر حضرت باندویؒ سے ملاقات ہوئی، سلام وکلام کے بعد حضرت باندویؒ نے امیر الہندؒ سے فرمایا: کہ ''قاری صاحب! میں آپ سے خدا کے واسطے محبت کرتا ہوں؛ کیوں کہ آپ کی تحفظ ختم نبوت کی محنت کی وجہ سے بہت سارے مسلمان ارتدادی فتنہ سے محفوظ ہو رہے ہیں اور میں آپ کے بیٹے مفتی محمد سلمان سے بھی محبت کرتا ہوں''۔ اس پر امیر الہند قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت وہاں بھی محبت کیجئے گا۔ اس پر حضرت باندویؒ نے جواباً حضرت امیر الہند قاری صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''ضرور ان شاء اللہ!''

اس سفر میں داعی حضرات نے حضرت امیر الہند قاری صاحبؒ کے ہمراہ ایک ہی کمرہ میں ہمارے قیام کا بھی نظم کر دیا سچ پوچھو تو ہم کو ساری رات بے چینی الجھن رہی، بستر پر الٹتا پلٹتا رہا، مگر اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ابھی ایک بجے رات میں پروگرام سے فارغ ہو کر آنے والا ڈھائی بجے رات میں مصلے پر عبادت کے لئے سوار ہے ان کی برکت سے اس گنہگار کو بھی چند رکعات نماز پڑھنے کی توفیق ملی۔ اللہ قبول و منظور فرمائے آمین۔

خلوص کا لفظ آج کی فلوس والی دنیا میں اجنبی سا لگنے لگا ہے۔ مگر امیر الہند قاری صاحبؒ کے ساتھ سفر وحضر میں اس کی گرمی محسوس ہو جاتی تھی۔

امیر الہند اور نیک کاموں کی حرص

اسی سال رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کے پہلے عشرہ میں دارالعلوم دیوبند کے دفتر محاسبی کے انچارج جناب نیر عثمانی صاحب کے پاس میرا ذاتی کام کے لئے جانا ہوا، دورانِ گفتگو اُنہوں نے سوال کیا کہ مولانا صاحب یہ بتلایئے کہ:

> ''میں حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کو دیکھتا ہوں کہ وہ میت کی نماز جنازہ میں شریک ہو کر جنازہ کے ساتھ قبرستان پابندی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں اور تدفین کے بعد قبرستان سے واپس آتے ہیں۔ بعض دفعہ سخت دھوپ و بارش کی بوندا باندی کی وجہ سے چھاتہ بھی ساتھ لے جاتے ہیں، آخر وہ اتنا اہتمام کیوں کرتے ہیں''؟

میں نے جواب دیا کہ: ''دیکھو ویسے تو حرص بری چیز ہے، خواہ مال کی حرص، دنیا کی حرص، شہرت کی حرص مت کرو، اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے؛ دنیوی معاملات میں قناعت اختیار کرنے کا حکم ہے؛ لیکن دین کے کاموں میں، اچھے اعمال میں، عبادات میں حرص کرنا اچھی چیز ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرَاتِ﴾ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

ایک مرتبہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس گئے تو انھوں نے ان کو یہ حدیث سنائی، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی نماز جنازہ میں شریک ہوتو اس کو ایک قیراط اجر ملتا ہے، اور اگر اس کے دفن میں بھی شریک رہے تو اس کو دو قیراط ملتے ہیں'' قیراط اس زمانہ میں سونے کا ایک مخصوص وزن ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے کے لئے قیراط کا لفظ بیان فرمایا۔ پھر خود ہی فرمایا: کہ آخرت کا وہ قیراط اُحد پہاڑ سے بڑا ہوگا۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے سنی تو فرمایا: افسوس! ہم نے اب تک بہت سے قیراط ضائع کردیے۔ اگر پہلے سے یہ حدیث سنی ہوتی تو ایسے مواقع کبھی ضائع نہ کرتے۔ (بخاری)

میں نے اس حدیث شریف کی روشنی میں نیر عثمانی صاحب اور دفتر محاسبی کے لوگوں سے عرض کیا کہ بھائی حضرت قاری صاحبؒ کو معلوم ہے اس لئے وہ خوب خوب نیکیاں جمع کررہے ہیں۔ جناب نیر عثمانی صاحب نے کہا کہ آج پوری بات معلوم ہوئی۔ میں سوچتا تھا کہ حضرت قاری صاحبؒ نمازِ جنازہ وتدفین میں شرکت کا اس قدر اہتمام کیوں کرتے ہیں۔ اس گفتگو کے ایک ماہ بعد ہی حضرت قاری صاحبؒ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آخرت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین

قادیانیت ''احمدیت'' اور امیر الہند

ہندستان کی تقسیم کے بعد قادیانیوں نے اپنا مرکز پڑوس ملک میں بنالیا تھا، مگر وہاں کے علماء حق اور عقیدۂ ختم نبوت کے دیوانوں نے جب ان کا قافیہ اور مذہبی جغرافیہ تنگ کردیا تو مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کا چوتھا خلیفہ مرزا طاہر وہاں سے بھاگ کر لندن میں جاکر اپنے پرانے آقا کے پاس پناہ گزیں ہوگیا۔ پھر وہیں سے دوبارہ اس نے ہندوستان میں اپنی مذہبی سرگرمی شروع کردی۔ اللہ تعالیٰ بہت بہت بے حد وبے حساب جزائے خیر عطا فرمائے دارالعلوم دیوبند کے اربابِ حل وعقد حضرات اراکین مجلس شوریٰ اور انتظامیہ کو کہ انھوں نے

بروقت اس ارتدادی فتنہ کے خلاف نوٹس لیتے ہوے ۱۹۸۶ء میں باضابطہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کے نام سے ایک اہم شعبہ قائم کرکے فتنۂ قادیانیت کا تعاقب شروع کردیا اور اس اہم شعبہ کی نظامت حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ کے سپرد کی گئی۔ حضرت قاری صاحبؒ کی نظامت میں اس شعبہ کے تحت ۱۹۸۶ء تا ۲۰۱۷ء شائع شدہ پورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر سے لے کر کیرالا تک اور مہاراشٹر سے لے کر آسام تک تقریباً ۱۲۱/ردِ قادیانیت کے موضوع پر تربیتی کیمپ لگائے گئے جس میں مقامی علماء کرام مدارس وجامعات کے ذمہ داران اور دیندار حضرات نے بڑی تعداد میں تربیتی کیمپوں میں شرکت کرکے قادیانیت کے مالہ وماعلیہ کی تفصیلی معلومات حاصل کی۔

اور مختلف صوبوں اور اضلاح میں تقریباً پندرہ مقامات پر قادیانیوں سے اہم تاریخی مناظرہ ہوے جن میں علماء اسلام کو فتح مبین حاصل ہوئی اور قادیانی مبلغین کی ذلت آمیز شکست فاش ہوئی اور قادیانیت سے متاثر افراد نے بڑی تعداد میں مناظرہ گاہ میں مذہبِ قادیانیت سے تائب ہوکر دین اسلام قبول کیا۔ الحمدللہ اور اسی دوران ملک میں عقیدۂ تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے تقریباً دوسو چوہتّر (۲۷۴) عظیم الشان اجلاسِ عام منعقد ہوے۔

پہلا مناظرہ خامنی متھرا ۱۵/اپریل ۱۹۹۲ء میں ہوا

مبارک حامیانہ حق کو متھرا کی ظفر مندی

کہ جس سے ہوگئی مرزائیوں کی ناطقہ بندی

رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ خامنی متھرا مناظرہ کی تیاری کے لئے نماز تراویح کے بعد کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند میں بزعم خود سلطان القلم کہلانے والے لعین قادیان مرزا غلام احمد قادیانی علیہ اللعنۃ الیٰ یوم القیامۃ کی تصانیف سے ضروری عبارات وحوالہ جات نقل کرنے کے لئے جانا ہوتا تھا اور حضرت قاری صاحبؒ بھی پابندی کے ساتھ نماز تراویح کے بعد دفتر تشریف لا کر انتہائی انہماک ویکسوئی کے ساتھ مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔

قطبی پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا

سوال: ایک دن نماز تراویح کے بعد جب دفتر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت میں حاضری ہوئی تو میں نے حضرت قاریؒ سے عرض کیا کہ حضرت والا لوگ تو رمضان المبارک کی ان پرُنور راتوں میں نفلی عبادت کر کے فرض کے برابر ثواب حاصل کر رہے ہیں۔ مگر ہم لوگ قادیان کے دہقان کی ہفوات وبکواس جمع کرنے میں لگے ہوے ہیں۔ اس میں تو ہم لوگوں کا نقصان معلوم ہوتا ہے۔

جواب: ارشاد فرمایا: بھائی ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ قطبی (منطق) کا درس دے رہے تھے، دورانِ درس ایک صاحب نے عرض کیا کہ میری والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا ہے، ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ہاتھ اٹھایا اور دعا شروع کر دی کہ یا اللہ ہم جو یہ سبق پڑھ رہے ہیں اس کا ثواب ان کو پہنچا دے وہ صاحب بڑے حیران ہوے کہ قطبی کا بھی ایصال ثواب ہوتا ہے؟ قرآن شریف یا حدیث شریف پڑھ کر ایصال ثواب کرتے تو بات سمجھ میں آ سکتی تھی۔ یہ قطبی پڑھ کر ایصال ثواب کیسے؟ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: میاں! اللہ کے فضل و کرم سے نیت درست ہو تو میرے نزدیک بخاری شریف اور قطبی کے ثواب میں کوئی فرق نہیں۔

اس واقعہ کی روشنی میں حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا: بھائی اصل بات یہ ہے کہ ہم یہ کام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے تاج ختم نبوت کی حفاظت میں کر رہے ہیں، نیت پاک اور درست ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہم لوگوں کو بھی رمضان المبارک کی پرُنور راتوں میں نوافل کے ذریعہ فرائض کا ثواب حاصل کرنے والوں کے برابر اجر عطا فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ

مزارِ انوری پر حاضری

پچھلی صدی میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسی نابغۂ روزگار ہستی عالمِ اسلام میں پیدا

نہیں ہوئی حضرت شاہ صاحبؒ جب مقدمۂ بھاولپور میں اپنی گواہی سے فارغ ہوکر دیوبند واپس آنے لگے تو علماء سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اگر اس مقدمہ کا فیصلہ میری زندگی میں ہوگیا تو میں خود سن لوں گا اور اگر میرے مرنے کے بعد ہوا تو میری قبر پر آکر سنا دیا جائے، حضرت شاہ صاحبؒ کو یقین تھا کہ یہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوگا چناں چہ فیصلہ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ہوا۔

حضرت مولانا محمد صادق صاحب بھاولپوریؒ حضرت شاہ صاحبؒ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے مستقل سفر کرکے دیوبند آئے اور شاہ صاحبؒ کی قبر پر حاضر ہوکر یہ فیصلہ سنایا: ''کہ حضرت! مبارک ہو'' بحمد للہ آپ کی خواہش کے مطابق یہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوگیا ہے۔ مقدمۂ بھاولپور کے اس واقعہ کی روشنی میں میں قاری صاحبؒ سے عرض کیا کہ خامنی متھرا کے مناظرہ میں علماء اسلام کو فتح مبین حاصل ہوئی ہے اور قادیانی مبلغین کو شکست فاش ہوئی اور پانچ قادیانیوں نے مناظرہ گاہ میں مجمع عام کے سامنے فتنۂ قادیانیت سے تائب ہوکر دین اسلام قبول کیا ہے۔ اس کی خوشخبری حضرت شاہ صاحبؒ کو سنادی جائے۔ بحمد اللہ حضرت قاری صاحبؒ کے حکم سے راقم السطور نے حضرت شاہ صاحبؒ کے مزارِ انوری متصل عیدگاہ دیوبند حاضر ہوکر ایصال ثواب کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کو خامنی متھرا مناظرہ میں علماء اسلام کی فتح مبین اور قادیانی مبلغین کی شکست فاش اور پانچ قادیانیوں کے قبول اسلام کی خوش خبری سنائی۔

دسمبر ۱۹۹۱ء جشنِ صد سالہ قادیان کا اعلان

قادیانی اخبارات ورسائل اس بات کی اطلاع دے رہے تھے کہ ان کا موجودہ سربراہ مرزا طاہر لندن سے جشن صد سالہ قادیان کی تقریب میں شرکت کرے گا اور اپنے دہلی قیام کے دوران احمدیہ مشن ہاؤس دہلی کا باقاعدہ افتتاح بھی کرے گا اس لئے اس بات کا خطرہ محسوس کیا جارہا تھا کہ کہیں قادیانی دہلی کے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے عوامی پروگرام میں شرکت کی ترغیب دے کر ان کو اپنے فتنۂ ارتداد کا شکار نہ بنالیں؛ اس لئے اکابر کے حکم سے حضرت قاری صاحبؒ

ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند نے دہلی کے مختلف علاقوں، محلوں، کالونیوں اور دہلی کے اکثر مدارس عربیہ میں جنگی پیمانے پر اجلاس منعقد کرائے جس میں عقیدۂ ختم نبوت کی حقیقت واہمیت اور فتنۂ قادیانیت کا خدوخال واضح انداز میں بتلایا گیا اور عام مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی کہ:

''قادیانیت (احمدیت) نبوت محمدی کے خلاف بغاوت اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی خطرناک تحریک ہے اس موقع پر موضوع سے متعلق کتابچے، پمفلٹ، کتابیں اردو، ہندی میں بڑی تعداد میں تقسیم کیے گئے اس کی وجہ سے بحمد اللہ قادیانیت کے سیل رواں پر باندھ لگی۔

امیر الہند سے متعلق خواب

حقیقت خواب کی یہ ہے کہ نفس انسان جس وقت نیند یا بیہوشی کے سبب ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہوجاتا ہے تو اس کو اس کی قوتِ خیالیہ کی راہ سے کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اسی کا نام خواب ہے۔

خواب کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں جو صورتیں انسان دیکھتا رہتا ہے وہی خواب میں متشکل ہو کہ نظر آجاتی ہیں اس خواب کو حدیث النفس کہا جاتا ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈالتا ہے کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے اس خواب کو تسویل شیطانی کہا جاتا ہے یہ دونوں قسمیں باطل ہیں جن کی کوئی حقیقت واصلیت نہیں ہے۔

تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندہ کو متنبہ کرنے یا خوش خبری دینے کے لئے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے بعض چیزیں اس کے قلب ودماغ میں ڈال دیتے ہیں صحیح بخاری میں ہے: **عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: لم يَبْقَ مِنَ النُّبوَّةِ الّا الْمُبشِّرَاتِ، قَالُوْا وَمَا الْمُبشِّرات؟ قال: الرُّؤيَا الصَّالحَة. (بخاری)**

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نبوت منقطع ہوگئی اور سوائے مبشرات کے نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبشرات کیا ہیں (مبشرات کے معنی ہیں خوشخبری دینے والی چیزیں) جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے خواب۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (بخاری شریف)

سچے خواب یہ اللہ کی طرف سے مبشرات ہوتے ہیں یہ نبوت کا ایک حصہ ہے نبوت نہیں کیوں کہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور بے شمار احادیث صحیحہ اور پوری امت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی ہے۔ (مستفاد معارف القرآن)

ہمارے معاشرہ میں خواب کے بارے میں بڑی افراط وتفریط پائی جاتی ہے بعض لوگ تو سچے خوابوں اور ان کی تعبیر کے ہی قائل نہیں اور بعض لوگ خواب کو ہی مدارِ نجات اور معیارِ فضیلت سمجھتے ہیں۔

خوب سمجھ لیجیے کہ انسان کی فضیلت کا اصلی معیار خواب اور کشف نہیں ہے بلکہ اصل معیار یہ ہے کہ اس کی بیداری کی زندگی سنت کے مطابق ہو اور وہ گناہوں سے پرہیز کر رہا ہو صرف اور صرف نبی کا خواب شریعت میں حجت ہے کیوں کہ نبی کا خواب وحی کا درجہ رکھتا ہے غیر نبی کے خواب کی یہ حیثیت نہیں ہے، البتہ سچے خواب مبشرات (فال نیک) ہیں۔

امیر الہندؒ اور خواب کی تعبیر

دسمبر ۱۹۹۱ء کی بات ہے دہلی میں فتنۂ قادیانیت کا تعاقب زور شور کے ساتھ کیا جا رہا تھا حضرت قاری صاحبؒ کا قیام بھی ان دنوں جمعیۃ دفتر دہلی میں تھا، اس تعاقب میں ایک بندہ خدا اور بھی شریک کار تھا، اس نے خواب دیکھا کہ دفتر امارت شرعیہ ہند مولانا معزالدین صاحب مرحوم ناظم امارت شرعیہ ہند کے کمرہ کے سامنے برآمدے میں چار پائی پر سفید چادر اوڑھے ہوئے حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں سر مبارک کا پچھلا حصہ کچھ

کھلا ہے، جس سے سر مبارک کے کالے بال نظر آ رہے ہیں اور چار پائی کے سرہانے پاس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کھڑی ہیں، اس نے سوال کیا، کیا بات ہے؟ تو امی جان رضی اللہ عنہا نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہیں۔

اس بندۂ خدا نے نمازِ فجر کے بعد متصلا حضرت قاری صاحبؒ سے تنہائی میں ملاقات کی اور اپنا خواب بیان کر کے تعبیر معلوم کی۔

حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا گو آپ کے لئے یہ بڑی عظیم سعادت کی بات ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے کام کی برکت سے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ الحمد للہ۔

لقوله عليه السّلام: مَنْ رَاٰنِيْ فِيْ الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِيْ؛ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَتِيْ. (صحيح البخاري) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیوں کہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا۔

رہی دوسری بات جو امی جان حضرت عائشہؓ نے فرمائی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہیں اس سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کو روکنے کے لئے اور محنت کرنی چاہیے تا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کے تاج پر کوئی اثر نہ پڑنے پائے، اس وقت حضرت قاری صاحبؒ کی آنکھیں اشکبار تھیں اور اس بندۂ خدا کی بھی آنکھیں نم ناک تھیں گ اللہ حضرت قاری صاحبؒ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین

دوسرا خواب اور تعبیر

سال گذشتہ ۱۴۴۱ھ جناب مولانا معزالدین صاحبؒ ناظم امارت شرعیہ ہند کا انتقال ہوا اسی روز میں نے خواب میں دیکھا کہ مولانا معزالدین صاحبؒ اپنی صحت وسلامتی والے جسم کے ساتھ نظر آئے، داڑھی کے کچھ بال سفید دکھائی پڑ رہے تھے ان کے ساتھ میں حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحبؒ قاضی شہر کانپور ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند جو کہ بالکل جوان العمر صحت

مند داڑھی کے سارے بال سیاہ دونوں ایک ساتھ تیزی کے ساتھ دوڑ رہے ہیں میں نے ان دونوں سے پوچھا آپ لوگ کہاں جارہے ہیں؟ دونوں یک زبان ہوکر بولے جنت کی طرف۔ میں نے اس خواب کا بھی امیر الہند حضرت قاری صاحب سے تذکرہ کر کے تعبیر معلوم کرنا چاہا۔ جواباً حضرت نے ارشادفرمایا کہ بھائی تعبیر بالکل واضح ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَاالسَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾

دوڑو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین یہ خواب دونوں کے حق میں بہتر ہے۔

تیسرا خواب امیر الہندؒ کے بارے میں

حضرت امیر الہند قاری صاحبؒ کے وصال کے بعد خواب میں نے دیکھا کہ میں مدنی گیٹ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مزار قاسمی کی طرف جارہا ہوں اور حضرت قاری صاحبؒ مزار قاسمی کی طرف سے جوان العمر صحت وسلامتی والے جسم کے ساتھ شیروانی پہنے رومال اوڑھے ہوے چلے آرہے ہیں، اے ٹی ایم کے پاس سڑک پر ملاقات ہوئی، میں نے سلام، کیا حضرت نے سلام کا جواب دیا، میں نے متصلاً سوال کیا کہ حضرت آپ کا تو انتقال ہو چکا ہے، فرمایا کہ میں وہاں بھی زندہ ہوں۔

پھر چند دنوں کے بعد دیکھا کہ میں نجیب آباد ریلوے اسٹیشن والی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھنے جارہا ہوں، مسجد کے اندرونی حصہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حضرت قاری صاحبؒ مسجد کے اندر سے نکل رہے ہیں میں نے سلام کیا، سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ میں نماز سے فارغ ہو چکا ہوں پھر مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔

مجنوں جو مر گیا جنگل اداس ہے

حضرت امیر الہند قاری صاحبؒ کی عملی زندگی بہ شکل وصیت یوں نظر آتی ہے۔

(۱) اربابِ حل عقد کو میری وصیت ہے کہ وہ عقیدۂ ختم نبوت کی تحفظ کے لئے وفادار بن کر رہیں۔

(۲) حضرات علماء کرام کو خبر دار کرتا ہوں کہ ان کی درس گاہیں جو اس وقت سونی پڑ گئی ہیں، ان حالات میں ثابت قدم رہتے ہوے جگہ بہ جگہ جا کر قوم کی اصلاح کا کام کریں۔

(۳) اس پرُفتن ماحول میں آج جب قرآن کے سب سے پہلے حامل وعامل طبقہ (صحابۂ کرامؓ واہل بیت اطہارؓ) کی برملا تنقید وتنقیص کی جارہی ہے، تو ایسے وقت میں اصحابِ تحریر وتقریر اپنے فرائض منصبی کو بہ حسن وخوبی انجام دیں۔

علم وعمل کا یہ آفتاب وماہتاب مورخہ ۸/شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ بہ مطابق ۲۱/مئی ۲۰۲۱ء نماز جمعہ کے وقت اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ کی نماز جنازہ سرتاجِ علماء جگر گوشۂ شیخ الاسلام امیر الہند وصدر جمعیۃ علماء ہند وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت اقدس مولا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم نے پڑھائی اور اکابر دیوبند کی آخری آرام گاہ مزارِ قاسمی میں حضرت شیخ الہندؒ وشیخ الاسلامؒ اور فدائے ملتؒ کے جوار میں ہمیشہ ہمیش کے لئے آرام فرما ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جملہ پسماندگان خصوصاً اہلیہ محترمہ وصاحبزادگان (مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری نائب امیر الہند اور قاری ومفتی محمد عفان منصور پوری) کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا کہیں جسے!

مولانا اسعداللہ بستوی رفیق کل ہند مجلس تحفظِ ختم نبوت، دارالعلوم دیوبند

ملت اسلامیہ ہند کی یتیمی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے عجیب قیامت کا حادثہ ہے غموں کا انبار ہے اکابر علمائے کرام اور مربیان عظام جو مدارس اسلامیہ اور مکاتب دینیہ اور خانقاہوں کے سرمایہ افتخار تھے ان کا سایہ آہستہ آہستہ ہم سب کے سروں سے اُٹھتا جا رہا ہے اس ''کرونا'' وبا میں نہ جانے کتنے جدال علم اس صفحہ ہستی سے ناپید ہوکر اخروی زندگی کی طرف کوچ فرما گئے اللہ الرحم الراحمین ان سب کو اپنی خصوصی رحمتوں کے سایہ میں گھیرے رکھے۔ آمین

یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ خداوند قدوس کے بتائے ہوئے قانون ''کل نفس ذائقۃ الموت'' کے تحت ہر شخص کا ایک وقت مقرر ہے اور مقررہ وقت پر اس کو بارگاہ ایزدی میں حاضری دینی ہے جب سے دنیا قائم ہوئی کروڑوں آئے اور گئے بھی جن کا نام ونشان باقی رہنا تو دور تاریخ میں ان کا ہلکا سے تذکرہ بھی نہیں ملتا بلکہ ان کو بالکل بھلا دیا جاتا ہے اور کبھی یاد کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے ہاں بعض نفوس قدسیہ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اس دنیائے فانی سے رخصت فرما جانے کے بعد بھی ایسے ان مٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں اور کارہائے نمایا انجام کر جاتے ہیں جن سے ایک خلع پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی کمی کا احساس رہ رہ کر بڑی سدت سے ستاتا رہتا ہے۔ اب وہ خلع شاید ہی کبھی پر ہو سکے کیونکہ وہ بڑی ہی پر کیف اعلیٰ اوصاف نیز بہترین ستودہ صفات کے حامل ہوتے ہیں ایسی ہستیوں کی رہتی دنیا تک گہری چھاپ پڑتی ہے۔

بہر کیف محترم مکرم مشفق ومربی حضرت الاستاذ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب

نور اللہ مرقدہٗ سابق استاذ حدیث ومعاون مہتمم و ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند بھی بفضل الٰہی انہی نفوس قدسیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک اہم روشن کڑی ہیں جو از ہر ہند دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم الشان دینی درسگاہ میں اپنی عمر عزیز کی بیش بہا چالیس بہاریں (۹/ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۸/ستمبر ۱۹۸۲ء بروز بدھ تا ۸/شوال ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱/مئی ۲۰۲۱ بروز جمعہ) درس تدریس اور دارالعلوم کے اعلیٰ منصبوں پر فائز رہ کر نہایت دیانت داری اور مستعدی کے ساتھ انتظام وانصرام میں نچھاور فرمائیں نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ جہاں درس وتدریس میں گہرائی وگیرائی رکھتے تھے اور طلبہ حد درجہ آپ کے درس سے مطمئن رہتے تھے وہیں دارالعلوم کے انتظامی امور میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بلند اخلاقی نرم روی، شفقت وترحم، صبر وتحمل، استغنا و بے نفسی، جذبہ نفع رسانی، توکل واعتماد علی اللہ، امانت ودیانت اور معاملہ فہمی ارباب حل وعقد کے درمیان مسلم تھی۔ حاصل یہ کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسی ستودہ صفات کا حامل جیسا ملنے میں صدیا گذر جائیں گی۔

احقر کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے احقر کا تعلق آج سے ۲۲،۲۰ سال قبل ہو گیا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شفقت ومحبت کے جذبہ کے تحت مجھ جیسے کم علم وکم فہم طالب علم کو اپنی گوشہ عافیت میں قبول فرمالیا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

ابتداء حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہ احقر سے متفرق امور اپنی نگرانی میں انجام دلوائے جن میں دفتر تحفظ ختم نبوت ومحاضرات علمیہ کے بھی امور بھی انجام دلوائے اور اس دوران حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہٗ کے گھر پر جو ذاتی لائبریری تھی وہ غیر مرتب تھی حضرت

رحمۃ اللہ بہ نفس نفیس ممدوح کے دولت قدہ پر مجھے ساتھ لے جا کر لائبریری کے مرتب کرنے سے متعلق مختلف ہدایات فرمائی چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کے مطابق احقر نے اس وقت موجود تمام کتابوں کی فنون وار ترتیب دی اور مدنی لائبریری کے نام سے باضابطہ اس کا رجسٹر بھی بنوایا جو آج بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس محفوظ ہے اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور دعاؤں سے نوازا۔ ۱۴۲۴ھ میں حضرت کی چشم عنایت اور شفقت سے احقر کا باضابطہ تقرر تحفظ ختم نبوت، محاضرات اور شیخ الہند اکیڈمی کی خدمت کے لئے عمل میں آیا۔ جب اس کی اطلاع احقر نے اپنے انتہائی کرم فرما مربی و مشفق والد بزرگوار کو دی تو والد صاحب کو بے انتہا خوشی ہوئی اور اس بات کی نصیحت فرمائی کہ دارالعلوم کی ملازمت برائے ملازمت نہیں بلکہ یہ دین کا قلع ہے اس کو عبادت سمجھ کر کرنا دونوں جہان کی فوز وفلاح اسی میں ہے دوسری خوشی اس بات کی تھی کہ بتوفیق اللہ احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خدمت اور سرپرستی حاصل کی تھی یہ ان کے لئے بہت ہی بڑی بات تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے داماد تھے اور احقر کے والد محترم کے ذہن ودماغ میں خانوادہ مدنی کے ہر ہر فرد سے محبت وعقیدت رچی بسی ہے یہاں ایک واقعہ کا تذکرہ کرنا بجا سمجھتا ہوں جو احقر کے والد نے خود بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آبائی گاؤں چھپیا، چھتونہ بستی کے قدیم ارادہ مدرسہ اصلاح المسلمین کے کسی جلسہ میں تشریف لائے تھے اس وقت احقر کے والد بہت ہی کم سن تھے احقر کے جد امجد نے حضرت شیخ الاسلام کی گاڑی پر لے جا کر ملاقات کروائی اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے احقر کے والد بزرگوار کے سر پر دست شفقت پھیرا اور دعاؤں سے نوازا۔ دارالعلوم میں احقر کی ملازمت کے ایک دو سال بعد والد محترم دارالعلوم تشریف لائے اس دوران انھوں نے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی رہائش گاہ چھتہ مسجد کے کمرے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی دوران ملاقات والد صاحب نے اپنی ملاقات کا مقصد ظاہر کیا کہ اس لئے میں آیا ہوں کہ آپ مکمل اپنی سرپرستی میں قبول فرمالیں

اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شفقت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے درخواست قبول فرمالی۔

چنانچہ حضرت کی سرپرستی اور رہنمائی میں احقر دفتری امور کی انجام دہی کرتا رہا بحمد للہ اس دوران احقر کو حضرت سے بہت کچھ سیکھنے، سمجھنے کا موقع نصیب ہوا احقر تحدیث نعمت کے طور پر برملا کہہ سکتا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا شفیق مربی اور مشفق نہیں مل سکتا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ جس کام کو انجام دینا چاہتے تھے اس میں پوری دلچسپی سے مصروف ہوجاتے تھے اور اس میں ٹال مٹول کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اس بات کی ہدایت فرماتے تھے کہ بعجلت ممکنہ اس کام کی تکمیل کرواور ہر کام کے لئے وقت کی تحدید کرواور متعینہ وقت پر کام مکمل کرنے کی کوشش کریں اور یومیہ اپنے مفوضہ کاموں کا محاسبہ بھی کریں کہ کن کن امور کو انجام دے چکے ہیں اور کون کون سے امور انجام دینے سے رہ گئے ہیں دوسرے دن اس سے بہتر کام کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خاص وصف تھا کہ دارالعلوم کے کاموں کے لئے کوئی وقت طے نہیں تھا بلکہ ہمہ وقت دارالعلوم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا اور جس وقت بھی اپنی دیگر مصروفیات سے فارغ ہوتے تھے اور دفتر کا کوئی کام یاد آتا اور مناسب خیال فرماتے تو احقر کو فوراً یاد فرماتے اور اسی وقت اس کو انجام دلوانے کی کوشش فرماتے اور خود بھی مصروف ہوجاتے تھے اور اس میں جو بھی وقت صرف ہوتا اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کسی مضمون کو کمپوز کرانے میں شب کا آخری پہر ہوجاتا احقر کے خیال میں یہ بات آتی اب حضرت آرام فرمارہے ہوں گے کسی دوسرے وقت یا علی الصبح حضرت کو مضمون پڑھوا کر اس کی اصلاح کرالی جائے گی ابھی دل میں یہ خیال آنا ہی تھی کہ حضر رحمۃ اللہ علیہ احقر کو فون کر کے یہ معلوم فرماتے کہ کام کی تکمیل کہاں تک ہوچکی ہے گھر تو نہیں چلے گئے۔ احقر جواب عرض کرنا ابھی کچھ حصہ باقی ہے فرماتے کہ تکمیل کرا کر گھر لے آؤ میں ابھی بیدار ہوں اسی وقت پورا کرلیں گے صبح میں دیگر مصروفیات ہوجاتی ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق احقر گھر پہنچتا تو ایک آواز پر حضرت فوراً گھر کے باہر تشریف لاتے اور گھر کے باہر

بنے چبوترے پر بیٹھ کر مضامین کی اصلاح میں مصروف ہوجاتے اور مکمل اصلاح کے بعد ہی حضرت آرام کے لئے گھر میں تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ علی الصبح اس کی اصلاح کرالینا دیگر بھی مصروفیات ہوجاتی ہیں نیز دارالعلوم کے کاموں کے سلسلہ میں بہت بیدار مغض تھے ہر شخص کے متعلق جو کام سپرد کیے رہتے تھے اگلے یوم اس سے متعلق مکمل تفصیلات معلوم فرماتے نیز کام مکمل کرنے کی ہدایات فرماتے اور اس بات کی بھی تاکید فرماتے کہ بذریعہ فون یا ملاقات کر کے کاموں کے متعلق بتادیا کرو۔

احقر پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خاص کرم فرمائیاں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ احقر سے حد درجہ تعلق فرماتے تھے اور میرے اہل وعیال کے ساتھ اپنی اولاد کی طرح ہی معاملہ فرماتے تھے اگر کسی دن طبیعت خراب ہوجاتی تھی تو اطلاع ملتے ہی بذریعہ فون احوال دریافت فرماتے اور صحت یابی کی دعا فرماتے۔ مارچ ۲۰۱۷ کی بات ہے کہ میرے پتہ کا ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا تھا اس کے لئے میں دارالعلوم سے رخصت لے کر اپنے وطن چلا گیا جس تاریخ اور وقت میں آپریشن ہونا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع تھی طے شدہ وقت کے مطابق آپریشن ہونے کے فوراً بعد سب سے پہلے احقر کے موبائل نمبر پر جو فون آیا ت وہ حضرت والا کا ہی تھا جب کہ رات کا آخری پہر تھا اس کی اطلاع احقر کے برادر مکرم جناب مولانا عبیداللہ صاحب قاسمی زید مجدہم نے دی تھی۔ اسی طرح جب بھی میری طبیعت جب بھی خراب ہوتی یا بغرض علاج دہلی چلا جاتا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود دن میں دو تین دفعہ فون کر کے احوال معلوم کرتے اور دیوبند کے قیام کے دوران طبیعت زیادہ خراب ہونے پر احقر کے کرایہ کے مکان محلّہ ابوالمعالی میں بھی تشریف لاتے اور صحت کے متعلق معلومات کر کے دعاؤں سے نوازتے پھل وغیرہ کے لئے کچھ نقد رقم بھی عنایت فرماتے۔ اب یہی حال اماجان ادام اللہ ظلالہا کا بھی ہے بلکہ اگر کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ کچھ زیادہ ہی تعلق فرماتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے سایہ عاطفت کو ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے

اور صحت و عافیت سے نوازے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے آخری ملاقات و زیارت

رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ علیل چل رہے تھے اور حد درجہ ضعف و نقاہت تھی، ڈاکٹر صاحبان کے مشورے کے مطابق گھر پر ہی علاج و معالجہ چل رہا تھا اور واردین وصادرین سے ملاقات کا سلسلہ بھی تقریباً بند سا تھا ۲۵ رمضان المبارک بروز سنیچر تقریباً ۱۱ بجے احقر بغرض ملاقات و عیادت حضرت کی رہائش گاہ پر مسجد چھتہ حاضر ہوا گھر کے باہر حضرت کے خلف الرشید حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھے تلاوت کے فراغت کے بعد احقر نے موصوف سے ملاقات کی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مزاج پرسی اور ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا موصوف نے فرمایا کہ ابی جان کسی سے ملاقات نہیں فرما رہے ہیں خیر احقر کے اصرار پر گھر کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو احقر کے حاضری کی خواہش ظاہر کی حضرت اپنے مشفقانہ رویہ کے پیش نظر مجھ ناچیز کو بلا تامل ملاقات کی اجازت فرمادی، حضرت مفتی صاحب زید مجدہم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ابی یاد فرما رہے ہیں خیر میں حاضر ہوا اور سلام پیش کیا حضر رحمۃ اللہ علیہ اپنی خواب گواہ میں آرام فرما رہے تھے اور ڈریپ وغیرہ چل رہی تھی احقر نے خیرت دریافت کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہایت ضعف و نقاہت کی حالت میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے۔ اس کے معاً بعد مجھ سے میری صحت کے متعلق معلوم کیا کہ تم کیسے ہو کیونکہ ان ایام میں مجھے بھی بخار وغیرہ کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا جس کی اطلاع حضرت کو پہلے سے تھی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس دوران بذریعہ فون رابطہ کر کے احقر کے احوال دریافت فرماتے رہے احق نے اپنی صحت کے متعلق مکمل باتیں بتلائیں یہاں بھی حضرت کی شفقت غالب تھی اس کے بعد کچھ وقفہ تک حضرت کی زیارت کی اور الوداعی سلام پیش کر کے رخصت ہوا اغرچہ یہ ملاقات چند لمحہ کی تھی مگر احقر کے دل ودماغ پر ایسے نقوش چھوڑ گئی جو تاحیات باقی رہے گی اور حضرت کی یادیں اور باتیں ستاتی رہیں گی۔ اس وقت

کیا خبر تھی کہ اللہ کے اس فرشتہ صفت انسان سے یہ آخری ملاقات اور آخری ہم کلامی ہے۔ اللہم اغفر لہ واجعل الجنۃ مثواہ۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت

احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خواب میں دو مرتبہ دیدار کیا:

(۱) حضرت رحمۃ اللہ کے گھریلو کاغذات میں سے ایک اہم کاغذ کی ہمیں تلاش تھی اور بہت ہی جستجو کے بعد وہ ہمیں نہیں مل سکا ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت اپنی رہائش گاہ کے باہر بنے چبوترے کے پاس کھڑے ہیں اتنے میں احقر بھی حاضر ہو گیا اور پوچھا کہ حضرت فلاں کاغذ نہیں مل رہا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم آمیز لہجہ میں فرمایا کہ تم لوگوں کو وہ کاغذ نہیں ملے گا دوسری جگہ رکھا ہوا ہے مل جائے گا اور تھوڑے دن کے لئے میں گیا نہیں تم لوگوں نے میری فائلیں اُلٹ پلٹ کر ڈالیں۔

(۲) دوسرا خواب یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جو بیٹھک تھی اس سے متصل استنجا خانہ ہے اس میں حضرت قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور فراغت کے بعد احقر کے کندھوں کے سہارے نیچے بیٹھک میں پردے کے پیچھے گاؤ تکیہ کے سہارے لیٹ گئے اور بالکل خاموش ہیں احقر کے کافی اصرار اور مزاج پرسی کے بعد دبی زبان میں صرف اتنا بولے کہ کمزوری زیادہ ہے بولنے کی طاقت نہیں ہے۔ اور اشارے سے فرمایا کہ مجھے اوپر لے چلو۔ احقر کے کندھوں کے سہارے کمرے سے باہر تشریف لائے اور سر پر ہاتھ رکھ کر بہت دعاؤں سے نوازا اور فرمایا جاؤ میں اوپر چلا جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین

زندگانی تھی تری مہتاب سے بھی تابندہ تر

مولانا محمد ساجد قاسمی سدھارتھ نگری مدرسہ فیض ہدایت رامپور

غالباً ۱۹۹۷ء کی بات ہے، مدرسہ انوار العلوم مہوا بسم اللہ خاں ضلع بلرام پور میں حفظ کلام پاک کی دستار بندی کا جلسہ تھا، جس میں حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کے ہمراہ حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی تشریف لائے تھے، دستار بندی کے لئے جب راقم کا نام پکارا گیا تو اسٹیج پر فروکش قدسی صفات وارثین انبیاء میں سے جس شخصیت پر نظر جمی رہی، وہ آپ ہی کی ذاتِ گرامی تھی، کم سنی کا زمانہ اور کم عقلی اس لئے راقم نے سب کو چھوڑ کر صرف حضرت قاری صاحبؒ سے مصافحہ کیا، آپ نے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوے دوسرے کسی بزرگ عالم کی طرف (جن کا نام اب یاد نہیں) اشارہ کرتے ہوے اِرشاد فرمایا کہ ''یہ بھی مسلمان ہیں اور بڑے مسلمان ہیں''۔ مقصد یہ تھا کہ راقم اُن سے بھی مصافحہ کی سعادت حاصل کرلے، مگر یہاں تو یہ حالت تھی کہ:

بہت حسین ہیں دنیا میں پھر بھی جانے کیوں
تمہیں پہ یار مری نظرِ انتخاب گئی

یہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی زیارت وملاقات تھی۔ خندہ رو خندہ جبیں، منور چہرہ، کشادہ پیشانی نہ کوئی تکلف نہ تصنع؛ غرضے کہ اس ملاقات کی چاشنی مدتوں باقی رہی، پھر جب مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری میں قدم رکھا اور ''مدنی دارالمطالعہ'' (جو طلبہ دارالعلوم کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے والی ایک منفرد انجمن ہے) سے وابستہ ہوا؛ تو

چوں کہ حضرت قاری صاحبؒ دارالمطالعہ کے سرپرست تھے، اِس لئے آپ کی خدمت میں حاضری اور بار بار حاضری کا شرف حاصل ہوا اور اِس طرح آپ کی شفقتوں اور عنایتوں سے احقر کو وافر حصہ میسر ہوا، آپ کی بے شمار خوبیوں نے دل ودماغ کو اپیل کیا اور گوناگوں اَوصاف وخصائل نے بے انتہا متأثر کیا، آپ کی چال ڈھال، نشست و برخاست، حال وقال اور خلوت وجلوت میں کوئی تضاد نہ تھا، تملق اور چاپلوسی سے یکسر گریز، بے جا گفتگو سے مکمل اجتناب، لبوں کو جب بھی جنبش ہوئی حکمت کے موتی بکھیرے، گنگوہی وتھانوی اور مدنی تو آپ نہیں تھے؛ تاہم اُن اسلاف کا عکسِ جمیل ضرور تھے۔ آپ ایک بہترین منتظم اور شاندار مربی تھے، آپ کی مجلس کا حاضر باش آپ کی انتظامی صلاحیتوں اور اندازِ تربیت کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتا، اِس نوع کے کچھ واقعات نذر قارئین ہیں، جن سے حضرت والا کے اندازِ تربیت اورحسنِ انتظام کی جھلکیاں دیکھنے کو ملیں گی۔

(۱) مدنی دارالمطالعہ کے کارکنان جانتے ہیں کہ اِس پلیٹ فارم سے ہونے والے تمام پروگراموں کی نگرانی آپ بنفس نفیس فرماتے تھے، پروگرام کا سارا مواد ملاحظہ کرتے، تقاریر ومکالمے لفظ بلفظ پڑھتے، پھر کہیں جا کر پروگرام میں پیش کرنے کی اِجازت مرحمت فرماتے، معمولی غلطیوں پر سخت باز پرس اور دار وگیر ہوتی۔ ایک مرتبہ احقر نے حضرتؒ کے حکم پر ''عظمتِ صحابہؓ'' کے عنوان پر ایک مفصل مضمون تحریر کیا؛ چوں کہ حضرت کا حکم تھا، اِس لئے مضمون کی تیاری میں انتہائی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا گیا، آپ نے بنظرِ عمیق اُس کا مطالعہ کیا اور اُس کو مسترد کرتے ہوے اِرشاد فرمایا کہ پھر سے لکھ کر لاؤ اور وجہ یہ بتائی کہ اِس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء مبارکہ لکھنے کے بعد ''رضی اللہ عنہ'' قلم بند نہ کرکے اُس کی علامت (ؓ) پر اکتفاء کیا گیا ہے، کہنے لگے کہ لکھنے کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام کی محبت بھی دلوں میں جاگزیں ہونی چاہیے؛ کیوں کہ یہی اہلِ سنت کا امتیاز ہے، تنبیہ کرتے وقت آپ کے جو الفاظ تھے، آج بھی کانوں میں گونج کر ہر گام رہنمائی کرتے ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر

اَب اُنہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

(۲) مدنی دارالمطالعہ کا یہ دستور تھا کہ اُس کے مرکزی پروگراموں کی نظامت ''بزم شیخ الاسلام'' کے ناظم کے ذمہ ہوا کرتی تھی اور عام طور پر نظماء پہلے سے تیار کردہ مواد کو دیکھ کر نظامت کیا کرتے تھے، ہمارے ایک بڑے قابل قدر ساتھی اختتامی پروگرام کی نظامت کررہے تھے، سامعین سے دارالحدیث کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، مسندِ صدارت پر حضرت سرپرست محترم جلوہ افروز تھے، آپ نے دیکھا کہ نظامت دیکھ کر کی جارہی ہے، پھر کیا تھا، ناظمِ اجلاس صاحب سے نظامت کی کاپی لے لی اور فرمایا کہ بغیر دیکھے کرو؛ حالاں کہ ناظم صاحب ایک بے باک خطیب تھے، مگر پھر بھی اس کی ہمت نہ جٹا پائے، مجمع پر سناٹا طاری ہوگیا، اراکین کی حالت قابلِ دید تھی، سب کو دیکھ کر ترس آرہا تھا، حضرت مولانا شمشیر صاحب نے ہمت کر کے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت اِس بار اِجازت دے دیں، اَب ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ آپ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! تیاری کر کے پروگرام پھر کرلینا''۔ مولانا شمشیر صاحب مدظلہ نے کہا کہ ''حضرت! یہ احاطۂ دارالعلوم میں پروگرام کا آخری ہفتہ ہے''۔ پلٹ کر فرمایا کہ: ''شوال میں کرلینا''۔ بالآخر احقر نے ڈائس سنبھالا اور یوں خدا خدا کر کے پروگرام پایۂ تکمیل کو پہنچا، چوں کہ تیاری تو تھی نہیں، اِس لئے جب حضراتِ اَساتذہ کو پند ونصائح کے لئے مدعو کرنے کی باری آئی، تو حضرت مولانا شوکت علی صاحب بستوی مدظلہ کو میں نے ان الفاظ میں مدعو کیا کہ ''مولوی شوکت آئیں اور نصیحت کریں''۔ احباب پیش آمدہ حادثہ کی وجہ سے سراپا ماتم تھے، اس لئے کسی نے توجہ نہ کی؛ البتہ حضرت الاستاذ سمیت بعض طلبہ کو بھی اس کا احساس ہوگیا تھا، مولانا کا مزاج آشنا ایک طالب علم مجھ سے کہنے لگا کہ آج تیری خیر نہیں، مگر قربان جائیے علماء دیوبند کی تواضع اور تحمل پر، آپ نے میری گستاخی کو میری کم مائیگی کا نتیجہ سمجھ کر نہ صرف درگذر سے کام لیا؛

بلکہ اس طرح نظر انداز کر دیا، جیسے سنا ہی نہ ہو اور اس طرح چشم پوشی تواضع اور عفو و درگذر کا ایسا زریں اور اچھوتا سبق دیا کہ زندگی بھریاد رہے گا، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

جب ذکر چھڑ ہی گیا حضرت سرپرست محترم کے اندازِ تربیت اور حسنِ انتظام کا، تو ایک اور واقعہ ذکر کرتا چلوں، ہر چند کہ دارالمطالعہ سے اس کا تعلق نہیں؛ تاہم ہمارے لئے سامانِ عبرت ہے، ہوا یوں کہ ایک دن ہم چند احباب جو موسمِ گرما میں تعلیمات کی چھت پر سویا کرتے تھے، اس دربان سے جو رات کے آخری پہر گھنٹہ بجا کر وقتِ سحر گاہی کے اختتام کا اعلان کرتا تھا؛ کہا کہ محترم آپ کے گھنٹے کی آواز ہمارے لئے ''صورِ اسرافیل'' سے کم نہیں ہے؛ لہٰذا تعداد کچھ کم کرلیا کرو، اُس نے برجستہ کہا کہ ''نوکری سے نکلواؤ گے کیا؟'' پھر اِس کی وضاحت یوں کی کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اُس وقت نائب مہتمم تھے، مصلیٰ پر بیٹھ کر گھنٹی کی تعداد گنتے ہیں، دفتر میں صبح آتے ہی طلب فرمالیں گے، بات اس نے خلاف واقعہ کہی تھی، مگر اس سے ہر ذی شعور اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ منتظمین جب اپنی ذمہ داریوں کے تئیں حساس ہوں، تو ماتحتوں پر اس کا کیسا کچھ اثر پڑتا ہے۔

اللہ پاک آپ کو غریقِ رحمت فرمائیں، درجات بلند فرمائیں اور آپ کے نقوش کف پا کو مشعلِ راہ بنانے کی ہمیں توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

زمانہ ہوگیا گذرا تھا کوئی بزمِ انجم سے
غبارِ راہ روشن ہے بشکلِ کہکشاں اَب تک

ایک اہم اور جامع شخصیت کی یاد

مفتی دبیر عالم قاسمی اُستاذِ حدیث وافتاء جامعۃ القراءت کفلیتہ

۸شوال ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ اچانک رفیق گرامی مولانا عرفان صاحب پالنپوری مدظلہ نے خبر دی کہ مرجع الخلائق محبوب العلماء حضرت الاستاذ قاری عثمان صاحب منصور پوریؒ صدر جمعیۃ علماء ہند واستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند کا انتقال ہوگیا ہے، سن کے کلیجہ دھک سے رہ گیا اور تھوڑی دیر کے لیے دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں زمانۂ طالب علمی کے بیتے ہوئے دن یاد آ گئے دارالعلوم کے تئیں حضرت کی خدمات، تگ ودو، طلبہ کو مستعد رکھنا، نماز کا عادی بنانا، اس سلسلہ میں تدابیر اختیار کرنا، فرق باطلہ سے نبرد آزما ہونے کے لیے فضلائے دارالعلوم کو مسلح کرنا، گمراہ فرقوں کی باریکیوں اور اس کے نشیب وفراز سے واقف کرانا، اس سلسلہ میں ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کرنا اور اس کوچے کے راہ رَوں سے طلبہ کو روشناس کرانا اور ان سب امور کا شب و روز کا معمول بن جانا، نگاہوں کے سامنے گول چکر کی طرح گھومنے لگا۔

ابھی شعبان میں مباحث فقہیہ کے اجلاس میں جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں حاضری ہوئی، خطبۂ استقبالیہ کے وہ الفاظ جو موتی کی لڑی میں پروئے ہوئے معلوم ہورہے تھے حاضرین کے سامنے شریں لب ولہجہ میں پڑھے جارہے تھے، سب گوش برآواز تھے، ان نشستوں کے درمیان ادارہ مباحث فقہیہ کے تحت ہونے والے فیصلے کی ترویج واشاعت کا مسئلہ سامنے آیا، بس کیا تھا

حضرت قاری صاحب سنجیدہ ہوگئے اور باصرار ہر ایک کی رائے معلوم فرمانے لگے اور جو کوئی رائے دیتا، اس پر تبصرہ فرما کر مزید غور وفکر کا حکم فرماتے جب اس پر بھی بات نہیں بنی، تو تحریر کا حکم صادر فرمایا، جب ایک دو ہی تحریر پہنچی، تو پھر آخری مجلس میں اس بات کو موضوعِ بحث بنا کر اخیر تک کسی حتمی رائے کے آنے کے منتظر رہے؛ لیکن اخیر تک نہ تو حاضرین کی طرف سے رائے آئی اور نہ ہی حضرت الاستاذ کا عندیہ معلوم ہوسکا، حالاں کہ یہ سالوں کی محنت اور نچوڑ کی ترویج واشاعت کا مسئلہ تھا، کاش حضرت کا عندیہ معلوم ہوجاتا، تاکہ اس پر عمل پیرا ہوکر حضرت الاستاذ کی خوشی کا سبب بنتا۔ ﴿لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا﴾

طلبۂ دارالعلوم نماز کے پابند کیسے ہوں، غفلت کی چادریں کیسے اتار کر پھینکیں، اس سلسلہ میں حضرت الاستاذ کا اسلوب عجیب تھا، بعد نمازِ فجر متصلاً احاطۂ دارالعلوم میں گشت لگاتے اور جو طالب علم سوتا ہوا ملتا، اسی حال میں اپنے ساتھ کر لیتے، ہر ایک طالب علم کی نظر اس غافل پر ہوتی یہی اس طالب علم کی سزا تھی اور بعد میں دفتر میں بلا کر اس کو پابند بناتے کہ ایک مہینے تک یہاں سے یہاں تک کے طلبہ کو بیدار کرنا ہے، اس طرح خود بھی وہ صاحب نماز کا پابند بن جاتا اور اوروں کی پابندی کا بھی سبب بنتا اور یہ مشق وتمرین زمانۂ آئندہ کے لیے نماز کی مستقل پابندی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی۔

میرا کمرہ پہلے احاطۂ مطبخ نمبر ۱۶ تھا اس کے سامنے راستہ کے اس پار ایک طالب علم اوپر کمرے میں سو رہا تھا، نماز کے بعد حسب معمول حضرت الاستاذ تشریف لائے اور ایک طالب علم کو اوپر بھیجا، تو ہم نے خود دیکھا کہ وہ طالب علم کرتا پہنتے ہوئے نیچے آیا اور آکر کہنے لگا حضرت نماز پڑھ کر سویا ہوں، شفقت اور تربیت کا انداز دیکھئے، فرمایا نماز کے بعد نہیں سویا کرتے، دیکھنے والوں کو بدگمانی ہوگی اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے اور کوئی کھود کرید نہیں فرمائی، یہ دیکھ کر ہم سب مبہوت وحیران رہ گئے۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

جامعہ القرأت کفلیتہ میں تجوید وقراءات کی خدمات کے عنوان سے دو روزہ سیمینار منعقد کیا گیا، ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت الاستاذ کی خدمت میں دیوبند حاضر ہوے، چھتہ مسجد میں قیام تھا بڑی محبت سے بٹھایا، کھجور اور پووے سے ضیافت فرمائی اور سفر کی منظوری عنایت فرمائی، ساتھ ساتھ یہ اہم پیغام مرحمت فرمایا کہ اس سیمینار سے عوام ہی نہیں خواص میں بھی بیداری آئے گی ان شاء اللہ اور پھر وقت مقررہ پر تشریف لا کر تیسری نشست کی صدارت فرمائی جب خطاب کے لیے حضرت کو دعوت دی تو یہ شعر ذہن میں آیا:

زباں پہ جس کی بہتا ہوا ایک حکمت کا دریا ہے
وہ جس کی ذات سے اسلام کا بھی بول بالا ہے
یہ ملت فخر کرتی ہے کہ اس کے مقتدا تم ہو
ہے ناز اپنی جماعت کو کہ مبصر، رہنما تم ہو

پھر صدر محترم نے ﴿اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلوٰۃَ﴾ اور حدیث پاک کی روشنی میں بالتفصیل خطاب فرماتے ہوے عوام الناس کو متوجہ فرمایا اور مدارس کے مہتممین کو اپنے مدارس میں درسِ نظامی کے ساتھ اس فن شریف کو داخل کرنے اور اس فن کو پورے دیار ہند میں عام کرنے اور اس طرح کے اجلاس ہر سال بار ہا پورے ملک کے ہر خطہ میں کرنے کی دعوت دی اور اپنے مدرسے میں تجوید کے مدرس کو رکھنے اور درسیات کے درجات میں باقاعدہ تجوید کو لازم کرنے کی اپیل کی اور اس کام کو آگے بڑھانے کی طرف متوجہ فرمایا، اس خطاب کا عوام وخواص میں کافی دنوں تک چرچا رہا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اس اجلاس کے بعد جب ممبئ حج ہاؤس میں فقہی سیمینار کے دوران حضرت الاستاذ کے کمرے میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور فتاویٰ بسم اللہ کی پہلی جلد پیش کی، تو بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور دعاؤں سے نوازتے ہوے ناشتہ کا حکم صادر فرمایا تو معذرت کی کوشش کی، فرمایا یہیں ناشتہ کرلو عام مہمانوں کے لیے بھی یہی ناشتہ ہے اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کی شکل میں دو ہیروں سے نوازا ہے جن کو حضرت قاری صاحب نے تراش کر اس طرح نگینہ بنا دیا ہے کہ ہر انگوٹھی میں فٹ ہو جائے برادر مکرم مفتی عفان صاحب کچھ دنوں عربی چہارم میں احقر کے درسی ساتھی بھی رہے ہیں؛ لیکن ناسازی طبیعت کی بنا پر ایک سال کے لیے تعلیمی سلسلہ موقوف کر دیا اس طرح ایک سال پیچھے ہو گئے لیکن بزم شیخ الاسلام میں برابر ساتھ رہنے اور کام کرنے کا موقع ملا حتیٰ کہ دورۂ حدیث کے سال لائبریری کی چابی میرے سپرد فرما دی، جس کی بنا پر خارج اوقات میں شروحات سے خوب فیضیاب ہوتا، لمبی سائز میں بذل المجہود وہیں دیکھی پھر کیا تھا خوب استفادہ کیا، آج الحمدللہ ابوداؤد شریف اور مسلم شریف زیر درس ہیں۔

حضرت مفتی سلمان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا طالب علمی کے زمانے میں صرف تذکرہ سنتا تھا لیکن جب جامعۃ القراءات کفلیتہ تدریس کے لیے حاضر ہوا اور حضرت قاری اسماعیل صاحب بسم اللہ مدظلہ کا مدنی خاندان سے تعلق و گہرا ربط ہونے کی بنا پر حضرت مفتی صاحب کا بار بار جامعہ ورود مسعود ہوتا رہا تو شناسائیت سے یہ تعلق قربت پھر شفقت میں بدل گیا، ایک مرتبہ جامعہ میں تکمیل حفظ قرآن کا پروگرام تھا حضرت مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ اس پروگرام میں مہمان خصوصی کے طور پر مدعو تھے، پروگرام کے دوران میں نے اعلان کر دیا کہ پروگرام کے بعد حضرت دارالافتاء میں ترتیب فتاویٰ بسم اللہ کا معاینہ فرمائیں گے پھر کیا تھا؟ خود ہی پروگرام کے بعد حکم صادر فرمایا دارالافتاء چلیے اور تشریف لا کر دیر تک معاینہ فرماتے رہے اور مفید مشوروں سے نوازتے رہے چونکہ یہ کام نیا تھا اور تجربہ بھی نہیں تھا اس لیے بڑی رہنمائی ملی اور حوصلہ افزائی کے لیے ''دینی مسائل اور ان کا حل'' نامی کتاب بھی مرحمت فرمائی اور مرادآباد تشریف لے جا کر گرانقدر تقریظ سے نوازا اور سب سے بڑھ کر تشجیع یہ فرمائی کہ ادارۃ المباحث الفقہیہ کے شرکاء میں احقر کا نام بھی شامل فرمایا، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ کتابوں کی ورق گردانی کا شعور جاگا تحریر کا سلیقہ ملا، جب پہلی مرتبہ مقالہ لکھا اور ممبئی حج ہاؤس کے سیمینار میں تلخیص مقالہ کے دوران مقالہ نگاروں اور رائے دہندگان میں احقر کے نام

کا اظہار کیا، تو خوشی کے آنسو نکل آئے اور مزید حوصلوں کے ساتھ واپس ہوا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج الحمدللہ جامعۃ القراءات کفلیتہ کے طلبہ افتاء کی اکثر کتابیں اور تمرین افتاء اس حقیر کے ذمہ ہے، اس خاندان میں ذروں کو آفتاب بنانے کا یہی گر دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے کافی ہے اور ظاہری بات ہے یہ سب خاندانی ورثہ اور حضرت الاستاذ کی تربیت کا اثر ہے اللہ تعالیٰ نظر بد سے حفاظت فرمائے ترقیات سے نوازے، حضرت الاستاذ کا ہر پہلو ہر نشیب وفراز ہر شب وروز ایک تاریخ کا عنوان ہے، لکھنے والے لکھتے رہیں گے اور حضرت قاری صاحب کی خدمات اجاگر ہوتی ہوئی چلی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کو شایان شان بدلہ مرحمت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا عبدالملک صاحب رسول پوری میرے درسی ساتھی ہونے کے ساتھ ساتھ بے تکلف دوست بھی ہیں، جب حضرت مولانا معزالدین صاحبؒ کی حیات پر مشتمل ان کی مرتب کردہ کتاب ہاتھ آئی اور پڑھا تو پڑھتا چلا گیا، ابھی بھی جب خالی ہوتا ہوں اور ان کی یاد آتی ہے تو اس کتاب کو لے کر بیٹھ جاتا ہوں اس کو پڑھ کر بہت ساری یادیں ان سے متعلق ذہن میں آتی ہیں اس لیے کہ وہ میرے درسی ساتھی اور ہم پیالہ وہم نوالہ مولوی قمرالدین مرحوم کے بڑے بھائی تھے جب بھائی قمرالدین کا انتقال ہوا، ایک دن اچانک میرے کمرے میں حضرت مولانا معز الدین صاحب مرحوم تشریف لائے اور فرمایا میرے بھائی قمرالدین آپ کے قریبی ساتھی تھے کیا آپ کے ان پر حقوق باقی نہیں ہیں؟ ورنہ تو بتائیں، میں ادا کرنے کی غرض سے آیا ہوں، یہ سن کر بڑی حیرانی ہوئی کہ حقوق العباد میں اس شخص کی دوررس نگاہیں اور احتیاط دیکھیے کہ اس طرح تلاش وجستجو میں لگے ہوے ہیں کہ کہیں کسی کا حق نہ رہ جائیں ایسی شخصیت کی سوانح بڑے سلیقہ سے مرتب فرما کر باصرہ نواز فرمایا تو میں نے ان سے درخواست کی اور انہیں کے نعم کہنے اور اثبات میں سر ہلانے پر یہ سطور رقم کی ہیں گر قبول افتد، زہے عزوشرف۔

❍❖❍

داعیِ اخلاص وعمل

مولانا محمد تبریز عالم قاسمی استاذ دارالعلوم حیدرآباد

حضرت قاری صاحب میرے مؤطا امام مالک کے مؤقر استاذ تھے۔ اس وقت دارالعلوم میں آپ کا درس عموماً جمعہ کے دن ہوتا تھا، ٹھہر ٹھہر کر پڑھاتے تھے۔ کبھی کوئی اہم بات ہوتی، تو کاغذ پر لکھ کر لاتے تھے اور حوالہ کے ساتھ طلبہ کو مستفید فرماتے تھے۔ عربی ادب کے سال میری ترتیب میں آپ کا کوئی گھنٹہ نہیں تھا؛ لیکن آپ النادی العربی کے ذمہ دار اعلی بھی تھے؛ اِس لیے ہفتہ یا مہینہ میں شرفِ دیدار نصیب ہوجاتا تھا۔ اسی سال جمعرات کو بعد نماز ظہر گاہے گاہے ردِ قادیانیت پر محاضرات ہوتے، تو وہ نورانی رخِ انور نگاہوں کے سامنے ہوتا تھا۔ قادیانیت پر اچھا مطالعہ تھا، احاطۂ دارالعلوم میں فاتحِ قادیانیت سے بھی شہرت تھی۔ قادیانیت اور ختم نبوت کے حوالہ سے آپ کی زبردست خدمات تاریخ دارالعلوم کا خوب صورت حصہ ہیں۔

اللہ تعالی نے آپ کو باطنی خوبیوں کے ساتھ ظاہری حسن وخوبصورتی سے بھی خوب نوازا تھا۔ غالبًا تین سال قبل دارالعلوم حیدرآباد کی دعوت پر مدرسہ تشریف لائے تھے۔ مہمان خانے میں خوب اور یادگار ملاقات رہی۔ بخاری کی آخری حدیث کا درس اساتذہ اور طلبہ نے بہت پسند کیا تھا۔

جب جمعیۃ علماء ہند کے تحت ادارۃ المباحث الفقہیہ نے فقہی سیمنار کا دوبارہ آغاز کیا تو بحیثیت صدرِ جمعیت آپ کا پر مغز صدارتی خطاب ہوتا تھا۔ ہر سال استفادہ اور ملاقات کا موقع ملتا تھا۔ جمعیت علما ہند دہلی میں آپ کے کمرے میں جب بھی ملاقات کے لیے حاضری ہوتی تھی تو بہت تواضع اور خاکساری کے ساتھ ملتے تھے، خیر خیریت پوچھتے۔ ایک بار ناشتے کے وقت حاضری

ہوئی، تو اس طالب علم کو بھی شرکتِ دسترخوان کا اعزاز بخشا۔ امسال جمعیت کے سیمینار میں فقہی تجاویز کی نشر واشاعت اور اس کی افادیت کے حوالہ سے بہت فکر مند تھے۔ اصاغر علما کو بہت قیمتی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ امسال کے فقہی اجتماع کی اختتامی نشست میں شرکائے اجتماع سے کہا تھا کہ آپ مولانا علی میاں صاحب کی کتاب ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' کا بالاستیعاب مطالعہ کریں۔

ملکی اور عالمی سیاست پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند اور تاریخ جمعیت علما ہند پر آپ کا مطالعہ اور آپ کی معلومات مثالی تھی۔ کئی جلسوں میں اس کا مشاہدہ ہوا۔ جب آپ نائب مہتمم تھے تو اکثر اہتمام میں جاتے یا وہاں سے لوٹتے ہوے کچھ فائل اور کاغذات کے ساتھ دِکھتے تھے۔ خاموش طبیعت ضرور تھے؛ لیکن طلبہ اور عملہ پر رعب بھی تھا۔ غلطی پر فوراً تنبیہ فرماتے تھے۔ ہمارے سال النادی کے جلسہ میں دورانِ مکالمہ کچھ نامناسب منظرکشی پر ایسے بپھر گئے کہ مکالمہ بس وہیں موقوف کرادیا۔ کیا مجال کہ کوئی اجرائے مکالمہ کی درخواست کرتا۔ یہی حال دیگر جلسوں میں بھی دِکھتا تھا۔ ایسی ہمت وجرأت سب میں کہاں؟

لباس صاف ستھرا زیب تن کرتے تھے، حسبِ موقع شیروانی بھی پسند تھی، شیروانی کے ساتھ سر پر عربی رومال میں آپ بے انتہا جاذب نظر لگتے تھے۔ کھانے پینے میں عمدہ ذوق آپ کو عطا ہوا تھا۔ آپ کی چائے ہر شخص نہیں بنا سکتا تھا۔ چائے کے سلسلے میں آپ کا ذوق ہم جیسوں سے بالکل الگ تھا۔ مہمان نوازی؛ بلکہ خردنوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔

اندرونِ خانہ آپ کے معمولات دینیہ کا مجھے علم نہیں؛ لیکن نماز باجماعت کی پابندی آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے۔ دیوبند کی چھتہ مسجد میں پہلی صف میں عین امام کے پیچھے بیٹھنے کا معمول تھا۔

دارالعلوم وقف دیوبند میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب نور اللہ مرقدہ کی حیات وخدمات پر ایک سیمینار ہورہا تھا، راقم الحروف کو بھی مقالہ نگاری کی دعوت ملی تھی۔ حضرت خطیب الاسلام کے نامور تلامذہ کے عنوان سے مقالہ لکھنا تھا۔ معلوم ہوا حضرت الاستاذ قاری صاحب بھی حضرت خطیب الاسلام کے شاگرد ہیں۔ میں نے قاری صاحب کو فون کیا اور صورت حال بتائی۔ آپ نے مجھ سے سوالات معلوم کیے اور مجھے ایک وقت دیا۔ میں نے اس وقت متعینہ پر

فون کیا تو آپ بالکل تیار بیٹھے تھے اور مجھے بنیادی معلومات فراہم کرائیں۔ مجھے آپ کے ایفائے وعدہ اور وقت کی قدردانی دیکھ کر رشک آیا اور فخر محسوس ہوا کہ مجھے ایسے مؤقر اور نیک انسان کی شاگردی کا شرف ملا ہے۔ وہ مقالہ شائع ہو چکا ہے۔ قاری صاحب کے حالات زندگی پر مشتمل وہ حصہ اسی تحریر کے ساتھ اخیر میں شامل ہے۔ اسی میں ضروری معلومات درج ہیں۔

آپ کے دو صاحبزادے: مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد و مدیر ماہنامہ ندائے شاہی اور مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدرالمدرسین جامع مسجد امروہہ؛ علمی دنیا کے ایسے ہیرے جواہر ہیں جنھیں دیکھ کر حضرت الاستاذ کے کمال تربیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ کی رحلت قضا وقدر کا حصہ ہے، جس پر کچھ تعجب نہیں ہونا چاہیے؛ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ ہندوستان میں سرمایہ ملت کے نگہبان: دارالعلوم دیوبند نے قوم وملت کی جو بے مثال اور بروقت نگہبانی اور رہبری کی ہے اس میں قاری صاحب جیسے عبقری اشخاص کی خدمات کا بہت عمل دخل ہے۔ ایسے نامور افراد کا اس دنیا سے رخصت ہوجانا بلاشبہ وابستگان دارالعلوم دیوبند کے لیے نہ صرف یہ کہ نا قابل تلافی نقصان ہے؛ بلکہ باعث رنج وغم بھی ہے۔ قاری صاحب کے علمی وعملی نقوش بہت حد تک محفوظ ہیں اس لیے انھیں مشعل راہ بنانا آسان ہے، بلکہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ علمی دنیا میں انسان کی زندگی اگر اخلاص اور جہد مسلسل سے عبارت ہو اور کام دینی ہو تو اس دنیا میں بھی خدا کا انعام اس مخلص اور محنتی انسان کو ضرور ملتا ہے، چنانچہ لوگ اسے سر پر بٹھاتے ہیں، دل میں بساتے ہیں اور اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ یہ محبت کا تعلق اس دنیا میں خدا کا وہ قیمتی تحفہ ہے کہ مادیت اپنے تمام کروفر اور فانی جاہ وجلال کے ساتھ بے حیثیت اور بے وزن نظر آنے لگتی ہے۔ حضرت قاری صاحب کی زندگی اس کی ایک مثال ہے اور وہ زندگی ہمیں بھی علمی وعملی میدان میں اخلاص اور جہد مسلسل کی دعوت دیتی ہے۔

❍❖❍

رفتید و لے نہ از دلِ ما

مفتی محمد عارف قاسمی جیسلمیری صدر جمعیۃ علماء ضلع لدھیانہ پنجاب

امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری قدس سرہ کی علالت کی خبر اثنائے رمضان ہی سے سوشل میڈیا پر گردش کر رہی تھی اور ملک و بیرونِ ملک آپ کے ہزار ہا تلامذہ و شاگردان اور متعلقین و منتسبین ان کے لیے دعائے صحت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ آپؒ سے چند ماہ پہلے ہی پنچکولہ چنڈی گڑھ میں منعقدہ تربیتی مذاکرہ میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا اور اس موقع پر آپ نے ایک پرمغز خطاب بھی فرمایا تھا، جو ایک گھنٹے تک جاری رہا تھا۔ آپ کی صحت کے پیشِ نظر امید یہی تھی کہ وہ ان شاء اللہ صحت یاب ہوں گے اور دارالعلوم دیوبند و جمعیۃ علماء کو ان کی ذات سے گونا گوں فوائد حاصل ہوں گے؛ مگر تقدیر انسانی تدبیر پر غالب آئی اور بہ تاریخ ۸ شوال المکرّم ۱۴۴۲ ہجری بعد نمازِ جمعہ یہ خبر دل پر بجلی بن کر گری کہ حضرت امیر الہند مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند بھی مسافرانِ آخرت میں شامل ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئ عندہ باجل مسمی۔

حضرت امیر الہند جیسے با فیض عالمِ دین کا سانحۂ وفات ایک مستقل عہد کا خاتمہ ہے۔ وہ ملک و ملت کے ایک سچے و مخلص خیر خواہ تھے، جن کی امانت و دیانت اور اصول پسندی و حق گوئی کے اپنے و بیگانے سبھی معترف ہیں۔ میرے لیے سعادت و خوش بختی کی بات ہے کہ میں نے

انھیں جلوت وخلوت میں بہت قریب سے دیکھا، ان کے فکر ومزاج کو سمجھنے کی اپنی سی کوشش کی اور متعدد مرتبہ ان سے بعض اہم امور میں مشورے بھی حاصل کیے۔ قاری صاحبؒ اس عہد میں فنافی العلم کا واقعی مصداق تھے، انتظام وانصرام اور کامیاب تدریس وتحقیق کے حوالے سے ان کی شہرت دارالعلوم دیوبند سے متجاوز ہوکر ملکوں ملکوں عام ہوئی۔ نصف صدی پر محیط اپنے زمانۂ تدریس میں انہوں نے درسِ نظامی میں شامل ہر علم وفن کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھائیں۔ درسی کتب کو انہوں نے ہمیشہ پوری تیاری ومحنت سے پڑھایا اور اپنے تلامذہ ومتعلقین سے بھی وہ ہمیشہ یہی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ طلبہ کو اپنی اولاد سمجھیے اور اپنے سے متعلقہ جملہ کتب کو ایسی بھرپور تیاری کے ساتھ پڑھائیے کہ طلبہ کی مکمل طور پر تشفی وتسلی ہوجائے اور درس گاہ میں یا درس گاہ سے باہر سبق سے متعلق جو بھی سوال کسی طالب علم کی جانب سے کیا جائے، تو آپ اس کا موقع پر ہی معقول جواب دے سکیں۔ راقم کو حضرتؒ سے شاگردی کا شرف یوں تو ۲۰۱۱ عیسوی میں دورۂ حدیث کے سال ہی حاصل ہوگیا تھا، لیکن ان سے زیادہ قربت ۲۰۱۲ عیسوی میں اس وقت ہوئی، جب حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب شیرپوری مدظلہم کی تحریک پر میرا شعبۂ تحفظ ختمِ نبوت دارالعلوم دیوبند میں ایک سال کے لیے داخلہ ہوا۔ اس شعبہ میں داخلے کے خواہش مند طلبہ کا حضرت امیر الہند قدس سرہ اور حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قدس سرہ سے سابقہ ناگزیر تھا کہ یہ دونوں مرحوم بزرگ بالترتیب ناظم وناظمِ اعلی تھے۔

امیر الہند قدس سرہ بے حد متواضع ومنکسر المزاج انسان تھے، اس کا قریب سے مشاہدہ تحفظ ختمِ نبوت کے سال ہوا۔ تحفظ ختم نبوت میں داخلے کے خواہش مند طلبہ کے امتحانِ داخلہ کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے ایسے طلبہ کا تحریری امتحان دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت میں لیا جاتا تھا، پھر کسی روز حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قدس سرہ سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے دولت کدے پر ان طلبہ کو لے جایا جاتا تھا، جہاں حضرت پالن پوریؒ ان طلبہ کے پرچے بھی ملاحظہ فرماتے تھے اور تحفظ ختم نبوت کے عنوان پر ان کی تقاریر بھی سماعت فرماتے

تھے، جس سال اکابر ومشائخ کے حکم ومشورے سے، میرا ایک سال کے لیے شعبۂ تحفظ ختم نبوت میں رہ کر ردقادیانیت کی ٹریننگ حاصل کرنا طے ہوا، اس سال میرا اور میرے تین چار رفقاء کا تحریری امتحان حضرت امیر الہند قدس سرہ کی نگرانی میں ہوا اور وہ لمحات تو مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے کہ جب تقریری امتحان کا مرحلہ آیا تو حضرت امیر الہند قدس سرہ نے ہم چند طلبہ کو طلب فرمایا اور حکم فرمایا کہ آج عصر کے بعد آپ کا تقریری انٹرویو مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کے گھر پر ہوگا، اس لیے آپ عصر کے معاً بعد میرے پاس آ جانا۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور پھر حضرت امیر الہند قدس سرہ خود ہمیں مفتی صاحب مرحوم کے بیرون کوٹلہ میں واقع گھر پیدل لے گئے۔ دونوں بزرگوں کی موجودگی میں ہماری تقاریر ہوئیں اور پھر ہمارے پرچے بھی مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی نظر سے گزارے گئے اور دونوں بزرگوں کے اطمینان کے بعد ہمارے داخلے کو منظوری دی گئی۔

اس روز پہلی مرتبہ یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ حضرت امیر الہندؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی بے پناہ تعلیمی وتدریسی، تالیفی وتصنیفی اور انتظامی وجماعتی مشغولیات کے باوجود، تحفظ ختم نبوت وردقادیانیت کے کام کے حوالے سے کس درجہ سنجیدہ وفکرمند ہیں۔ ایک پون گھنٹے کے قریب ان دونوں بزرگوں کے بیچ شعبۂ تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی سالانہ کارکردگی اور آئندہ کے لائحۂ عمل پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ اپنے عہد کے ان دونوں بزرگوں کو ہم نے ایک دوسرے کے تئیں بے حد مخلص وباادب پایا، دونوں بزرگوں کے اندازِ گفتگو سے صاف مترشح ہو رہا تھا کہ ہر ایک اپنے کو کم تر اور دوسرے کو ہر لحاظ سے اپنے سے فائق وبرتر سمجھے ہوے ہے۔ اس بابرکت مجلس اور اس میں دونوں ہی قابلِ احترام اساتذۂ کرام کے درمیان ہونے والے ہلکے پھلکے مزاح کا منظر جیسے آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے۔ حق مغفرت کرے عجب مخلص وبے ریا لوگ تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ شعبۂ تحفظ ختم نبوت کے طلبہ کی سال بھر تعلیمی نگرانی فرماتے تھے اور طلبہ کا تحریری کام بھی اکثر وبیشتر وہ خود دیکھتے تھے۔ راقم سطور کا تحریر ومطالعہ سے رشتہ قائم

کرنے میں حضرت امیر الہند قدس سرہ کا بنیادی کردار ہے، آپؒ کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضری کی سعادت اللہ کے فضل سے ہمیں برابر حاصل ہوتی رہی، واقفین جانتے ہیں کہ قاری صاحبؒ کے ہاں غیر ضروری باتوں اور لایعنی کاموں کا کوئی گزر نہ تھا، وہاں وہی باتیں ہوتی تھی جن کا علم ودین سے یا ملک وملت کے حساس اور اہم مسائل سے تعلق ہوتا۔ قاری صاحبؒ یوں تو متعارف وغیر متعارف تمام ہی طلبہ پر مشفق ومہربان تھے، لیکن میں چوں کہ حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب شیر پوری مدظلہم صدر رابطۂ مدارس عربیہ صوبہ راجستھان وصدر جمعیۃ علماء راجستھان کے مشورے سے، اس شعبے میں داخل ہوا تھا، اس لیے آپؒ نے انتہائی شفقت و خیر خواہی کے ساتھ ساتھ، گاہ بہ گاہ تادیب وتنبیہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ بعد العصر کی ملاقاتوں میں شروع سال ہی میں تحفظِ ختم نبوت وردقادیانیت کی بابت انھوں نے سوالات پوچھنے شروع کر دیے تھے، جس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر اور کتب خانہ دارالعلوم میں موجود اس موضوع کی کتابوں کی ورق گردانی کی عادت سی ہوگئی تھی، ان کے سوالات کے صحیح ودرست جواب دینے لگا تھا اور اس کے عوض ان کی دلی دعائیں اپنا نصیبہ بنتی رہیں۔ لکھنے کے کام سے کوئی قابلِ ذکر وابستگی نہ تھی، تحفظ ختم نبوت کے سال یہ ہوا کہ حضرت قاری صاحبؒ بعض عنوانات طے فرما کر ان پر مضامین لکھنے کا حکم فرمادیتے اور وقت کی بھی تحدید فرمادیتے، خواہی نخواہی شب وروز لگ لگا کر طے کردہ عناوین سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا اور پھر مضامین لکھ کر ان کی خدمت میں حاضری دی جاتی۔ آپ کا معمول تھا کہ وہ ہماری ان بے ربط تحریروں کو بہ نظرِ غائر ملاحظہ فرماتے تھے، اچھی چیزوں پر حوصلہ افزا کلمات سے نوازتے اور جہاں کوئی خامی یا نقص دیکھتے، تو پھر کبھی مسکرا کر اور کبھی تنبیہ آمیز لہجہ میں، ان پر مطلع فرماتے تھے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ کو کوئی طویل سفر پیش آگیا اور آپ نے سفر ہی میں ہمارے ان مضامین کو چیک کیا، مضامین لینے کے لیے جب حاضری ہوتی تو آئندہ کے تحریری کام کا خاکہ پھر ہمارے سپرد کر دیا جاتا اور آپ کے مزاج واصول کے مطابق طے شدہ وقت میں اس کی انجام

دہی لازمی ہوتی، اللہ جزائے خیر دے مولانا اسداللہ صاحب بستوی کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کو کہ انھوں نے ہمیں بالکل شروع سال میں بتادیا تھا کہ حضرت کا دل جیتنے کے لیے ان کی جانب سے مفوضہ امور کو طے شدہ وقت میں انجام دینا ہوگا۔ اگر کسی وقت کوئی کام وقت پر نہ ہوا، تو پھر شفقت وخیرخواہی کے اس مجسم پیکر کی جلالتِ شان بھی آپ دیکھیں گے۔ استاذ گرامی قدر حضرت مولانا شاہ عالم گورکھپوری مدظلہم نے دفتر کی چابی میرے سپرد فرمادی تھی اور مطالعۂ کتب اور تحریری کام کے لیے مجھے اوقاتِ تدریس کے علاوہ، شب وروز میں کسی بھی وقت دفتر میں رہنے کی اجازت تھی۔

میری نادانی کا واقعہ اور حضرتؒ کی بے مثال شفقت ومحبت

بچپن تو بچپن ہوتا ہے، اس عمر میں غلطیوں کا صدور کسی نا کسی وقت ہو ہی جاتا ہے، تحفظ ختم نبوت کے سال مجھ سے ایک ایسا کام سرزد ہوا، جو حضرتؒ کی مرضی کے خلاف تھا، دراصل ۲۰۱۱ عیسوی کے اوائل میں میری مالیرکوٹلہ پنجاب میں شادی ہوئی تھی اور حضرت امیرالہند قدس سرہ اور مولانا گورکھپوری مدظلہم کے کسی سفر پر تشریف لے جانے کے بعد، میں صرف دوتین روز کی نیت سے مالیرکوٹلہ پنجاب چلا گیا تھا، اللہ معاف فرمائے میرے دل میں یہ بات تھی کہ حضرت کی اس سفر سے واپسی ایک ہفتے کے بعد ہی ہو سکے گی اور یہی غالبًا مجھے بتایا بھی گیا تھا، اتفاق کی بات کہ حضرتؒ دوسرے ہی روز واپس دیوبند تشریف لے آئے اور حسبِ معمول کسی خادم کے ذریعہ مجھے طلب فرمایا، مولانا اسداللہ صاحب کے ذریعہ جب آپ کو میرے مالیرکوٹلہ جانے کا علم ہوا، تو آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ مجھے مولانا بستوی نے فون پر ہی بتادیا تھا کہ حضرت تشریف لاچکے ہیں اور ان کے استفسار پر آپ کے سفرِ مالیرکوٹلہ پر جانے کی بات بھی ان کی خدمت میں عرض کی جاچکی ہے۔ اس خبر سے دل پر جو کچھ گزری، اسے کاغذ کے بے جان صفحات پر منتقل کرنا کارے دارد ہے۔ امید وبیم کے عجب خیالات دل میں لیے مالیرکوٹلہ سے دیوبند کا سفر طے ہوا۔ سب سے پہلے مولانا بستوی ہی سے ملاقات کی اور آپسی مشورے سے یہ

طے پایا کہ معافی نامہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، اس آزمائش سے بہ حفاظت نکلنے کا یہی واحد راستہ ہے۔ چناں چہ میں نے معافی نامہ میں اپنی اس غلطی کا صاف اور واضح لفظوں میں اعتراف کرنے کے بعد اس مفہوم کے بھی جملے لکھے تھے کہ: ''حضرت والا مدظلہم کی ذات والا صفات سے امید ہی نہیں یقین ہے کہ مجھے معاف فرمائیں گے اور اپنی شفقتوں سے ہرگز محروم نہ فرمائیں گے۔'' یہ عریضہ لکھ تو دیا، لیکن اب مشکل یہ تھی کہ اسے خدمت میں پیش کیسے اور کب کیا جائے، کیوں کہ اس بات کا بھی خوف تھا اور امکانات بھی اسی کے مؤید تھے کہ نظر پڑتے ہی ڈانٹ پڑے گی اور یہ عریضہ شاید جیب ہی میں لیے ہوئے واپس لوٹنا پڑے؛ اس لیے کافی غور وخوض کے بعد یہ راہ نکالی کہ اس معافی نامہ کو سب سے پہلے تو لفافے میں بند کیا جائے اور پھر اسے ایسے وقت آپ کے دولت کدے پر پہنچایا جائے، جب کہ آپؒ تکمیل ادب کا گھنٹہ پڑھانے کے لیے درس گاہ تشریف لے جا چکے ہوں، اسی پر عمل کیا گیا، یہ تحریر عصر سے پہلے ہی آپ نے دیکھ لی تھی۔ عصر کے بعد بوجھل قدموں کے ساتھ خدمت میں حاضری دی، تو یہ دیکھ کر میری حیرت ومسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ علیک سلیک کے بعد، انھوں نے ''آیئے بیٹے مولوی عارف'' کہہ کر مجھے پکارا اور پھر یہی سفرِ مالیر کوٹلہ کا واقعہ ومعافی نامہ، ہمیشہ کے لیے ان کی مزید عنایتوں وشفقتوں کا موجب بن گیا۔ اس واقعہ کے بعد پھر میں نے ان کے مزاج واصول پسندی کی رعایت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اور اس کے فوائد ومنافع مجھے اپنی تعلیمی وتدریسی اور تالیفی وتصنیفی زندگی میں قدم قدم پر محسوس ہوئے۔

دارالحدیث دارالعلوم میں احقر کی تقریر پر آپؒ کا اظہارِ مسرت

شعبۂ تحفظ ختم نبوت میں داخل طلبہ کے اخیر سال میں دارالحدیث دارالعلوم دیوبند میں، تحفظ ختمِ نبوت و ردقادیانیت کے موضوع پر تقاریر کرنے کی روایت عرصۂ دراز سے چلی آ رہی ہے، اس پروگرام میں مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے جن اکابر واساتذہ کی شرکت رہتی ہے، ان میں حضرت امیر الہند قدس سرہ، حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہم، حضرت مولانا شاہ

عالم صاحب گورکھپوری مدظلہم اور حضرت مولانا مفتی راشد صاحب اعظمی دامت برکاتہم جیسے کئی ایک اساتذۂ دارالعلوم کے نام لائقِ ذکر ہیں، جب کہ سامعین میں عام طلبۂ دارالعلوم کے علاوہ تکمیلات اور محاضرات کے طلبہ بہ طورِ خاص شریک رہتے ہیں، جنھیں آخر میں دارالعلوم دیوبند کی جانب سے انعامی کتب پیش کی جاتی ہیں۔ ۲۰۱۲ عیسوی کے اس سالانہ پروگرام میں، حسبِ ضابطہ تحفظ ختم نبوت و ردقادیانیت کے عنوان پر دس منٹ کے قریب میری تقریر ہوئی۔ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر عرض ہے کہ دارالحدیث میں کسی بھی راجستھانی طالب علم کی ایسے اہم اجلاس میں یہ پہلی تقریر تھی، مفتی راشد صاحب اعظمی مدظلہم نے اس بات پر بہ طورِ خاص حیرت آمیز مسرت کا اظہار کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ دارالعلوم کی دارالحدیث میں جس نے تقریر کرلی، اسے پھر دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور کسی بھی عنوان پر تقریر کرنے میں کوئی ادنی مشکل بھی پیش نہیں آتی؛ اس لیے امید ہے کہ اب آپ تقریری طور پر اپنے کام کو آگے بڑھانے میں کام یاب ثابت ہوں گے۔ اس پروگرام کے بعد جب حضرت قاری صاحبؒ سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات ہوئی، تو آپ کے چہرہ مبارک پر خوشی و مسرت کے آثار صاف نظر آرہے تھے، فرمانے لگے: ''تمہاری تقریر اچھی و معلوماتی تھی اور سامعین توجہ سے سن بھی رہے تھے؛ لیکن قلتِ وقت کے پیشِ نظر دس منٹ سے زیادہ وقت دینے کی گنجائش نہ تھی'' یہ ان کی حوصلہ افزائی کا انداز اور ذرہ نوازی کا مظہر تھا، ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔

تفسیر اظہار القرآن کے رسمِ اجراء کے موقع پر انڈیا اسلامک کلچر سینٹر دہلی میں آپؒ سے ملاقات

امیر الہند قدس سرہ زمانۂ طالب علمی میں بھی اور بعد از فراغت بھی اپنے مفید و صائب مشوروں سے نوازتے رہے۔ فراغت کے معاً بعد میرا دو سال تک دہلی میں قیام رہا۔ دہلی میں شروع کے کچھ ماہ مجلس تحفظ ختم نبوت ساؤتھ دہلی کے مبلغ کی حیثیت سے کام کیا، جس کی روداد

لکھ کر اسی زمانہ میں حضرت امیر الہندؒ اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہم کے نام بہ ذریعۂ ڈاک دیوبند بھیجی گئی تھی۔

دہلی کے زمانۂ قیام میں اللہ عزاسمہ نے محض اپنے فضل وکرم سے تفسیر اظہار القرآن پر کام کی سعادت نصیب فرمائی۔ دراصل مولانا اظہار صاحب دیوبندیؒ کے حسبِ ایما مولانا انیس احمد صاحب آزاد قاسمی بلگرامی نقشبندی مدظلہم نے ''تفسیر درسِ قرآن'' جدید نام ''تفسیر اظہار القرآن'' کی از سرِ نو تصحیح وترتیب کا کام شروع کیا تھا، جس میں حضرت تھانویؒ کے ترجمے کے علاوہ، مولانا انیس احمد صاحب کا لفظی ترجمہ بھی شامل ہے اور مولانا مدظلہم کے حکم پر اس تفسیر کی تصحیح کا کام اس ناکارہ کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

دس جلدوں پر مشتمل اظہار القرآن کے رسمِ اجرا کے مبارک ومسعود موقع پر حضرت امیر الہندؒ اور حضرت امیر شریعت مولانا محمد ولی رحمانی صاحبؒ وغیرہ جیسے ملک وبیرون ملک کے متعدد اکابر علمائے دیوبند رونقِ اسٹیج تھے۔ مجھے یاد ہے جب مولانا بلگرامی صاحب مدظلہم نے آپؒ سے اس موقع پر شرکت کی گزارش کی، تو آپؒ نے اس شرط کے ساتھ شرکت کو منظوری دی کہ پہلے وہ اس تفسیر کی ایک آدھ جلد کا مطالعہ کریں گے اور پھر شریک ہوکر حسبِ توفیق اپنی معروضات بھی پیش کریں گے۔ چناں چہ اظہار القرآن کی شروع کی ایک دو جلدیں آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں اور ان کے ملاحظے کے بعد، آپؒ نے وعدے کے مطابق رسمِ اجراء کی نسبت پر منعقدہ اس پروگرام میں شرکت کی، کئی گھنٹے مسلسل اسٹیج پر رونق افروز رہے اور آخر میں اپنا پرمغز صدارتی خطاب فرمایا، جس میں تفسیر اظہار القرآن کے حوالے سے آپ نے چشم کشا باتیں ارشاد فرمائی تھیں اور اپنے مخصوص انداز میں چند ایک ایسی باتیں بھی بڑی صفائی وبے باکی کے ساتھ کہہ گئے تھے، جن کے ذکر سے آج کل حکمت ومصلحت کی آڑ لے کر پہلو تہی کی جاتی ہے۔ پروگرام کے اختتام پر جب آپ واپس تشریف لے جانے لگے، تو میں نے گاڑی کے قریب پہنچ کر مصافحہ کیا۔ میں ان دنوں لدھیانہ تھا اور یہ ملاقات کم از کم ڈیڑھ دو سال بعد ہو رہی

تھی، خیال یہ تھا کہ شاید حضرتؒ سے آج تعارف کرانا پڑے گا؛ لیکن ملتے ہی نام لے کر مخاطب کیا اور تفسیر ''اظہار القرآن'' کے اس کام پر مجھے مبارک باد اور اپنی بزرگانہ دعاؤں سے نوازا۔

مسلمانانِ ہند کے نام امیر الہندؒ کے چند اہم پیغام

امیر الہند حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ ۲۰۰۸ عیسوی میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر منتخب ہوے، تیرہ چودہ سال تک آپ جمعیۃ علماء کے منصبِ صدارت پر فائز رہے۔ اس مدت میں آپ نے جس دور اندیشی، بالغ نظری، بیدار مغزی، دینی غیرت وحمیت اور سیاسی بصیرت کا بھرپور ثبوت پیش فرمایا، اس کی کماحقہ تفصیل کے لیے ایک مستقل فرصت درکار ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے منصبِ صدارت پر آپ کا فائز ومتمکن ہونا جمعیۃ علماء کے حق میں اللہ کا ایک عظیم انعام ثابت ہوا۔ آپؒ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے اکابر کی اس معروف جماعت سے دلی تعلق تھا، آپؒ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں، اپنے محسن ومربی حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند اور سن ۶۰ و ۷۰ کی دہائی کے معروف اکابر علماء جمعیۃ کے خطابات سے وقتاً فوقتاً استفادہ فرمایا تھا، میں نے خود آپ کی زبانی یہ بات سنی ہے کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں شہر مظفر نگر میں منعقدہ اُس جمعیۃ کانفرنس میں شریک وشامل ہوے تھے، جس میں مقرر خصوصی کی حیثیت سے، سیرت کے معروف مقرر اور جمعیۃ علماء صوبہ یوپی کے قدیم فعال ومتحرک رکن حضرت مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوریؒ تشریف لائے تھے اور انھوں نے ایک ڈیڑھ گھنٹے کے خطاب میں جمعیۃ علماء ہند کے ہر چھوٹے بڑے کام کو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے ثابت کیا تھا۔ بعدہ اسی مضمون کی ایک سو صفحات کی کتاب ''جمعیۃ علماء ہند: تعمیری جد وجہد'' کے نام سے حضرت فدائے ملتؒ نے مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلویؒ سابق ناظم جمعیۃ علماء صوبہ دہلی سے لکھوائی تھی۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت امیر الہندؒ پچھلے کچھ سالوں سے جمعیۃ علماء کے سمیناروں اور مخصوص پروگراموں میں جن کتابوں کے مطالعہ کی جانب حضرات علماء کی توجہ بہ طورِ خاص مبذول فرمایا کرتے تھے، ان میں یہ کتاب بھی شامل ہے۔

بہر کیف: آپ نے زمانۂ طالب علمی میں اور پھر جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ و دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تدریس میں جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر و مشائخ کے فکر و مزاج اور ان کے روشن کردار کا بہ نظرِ غائر مطالعہ فرمایا تھا، پھر یہ چیز مطالعے تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ موقع بہ موقع آپ نے حضرت فدائے ملتؒ کی زیرِ سرپرستی جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے زمینی سطح کے کام کیے اور حضرت فدائے ملت قدس سرہ کے زمانے میں آپ نے جمعیۃ علماء ہند کی ''ملک و ملت بچاؤ'' تحریک میں شامل ہوکر، کچھ وقت دہلی کی تہاڑ جیل میں قید و بند کی صعوبت بھی اٹھائی۔ جمعیۃ علماء اور اس کے اکابر و مشائخ کے افکار و نظریات کو جس طرح انہوں نے سمجھا اور جس کمالِ خوبی کے ساتھ عوام و خواص میں ان کی ترجمانی کا حق ادا کیا، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ جمعیۃ علماء اور اس کے محترم صدور سے ذہنی و فکری ہم آہنگی اور طویل تعلق کے پیشِ نظر، بہ جا طور پر آپ کو جمعیۃ علماء ہند کے منصبِ صدارت پر فائز کیا گیا اور حسبِ توقع آپ کے زمانۂ صدارت میں جمعیۃ علماء ہند نے ملک و ملت کے لیے وہ عظیم الشان اور ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں، جنہیں اس ملک کی علمی و دینی اور سیاسی و سماجی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور یہ خدمات حضرتؒ کے حق میں مغفرت اور رفعِ درجات کا ذریعہ اور سامان بنیں گی ان شاء اللہ۔

جمعیۃ علماء سے وابستہ آپ کی روشن خدمات کا ذکر اس مختصر مضمون میں مشکل بھی ہے اور دوسرے یہ کہ بہت سے مقالہ نگار حضرات اس عنوان پر خامہ فرسائی کا فریضہ انجام دیں گے، اس لیے یہاں ان چیزوں کے اعادے و تکرار کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔ ہاں البتہ حضرت امیر الھند قدس سرہ نے تحریری و تقریری شکل میں اسلامیانِ ہند کو جن بہت سے اہم اور مفید ترین مشوروں اور ہدایات سے نوازا اور ایک ادنی شاگرد و خادم ہونے کے ناتے جن سے استفادے کا اس راقم سطور کو وقتاً فوقتاً شرف حاصل ہوا، ان ہدایات و پیغامات میں چوں کہ ملک و ملت کے مستقبل کے حوالے سے بڑی عمدگی کے ساتھ رہنمائی فرمائی گئی ہے، اس لیے افادۂ عام کی غرض سے حضرتؒ کی ایسی ہدایات و نصائح کا ''باتیں ان کی ہے، قلم میرا ہے'' کے اصول کے تحت ذکر کیا جاتا ہے:

انتخابی سیاست اور جمعیۃ علماء ہند

تقسیمِ ہند و پاک سے پہلے جمعیۃ علماء ہند نے جماعتی حیثیت سے ملک کی انتخابی سیاست میں حصہ لیا تھا اور برسوں یہ روایت جاری رہی۔ آزادی و تقسیمِ وطن کے بعد اکابرینِ جمعیۃ نے طویل غور و خوض کے بعد الیکشنی سیاست سے دست بردار ہو کر ملک و ملت کی ہمہ جہتی خدمات کا اعلان کیا اور ان کا یہ فیصلہ ملک کے مخصوص سیاسی منظر نامے کے پیشِ نظر بالکل درست ثابت ہوا۔ جمعیۃ کے اکابر یہ اعلان نہ فرماتے، تو من حیث الجماعۃ یہ جمعیۃ اپنا وجود برقرار رکھنے میں شاید کام یاب نہ ہو پاتی اور ملک کی دوسری بہت سی سیاسی تنظیموں و جماعتوں کی طرح اسے بھی لا مذہبی سیاست کا عفریت نگل چکا ہوتا۔

جمعیۃ علماء کے اکابر نے من حیث الجماعۃ الیکشنی سیاست سے علحدگی ضرور اختیار کی؛ لیکن مطلق سیاست سے علحدگی کی راہ ہرگز ہرگز نہیں اپنائی، جیسا کہ بعض لوگ تاریخِ جمعیۃ سے عدمِ واقفیت کے سبب، جمعیۃ علماء کی جانب ایسی بے بنیاد باتیں منسوب کرتے ہیں، جمعیۃ علماء کے اکابر و ذمے داران نے انفرادی طور پر خود بھی الیکشنی سیاست میں حصہ لیا، اپنے ہم مذہب نمائندگان کو راجیہ سبھا و لوک سبھا کے الیکشن میں کامیاب کرانے کے لیے ہر ممکن جد و جہد کی اور ہر سیکولر و غیر فرقہ پرست امیدوار کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کہیں کھل کر اور کہیں پسِ پردہ کوششیں کیں اور آج بھی جمعیۃ علماء اپنے اسی نظریے اور طریقِ کار پر قائم ہے۔ محض رعایا کے طور پر یہاں رہنا اور کسی بھی درجے کی کوئی سیاسی و سماجی طاقت پیدا نہ کرنا یہ تو ایک طرح سے اپنی موت آپ مر جانے کے مترادف ہے، جمعیۃ علماء ایسی غفلت و نادانی کی ابتدا ہی سے مخالفت کرتی آئی ہے۔ دینی و عصری تعلیم یافتہ طبقے کا فرض ہے کہ وہ صوبائی و ملکی سطح پر جمعیۃ کے اس نظریے کو عام کرنے میں اپنا کردار ادا کریں، تا کہ بے بنیاد افواہوں کا پردہ چاک ہو سکے۔

جمہوری طرز کی مسلم سیاسی پارٹی آپ کی نظر میں

ہمارا یہ ملک جمہوری اور سیکولر اسٹیٹ ہے، سیاسی نوعیت کے کاموں میں ملک کی اس

حیثیت کا پاس ولحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے، ورنہ قدم قدم پر ناکامی کا سامنا کرنا ہوگا۔ ہمارے اس ملک میں مسلم اور غیر مسلم اراکین پر مشتمل بہت سی ایسی سیاسی جماعتیں ہیں، جن کے لیڈر اور مکھیہ غیر مسلم برادرانِ وطن ہیں۔ ایسے ہی وقت کی ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان بھی کسی ایسی سیاسی جماعت کو وجود بخشیں، جس کے اراکین صرف مسلمان ہی ہرگز نہ ہو کہ ایسی جماعت پر فرقہ واریت کا ٹھپہ لگا دیا جائے گا اور وہ چند قدم بھی چل نہیں سکے گی؛ بلکہ اس کے ارکان و کارکنان مسلم و غیر مسلم سبھی ہوں اور اس کی قیادت کسی سنجیدہ، مخلص اور دور اندیش مسلمان کے ہاتھ میں ہو، اس طرح ہمارے بہت سے اجتماعی قسم کے حساس اور ضروری مسائل حل کی دہلیز تک پہنچ سکیں گے، مسلمانوں کا منتشر شیرازہ مجتمع ہو سکے گا اور ملک کی کوئی بھی سیاسی جماعت انتخاب اور دیگر اہم مواقع پر انھیں فراموش کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گی، جیسا کہ اس وقت منتشر ملت اسلامیہ ہندیہ کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہو رہا ہے۔ شکر ہے کہ اس تکلیف دہ صورتِ حال کا احساس وشعور کسی حد تک خود ملت کو ہونے لگا ہے، جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ خدا کرے یہ احساس وشعور ملکی سطح پر ملت کے اتحاد واتفاق کا ذریعہ بن جائے کہ یہ عہدِ حاضر کی ایک بہت بڑی و بنیادی ضرورت ہے اور ملک وملت کے مخلص وخیر خواہ لوگ اس کام کے لیے اپنی اپنی سطح پر کوشاں اور فکر مند بھی ہیں۔ یہ ایک بڑا صبر آزما کام ہے، حکمت ومصلحت کے ساتھ بہ تدریج ایسے کام کو لے کر آگے بڑھنا چاہیے اور ایسا کرنے والوں کے تعاون کو اپنی سعادت سمجھنا چاہیے۔

خدامِ جمعیۃ کی حقیقی کام یابی کا راز

ہمیں یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہاں کا ہر مسلمان جمعیۃ علماء کے طریقِ کار اور اس کے نظریے سے متفق نہیں ہے۔ مسلمانوں میں اور ان میں بھی بالخصوص نوجوانوں میں بہت سی ایسی جماعتیں سرگرم ہیں، جو آپ کے اور آپ کی جمعیۃ کے نظریہ سے عام لوگوں کو بھٹکا رہی ہیں، اس لیے ہمیں بھی صرف مقالہ نگاری اور مدحِ اکابر تک ہی محدود رہنے کے بجائے، زمینی سطح پر بھی کام کرنا ہوگا، جبھی ہم بہت سے عوام وخواص کے شکوک وشبہات کو

زائل کرنے میں کام یاب ہوسکیں گے اور سچی بات یہ ہے کہ جب تک ہم لوگوں میں چل پھر کر کام نہیں کریں گے اور ان کی تلخ و شیریں معروضات کو ٹھنڈے دل و دماغ سے نہیں سنیں گے، اس وقت تک ہمیں جمعیۃ علماء کے نظریہ اور اس کے مخالف افراد اور تنظیموں و جماعتوں کے نظریات کا فرق معلوم نہ ہوگا اور تقابلی انداز میں نظریات کے اس فرق کو سمجھے بغیر، جمعیۃ علماء کے کام کو مکمل بصیرت کے ساتھ آگے بڑھانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا، اس لیے زمینی سطح پر کام کیجیے اور اپنوں و بیگانوں کے ساتھ ''اشتراکِ عمل'' کے اعلان کو عملی جامہ پہنانے کی پوری پوری کوشش کیجیے، کیوں کہ اس کی ضرورت ویسے تو پہلے بھی تھی؛ لیکن اب اس وقت پہلے سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

سیاسی شعور بیدار کیجیے

ملک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں ایسے افراد بہ کثرت موجود ہیں، جنھوں نے اپنا ووٹر کارڈ تک نہیں بنوایا ہوا ہے اور ملکی سطح پر ایسے لوگوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ہے، جنہوں نے ووٹر کارڈ ضرور بنوالیا ہے، لیکن ووٹ دہندگان کی فہرست سے ان کے نام ہنوز خارج ہیں، ہمیں اپنی اپنی سطح پر عوام کے سیاسی شعور کو بیدار کرنا ہوگا، لوگوں کے ووٹر کارڈ بنوانے ہوں گے اور جن کے نام ووٹر لسٹ سے غائب ہیں، انہیں اس میں شامل کرواکر، انھیں ووٹ دینے کی منزل تک پہنچانا ہوگا اور یہ کام ذاتی مفادات سے اوپر اٹھ کر صرف اور صرف ملک و ملت کی خدمت کے جذبے اور رضائے الٰہی کی نیت سے کرنا ہوگا، اس طرح ہم ملک کے جمہوری و سیکولر ڈھانچے کو بچانے اور اسے پختگی عطا کرنے میں اپنا مضبوط اور منظّم کردار ادا کرنے والے گردانے جائیں گے اور ملک عزیز کو اس وقت ایسے مخلص جیالوں کی سخت ضرورت ہے۔ حالات کے رخ سے یہ بات صاف ہے کہ ملک کے سیکولر ہونے اور اس کے فوائد و منافع کے صرف زبانی ذکر و تذکرے تک محدود رہنا اور اس کی سیکولر و جمہوری حیثیت کو مضبوطی عطا کرنے کے لیے زمینی سطح پر خاطر خواہ کام نہ کرنا، مستقبل میں نت نئے مصائب و مشکلات کو جنم دے گا۔

تقسیمِ ملک کے بعد کے حالات میں ہمارے لیے لائحۂ عمل کیا ہو؟

یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ تقسیمِ ملک سے پہلے بھی ہند کے مکینوں کو مختلف چیلنجوں اور حالات وابتلائات سے گزرنا پڑا اور اس دور کے اہلِ دل قائدین ومشائخ اور اہلِ علم وفضل نے ملک اور باشندگانِ ملک کے تحفظ و بقا کے لیے عظیم قربانیاں پیش کیں۔ وہ کس نوعیت کے حالات تھے؟ ان حالات کو اس دور کے قائدین ورہنمایان نے کس طرح انگیز کیا؟ اور ملک و ملت کو ان حالات ومشکلات سے بہ سلامت نکالنے میں وہ کیوں کر کام یاب ہوئے؟۔ اس سلسلے کی تفصیلات کو جاننے لیے ہر عالمِ دین کو؛ بلکہ ہر خادمِ ملک وملت مسلمان کو حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ کی کتاب ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی تصنیف ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کا بالضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس سے مایوسی اور بے اطمینانی کی کیفیت ختم ہوگی اور ملک وملت کی درست اور نتیجہ خیز قیادت وسیادت کے طرق کا علم و اندازہ ہوگا۔

جہاں تک تقسیمِ ہند اور اس کے بعد پیدا شدہ حالات وچیلنجز میں ملت اسلامیہ ہندیہ کی رہبری ورہنمائی کا سوال ہے، تو اس سلسلے میں ہمیں بہ طورِ خاص ان مشائخ وعلماء کے نقوشِ قدم پر چلنا ہوگا، جنھوں نے تقسیمِ ملک کے بعد ملک وملت کو سنبھالا اور ہر طرح کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کر کے ملت کو اپنے وجود اور محفوظ مستقبل کا اطمینان دلانے میں کام یاب ہوئے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ جیسے بہت سے علماء و دانشوران اسی عہد کی یادگار ہیں، جن کی پوری زندگی خدمتِ دین وملت سے عبارت رہی ہے۔ ہمیں ملک کے موجودہ حالات میں کوئی بڑا اور قابلِ ذکر کام کرنے کے لیے ان حضرات کی حیات وخدمات سے رہنمائی ملے گی؛ اس لیے مؤخر الذکر اکابر کی سوانح عمریوں کا بڑی باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرنا، موجودہ قائدینِ ملک وملت کے لیے بے حد ضروری ہے۔

عدمِ تشدد کی پالیسی اور جمعیۃ علماء کا واضح موقف

برادرانِ وطن کے ساتھ عدمِ تشدد اور رواداری کی پالیسی پر جمعیۃ علماء اپنے قیام کے روزِ اول سے عامل رہی ہیں اور ہمارے اکابر رحمہم اللہ ذرا ذرا سی باتوں پر مشتعل نہ ہونے اور صبر وتحمل سے کام لینے کی تلقین بھی برابر کرتے چلے آئے ہیں؛ لیکن اس عدمِ تشدد اور رواداری کے یہ معنی ہرگز ہرگز نہیں کہ اگر کوئی شخص براہِ راست ہم سے آ ٹکرائے اور ہماری جان و مال یا عزت وآبرو پر حملہ آور ہو، تو ہم جمہوری طور پر اپنا مضبوط دفاع اور معقول جوابی کاروائی کے بجائے اپنے کو مکمل طور پر حملہ آور کے حوالے کردیں، ایسے موقع پر منھ توڑ جواب دینا یہ جمعیۃ علماء کا دوٹوک موقف رہا ہے۔ تقسیمِ ہند و پاک کے بعد جب ملک بھر میں فرقہ وارانہ فسادات عام ہو گئے تھے، تو ان دنوں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا اس مفہوم کا جملہ بہت مشہور ہوا تھا کہ از خود کسی سے لڑائی نہ کرو؛ لیکن اگر کوئی شخص تم پر حملہ کرے، تو پھر بے خوفی کے ساتھ جی جان سے ایسا سخت مقابلہ کرو کہ حملہ آور کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دو۔ جمعیۃ علماء کے اس بے غبار موقف کو بھی مغالطہ آمیزی کے ساتھ عوام میں بعض مقامات پر پیش کیا گیا ہے، جمعیۃ علماء کی اس پالیسی سے بھی عوام کو مناسب انداز میں روشناس کرایا جائے اور انہیں یہ بتایا جائے کہ جمعیۃ علماء جس طرح اسلامیانِ ہند کے دینی عقائد ونظریات کی سرحدوں کی محافظ ہے، اسی طرح وہ ان کی ملک میں مضبوط پوزیشن کے حوالے سے بھی برابر ساعی وفکر مند ہے۔ یوتھ کلب کا نظام جس کا دائرہ بہ تدریج ملک کے مختلف صوبوں تک پھیلایا جارہا ہے، اس کا ایک مقصد تذبذب کے شکار نوجوان اور ادھیڑ عمر کے مسلمانوں میں یہ احساس بیدار کرنا بھی ہے کہ وہ اس ملک میں سر اونچا کرکے باوقار زندگی گزاریں، مایوسی کو دل ودماغ سے یکسر نکال دیں اور یہ بات ذہن میں اچھی طرح راسخ کرلیں کہ ہمیں اسی ملک میں رہنا ہے اور اس ملک کی ترقی اور اس کے استحکام میں اپنا بھرپور کردار بھی ادا کرتے رہنا ہے۔

امیر الہندؒ کا سفرِ پنچکولہ چنڈی گڑھ اور آپ کا اہلِ علم سے آخری طویل خطاب

۲۸؍فروری ۲۰۲۱ عیسوی کو جمعیۃ علماء پنجاب، شمالی ہریانہ، ہماچل و چنڈی گڑھ کی جانب سے، پنچکولہ میں ''تربیتی مذاکرہ'' کے عنوان سے ایک اہم پروگرام رکھا گیا تھا، اس پروگرام کی پہلی نشست کے آخر میں حضرت امیر الہندؒ نے صدارتی خطاب فرمایا، جو ایک گھنٹے اور پانچ منٹ تک جاری رہا تھا، یہ حضرتؒ کا اس فانی دنیا میں آخری طویل خطاب تھا، پروگرام میں چاروں صوبوں سے منتخب علماء اور ملی وسماجی کارکنان شریک ہوئے تھے، حضرتؒ نے صدارتی خطاب میں معاشرتی بگاڑ، اس کی وجہ سے قومِ مسلم کی دین سے دوری اور دین بیزاری اور اس کے سدِ باب کے طرق کے عنوان پر اپنا خونِ جگر نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔

آپ نے اس بیان میں عوام میں رائج منکرات کا ذکر کرتے ہوے، حضراتِ علماء سے صاف صاف فرمایا تھا کہ اگر ہم نے امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا کام اصول وآداب کی رعایت کے ساتھ نہ کیا، تو پھر ہم اس مقامِ خیریت کے مستحق نہ ہوں گے، جس کا قرآن کریم کی اس آیت شریفہ میں ذکر فرمایا گیا ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ آمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ، مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ اس آیت سے یہ بات صاف ہے کہ ایمان باللہ میں امر بالمعروف ونھی عن المنکر کا فریضہ شامل ہے اور اس فریضے کی ادائیگی میں کسی بھی درجے کا تسامح ہمارے لیے دینی ودنیاوی بہر دو لحاظ سے نقصان وخسران کا سبب بنے گا، جیسا کہ یہود کے ساتھ ہوا۔ آپ نے یہ بات بہت زور دے کر فرمائی تھی کہ بہ حیثیت مجموعی امت کا ایک بہت بڑا طبقہ قرآن کریم کی تعلیم سے دور ہے اور خود اپنا تجربہ بیان فرمایا کہ ہم نے ایسے علاقوں کے دینی اجتماعات میں جہاں ہر چہار جانب بڑے بڑے مدارس قائم ہیں، جب یہ پوچھا کہ یہاں تو

ماشاءاللہ سب کے سب قرآن پڑھے ہوئے لوگ ہیں؟ تو جواب ملا کہ بے پڑھوں کی شرح پڑھے ہوئے لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے؛ اس لیے ہم طبقۂ علماء کو قرآن کریم کی تعلیم کو لفظاً و معناً عام کرنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا

اس خطاب میں آپ نے شیخ سعدی شیرازیؒ کا یہ شعر ایک وجد کی سی کیفیت کے ساتھ پڑھا تھا اور اسے ایک سے زائد بار دہرایا تھا ''بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اسا'' اس شعر کی روشنی میں آپ نے فرمایا تھا کہ ہمیں برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی کوشش کرنی ہے اور عوام کو بھی اسی کی تلقین کرتے رہنا ہے، اس پر کافی تفصیلی گفتگو فرمائی اور کچھ قرآنی آیات کا بھی سہارا لیا تھا اور حدیث نبوی ''خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ یَنۡفَعُ النَّاسِ'' کو بھی تفصیل و تشریح کے ساتھ ذکر فرمایا تھا۔ آپ کی یہ بات سو فی صد مبنی بر حقیقت ہے کہ معمولی معمولی باتوں اور کاموں کے بہانے مسلمانوں کے باہمی نزاعات ان کی پستی کا ایک بڑا سبب ہیں اور عوام میں قوتِ برداشت پیدا کرنا یہ عہدِ حاضر میں ہم علمائے مدارس، خانقاہوں کے مرشدین و مشائخ اور دیگر تنظیموں و جماعتوں کے قائدین کی ایک بہت بڑی اور بنیادی ذمہ داری ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ سے
حضرت گنگوہیؒ کی بیعت کا سبق آموز واقعہ

آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ عوام میں رائج منکرات کے ازالے کی کوششوں اور ان کی فکرِ اصلاح کے ساتھ ساتھ، ہمیں خود اپنی اصلاح سے بھی کبھی مستغنی اور بے نیاز نہیں رہنا چاہیے، کسی مستند روحانی بزرگ سے تعلقِ بیعت قائم کیے بغیر اس دور میں اصلاح کا ہو جانا مشکل کام ہے، اس لیے ہمارے بڑے بڑے اکابر و مشائخ نے اپنی تعلیمی و تدریسی اور تالیفی و تصنیفی مصروفیات کے ساتھ ساتھ، کسی اہل اللہ سے تعلق قائم کرنے اور بہ غرضِ اصلاح گاہ بہ گاہ ان کی

خدمت میں حاضری دینے کا اہتمام مدت العمر جاری رکھا اور وہ اس سب کے نتیجے میں علم وعمل کے افق پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔ اس ضمن میں آپ نے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک خطاب کا حوالہ دیا، جس میں حکیم الاسلامؒ نے حضرت گنگوہیؒ کے اس جوابی مکتوب پر گفتگو فرمائی تھی، جو شیخ الطائفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے حکم کی تعمیل میں آپ نے لکھا تھا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حاجی صاحب کو حضرت گنگوہیؒ نے لکھا تھا کہ آپ سے بیعت ہو جانے کے بعد اللہ کے فضل سے تین چیزیں نمایاں طور پر محسوس ہوئیں۔ ایک یہ کہ ''مادح اور ذام دونوں برابر ہو گئے ہیں''۔ حکیم الاسلام کے الفاظ میں اس کیفیت کا نام کمالِ تواضع ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ سے تعلق ہو جانے کے بعد ''امورِ شرعیہ امورِ طبعیہ بن گئے ہیں۔'' حکیم الاسلام کے مطابق اس کیفیت کا نام کمالِ عمل ہے اور تیسرے یہ کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو جانے کے بعد ''آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ میں باہمی تعارض محسوس نہیں ہوتا''، حکیم الاسلامؒ کے بیان کے مطابق اس کیفیت کو کمالِ علم کہتے ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ کمیٹی دارالعلوم دیوبند اور اصلاح معاشرہ جمعیۃ علماء ہند نے بڑی تعداد میں اصلاحِ معاشرہ کی غرض سے متعدد کتابچے اور پمفلٹ طبع کرا کر ملک بھر میں انہیں شائع کیا، آپ نے پنجاب اور ہریانہ کے ائمہ وعلماء کو یہ کتابچے اور پمفلٹ اپنے اپنے پتے سے شائع کرانے کی تلقین فرمائی اور بڑے پیمانے پر انھیں حسبۃً للہ گھروں اور مسجدوں میں تقسیم کرنے کا مشورہ دیا، نیز یہ بھی فرمایا کہ ناخواندہ لوگوں کو مسجد یا کسی اور جگہ بٹھا کر یہ مضامین سنائے جائیں اور خواندہ طبقے کو اس کے مطالعے پر آمادہ وراغب کیا جائے۔

آپ نے آخر میں مسکراتے ہوے یہ بھی فرمایا تھا کہ: ''صرف حیوانِ ناطق ہی نہ بنیں، کچھ حیوانِ کاتب بھی بنئے''۔

قادیانیت کے خلاف آپؒ کی زریں خدمات

تحفظِ ختم نبوت ورد قادیانیت کے محاذ پر آپ نے جو مخلصانہ خدمات انجام دی ہیں، وہ

تاریخ تحفظ ختم نبوت کا ایک روشن باب ہیں۔ ردقادیانیت پر آپ کے قلم سے نکلنے والے محاضرات ایک مضبوط ماخذ اور سند کا درجہ رکھتے ہیں، یہ بات تو خدائے علیم وخبیر ہی کے علم میں ہے کہ انہوں نے ان محاضرات کو لکھنے کے لیے کیسے بڑے بڑے مجاہدات اٹھائے اور اپنے شب وروز کے راحت وآرام کو اس عظیم کام کی خاطر کس طرح تج کیا؛ لیکن جس شخص نے بھی قادیانیت وردقادیانیت پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اس موضوع سے اسے کچھ بھی مناسبت حاصل ہے، وہ دل سے اس بات کا اعتراف کرے گا، کہ قادیانیوں اور ان کے رد میں ہمارے علماء کی جانب سے شروع سے اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا، حضرت امیر الہندؒ کی اس سب پر بڑی وسیع و عمیق نظر تھی اور آپ نے اپنے ان محاضرات میں ان تمام ہی مباحث وتفصیلات کا بڑی عمدگی و جامعیت کے ساتھ احاطہ فرمالیا ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے تکمیلات کے طلبہ کے سامنے ہر سال یہ محاضرات پیش فرمایا کرتے تھے، جس سے طلبہ کو بے حد نفع ہوتا، اس موضوع سے متعلق مزید معلومات یکجا کرنے کا شوق پیدا ہوتا اور ایسے بہت سے خوش نصیب طلبہ، دارالعلوم دیوبند کے اُس تربیتی کیمپ میں شرکت کی سعادت حاصل کرتے تھے، جس کا نظام حضرت امیر الہندؒ کی زیرِ سرپرستی اور حضرت الاستاذ مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری کی زیرِ نگرانی برسہا برس سے چلا آ رہا ہے۔ اس تربیتی و تدریبی نوعیت کے کیمپ میں حضرت امیر الہندؒ کے خطابات کو شرکائے اجلاس بڑے شوق سے سنتے تھے اور آپ کے اس سلسلے کے بیانات بڑے ہی پرمغز، بصیرت افروز اور دل و دماغ کو کھول دینے والے ہوتے تھے۔ حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹیؒ اور حضرت مولانا اسماعیل صاحب کٹکیؒ جیسے خدام تحفظ ختم نبوت سے ان کا تعلق ہمیشہ قائم رہا، وہ محاضرات میں اور تحفظ ختم نبوت کی نسبت پر منعقدہ دیگر پروگراموں میں تحفظ ختم نبوت کے خدام کا تذکرہ بڑے بلند الفاظ میں فرمایا کرتے تھے، بلکہ دارالعلوم دیوبند میں تحفظ ختم نبوت کے سال راقم سطور نے جب آپ کے محاضرات میں شرکت کی، تو آپ نے بعض ایسی شخصیات کی خدماتِ تحفظ ختم نبوت وردقادیانیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا، جن سے کچھ چیزوں میں ان کا

اور ان کے اسلاف کا فکری اور نظریاتی قسم کا اختلاف رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں حضرتؒ کی حینِ حیات ان کی چھہتر سالہ حیات وخدمات کا قریب سے مشاہدہ کرنے کی توفیق بخشی اور بعدالوفات بھی آپ کی حیات کے متعدد مخفی گوشوں سے آشنائی وواقفیت کا شرف حاصل ہوا۔ اس واقفیت کے نتیجہ میں یہ بات لکھی جاتی ہے کہ راقم سطور کو ان کی پاکیزہ زندگی میں کوئی ایک آدھ بھی ایسی مثال نظر نہ آسکی کہ آپ نے اختلاف کو کبھی مخالفت میں تبدیل کر کے حدود سے تجاوز کیا ہو۔ دراصل حضرتؒ ایک خدارسیدہ عالمِ دین تھے، وہ ہر کام محض رضائے الٰہی کی نیت سے کرتے تھے، حب جاہ وحب مال کا مرض تو گویا آپ کو چھوکر بھی نہیں گزرا تھا، آپ کے اس جیسے اوصافِ حسنہ واخلاقِ حمیدہ کی برکت تھی کہ آپ نہ صرف مسلکِ دیوبند کے عوام وخواص میں مقبول وہردل عزیز رہے، بلکہ ہر طبقۂ خیال کے لوگوں کے ہاں آپ کو اعتبار واستناد کا بلند مقام حاصل تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی یاد میں ہمہ وقت مشغول رہنے والی زبان اور اپنے خوف سے دھڑکنے والا دل عطا فرمایا تھا، ملک کے کسی بھی علاقے میں قادیانیت کے پھیلنے کی خبر، انہیں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپا کر رکھ دیتی تھی اور وہ اپنا فرض سمجھ کر ایسی جگہوں پر ہر طرح کی سفری صعوبتیں برداشت کر کے تشریف لے جاتے تھے اور اللہ کے فضل سے قادیانیت کا قلع قمع کر کے ہی واپس ہوتے تھے۔

حضرت مولانا اسماعیل صاحب کٹکیؒ کے بارے میں سنا ہے اور انہوں نے خود بھی کسی جگہ یہ بات لکھی ہے کہ انہوں نے قادیانیت کا نتیجہ خیز تعاقب کرنے کے لیے مرزا غلام قادیانی کی تمام کتابوں کا تین چار دفعہ بالاستیعاب مطالعہ فرمایا تھا۔ حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قادیانی کتب کے مندرجات پر کامل درجے کی مہارت وقدرت حاصل تھی۔ قادیانیوں کے ہاں مرزا غلام قادیانی، مرزا بشیر الدین محمود، مرزا بشیر احمد ایم اے، حکیم نورالدین بھیروی اور حکیم محمد احسن امروہوی کی کتابوں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، حضرتؒ کو ان جیسے کئی قادیانیوں کی کتابوں

کے مندرجات بڑی حد تک محفوظ تھے، وہ بالمشافہ گفتگو کے مواقع پر قادیانیوں کی پیش کردہ باتوں کو خود ان کی اپنی کتابوں کی رو سے باطل قرار دے کر ہوا کا رخ بدل دیا کرتے تھے اور وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ قادیانی کہاں، کب اور کیا حربے استعمال کرتے ہیں اور ان کا معقول حل اور مسکت جواب کیا ہے؟

حضرت الاستاذ مفتی
حبیب اللہ صاحب نعمانی جودھپوری کا یادگار خواب

امسال کورونا وائرس کے سبب مسجد چھتہ میں حضرت اقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم العالیہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ آٹھ دس ہی آپ کے مریدین و متعلقین اخیر عشرے کے اعتکاف میں بیٹھ سکے تھے، جن میں سے ایک راقم سطور کے مشفق و محسن استاذ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب نعمانی جودھپوری مدظلہم تھے۔ اخیر عشرے کی کسی تاریخ میں حضرت نعمانی مدظلہم نے خواب دیکھا کہ امیر الہند حضرت اقدس مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ تحفظِ ختم نبوت کے کام کو لے کر بے حد فکر مند ہیں، بار بار اس کام کو کرنے کی جانب توجہ دلا رہے ہیں اور ایک آدھ دفعہ ان کی زبانی اس مفہوم کا بھی جملہ سنا گیا کہ اب آئندہ اس کام کو کرنے کے لیے کیا نہج اور طریق کار اپنایا جائے گا اور یہ کہ اس اہم و اساسی ذمہ داری سے تغافل و سستی کی صورت میں کتنا بڑا نقصان ہوگا۔

حضرت الاستاذ مفتی حبیب اللہ صاحب نعمانی نے اس حقیر سے دورانِ گفتگو فرمایا تھا کہ اسی روز میرے دل میں یہ بات آ گئی تھی کہ اب حضرت امیر الہند قدس سرہ کا وقتِ آخر قریب آ پہنچا ہے۔ آپ نے حضرت امیر الہند کے مخصوص خدام سے یہ خواب بیان کیا؛ لیکن حضرت امیر الہندؒ کی شدتِ علالت کے پیشِ نظر، انہیں پھر کسی وقت یہ خواب سنانے کا مشورہ ہوا۔ اس خواب کے بعد حضرتؒ نے تیرہ چودہ روز اس فانی دنیا میں گزارے اور ۸ شوال المکرّم کو آپ کے حادثۂ وفات نے ملت اسلامیہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہ خواب آپ کے حق میں ایک نیک فال کا

درجہ رکھتا ہے، ہمیں باری تعالیٰ عزاسمہ کی ذات سے یقین ہے کہ ختم نبوت کے کام کے تئیں ان کی مخلصانہ کاوشوں کو شرفِ قبول حاصل ہوگا اور یہ کاوشیں ان کے حق میں مغفرت اور رفعِ درجات کا ذریعہ اور سامان بنیں گی۔ ان شاء اللہ

احقر کی ایک حسرت، جو پوری نہ ہوسکی

راقم سطور کا پچھلے ڈیڑھ دو سالوں سے یہ ارادہ تھا کہ حضرتؒ سے بہ راہِ راست رابطے کے ذریعے، ان کے سوانح وخدمات کی بابت معلومات حاصل کی جائیں اور انھیں قسط وار قلم بند بھی کیا جائے؛ تاکہ کسی وقت یہ کام ایک کتابی شکل میں منظرِ عام پر آکر عوام وخواص کے استفادہ کا ذریعہ بن سکے؛ مگر افسوس ہے کہ میں پچھلے ایک ڈیڑھ سال میں دیوبند جاکر حضرتؒ سے اپنی اس دلی خواہش کا اظہار نہ کرسکا اور پنچکولہ چنڈی گڑھ کی ملاقات میں اس کے ذکر کا بہ وجوہ موقع ہی نہ مل سکا اور اس طرح یہ خواہش صرف خواہش ہی رہ گئی۔ ''**وکم من حسرات فی بطون المقابر**''۔

خدائے کریم ہمارے حضرتؒ کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات بے حد بلند فرمائے، صاحب زادگان وشاگردان اور متعلقین ومنتسبین کو ان کے علمی ودینی اور ملی وسماجی مشن کی تکمیل کی توفیق بخشے اور دارالعلوم دیوبند وجمعیۃ علماء ہند کو ان کے نعم البدل سے نوازے، آمین۔

عالمانہ وقار اور داعیانہ کردار کا سنگم

مولانا مقصود احمد ضیائی استاذ جامعہ ضیاالعلوم پونچھ، جموں وکشمیر

حضرت اقدس مولانا قاری محمد عثمان صاحب علیہ الرحمہ نے تابدار زندگی گزاری، آپ ایک تقوی دار اور باتوفیق عالم دین تھے آپ کو کشمیر سے قلبی تعلق تھا، ہمارے یہاں کے اکابر کی وساطت سے حضرت قاری صاحب کی بارہا تشریف آوری رہی بطور خاص رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ جموں وکشمیر اور تحفظ ختم نبوت کے کئی پروگراموں میں موسم اور سڑکوں کی خرابی کے باوجود اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر شرکت فرماتے رہے۔

راقم الحروف کو دومرتبہ حضرت والا کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ایک بار جموں وکشمیر کی قدیم دانش گاہ جامعہ ضیاالعلوم پونچھ میں حضرت والا کی زیر صدارت تحفظ ختم نبوت کے کیمپ کا انعقاد ہوا تھا اس پروگرام میں حضرت مولانا شاہ عالم صاحب مدظلہ العالی گورکھپوری، استاذ دارالعلوم دیوبند کی بھی شرکت رہی چنانچہ حضرت قاری صاحب دیوبند سے تشریف لائے تو جموں سے پونچھ آمدورفت میں بھی اور جامعہ کے دوران قیام بھی خدمت کا موقع ملا اور مرکزی جامع مسجد بگیالاں پونچھ کی تعمیر جدید کی سنگ بنیاد بھی حضرت والا کے ہی ہاتھوں رکھی گئی تھی جو جدید فن تعمیر کی عظیم شاہکار ہے اور اہل خطہ کی مرکز توجہ بنی ہوئی ہے۔

سنگ بنیاد کے موقع پر بھی خدمت کا بھرپور موقع ملا اس عاجز کی ''تجوید کی کتاب'' کا مسودہ دیکھا تو فرمایا کہ مبتدیوں کے لیے عمدہ کتاب ہے میں نے تقریظ کے لیے درخواست کی، فرمایا نمونہ کاپی دے دیجیے، جسے حضرت والا نے فائل میں رکھ لیا اور پھر بدقسمتی سے رابطہ ہی قائم نہ رہ سکا۔

جموں سے پونچھ کے ایک سفر میں آتے وقت راجوری میں جناب عبدالقیوم میر صاحب کی جانب سے ان کے دولت خانہ پر ظہرانے کا اہتمام رہا، میزبان محترم نے نہایت عقیدت ومحبت سے خوش آمدید کہا اور بہترین تواضع کی، سفر میں ایک مقام پر کچھ احباب نے چائے سے تواضع کی، یہاں احباب سے بات چیت بھی رہی، مجلس میں ایک شخص نے سوال بھی کر ڈالا جو اختلافی قسم کا تھا حضرت والا نے بھانپ لیا اور اس انداز سے گفتگو جاری رکھی کہ سوال کا جواب رہ جا تا رہا تیسری بار سوال کے جواب میں حضرت والا نے ایسی خوبی کے ساتھ گفتگو فرمائی کہ سوال کا جواب بھی ہو گیا اور بہت سی قیمتی باتیں بھی اہل مجلس کے علم میں آ گئیں، حاضرین نے جسے پسند کیا اور حضرت والا کے طریقہ کار کو سراہا دوران سفر قاری صاحب کا کتب بینی کا عمل بھی جاری رہا۔

دن بھر سنگلاخ راہوں کا کٹھن سفر طے کرنے کے بعد رات کو جب کہ آرام کا تقاضہ تھا؛ لیکن اچانک پیغام آ گیا کہ دہلی میں اس وقت کے وزیر اعظم منموہن سنگھ کی جانب سے میٹنگ رکھی گئی ہے، جس میں حضرت والا کی شرکت لازمی ہے فوری تیاری کی اور بعد عصر جموں کے لیے ہم روانہ ہو گئے، یہ عاجز بحیثیت خادم جموں تک ساتھ رہا آمد ورفت کی وجہ سے میری تو حالت غیر ہو گئی تھی؛ لیکن میں نے محسوس کیا کہ الحمد للہ قاری صاحب پر بظاہر تھکاوٹ کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے دورانِ سفر راستے میں با جماعت نمازیں بھی ادا ہوتی رہیں، امامت کے لیے مجھے فرما دیتے جموں پہنچ کر نماز عشا ادا کی اور پھر بذریعہ جہاز دہلی کے لیے روانگی ہوئی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر علما وطلبہ کے بے پناہ قدرداں جناب چوہدری محمد شوکت صاحب جموں والوں کا ذکر خیر نہ آئے، جنہوں نے بصد شوق حضرت قاری صاحب قدس سرہ کے لیے جموں سے پونچھ آمد ورفت کے لیے اپنی گاڑی پیش کی اور فرمایا کہ یہ گاڑی علما کرام کے لیے ہی مختص ہے، جہاں بھی ضرورت پڑتی ہے حاضر رہتی ہے اللہ پاک آں محترم کو دارین میں بہترین بدلہ دے۔

یاد آ رہا ہے کہ قاری صاحب جس مہینے میں پونچھ تشریف فرما ہوے تھے اس کے بعد والا مہینہ اگست کا مہینہ تھا آزادی کے حوالے سے ہمارے یہاں سرکاری اور غیر سرکاری پروگرام

منعقد ہوتے رہتے تھے، ضیاالعلوم کی انتظامیہ چاہتی تھی کہ تحریک آزادی کے حوالے سے بلالحاظ مذہب وملت کوئی پروگرام منعقد کیا جائے جس میں ''جنگ آزادی میں علما اورعوام کا کردار'' سے معنون خطاب کرایا جائے حضرت قاری صاحب کی نشاندہی پر حضرت والا کے ہی صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری زیدہ مجدہم کو دعوت دی گئی اور گورنمنٹ ڈگری کالج پونچھ کے کانفرنس ہال میں یک روزہ پروگرام ہوا، جس میں حضرت مفتی صاحب کا نہایت مؤثر اور پرمغز خطاب ہوا اس پروگرام میں کثیر تعداد میں سرکاری عہدیداران نے بھی شرکت کی اس کے بعد یہ سلسلہ چندسال مزید جاری رہا۔

دوسری بار حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی علیہ الرحمہ ممبر پارلیمنٹ کو مدعو کیا گیا مولانا مرحوم کی خدمت بھی اس عاجز کے حصے میں آئی مولانا اسرارالحق قاسمی صاحب کی خدمت میں بھی اپنی ایک کاوش بنام ''اتحادملت'' پیش کی ابتدائیہ پڑھنے کے بعد فرمایا کہ عمدہ کوشش ہے مختصر بھی ہے آج کل لوگوں کی طبیعتیں بھی اختصار پسند ہیں اسے طباعت کرا کر زیادہ سے زیادہ علمی حلقوں میں تقسیم کرا دیا جائے، بطور خاص فرمایا کہ تعلیم گاہوں کی لائبریریوں اور دیگر کتب خانوں میں بھی پہنچا دیجیے اخبارات میں بھی قسطوار شائع ہوجائے تو اچھا رہے گا مسودے کی نمونہ کاپی اپنے پاس بھی رکھ لی نیز فرمایا کہ اس قسم کے پروگراموں کے موقع پر جن مقررین کو مدعو کیا جائے وہ اس قسم کے ہونے چاہئیں جن کا رشتہ تقریر کے ساتھ تحریر کا بھی ہو اس موقع پر جہاں ان کی تقریر ہو وہاں موضوع کے تعلق سے تحریری پیغام بھی ہونا چاہیے، جو پمفلٹ کی صورت میں حاضرین میں تقسیم کرادیا جائے۔

دراصل مولانا اسرارالحق قاسمی مرحوم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندوی رحمہ اللہ کے ساتھ کام کر چکے تھے؛ اس لیے آپ کے کام کرنے کا انداز بھی مفکر اسلام رحمہ اللہ کی طرح کا معلوم ہوا، مولانا مرحوم کی یہ تجویز قابل قبول تجویز ہے، میرے نزدیک اس قسم کے پروگرام کرانے والوں کو چاہیے کہ وہ اسے اپنانے کی کوشش کریں۔ بہرحال یہ عاجز اس سلسلہ میں بڑا ہی نصیبہ ور رہا ہے کہ مجھے مقتدر علما کرام کی خدمت کا موقع ملا اور اکابر سے استفادہ کی بھی

بھرپور کوشش رہی، اب تو ماشاءاللہ مزاج ہی کچھ اس قسم کا بن گیا ہے کہ سنجیدہ ماحول میں دیر تک بیٹھنا ذرا مشکل ہوتا ہے بڑوں کی مجلس میں کسی نہ کسی طریقے سے میں اپنے مقصد کے لیے ماحول بنا ہی لیتا ہوں اور جس سے بھی رابطہ ہوتا ہے وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگر کسی بڑی شخصیت سے رابطہ ہوا اوران کے علوم سے فائدہ نہ اٹھا پایا تو اسے میں اپنی نااہلی گردانتا ہوں۔

وہ لوگ کہ جنہیں کسی نہ کسی شکل میں بڑوں کا قرب حاصل ہوتا رہتا ہے، میری رائے ہے کہ وہ اس موقع کو ہرگز ضائع نہ کیا کریں، عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کے سیکھنے کا زمانہ بچپن کا ہی ہوا کرتا ہے؛ لیکن اس بات سے مجھے اتفاق نہیں ہے میں سمجھتا ہوں کہ سیکھنے کا زمانہ زندگی بھر کا ہوتا ہے اور ہر کسی سے سیکھنے کا ہوتا ہے؛ چوں کہ خدا کی زمین صلاحیت مند لوگوں سے کبھی بھی خالی نہیں رہی ہے، انسان اپنے اساتذہ سے بھی سیکھتا ہے قابل دوست احباب سے بھی اور بعض اوقات اپنے شاگردوں سے بھی سیکھتا ہے؛ لہٰذا جب بھی جس طرح بھی موقع میسر آئے گنوانا نہیں چاہیے۔

غرض کہ یہ پروگرام نہایت کامیاب رہے، کئی سال پہلے کی یہ یادیں خدا معلوم ذہن کے کس گوشے میں محفوظ رہیں اور آج حضرت والا کا سانحہ ارتحال مرتب کرتے وقت زیب قرطاس ہوگئیں یادش بخیر! حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ عالمانہ وقار اور داعیانہ کردار کا بہترین سنگم تھے آپ کے انتقال پرملال کی وجہ سے ملت اپنے ایک عظیم غم خوار سے محروم ہوگئی ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ جانے والوں کو جنت الفردوس کے مقام کریم سے نوازے اور امت کو نعم البدل عطا فرمائے اس صبر آزما موقع پر آپ کے لائق و فائق فرزندان ارجمندان مفتی سلمان منصور پوری و مفتی عفان منصور پوری اور جملہ اہل خانہ و اہل خاندان کی خدمت میں اس عاجز کی جانب سے مسنون تعزیت پیش ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

❍❖❍

اب اُنھیں ڈھونڈ چراغِ رخ زیبا لے کر

مولانا منظور احمد القاسمی استاذ مرکز المعارف دوانی ڈھانی جودھپور

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ فطری وجبلی اوصافِ حمیدہ واخلاقِ فاضلہ کے مالک تھے، حضرت قاری صاحب کی ذات ایک انجمن وادارہ تھی، وہ بیک وقت بے شمار دینی وسیاسی امورکو سرانجام دے رہے تھے، کبھی دارالعلوم کے منصبِ اہتمام پر جلوہ افروز ہوکر انتظامی امور کی گھتیوں کو سلجھانے میں مصروف، تو کبھی مسندِ درس حدیث پر بیٹھ کر طالب علموں کی علمی تشنگی کو بجھانے میں مست ومگن ہوتے اور کبھی جمعیۃ علماے ہند کے پلیٹ فارم کے توسط سے امت کو درپیش سیاسی مسائل کا حل تلاش کرنے اور امت کی رہبری میں اپنی موہوبی صلاحیتوں کا جوہر دکھاتے اور کبھی دورِ حاضر میں رونما ہونے والے فرق ضالہ اوران کے گمراکن وباطل نظریات کی تردید میں پیش پیش نظر آتے اور کبھی مختلف مسالک کے مابین یکجہتی، ہم دمی ویک دلی اور پوری امت مسلمہ کوایک پلیٹ فارم پر اکھٹا کرنے کے لیے تگ ودو میں اپنے ناتواں وکمزور جسم کوتھکاتے نظر آتے اور کبھی خانقاہ میں بیٹھ کر الا اللہ اور اللہ ہو کی ضربوں سے خلقِ خدا کے قلوب کومزکی ومصفی کرتے دکھائی دیتے، حضرت کی یہ خدمات مدتوں یادرکھی جائیں گی۔

حضرت اپنی اصابت رائے، دور بینی ومعاملہ فہمی بصیرت افروز مشورہ، زیرکی، چوکسی دانائی، احساس ذمہ داری جیسے صفات کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند وجمعیت علمائے ہند کے لیے ایک عظیم مردمجاہد تھے، ان کی رحلت سے دارالعلوم وجمعیت علمائے ہند کا عظیم خسارہ ہوا ہے،

بالخصوص ان موجودہ حالات میں جبکہ امت محمدیہ کی کشتی طوفانی حالات کے سمندر میں ہچکولے کھا رہی ہے، اب ان کی جگہ لینے کے لیے ظاہری اسباب کے تحت کوئی دور دور تک نظر نہیں آتا:

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے،
ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

حضرت قاری صاحب اپنے دور کے علما میں ایک خاص مقام وعظیم مرتبہ کی حامل شخصیت کے مالک تھے، جب وہ چلتے، تو عالمانہ وقار وصوفیانہ چال چلن، جب لب کھولتے تو محدثانہ شان وشوکت، جب کسی جگہ فروکش ہوتے تو شاہی متانت وسنجیدگی مترشح ہوتی تھی، اللہ حق مجدہ کی جانب سے ظاہری شکل وصورت ایسی پائی تھی، کہ دیکھنے والا پکار کر کہتا ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا، اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ وہ لاکھوں کی بھیڑ میں نمایاں نظر آتے، تقوی وطہارت کی روشنی سے منور کتابی وبیضوی چہرہ نے ان کو ایک فرشتہ نما انسان بنا دیا تھا،، ان کے عملی کردار کو دیکھ کر سلفِ صالحین کی یادیں تازہ ہو جاتیں۔

پروقار پرعظمت و بارعب ہونے کی وجہ سے کوئی بھی حضرت قاری صاحب سے بے تکلف ہونے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، لیکن حضرت کسرِ نفسی منکسر المزاجی نرم دلی ورحم دلی کی وجہ سے ہر ایک کو قریب کر لیتے اور اپنے سے مانوس کر لیتے۔

حضرت قدس اللہ سرہ طلبہ پر بے حد شفیق ومہربان واقع ہوئے تھے، طالب علموں پر ان کی شفقت ورافت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، خاص کر غریب الوطن طلبہ کے لیے ایک مشفق باپ کے درجے میں تھے، چنانچہ راقم السطور نے خود سال ہفتم میں کئی طلبہ کی زبانی یہ واقعہ سنا کہ دارالعلوم میں زیرِ تعلیم ایک آسامی یا بنگالی طالب علم کے والد صاحب کا قضائے الٰہی سے تقریباً رات ۱ر بجے انتقال ہوا، یہ غریب الدیار طالب علم اپنے والد ماجد کی آخری زیارت وکندھا دینے کے

لیے اپنے وطن کا ہنگامی سفر کرنے کی خاطر، دیوبند، سے دہلی، پھر دہلی سے بذریعہ، جہاز آگے کا سفر طے کرنا چاہتا تھا، لیکن دہلی جانے کے لیے، اس وقت دیوبند سے نہ کوئی ٹرین اور نہ ہی بس کا بندوبست، یہ بے چارہ طالب علم کرتا تو کیا کرتا، بالآخر اس طالب علم نے حضرت قاری صاحب کو آخری سہارا و ملجا سمجھ کر حضرت کے دولت کدے کا رخ کیا اور رات کو ایک بجے باہر کھڑے ہو کر گھنٹی بجائی، حضرت قاری صاحب کو اللہ غریق رحمت کرے کہ حضرت فوراً گھنٹی کی آواز سن کر بہ عجلت باہر تشریف لائے، طالب علم کا دُکھڑا سنتے ہی حضرت نے اپنی ذاتی گاڑی کے ڈرائیور کو جگایا اور جلد از جلد طالب علم کو دہلی پہنچانے کی تاکید فرمائی اور دہلی سے گھر تک کا کرایہ بھی اپنی جیب خاص سے طالب علم کو عنایت فرمایا۔

حضرت عصر بعد مسجد چھتہ سے متصل کمرہ میں ملاقات کرنے والے طلبہ کی ہمیشہ چائے اور اس کے لوازمات سے ضیافت فرماتے اور یہ خدمت خود اپنے ہاتھ سے انجام دینے کے عادی تھے، چائے وغیرہ خود لے کر آتے، ایک طرف حضرت کی علمی و عملی جلالت شان اور دوسری طرف آپ کی یہ تواضع و کسر نفسی کہ چائے کی کیتلی اور موسمی پھلوں سے بھری پلیٹ ہاتھ میں اٹھائے دیکھ کر دیکھنے والا حیرانی کے سمندر میں غرق ہو جاتا۔

کبھی یہ خدمت میرے حصہ میں بھی آتی

حضرت کی عادت شریفہ تھی کہ وہ ہمیشہ طلبۂ کرام کو تعلیمی سرگرمیوں میں منہمک رہنے اور لایعنی فضول بے مقصد کاموں سے پرہیز کرنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت قاری صاحب نے درس و تدریس میں مکمل عبور کے ساتھ انتظامی امور میں نظم و نسق کا بہترین سلیقہ پایا تھا، خوش نظمی، نظم وضبط کی خوبی کے بادشاہ تھے، یہی وجہ تھی کہ ۱۹۹۷ء عیسوی میں حضرت قاری صاحب کو دارالعلوم کا نیابت اہتمام تفویض ہوا اور آپ نے جس خوش اسلوبی اور دیانت داری و امانت داری سے عہدہ سنبھالا وہ ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے، ۲۰۰۸ء عیسوی میں جمعیت علما کے اکابرین کے مابین رونما ہونے والے اختلاف کے نتیجے میں جمعیت

دوگروہوں میں منقسم ہوئی، ان میں ایک گروہ کی صدارت آپ نے قبول کی، آپ نے جمعیت کے بے شمار کاموں کو جس بالغ وعمیق نظر سے آگے بڑھایا، وہ جمعیت کی تاریخ میں سنہرے حروف سے رقم کیا جائے گا۔

حضرت قاری صاحب کی پہلی زیارت

ان گناہ گار آنکھوں کو حضرت کی زیارت عمر کی پہلی ہی دھائی میں ہی ہوگئی تھی، جب میرا تعلیمی سال عربی اول کا تھا، یہ عمر تو ویسے بھی لاابالی پن، بے فکری اور رِندلاابالی کی ہوتی ہے، اس عمر کے لمحات کھیل کود ودیگر غیر مفید مشغولیات میں گزر جاتے ہیں، تعلیم اور اس کے متعلقات سے دلچسپی پیدا ہونیکا سوال ہی نہیں (الا ماشاءاللہ) بزرگوں کے مقام اور ان کی علمی رفعت شان، وبرتری کا ادارک صحیح معنی میں اس کم سنی میں تو کیا ہوتا، سچ اور حق یہ ہے تادم ایں تحریر بزگوں کے مقام سے واقفیت اور سچی الفت نہیں ہوئی، جب کہ عمر کی تیز و برق رفتار گاڑی تین دھائیاں مکمل کرنے کو ہے۔

تقریباً عیسوی کی بات ہے کہ جب بندہ نابکار تعلیم الاطفال بچوں کا گھر ملوا باڑمیر میں عربی اول کا طالب علم تھا، اس زمانے میں مغربی راجستھان کے مدارس میں تعلیمی وتربیتی اعتبار سے جامعہ اسلامیہ دارالعلوم کرسی منڈی باڑمیر کی شہرت عروج پر تھی اور اس دور میں دارالعلوم باڑمیر میں نظامِ تعلیم وتربیت مثالی تھا، اس کی نیک نامی وعلمی شہرت صوبائی حدود پار کر کے دگر صوبہ جات میں گونج رہی تھی، صوبہ بہار سے طالبانِ علوم نبویہ داخلہ لے کر اس کے فیض سے مستفید ہوتے تھے، بل کہ اساتذہ کی ایک بڑی تعداد صوبہ بہار سے تھی، جن کی علمی وفنی قابلیت ولیاقت مسلم تھی۔

لیکن افسوس صد افسوس دارالعلوم بدنظری کا شکار ہو کر فی الحال گم نامی کے دور سے گزر رہا ہے، دعا ہے کہ یہ علمی گلشن دوبارہ اپنی سابقہ روایات کا پرچم پھر سے لہرائے۔

اس زمانے میں جامعہ نے عالمیت کے آٹھ سالہ عربی نصابی کورس کے ابتدائی تین سالوں میں مرحلہ وار پڑھائے جانے والے کلیدی دوفن، نحو وصرف کا صوبائی سطح پر مدارس میں

پڑھنے والے طلبہ کے مابین مسابقہ النحو والصرف کے نام سے عظیم الشان اجلاس منعقد کیا، جس میں سائل کی حیثیت سے امام النحو والصرف مولانا محمد علی بجنوری مدظلہ العالی استاذ دارالعلوم دیو بند، جب کہ مہمان خصوصی کے طور امیر الہند حضرت اقدس مولانا وقاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نوراللہ مرقدہ سابق کارگزار مہتمم دارالعلوم دیو بند وصدر جمعیۃ علماء ہند کی تشریف آوری ہوئی تھی، اس مسابقۃ النحو والصرف میں راقم اور جناب مولوی محمد ہاشم صاحب ملوا مساہمین کی حیثیت سے شریک ہوے تھے۔

اچھی تو طرح یاد نہیں ہے بل کہ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت قاری صاحب نوراللہ مرقدہ دن کو صبح نو بجے جامعہ میں تشریف لائے، انتظامیہ کی طرف سے حضرت کا شاندار و پرتپاک فلک شگاف نعروں سے استقبال کیا گیا، جس کے لیے مدرسہ کے باہری واندورنی حصے میں راستہ کے دونوں جانب طلبہ ومہمان صف بستہ کھڑے تھے، نعرۂ تکبیر ''اللہ اکبر''، علمائے دیو بند ''زندہ باد''، کے فلک بوس نعروں سے مدرسہ کی چہار دیواری گونج اٹھی، اس وقت حضرت سے ملاقات کا تو سوال ہی نہیں تھا، بس دور ہی دور سے حضرت کے نورانی چہرہ کی زیارت ہوئی تھی، یاد پڑتا ہے کہ اسی اجلاس میں میرے پیرومرشد عارف باللہ حضرت اقدس مولانا وقاری محمد امین صاحب دامت برکاتہم کی زیارت کی سعادت سے بہرور ہوا تھا، اس کے بعد ایام زندگی گزرتے گئے، تا آنکہ مدرسہ تعلیم الاطفال بچوں کا گھر ملوا سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہونے کے بعد از ہر راجستھان دارالعلوم پوکرن میں داخل ہو کر تین سال تک ماہر اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا، مادرعلمی میں کبھی کبھار حضرت قاری صاحب کا مبارک نام اساتذہ کی زبانی سننے میں آتا تھا، پھر یہاں سے بھی تعلیمی نصاب مکمل کرنے کے بعد باقی شدہ دو تعلیمی سال پورا کرنے کے لیے ازہرِ ہند دارالعلوم دیو بند کا رخ کیا۔

حضرت قاری صاحب سے شرفِ تلمذ کی سعادت

دارالعلوم دیو بند جا کر مطلوبہ درجہ عربی ہفتم میں داخلہ امتحان دیا، الحمد اللہ بتوفیق ایزدی

داخلہ امتحان میں کام یاب ہونے والے طلبہ کی فہرست میں راقم کا بھی نام آ گیا، داخلہ کی تمام کارروائیاں مکمل ہونے کے بعد بیس شوال المکرّم کو اسباق کا سلسلہ شروع ہوا۔

دارالعلوم میں طلبہ کی کثرت و بہتات کے پیشِ نظر مجلس تعلیمی نے دورۂ حدیث شریف کے علاوہ تمام درجات کے اسباق کو حسب سہولت دو یا تین فروعات میں تقسیم کر رکھا ہے، راقم الحروف کا نام ہفتم عربی فرع اول کے طلبہ میں شامل کیا گیا، ان طلبہ کے لیے دارالحدیث فوقانی کی درس گاہ مختص ہے، صبح کے آخری چوتھے گھنٹے میں ''مشکوٰۃ المصابیح'' کے دوسرے جزو (ثلث ثانی) کتاب الزکوۃ، کا درس حضرت قاری صاحب نوراللہ مرقدہ کے سپرد کیا گیا، حضرت برداللہ مضجعہ پورے سال پابندی واستقلال کے ساتھ درس دینے اپنی قیام گاہ سے خراماں خراماں خوش رفتاری وآہستہ روی کے ساتھ درس گاہ میں حاضر ہوتے اور اپنی ایک مسرت بخش ہیئت میں جلوہ افروز ہوتے، یوں محسوس ہوتا کہ فرشتہ انسانی شکل وصورت میں نمودار ہوا ہے، اس کے بعد اپنے منفردانہ ومخصوص لب ولہجہ میں طلبہ کو درس حدیث دیتے، حضرت نوراللہ کی آواز اگرچہ قدرے پست ہوتی لیکن اتنی دھیمی بھی نہیں ہوتی کہ درس سمجھ نا آئے؛ بلکہ آواز قدرتی طور پر مٹھاس حلاوت اور شیرینی آمیز ہوتی کہ تمام طلبہ گوش برآواز ہونے کے ساتھ بے حد محظوظ ہوتے۔

سبق میں غیر حاضری کو ناپسند فرماتے خود بھی پابندی سے حاضر ہوتے طلبہ کو بھی اس کا مکلّف بناتے، دارالعلوم میں حضرت کے موجود ہوتے ہوئے سبق کے گھنٹے میں عدم حاضری کا تصور ہی نہیں تھا۔

ہاں کبھی کبھار کسی ناگزیر ضرورت تحت جمعیۃ علمائے ہند کی مجالس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت قدس سرہ کی درسی خصوصیت یہ تھی کہ حدیث کے مالہ وماعلیہ پر مفصل اس طرح روشنی ڈالتے کہ علمی تشنہ لبی باقی نہ رہتی اور تمام علمی موشگافیاں حل ہو جاتیں، درس میں ایسا سلیس شستہ شگفتہ اور سہل انداز اختیار کرتے کہ غبی سے غبی تر طالب علم سبق سمجھ کر ہی درس سے اٹھتا،

جس آہستہ رفتار سے سبق شروع فرماتے اسی رفتار سے سبق کا اختتام فرماتے، جس کا فائدہ یہ ہوتا کہ باذوق وشوق طلبہ کے لیے سبق نوٹ کرنا سہل ہوجاتا، واقعہ بھی یہی ہے کہ بہت سارے طلبہ حضرت کے ارشادات کو قلم بند کرنے کا خاص اہتمام کرتے۔

حضرت کا درس پرمزاح ہوتا تھا، کبھی کبھار خوش طبعی ودل لگی کے طور پر ایسا جملہ ارشاد فرماتے کہ درس کی پوری مجلس کِشتِ زعفران بن جاتی، اس موقع پر ایک واقعہ قارئین کے نظر کروں گا، کہ ایک روز دوران درس حضرت قاری صاحب کی ایک طالب علم پر نظر پڑی، جو بالکل طلبہ کی صف کے پیچھے، اکیلا ایک تپائی پر، دیوار کا سہارا لگا کر سبق میں حاضر تھا، حضرت نے از راہ مزاح، معنی خیز ونصیحت آموز مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا، کہ آدابِ مجلس سکھانے کے لیے اس کو چلہ کی جماعت میں بھیج دیا جائے، بس یہ جملہ سننا تھا کہ تمام طلبہ کی زور کی ہنسی نکل گئی، حضرت قاری صاحب کی عادتِ شریفہ تھی کہ ہمیشہ تبسم آمیز لہجہ میں سبق پڑھاتے، کبھی بھی دوران سبق تلخ گفتاری، ناگوار اندازِ کلام کا سہارا نہیں لیتے، بل کہ نرم گفتاری وخوش بیانی اختیار کرتے، صحابی رسول حضرت عبداللہ بن الحارث بن جز رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے ہیں، کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو ہنس مکھ نہیں دیکھا۔

فعن عبد اللّٰه بن الحارث بن جز رضی اللّٰه عنه قال: مَا رَاَیْتُ أَحَدًا أَکْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. (سنن الترمذي رقم: ٣٦٤١)

گویا حضرت قاری صاحب اس کی عملی تصویر تھے اور ارشاد نبوی ”**تَبَسُّمُکَ فِيْ وَجْهِ أَخِیْکَ لَکَ صَدَقَةٌ**“. (سنن الترمذي رقم: ١٩٥٦) کے پرتو تھے۔ الغرض حضرت کی درسی خصوصیات بے شمار ہیں، اس کا احصا مجھ جیسے کم مایہ طالب علم کے لیے ممکن نہیں ہے۔

اگلے سال حضرت سے دورہ میں مؤطا امام مالک کا درس لینے کی سعادت نصیب ہوئی، جمعہ کے روز سبق پڑھانے تشریف لایا کرتے، آہ حضرت کی درسی مجالس کی رونقیں، وہ معصومانہ ادائیں دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی ہیں، وہ مرد قلندر جس کے وجود سے دارالعلوم کا ذرہ ذرہ

تاباں و درخشندہ تھا، وہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

حضرت قاری صاحب سے ہم کلامی کا شرف

حضرت کے سامنے بیٹھ کر درس لینے کے بعد حضرت سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرنے کے لیے دل میں ایک خواب سجایا گیا، لیکن حضرت کی رفعتِ شان، علمی مقام و مرتبہ کے بہ موجب بالمشافہ گفتگو اور ان تک رسائی مجھ جیسے نو وارد کے لیے ایک ہفت خواں کو سر کرنے سے کم نہیں تھا۔

اب یہ اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ حضرت قاری صاحب سے کس دن گفت و شنید کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، ہاں البتہ خانۂ دل میں یہ بات اچھی طرح محفوظ ہے کہ کسی دن نمازِ عصر کے بعد حضرت کے دولت کدہ پر حاضری دی، اس وقت حضرت بالائی منزل پر تشریف رکھے ہوئے تھے، کچھ طلبہ حضرت کے پاس موجود تھے، راقم نے باہر نصب شدہ گھنٹی بجائی، ایک طالب علم نے بالائی کھڑکی سے سر نکال کر اندر آنے کی اجازت دی، حضرت والا کی خدمت پہنچ کر سلام عرض کیا، حضرت نے نام وطن وغیرہ پوچھنے کے بعد فرمایا کہ کس مدرسہ سے پڑھ کر آئے ہو، راقم نے دارالعلوم پوکرن کا نام بتایا، جس پر حضرت نے مسرت و خوشی کا اظہار فرمایا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت مرحوم نے دارالعلوم پوکرن کے مدیر و شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا و قاری محمد امین صاحب مدظلہم کی خیریت دریافت کی، دارالعلوم پوکرن کی تعلیمی و تربیتی حوالے سے اطمینان و تسلی اور مسرت کا اظہار کیا اور دارالعلوم کے متعلق کلمات خیر ارشاد فرمائے۔

حضرت کے پاس موجود جو طلبہ حضرت کی بدنی خدمت میں مشغول تھے، راقم بھی ان کے ساتھ اپنی سعادت و نیک بختی سمجھ کر کچھ دیر کے لیے خدمت میں مصروف ہو گیا، ملحوظ رہے کہ حضرت نور اللہ مرقدہ اپنی عمر کی آٹھویں دھائی کو پہنچنے کے بعد بھی جب اعصاب و قویٰ میں کمزوری کے باعث تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے، بدنی خدمت کے عادی نہیں تھے، بل کہ طلبہ کے

شدید اصرار ان کی خواہش اور ان کی دل جوئی کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے جسمانی خدمت کی اجازت مرحمت فرماتے تھے، حضرت کو قریب سے دیکھنے اور گفت وشنید کا یہ پہلا موقع تھا، جی بھر کے دیکھا، طبیعت حد سے زیادہ خوش ہوئی، دل مزید بیٹھنے کو دل کر رہا تھا، لیکن حضرت فارغ البالی کے عادی نہ تھے، مجلس بازی سے کوسوں دور رہتے تھے، بس جانے کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت کو سلام عرض کر کے اپنی راہ لی۔

اس مختصر سی ملاقات کے بعد، راقم نے ایک دو دن چھوڑ کر، بعد نمازِ عصر و کبھی بعد نمازِ عشا، حضرت اقدس کی خدمت والا میں، حاضری کا معمول بنالیا، پابندی سے خدمت والا میں حاضر باشی کی بہ دولت حضرت کی توجہ راقم کی طرف مبذول ہونے لگی، عصر کے بعد حضرت کے یہاں ہمیشہ مہمانوں وطلبہ کی آمد ورفت رہتی، حضرت سب مہمان وطلبہ کی ضیافت فرماتے، ہمیشہ تو نہیں کبھی کبھی مہمانوں کو پانی پلانے کا حضرت اس گنہ گار کو حکم فرماتے، یہ خدمت راقم کے لیے کسی بھی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ ہوتی۔

سن وسال گزرتے گئے، سالِ ہفتم بھی گزر گیا، اگلے سال دورۂ حدیث کا تھا، پورے سال حضرت کے دولت کدہ پر حاضری کی سعادت ملتی رہی، وقفے وقفے سے حاضری کی وجہ سے حضرت بھی کچھ زیادہ توجہ فرمانے لگے، تعلیم میں محنت وجد جہد کی نصیحت فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے، امتحانات میں اچھے نمبرات سے کامیاب ہونے کے لیے درسیات میں محنت پر ابھارتے۔

وقت برق رفتاری کے ساتھ گزرتا گیا، یہاں تک کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور حضرت قاری صاحب سے جدائیگی کا الارم بجنے لگا، عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے، لکل شيءٍ نهاية، کہ ہر چیز کا اختتام ہوتا ہے، بس مادر علمی میں تعلیمی سفر کا اختتام ہو رہا تھا، سالانہ امتحانات ہوے، آخر وہ بھی دن آیا کہ مادر علمی وحضرت قاری صاحب جیسی عبقری شخصیت کو الوداع کہ کر اپنے وطن لوٹنا پڑا۔

لیکن الحمد اللہ اس رسمی فراغت کے بعد بھی دلی وقلبی تعلق میں ایک انچ برابر فرق نہیں آیا، جغرافیائی دوری حضرت قاری سے تعلق کو مزید نکھارتی و پروان چڑھاتی رہی، بفضل اللہ تعالی

فراغت کے بعد چار، پانچ مرتبہ دیوبند جانا ہوا، ہر دفعہ حضرت قاری صاحب سے ملاقات اور حضرت کے دولت خانہ پر مہمانی کا شرف حاصل رہا، ہر دفعہ تدریسی کتب کے بارے میں دریافت فرماتے، ترقی کی دعاؤں سے نوازتے، فون سے بھی وقتاً فوقتاً احوال دریافت کرنے کی سعادت میسر ہوتی رہتی، ابھی جب حضرت کو دارالعلوم کا کارگزار مہتمم بنایا گیا، تب راقم نے مبارک بادی پیش کرنے کے لیے فون سے رابطہ کیا، بڑی خوشی کا اظہار فرمایا، تقریباً سات منٹ تک گفتگو فرمائی، راقم نے کہا کہ آپ سے ملاقات کا بہت شوق ہے، پر حالات کی وجہ سے سفر کرنا مشکل ہے، حضرت فرمانے لگے کہ حالات درست ہونے کا انتظار کریں، جب صورتِ حال سفر کے قابل ہو جائے، تو آپ ضرور آئیں، ملاقات ہوگی، لیکن ہائے افسوس، نہیں معلوم تھا کہ حضرت عالم آخرت کے اس سفر پر روانہ ہونے والے ہیں، جہاں سے لوٹ کر واپس کوئی نہیں آیا، ابھی کچھ ماہ پہلے حالات کسی قدر ٹھیک تھے، ارادہ تھا کہ بعد رمضان دیوبند جا کر حضرت سے ملاقات وزیارت کروں گا، لیکن پھر دوبارہ حالات نے کروٹ بدلی، ملک میں دوبارہ لاک ڈاون کا نفاذ ہو گیا، ابھی رمضان میں حضرت کی علالت کی خبریں مل رہی تھیں، لیکن حالت اتنی تشویشناک نہیں تھی، پھر اطمینان بخش خبر گردش کرنے لگی کہ حضرت روبہ صحت ہیں، طبیعت میں کافی افاقہ ہے، لیکن اللہ کو اپنے پاس بلانا منظور تھا، دوبارہ طبیعت خراب ہوئی اور خراب ہوتی چلی گئی، تا آنکہ آٹھ شوال المکرّم عین جمعہ کی نماز کے وقت یہ گنجینۂ علم وعرفاں اپنے متعلقین ومتوسلین کو چھوڑ کر عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہو گیا اور وہیں ہجر کی بستی ''مزارِ قاسمی'' میں حوالۂ خاک کیے گئے۔ اجازت دیں کہ غالب کا وہ مشہورِ زمانہ شعر اس موقع پر کہا جائے، جو گو بہت پامال ہو چکا ہے لیکن تازہ ہے:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ، کیا کیے؟

دعا ہے کہ اللہ حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور دارالعلوم وجمعیۃ علما ہند کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

عظیم المرتبت قائد اور محدث جلیل

مفتی خلیل الرحمٰن قاسمی برنی بنگلور

ہم نے شعور کی آنکھیں دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں کھولیں۔ تقریباً پانچ سال کا تھا میں؛ جب خدا نے اس عظیم، مقدس اور پاکیزہ ادارہ کی آغوش کے سپرد کردیا تھا۔ والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلندشہری استاذ شعبۂ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند اس وقت مادرِ علمی میں معین مدرس تھے اور دارجدید کے ابتدائی حصے میں کمرہ میں وہ فروکش تھے۔ اس وقت ہمارے کان جن اساتذۂ دارالعلوم کے چرچوں، تذکروں سے آشنا ہوئے ان میں ایک نام حضرت قاری صاحب قدس سرہ کا بھی تھا اور پھر دارالعلوم میں رہتے ہوئے کسی نہ کسی انداز و حوالے سے آپ کا نام وکام سامنے آتا ہی رہا۔ پھر وہ وقت بھی آیا، جب حضرت قدس سرہ کے سامنے خدائے علیم وخبیر نے باقاعدہ زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع دیا۔

ہفتم کے سال مشکوۃ شریف (ثالث) آپ کے پاس پڑھنے کا موقع ملا۔ آغازِ درس میں جو تمہیدی مباحث بیان فرمائے ان میں ایک اہم موضوع تھا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علم حدیث میں مقام اور تدوینِ حدیث میں ان کی خدمات، میں نے آپ کی یہ ساری گفتگو قلمبند کی تھی اور امام ابوحنیفہ کی تدوین حدیث میں خدمات کے عنوان سے ماہنامہ ترجمان دیوبند میں ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے اسے شائع کرایا تھا۔ کسی طرح یہ رسالہ حضرت کی خدمت میں بھی پہنچا، تو حضرت نے میرا مضمون بھی مکمل پڑھا اور سبق کے بعد درسگاہ سے نکلتے ہوئے میری

حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ کی اس طرح حوصلہ افزائی نے میرے لیے مہمیز کا کام کیا۔

آپ کا درس مقبول تھا؛ کیوں کہ آپ جو پڑھاتے تھے پوری تیاری اور مطالعہ کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ بعض ضروری چیزیں کاغذ پر لکھ کر لاتے اور طلبہ کو لکھواتے۔ دھیمے انداز سے مکمل تسلسل اور ربط وانہماک کے ساتھ پڑھانے کے عادی تھے۔ دورانِ سبق پوری توجہ افہام وتفہیم پر مرکوز رہتی۔ لایعنی باتیں، قصے، کتاب سے ہٹ کر کوئی اور بات آپ کے سبق میں کبھی نہیں سنے گئے۔ زبان بہت صاف وشستہ اور سلیقہ کی آئینہ دار تھی۔ آپ کے درس میں حشو وزوائد کے قبیل سے کوئی چیز دور تک نظر نہیں آتی تھی۔ انتہائی متین، سنجیدہ اور عالمانہ گفتگو ہوتی۔ ترجمہ انتہائی سلیس اور شستہ ہوتا تھا۔

دورۂ حدیث شریف کے سال ''مؤطا امام مالک'' آپ کے پاس پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس سال بھی آپ نے آغاز درس میں جو تمہیدی باتیں بیان فرمائیں وہ بہت کام کی تھیں، آج تک ان سے فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ حد درجہ متواضع، سادہ طبع اور منکسر المزاج انسان تھے۔ حق گوئی وبے باکی اور تقوی وطہارت میں ممتاز تھے۔ اجلا کیریکٹر، بے داغ زندگی، صاف ستھرا کردار، تبحر علمی، علم وعمل میں یکسانیت، احسان واخلاص سے معمور قابل رشک زندگی، بے لوث بے غرض، صدق وصفا سے آراستہ، حلم وذکاوت اور جود وسخا میں بے مثال، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت، حلم وذکاوت اور وقار ومتانت میں بے نظیر، جلال وجمال کا حسین امتزاج جو دیکھے پکار اٹھے ''ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم''۔ ان تمام خوبیوں اور اوصاف حسنہ سے متصف تھے ہمارے استاذ محترم حضرت قاری محمد عثمان صاحب قدس سرہ۔ ان تمام حقائق کا اظہار ہر وہ شخص کرے گا جس نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہو یا آپ کو قریب سے دیکھا ہو۔

آپ کے فیض یافتگان اور تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ہے، جو چہار دانگ عالم میں علم و

عمل کی شمعیں روشن کیے ہوے ہے۔ یہ سب آپ کے لیے صدقۂ جاریہ رہیں گے ان شاء اللہ۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے داماد تھے یعنی فدائے ملت حضر مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم کے بہنوئی ہوتے تھے۔ اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم، پھر معاون مہتمم اور کامیاب استاذِ حدیث نیز کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم بلکہ روح رواں تھے۔ حسن و جمال، فضل و کمال، شرافت و نجابت اور تقوی و طہارت کے ساتھ قدرت فیاض سے حسنِ تربیت اور نظم و نسق کی اعلی صلاحیت عطا ہوئی تھی۔ طالبانِ علوم نبوت کے ساتھ ہمدردی و غمگساری اور فریا درسی آپ کا خصوصی امتیاز تھا، جبکہ اصول پسندی، استغنا قلبی اور خوردنوازی طبعی اوصاف تھے۔

آپ اعلی درجہ کے قاری بھی تھے؛ چنانچہ اس فن کی تکمیل باضابطہ شیخ القراء حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے کی اور ادیب اریب حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی سے عربی زبان و ادب میں کمال حاصل کیا۔ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی سے سلوک و معرفت کی تکمیل کے بعد انھیں کی طرف سے خلافت و اجازت سے مشرف تھے۔

ہجوم کار و مشاغل کی بنا پر تصنیف و تالیف کا کوئی معتد بہ ذخیرہ نہیں چھوڑا، تاہم کچھ رسائل و مقالات اور محاضرات ہیں جن سے تحریر و تصنیف کا ستھرا ذوق معلوم ہوتا ہے۔

اخیر میں استاذ محترم حضرت قاری صاحب قدس سرہ کی ایک خصوصیت کا ذکر کرنا ضروری سمجھوں گا وہ یہ کہ آپ عشق نبوی میں بھی بہت ممتاز مقام کے حامل تھے۔ ذکر رسول صلی اللہ علیہ و سلم کے وقت آپ پر کیف و سرور صاف نظر آتا اور ہمیشہ آپ کے نام کے ساتھ (صلی اللہ علیہ و سلم) پورا درود شریف پڑھنے کا معمول تھا خواہ ایک محفل میں دسیوں مرتبہ ذکر مبارک آتا۔

دعا ہے کہ خدائے عز و جل حضرت کی کامل مغفرت فرمائے اور ان کی تمام حسنات کو قبول فرمائے۔ آمین

❍❖❍

ولی صفت بزرگ

قاری نجیب الرحمٰن بھاگلپوری، خادم جمعیۃ علماء شہر مرادآباد

حضرت اقدس قاری صاحب ایک ولی صفت بزرگ تھے تعلیم وتربیت، اصول ودیانتداری اور پاکبازی حضرت قاری صاحب کی خاص صفت تھی، کردار نہایت صاف ستھرا تھا، ان کی ہر ادا سے شرافت ٹپکتی تھی وہ علم وعمل کے پیکر تھے، انتظامی امور پر آپ کی مضبوط پکڑ تھی، آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے داماد اور حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اجل تھے، میرے مشفق ومحسن استاذ اور سرپرست تھے حضرت ہی کی تحریک پر میں علم دین حاصل کرنے بھاگلپور سے جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ حاضر ہوا اور حضرت والا کی سرپرستی میں داخلہ لے کر علم دین حاصل کیا، حضرت میرے اوپر خصوصی مشفقت کا معاملہ فرماتے جیسے ایک شفیق باپ اپنی اولاد کیلئے مہربان ہوتا ہے۔

حضرت کا میرے اوپر بڑا احسان ہے جس کی جزا اللہ ہی حضرت کو دے گا ہم تو صرف شکر ادا کرسکتے ہیں اور اللہ کے رسولؐ کا یہ قول ہمارے سامنے موجود ہے: ''مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهِ'' کہ جو شخص بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا ہے وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا ہے۔

حضرت قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ خوبیوں کا مالک بنایا تھا آپ انتہائی نرم دل اور طلباء کے لئے حد درجہ شفیق تھے، ہر ایک سے ایسے ملاقات کرتے جیسے کوئی پرانا تعلقاتی ہو آپ کے اخلاق بلند تھے اخلاق حسنہ آپ کی عظیم صفت تھی ان ساری صفات حسنہ کے علاوہ اور

بھی صفات ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

احقر کو اللہ تعالیٰ نے ۱۹۸۶ء سے سیدی ومرشدی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب (نور اللہ مرقدہ) کے ساتھ اخیر عشرہ کے اعتکاف کی سعادت سے نوازا تھا اعتکاف کے درمیان بھی حضرت قاری صاحبؒ سے صبح وشام ملاقات ہوتی تھی انتہائی محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے اور فرماتے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتا دینا حضرت قاری صاحبؒ کا اعتکاف کا معمول تو نہیں تھا لیکن وہاں کے معمولات میں برابر کے شریک رہتے تھے۔

۲۰۰۲ء کی بات ہے جب حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صاحب مدظلہٗ العالی جمعیۃ علماء ہند کی مصروفیات کی بناء پر کہیں باہر تشریف فرما تھے تو مولانا محمود مدنی صاحب کی عدم موجودگی میں حضرت قاری صاحبؒ نے رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن کریم پڑھا اور تہجد کی نماز بھی حضرت قاری صاحبؒ نے ہی پڑھائی حضرت قرآن کریم اس طرح پڑھتے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا ابھی اتر رہا ہے سلاسلت، روانی اور حسن ادائیگی کا عجیب منظر محسوس ہوتا تھا۔

حضرت فدائے ملتؒ کے وصال کے دو تین سال بعد حضرت قاری صاحبؒ نے مسجد رشید میں اخیر عشرہ کا اعتکاف فرمایا تھا، حضرت مولانا محمود صاحب ان دنوں بنگلہ دیش میں اعتکاف فرمارہے تھے، تراویح کے بعد حضرت اپنے پاس بلاتے اور چائے وغیرہ پینے کی سعادت حضرت کیساتھ حاصل ہوتی۔

اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک دن ہم لوگ حسب معمول تراویح کے بعد حضرت کی خدمت میں تھے کہ ایک بڑے میاں جن کی عمر تقریباً ۸۰؍سال ہوگی حضرت کے پاس تشریف لے آئے، حضرت نے بڑی بشاشت سے اپنے پاس بیٹھایا، چائے پیش کی اور اپنے ہاتھوں سے پھل کاٹ کاٹ کر کھلایا، دوران گفتگو بڑے میاں نے کہا کہ میری بیٹی کی شادی دیوبند ہی میں ہوئی ہے، اور میں ہر سال رمضان میں مظفر نگر سے دیوبند آجاتا ہوں اور جامع مسجد میں ایک نوجوان تراویح پڑھاتے ہیں، ان کا قرآن پڑھنا مجھے بڑا اچھا لگتا ہے۔

انہیں سننے کے لئے آجاتا ہوں، حضرت بڑے میاں کی باتیں سن کر مسکراتے رہے پھر بڑے میاں نے کہا کہ حضرت آپ کے بیٹے کو دیکھے ہوئے ایک زمانہ ہوگیا وہ کہاں ہیں؟ تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ جس کے پیچھے آپ تراویح پڑھتے ہیں وہ میرا ہی تو بیٹا ہے، تو بڑے میاں خوب ہنسنے لگے اور حضرت نے بھی خوب تبسم فرمایا، پھر بڑے میاں نے پوچھا دوسرا لڑکا کہاں ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ وہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں ہیں، اور وہیں تراویح سنا رہے ہیں، پھر حضرت نے فرمایا کہ تراویح کے بعد آپ میرے پاس آجایا کریں۔

ایک دوسرا واقعہ ۲۰۱۹ء کا ہے فجر کی نماز کے بعد حضرت مسجد رشید کے صحن میں تشریف فرما تھے کہ ایک ہجوم حضرت سے ملاقات ومصافحہ کا مشتاق تھا میں نے کہا حضرت بھیڑ بہت ہے اور مجمع زیادہ ہے تو حضرت نے فرمایا کہ محبت کرنے والوں کی قدر کرنی چاہئے یہ لوگ محبت کرتے ہیں تو اتنی سی تکلیف بھی برداشت نہیں کریں گے چنانچہ حضرت نے سب سے ملاقات ومصافحہ کیا حضرت قاری صاحب جب گھر کے لیے روانہ ہونے لگے تو صوفی محمد انوار صاحب منصور پوری اور مولانا حمیداللہ صاحب برن پور اور احقر سے فرمایا کہ تمہارا اعتکاف اصلی ہے یا نقلی ہے؟ تو ہم لوگوں نے حضرت سے فرمایا کہ دعا فرمادیں کہ اعتکاف اصلی ہوجائے تو حضرت مسکرا کر گھر تشریف لے گئے۔ اسی طرح ۲۰۱۹ء میں حضرت بھاگلپور کا دورہ تھا اور ایک روز قبل احقر بھی اپنے وطن بھاگلپور گیا ہوا تھا تو پتہ چلا کہ حضرت کا پروگرام چل رہا ہے چنانچہ احقر نے پروگرام کے داعی مولانا قاسم صاحب سے رابطہ کیا تو فرمایا کہ بہت مشکل ہے گرمی کا موسم ہے اور پروگرام بھی ٹائٹ چل رہا ہے آپ کو پروگرام نہیں دے سکتا ہوں ہاں ایک شکل ہوسکتی ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ سے آپ خود بات کرلیں اگر راضی ہوجائیں تو اچھی بات ہے چنانچہ ہمت کر کے احقر نے حضرت سے بات کی تو حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کب آئے اور پوری تفصیلات معلوم کرنے کے بعد فرمایا ٹھیک ہے ۱۰ بجے آؤں گا آپ کے گاؤں اور حضرت ٹھیک ۱۰ بجے اپنے تمام رفقاء کے ساتھ احقر کے گاؤں تشریف لے آئے احقر کے قائم کردہ

مدرسہ ''مدرسہ حسینیہ اسعد العلوم'' میں تشریف فرما ہوئے اور دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ آپ نے بہت اچھا کیا اس گاؤں میں ایک بھی مکتب نہیں ہے آپ نے قائم کر کے اچھا کیا اور مدرسہ کے حق میں دعائیں دیں اور مختصر ناشتہ فرما کر حضرت والا اگلے پروگرام کے لیے روانہ ہو گئے۔ الغرض حضرت کے واقعات تو بے شمار ہیں، چنانچہ تربیت کی جیتی جاگتی تصویر دو آب دار نگینوں کے طور پر حضرت مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری اور مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری زید مجدہما کی شکل میں موجود ہے۔

حضرت قاری صاحب اور حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی صاحب رحمہما اللہ کے مشورہ سے ہی حافظ عظیم الدین صاحب مہتمم جامعہ عربیہ مدرسہ رحمانیہ پیرغیب مرادآباد کی دعوت پر مدرسہ رحمانیہ پیرغیب میں احقر کا تقرر اکتوبر ۱۹۸۷ء میں ہوا اور تاہنوز احقر مرادآباد کی سرزمین میں قیام کر کے کسی نہ کسی شکل میں دین کی خدمت میں مصروف ہے، رب کریم احقر کی خدمات کو قبول فرمائے آمین۔

۷ نومبر ۲۰۲۰ء کو حاجی محمد انوار صاحب گلشن کریم ہوٹل مرادآباد اپنے صاحبزادے کے ولیمہ کے موقع پر حضرت قاری صاحبؒ کو خاص طور پر اس پروگرام میں شرکت کی دعوت دی حضرت تشریف لے آئے گلشن کریم ہوٹل میں حضرت قاری صاحب کے ہمراہ شہر مرادآباد کے تمام علماء کرام کی بھی دعوت کی تھی ماحضر کے بعد حضرت قاری صاحب نے احقر سے فرمایا کہ سب لوگوں کو روک لیجئے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں پھر حضرت نے موجودہ حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ آپ حضرات ذمہ دار ہیں اور اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور اپنی اپنی جگہ پر رہ کر ذمہ دارانہ کام انجام دیں۔ ۱۰ منٹ تک اس موضوع پر حضرت نے گفتگو فرمائی اور اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کی پیش رفت کا تذکرہ فرمایا اور درالعلوم دیوبند کیطرف سے مطبوعہ پمفلٹ کو مخصوص حضرات کی خدمت میں تقسیم فرمایا۔

اخیر میں اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ رب کریم حضرت قاری صاحبؒ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اپنے خاص جوار میں جگہ نصیب کرے آمین۔

میرے اُستاذ اور محسن و مربی

مولانا محمد ادریس القاسمی سابق مبلغ تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند وخطیب مسجد بیوپاریاں
شیواجی نگر بنگلور، وبانی ادارہ قرآن سینٹر، بنگلور

احقر نے چونکہ حضرت قاری صاحبؒ کی تربیت اور نگرانی میں 6 رسالہ طالبعلمی کی زندگی گزاری ہے، اور اس طویل عرصہ میں احقر کی آپ سے بڑی قربت رہی ہے۔ اس لئے استفادہ کے طور پر کچھ لکھنا ضروری سمجھا۔

۱۹۹۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد بندہ ایک عجیب کشمکش کی حالت میں تھا کہ اب کیا کرنا ہے؟ کسی شعبہ میں داخلہ لینا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بندہ اپنے بڑوں اور اساتذہ کرام سے مشورہ کے لئے ملاقات بھی کررہا تھا، مختلف رائیں مل رہی تھیں، پھر بھی اطمینان نہیں ہو پارہا تھا۔

اسی کشمکش کی حالت میں بندہ نے ایک رات خواب دیکھا کہ دفتر دارالاقامہ میں بیٹھا ہوں اور حضرت قاری صاحبؒ دفتر میں تشریف فرما ہیں۔ چونکہ اس وقت آپ ناظم دالاقامہ تھے ،اس لئے کام میں مصروف تھے۔ اچانک کوئی صاحب آتے ہیں اور ایک بڑا پیالہ جس میں دودھ اور روٹی کے ٹکڑے تھے، حضرت کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا ’’آؤ کھالو‘‘ میں نے توقف کیا، ہاتھ نہیں بڑھایا، تو حضرت نے دوبارہ فرمایا ’’آؤ کھالو‘‘ اور یہ کہتے ہوئے پیالہ میرے قریب کردیا، پھر میں کھانے لگا، اور اچھا خاصہ

کھایا۔ صبح نیند سے بیدار ہوا تو اس خواب کی تعبیر کے لئے دل بے چین تھا۔ مگر اچھا خواب تھا اس لئے اندر سے بہت مسرور تھا۔

صبح فجر کی نماز کے بعد میں مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کٹکی علیہ الرحمہ جو مجلس شوریٰ کے موقع پر دارالعلوم دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے، حاضر خدمت ہوا اور تنہائی میں یہ سارا خواب سنایا۔ تو حضرت نے خواب سن کر خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا ''تم حضرت قاری صاحبؒ کی نگرانی اور تربیت میں دو سال شعبہ تحفظ ختم نبوت میں داخل ہو جاؤ اور حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ رہو''۔ اس خواب کی تعبیر یہی ہے۔ دوسرے دن حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں پھر دارالاقامہ پہنچا۔ سلام کیا؛ حضرت نے نہایت شفقت ومحبت کے ساتھ جواب دیتے ہوئے خیریت پوچھی اور فرمایا کہ آگے کیا پروگرام ہے؟ میں نے برجستہ کہا کہ حضرت؛ آپ کی نگرانی میں ہی رہنا چاہتا ہوں اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ غرض یہ کہ اس طرح سے میں شعبہ تحفظ ختم نبوت میں داخل ہوا اور حضرت قاری صاحبؒ کی تربیت میں پورے ۶ر سال گزارے۔

ابتدائی دو سال جو ایک ''تربیتی اور تحقیقی کورس''، یعنی تحفظ ختم نبوت اور ردّ قادیانیت پر لگے۔ اس دوران حضرت قاری صاحبؒ بڑی توجہ کے ساتھ ہم لوگوں کو وقت دیا کرتے اور کتابوں کے حوالہ جات کی تحقیق پر خاص توجہ فرمایا کرتے تھے۔ جس میں ہم طلباء کے ساتھ نہایت مشفقانہ ومربیانہ انداز ہوا کرتا تھا۔ آپ کا مشفقانہ رویہ ویسے تو عام طلباء کے ساتھ رہتا ہی تھا، مگر حضرت قاری صاحبؒ احقر کے ساتھ بالخصوص بہت ہی مشفقانہ و پدرانہ سلوک ومحبت فرماتے تھے۔ حضرت کو کبھی کوئی ڈانٹ، ڈپٹ یا سخت گفتگو کرتے نہ دیکھا نہ سنا۔ اس دوران اسفار کے مواقع بھی آئے، تو حضرت دوسرے طلباء کے بجائے احقر کو ہی لیجایا کرتے تھے۔

پہلا سفر۔ آندھرا پردیش، کرناٹک

تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت کے عنوان پر پہلا سفر آندھرا پردیش اور کرناٹک کا

ہوا۔ اس سفر میں حضرت قاری صاحبؒ اور حضرت مفتی محمود الحسن بلند شہری دامت برکاتہم کے ساتھ احقر بھی شامل تھا۔ تقریباً دس روزہ دورہ تھا۔ دیوبند سے دہلی اور دہلی سے بذریعہ ٹرین حیدرآباد آنا جانا ہوا۔ سامان کے ساتھ کتابوں کا بکس بھی ساتھ میں تھا۔ جس میں ضروری کتابیں تھیں، اس لئے بکس بہت وزنی ہو گیا تھا۔

حضرت کے ساتھ یہ میرا پہلا سفر تھا، میں نے دیکھا کہ حضرت سفر میں بھی اپنے دن او ررات کے معمولات میں لگے ہوئے ہیں، نہایت سادگی کے ساتھ، بڑوں کے ساتھ دوستانہ اور چھوٹوں کے ساتھ مشفقانہ انداز سے ملتے، خوشگوار ماحول میں سفر فرمارہے ہیں۔ پورے سفر میں کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں ایک ادنیٰ سا شاگرد ہوں۔ اور نہ صرف یہ کہ آپ میرے کھانے پینے اور سونے کا خیال فرماتے، میزبان کو بھی تاکید فرماتے، کیوں کہ عام طور پر لوگ بڑوں کی خدمت میں چھوٹوں کو بھول جاتے ہیں۔ آپ سفر میں نمازوں کا خاص خیال فرماتے تھے۔ چاہے جہاں بھی ہو، ٹرین میں آپ جگہ تلاش کر لیتے اور نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ کو دیکھ دیگر مسافرین بھی جگہ بنا دیتے تھے۔ اور آپ بڑے وقار و سکون کے ساتھ نماز ادا فرمایا کرتے تھے، نہ جلد بازی کرتے نہ ارکان کی ادائیگی میں کوئی کمی چھوڑتے تھے۔

اسی طرح حضرت قاری صاحبؒ سفر کی حالت میں اپنے ساتھیوں کے کھانے پینے اور بیٹھنے کا خیال تو فرماتے ہی تھے ارد گرد کے مسافرین کے ساتھ بھی اپنے حسن اخلاق کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ سامانوں کے اٹھانے، رکھنے میں یہ نہیں دیکھتے کہ میں کون ہوں۔ بلکہ سامان اٹھا نے میں آپ خود پہل فرماتے تھے۔ اور جس کا بھی سامان ہاتھ میں آ جاتا اٹھا لیتے اور اپنے ساتھی کا بوجھ کم کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ بارہا سفر میں ایسا دیکھا گیا کہ کسی کام کیلئے میں یا کوئی دوسرا ساتھی آگے بڑھتا تو آپ فرماتے ''بھائی مجھے بھی کچھ کرنے دو''۔

اس سفر میں تقریباً پندرہ چھوٹے بڑے پروگرام ہوئے ہوں گے۔ مگر آپ میں ذرا برابر بھی تھکاوٹ محسوس نہ ہوئی۔ ہر پروگرام میں بہت اطمینان وسکون کے ساتھ مدلل اور مستحکم گفتگو

فرماتے، جس سے سے عوام وخواص بہت متاثر ہوتے تھے۔ یہ سفر حیدرآباد، نظام آباد، ودیگر شہروں کا تھا، جہاں بڑے مدارس میں پروگرام ہوئے۔ پھر دوروزہ قیام، دارالعلوم امداد یہ رائے چوٹی میں بھی ہوا۔

(احقر آپ کی ساری تقریروں کونوٹ بھی کرتا اور ریکارڈ بھی کرتا تھا، جو غالباً تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں محفوظ بھی ہوں گے)

یہاں کی خاص بات یہ تھی کہ مدرسہ ہٰذا میں امتحان حضرت کو لینا تھا اور ایک اجلاس عام سے خطاب بھی کرنا تھا۔ احقر کو یہاں بھی حضرت علیہ الرحمہ کے رات کے معمولات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپؒ شب گذار تھے، تہجد کے لئے اول وقت میں اٹھ جانا، پھر قرآن مجید کی تلاوت میں فجر تک مشغول رہنا اور سفر میں رات کے معمولات کی پابندی یقیناً یہ ساری باتیں تقرب الی اللہ کی دلیلیں ہیں۔ اس درمیان ایک خاص بات یہ دیکھی کہ آپ کسی کا دل نہیں توڑتے تھے اور رات کو اٹھنے میں کسی کو تکلیف نہیں ہونے دیتے تھے۔ بلکہ بڑی خاموشی کے ساتھ اپنے عمل میں لگ جاتے تھے تاکہ سونے والوں کی نیند میں خلل نہ ہو۔

ایک واقعہ

اس سفر میں چونکہ حضرت مفتی محمود الحسن صاحب دامت برکاتہم بھی ساتھ تھے اور آپ بھی شب بیدار تھے۔ مگر آپ کی عادت تہجد کے وقت چائے نوشی کی بھی تھی۔ اس لئے آپ اپنے سفر میں ایک اسٹو، چائے پتی، شکر اور کروسین تیل کا ایک تھیلا ساتھ میں رکھ لیتے تھے تاکہ کسی کو تہجد کے وقت پریشانی نہ ہو۔ اتفاق سے (مدرسہ میں دوران قیام) رات آپ نے چائے بنانے کے لئے اسٹو جلایا تو بندہ بھی اٹھ گیا تاکہ کچھ خدمت کرنے کا موقع مل جائے۔ اس وقت حضرت قاری صاحب نماز تہجد ادا فرمارہے تھے، کمرہ الگ تھا، چائے تیار ہوئی تو حضرت مفتی صاحب نے ایک پیالی چائے مجھے دیکر فرمایا کہ جاؤ حضرت قاری صاحب کی خدمت میں پیش کرو۔ میں نے چائے پیش کی تو حضرت خوشی سے نوش فرمانے لگے اور تھوڑی سے چائے میرے

لئے بھی بچا دی، تو میں نے بھی چائے پی۔ ابھی میں نے ایک دو ہی چسکی لیا ہوگا کہ اس میں کروسین تیل کی بو محسوس ہوئی، میں نے حضرت سے کہا کہ حضرت! اس میں کروسین تیل کی بو آرہی ہے۔ تو حضرت نے

فرمایا؛ ہاں بوتو آرہی ہے، میں بھی محسوس کررہا ہوں، مگر مفتی صاحب نے بڑے خلوص سے چائے بنائی ہے، اس لئے اس میں اس کی بو سے زیادہ ان کے خلوص کی خوشبو آرہی ہے ۔لہٰذا چائے پی لو، کچھ مت بولو، دل شکنی ہوگی۔ اللہ اکبر۔ یہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کی ایک چھوٹی سی دلیل ہے۔ یہ سفر کرناٹک، بنگلور، ہوکر سفر مکمل ہوا۔

شہر بنگلور کی ایک مشہور و معروف مسجد ''لال مسجد'' شیواجی نگر میں آپ نے خطاب فرمایا، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور قادیانی کے دعویٰ کی تردید میں مدلل بیان فرمایا، اس بیان میں علماء کرام کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ میں اکثر دیکھتا کہ جب آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر گفتگو فرماتے تو بہت ہی مدلل فرماتے اور قادیانیوں کے دعویٰ کا بہت شدت کے ساتھ ردّ فرماتے تھے۔

دوسرا سفر

۱۹۹۷ء کے شروع میں نیپال کا سفر ہوا۔ بہار کی سرحدوں میں قادیانیت کے پھیلنے کی خبریں آتی ہیں تو آپ بے چین ہوجاتے ہیں اور روز بروز فکریں بڑھتی ہی جارہی تھیں۔ اس لئے وہاں کے علماء اور خاص کر سرحدی علماء کرام سے جو ضلع چمپارن اور ڈھاکہ کے تھے، رابطہ کرتے رہتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد سرحد کے قریب نیپال میں ایک مدرسہ میں تربیتی کیمپ منعقد کرنا طئے ہوا۔ حضرت نے اس کی تیاری بڑے زور وشور سے کی اور اپنے اس موضوع کے رفقاء کو سفر کے لئے تیار کیا۔ جس میں مفتی محمود الحسن صاحب دامت برکاتہم بلند شہری مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد عرفان صاحب دامت برکاتہم مبلغ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امروہوی دامت برکاتہم، غالباً ہاپوڑ کے بھی ایک ساتھی تھے اور ساتھ

میں احقر بھی تھا۔ دیوبند سے روانگی ہوئی، چمپارن ڈھاکہ ہوتے ہوئے نیپال جانا ہوا، حضرت اس سفر میں ساتھیوں کے ساتھ بڑے ہی گھل مل کر رہتے، کھانے پینے کا بھرپور خیال فرماتے اور وقت پر اس موضوع سے بات بھی سنتے سناتے رہتے۔ پروگرام کی ترتیب بہت جامع فرمایا کرتے اور ہر ایک کو موقع دیتے ہوئے فہرست تیار کرتے تھے۔ آپ اکثر و بیشتر حیات عیسیٰؑ اور ختم نبوت کے عنوان پر بات کرتے تھے۔

شاندار اقعہ

جب ختم نبوت پر کام کرنے والے اکابرین کا اجلاس میں یا تربیتی کیمپ میں آپ تذکرہ کرتے تو بیساختہ رو پڑتے تھے۔ خاص کر حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا تذکرہ بڑے مؤثر انداز اور دردِ دل کے ساتھ کیا کرتے تھے، اس بات پر کہ جب حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا انتقال ہوا تو کسی عالم دین نے خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں۔ پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عطاء اللہ بخاری کا جنازہ آرہا ہے، اس لئے میں کھڑا ہوں، انہوں نے ختم نبوت کے لئے بڑا کام کیا ہے۔

اس طرح کے واقعات بیان کر کے حضرت قاری صاحبؒ اشکبار ہو جاتے تھے اور سامعین بھی رو پڑتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے اندر عشق رسول کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور ختم نبوت سے اپ کا کتنا گہرا رشتہ تھا۔ اس پروگرام کے اجلاس عام میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمہ بھی تشریف لائے تھے، اس لئے آپ کی خوشی اور بڑھ گئی تھی۔ نیز پروگرام کے بعد جب فرصت ملی تو پورے پروگرام کی روداد آپ نے حضرت فدائے ملت کو سنایا۔ اس طرح سے دس دن کا یہ پروگرام مکمل ہوا۔

تیسرا سفر۔ راجستھان، اجمیر شریف

نیپال سے واپسی کے کچھ دنوں کے بعد راجستھان اور اجمیر شریف کا سفر ہوا۔ اس سفر کی نوعیت الگ تھی۔ اجمیر شریف سے قریب کچھ علاقوں میں قادیانی مبلغین کا دورہ ہو رہا تھا جس کی

وجہ سے وہاں کے لوگ متأثر ہو رہے تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ کو جب خبر آئی تو آپ نے فوراً وہاں کے لوگوں سے رابطہ فرمایا۔ ادھر وہاں کے مقامی علماء کرام نے قادیانیوں سے بحث ومباحثہ کر کے مناظرہ طئے کر دیا اور یہ مناظرہ پولیس اسٹیشن کے احاطہ میں ہونا طئے ہوا۔ حضرت سن کو بہت متفکر ہوئے، کیونکہ وقت کم تھا اور لمبا سفر کرنا تھا۔ پھر بھی آپ نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور اپنے رفقاء کے ساتھ دہلی چل پڑے۔ جس میں حضرت مفتی محمود الحسن صاحب دامت برکاتہم اور مولانا مشیر الدین صاحب دامت برکاتہم اور احقر کو بھی ساتھ لے لیا۔ دہلی میں حضرت فدائے ملت سے مشورہ کر کے اس مناظرہ کی اہمیت کی بنا پر حضرت مولانا محمد اسمٰعیل کٹکی صاحبؒ کو بلوانے کے لئے زور دیا۔ حضرت فدائے ملت نے فوراً حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کو آنے کے لئے کہا اور ماشاء اللہ مولانا دہلی تشریف لے آئے۔ مولانا کٹکیؒ کے آنے کے بعد اس قافلہ میں ایک عجیب خوشی کا ماحول چھا گیا، خاص کر حضرت قاری صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور آپ کے اندر بڑا حوصلہ دیکھا۔

سفر کے درمیان آپ اپنے بڑوں کی بہت خدمت، عزت اور اکرام فرماتے تھے۔ اپنے سے زیادہ دوسرں کا خیال فرماتے تھے۔ راجستھان مقام مناظرہ پہنچنے کے بعد وہاں دو روز قیام رہا۔ مگر قادیانی مبلغین مناظرہ کے لئے نہیں آئے۔ پھر بھی دو روز پولیس کی نگرانی میں اسی احاطہ میں پروگرام ہوا جس میں آپ دونوں اکابر کی بات ہوئی، جس سے پولیس والوں پر بھی بڑا اثر ہوا اور پولیس والوں نے ہمیں یقین دلایا کہ اب وہ قادیانی لوگ دوبارہ نہیں آسکتے۔

اس سفر میں حضرت قاری صاحب کی ایک خاص بات؛ جب واپسی پر دہلی اسٹیشن پہنچے تو ہر ایک کا اپنا اپنا سامان تھا۔ ساتھ ہی کتابوں کا ایک بڑا بکس (پیٹی) بھی تھا، جس میں کتابیں تھیں اور بکس کافی وزنی ہو گیا تھا۔ میں نے حضرت قاری صاحب سے کہا کہ حضرت قلی کر لیا جائے۔ صبح کا وقت تھا میں نے قلے والے سے بات کی تو وہ کچھ زیادہ ہی پیسے کا مطالبہ کر رہا تھا، میں نے حضرت کو سنایا تو حضرت فرمانے لگے کہ وہ پیسے زیادہ مانگ رہا ہے، آؤ ہم لوگ خود مل کر اٹھالیں گے۔ یہ کہہ کر حضرت قاری صاحب نے بکس کو اٹھانا شروع کر دیا پھر ہم

لوگ مل کر اس بھاری بھر کم بکس کو پلیٹ فارم سے باہر نکالے۔ آپ پلیٹ فارم کی بلند سیڑھیوں پر سامان اور بکس لیکر ایسے چڑھ رہے تھے جیسے کوئی طالب علم ہو۔ تواضع وانکساری کا یہ منظر میں نے اچھے اچھوں میں بھی نہیں دیکھا۔ یہ کام صرف اس لئے ہوا تا کہ دارالعلوم پر صرفہ زیادہ نہ آئے۔

اے فرشتۂ اجل! کیا خوب تیری پسند ہے
پھول تو نے وہ چنا جو گلشن کو ویراں کر گیا

چوتھا سفر۔ آسام

غالباً ۱۹۹۷ء میں آسام کا سفر ہوا۔ یہ سفر بھی قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے ہوا تھا۔ آسام کے ضلع ''ہوجائی'' کے علاقوں میں قادیانیوں کی تبلیغ خوب ہو رہی تھی۔ جس کی خبر وہاں کے علماء کرام نے دارالعلوم دیوبند کو دی تھی۔ حضرت قاری صاحب نے اس مناظرہ میں شرکت کے لئے تیاری شروع فرمادی، جس میں احقر بھی شریک سفر تھا۔ دہلی پہنچنے پر ٹرین میں بہت بھیڑ تھی، جس کی وجہ سے ہم لوگ ٹرین پر سوار نہیں ہو سکے اور ٹرین نکل گئی۔ اب حضرت قاری صاحب سوچنے لگے کہ آسام کیسے پہنچا جائے۔ تاریخ مناظرہ بھی طئے ہو چکی ہے۔ اسی پریشانی کے عالم میں ہم لوگ دفتر جمعیۃ پہنچے، جہاں حضرت فدائے ملت قیام پذیر تھے۔ آپ کو بھی آسام کے اس پروگرام میں شریک ہونا تھا۔ آپ نے فوراً دوسرے دن اپنے ساتھ ہوائی جہاز سے سفر طئے فرمایا۔ تو حضرت قاری صاحبؒ میں اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے پروقار اور خوب صورت چہرے میں متانت وسنجیدگی اور اعتماد ویقین کا نور عیاں تھا، اور آپ نے کہا کہ مولوی ادریس! صرف ایک رات کا وقت بچا ہے، جلدی جلدی تیاری کرلو اور حوالہ جات کا نوٹ بنالو۔

غرض یہ کہ ہم لوگوں نے رات کو کتابوں اور حوالہ جات دیکھنا شروع کیا اور قاری صاحب بھی حوالہ جات اور کتابوں کی تلاش میں ہمارا ساتھ دیتے رہے، اور دوسرے دن آسام کا سفر شروع ہوا۔ وہاں کے علماء کرام بھی تیار تھے، اور مقررہ تاریخ پر مناظرہ کی جگہ ہم سب پہنچ گئے

۔ بڑی بھیڑ تھی، قادیانی لوگ بھی تیاری کر کے پہنچے تھے، مناظرہ شروع ہوا، بنگلہ زبان میں بات کرنے لے لئے حضرت مولانا صدیق اللہ چودھری صاحب دامت برکاتہم مقرر ہوئے تھے، آپ بات کرتے تھے اور ہم سب مل کر حضرت قاری صاحب کو حوالہ جات پیش کرتے تھے۔ قادیانی لاجواب ہوتے رہے؛ یہاں تک کہ قادیانیوں کو جب اپنی شکست فاش کا یقین ہو گیا تو وہ راہ فرار اختیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس پروگرام میں حضرت فدائے ملت کا بھی خطاب ہوا، اور قاری صاحب نے بھی بڑی جرأت و شجاعت اور نہایت مسرت کے ساتھ قادیانیوں کی حقیقت کو بیان کیا۔ اس سفر میں آپ بہت خوش تھے، اس لئے کہ قادیانیوں کی شکست فاش ہوئی تھی اور بہت لوگوں نے توبہ بھی کی تھی۔ اس طرح یہ سفر بہت کامیاب رہا تھا۔

پانچواں سفر، لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ العلماء

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں غالباً ۱۹۹۷ء تحفظ شریعت کے عنوان سے کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں ملک و بیرون ملک کے علماء و دانشور حضرات شریک ہوئے۔ اور امام حرم شیخ سبیل رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک کانفرنس تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے حضرت قاری صاحب شریک کانفرنس ہوئے، اپنے ساتھ حضرت نے مجھ احقر کو بھی لے لیا۔ دیوبند سے سفر شروع ہوا، یہ سفر ایک نورانی اور روحانی سفر تھا۔ کیوں کہ اس سفر میں متعدد اہل اللہ تھے۔ ہم لوگ دیوبند اسٹیشن پہنچے، ٹرین پر سوار ہوئے تو اسی ڈبے میں پہلے سے مظاہر علوم سہارنپور کے اکابرین تشریف فرما تھے۔ خاص کر پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب علیہ الرحمہ، حضرت قاری صاحبؒ کو دیکھ کر اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑے ہو گئے اور مصافحہ و معانقہ فرماتے ہوئے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ الحمدللہ اکابرین کی معیت میں لکھنؤ تک یہ پورا سفر بہت خوش گوار اور نورانیت سے معمور طئے ہوا۔

بہرحال؛ ہم لوگ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ پہنچے اور کانفرنس میں شرکت کے لئے

حضرت قاری صاحب تیاری فرمانے لگے۔ چونکہ اس کانفرنس میں ایک خاص عنوان پر آپ کو بات کرنے کے لئے کہا گیا تھا، وہ عنوان تھا ''تحفظ ختم نبوت اور قادیانیت کی حقیقت'' حضرت قاری صاحب اپنے وقت پر تشریف لائے۔ اسٹیج علماء کرام سے بھرا ہوا تھا، حضرت کے ساتھ احقر بھی اسٹیج تک پہنچا۔ اجلاس میں مختلف علماء کرام نے گفتگو کی اور قادیانیت پر بھی کچھ لوگوں کی بات ہوئی۔ جب حضرت قاری صاحب کی باری آئی تو آپ نے بہت مدلل اور محققانہ گفتگو فرمائی، اور ختم نبوت کی نہایت شرح صدر کے ساتھ تشریح فرمائی۔ ساتھ ہی آپ نے قادیانیت کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا کہ مرزا غلام احمد اور جماعت قادیانی کی کیریکٹر اور زندگی کے مسائل اپنی جگہ، ہم علماء دارالعلوم دیوبند انھیں کافر سمجھتے ہیں، وہ اس بنا پر کہ انہوں نے اور پوری قادیانی جماعت نے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے ہٹ کر اپنا ایک الگ کلمہ بنالیا ہے۔ اس لئے قادیانی لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا ان سے کسی طرح اسلامی اور مذہبی تعلق رکھنا جائز نہیں۔ اس موقع پر آپ نے نہایت مضبوط گفتگو کی تھی، جس سے مجمع پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔

بلکہ یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ میں نے حضرت قاری صاحب کے بہت سارے بیانات وتقاریر سنے، مگر اس دن کے بیان کا رنگ ہی کچھ اور تھا، نورانیت وروحانیت سے بیان معمور بلکہ یہ کہا جائے کہ اس دن کا بیان الہامی بیان تھا۔ جب پروگرام کے اختتام پر ہم لوگ سٹیج سے نیچے اترے تو حضرت قاری صاحب سے ملنے کے لئے طلباء وعلماء اور عوام کا ایک بڑا مجمع سراپا منتظر تھا اور سب کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ ماشاءاللہ قاری صاحب نے دارالعلوم دیوبند کا حق ادا کردیا۔ الحمدللہ

الحاصل

حضرت قاری صاحب تحفظ ختم نبوت اور قادیانیت پر جو کام کرتے تھے وہ صرف اور صرف عشق رسول اللہ ﷺ کی بنا پر، آپ نے کبھی اس کام کو شہرت کے لئے اور نام نمود کے لئے نہیں کیا، اس لئے آپ کی یہ خدمات ملک کی چہار جانب ہوئیں اور عنداللہ وعندالناس مقبول۔ جس سے علماء وطلباء وعوام الناس کو بہت بڑا فائدہ ہوا۔ بندہ نے یہاں چند اسفار و پروگرام کا ذکر

کیا ہے جو خاص کر تحفظ ختم نبوت اور قادیانیت سے متعلق تھے۔ ورنہ چھوٹے چھوٹے بہت سے پروگرام کی تفصیلات ہیں، طوالت کے خوف سے بندہ نے اجمالاً ذکر کیا ہے۔

مقبولیت کا راز

حضرت قاری صاحب کے کاموں کی مقبولیت کا راز یہ ہے کہ آپ اخلاص کے ساتھ کام کرتے تھے، کسی انسان کو خوش کرنے کے لئے

نہیں اور نہ اپنے کام وخدمات سے دوسروں کو کمتر ثابت کرنا ہوتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ حضرت قاری صاحب کام کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھتے تھے کہ میرا وقت کتنا لگ رہا ہے، بلکہ اس کام کے لئے آپ نے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ اس لئے ہم جیسے چھوٹوں کے ساتھ کئی کئی گھنٹے دفتر میں کام کرتے تھے۔ اور آپ ہمیشہ اپنے چھوٹوں کی غلطیوں پر شفقت کو غالب رکھتے ہوئے اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ معاملات، لین دین اور حساب وکتاب میں بڑی صفائی اور دیانت وامانت کا خاص خیال ہی نہیں بلکہ سختی سے عمل فرماتے تھے۔

آپ کے کام کی مقبولیت کا تیسرا راز یہ ہے کہ آپ کہیں کسی پروگرام میں تشریف لے جاتے تو داعی اور میزبان پر بوجھ نہیں بنتے، اور نہ کوئی فرمائش کرتے تھے، نہ قیام کے لئے نہ طعام کے لئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ کی شان کے خلاف قیام گاہ ہوتی، اور آپ خوشی سے قبول کر لیتے۔ سفر کے لئے کوئی سہولت کی فرمائش نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح آپ سفر میں کسی سے جسمانی خدمت بالکل نہیں لیتے۔ بلکہ مسلسل اسفار اور پروگرام کی وجہ سے تھکاوٹ ہو جاتی اور میں خدمت کرنا چاہتا مگر حضرت انکار فرما دیا کرتے تھے۔ یہ عادتیں یقیناً عنداللہ مقبولیت اور عندالناس محبوبیت کی علامتیں ہیں۔

کڑے سفر کا تھکا مسافر، تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کر لیں ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے

بسیار خوباں دیدہ ام؛ لیکن تو چیزے دیگرے

محمد عدنان وقار صدیقی

جب میں نے ان کو دیکھا

بندہ جب مادرِ علمی میں سنہ ۲۰۰۶ء میں داخل ہوا تو مدرسہ ثانویہ کا طالب علم تھا، درس گاہ میں اساتذہ کا ذکر خیر قدیم طلبہ کی زبانی سنا جاتا ہے، انھیں میں ایک نام حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ کا بھی تھا۔ ان کا ذکر انتظام وانصرام سے متعلق امور میں تو قدیم طلبہ ضرور کرتے؛ کیوں کہ حضرت کے ذمے ان دنوں نیابت اہتمام کے فرائض تھے، پھر وقت گزرا اور حضرت کو اجمالا دیکھا کہ کار میں سوار ہیں اور رحاب جامعہ سے گاڑی گزرتی ہوئی جارہی ہے اور آتے جاتے طالب علموں کی بھیڑ میں ایک نظر ان کو بھی دیکھ لیا۔ ہاں موقع بموقع مادرِ علمی کی بڑی انجمنوں ''النادی الادبی'' ''مدنی دارالمطالعہ'' کے افتتاحی یا ششماہی یا اختتامی پروگراموں میں بھی دور سے حضرت کو مسند پر بھی جلوہ افروز دیکھا۔ الغرض پھر دن گزرے، ماہ گزرے، سال گزرے اور خدا خدا کر کے ۲۰۱۳ء میں سال ہفتم آ گیا، مشکوۃ شریف نصف اول حضرت قاری صاحب سے متعلق تھی، سال کی شروعات تھی اور درس باقاعدہ شروع نہ ہوا تھا؛ لیکن آپ نے علم حدیث وکتاب کے متعلق مبادیات ونکات بیان کیے اور مصنف کے احوال وغیرہ سے شناسائی کرائی، یہ زمانہ تھا جب حضرت کو تفصیلا دیکھنے اور سننے اور آپ سے پڑھنے کا باری تعالی نے موقع عنایت فرمایا، سابقہ دارالحدیث جو ابھی ہفتم اولی کی درس گاہ بنی تھی، ساعت چہارم میں

مشکوۃ المصابیح حضرت پڑھایا کرتے تھے۔

قاری صاحب کا سراپا

حضرت کا سراپا رہ رہ کر نظروں میں گھوم رہا ہے، پانچ سال ہو گئے؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ابھی کل تو ان کو دیکھا تھا، گورا رنگ، کشادہ پیشانی بھنویں کم گھنیری، منور چہرہ، بارعب آنکھیں، سفید ڈاڑھی جیسے بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا ٹھوڑی پر سجا ہو، چمکیلے موتی کی مانند دانت، گلابی لب، تراشی ہوئی مونچھیں، صحت مند پر گوشت ہتھیلیاں، میانہ قامت، متوازن جسم، سردیوں میں شیروانی میں ملبوس، سر پر سبز یا کریم رنگ کے رومال کا عمامہ (جس کو باندھنے کا اچھوتا انداز، کئی رفقاء درس اس طرح باندھنے کی کوشش کرتے؛ لیکن رفیق محترم مولانا عبدالحئی صاحب کھکڑیاوی کو اس انداز سے وہ رومال باندھنا آتا تھا) موسم گرما میں اسی کی مناسبت پوشاک زیب فرماتے، چال میں عالمانہ شان، نہ جھپٹ کر چلتے نہ سست روی سے نشست و برخاست میں صالحانہ ادا، جب گویا ہوتے تو نہ بہت زور سے بولتے نہ ہی نزاکت سے؛ بل کہ صاف وشستہ بولتے کہ ہر بات سمجھ آئے، ان کی ہر ادا ایسی کہ من کو موہ لے، ہر رویہ سے ابلتی شرافت، ان کی صورت زہد وتقوی، صلاح وعفاف کی عکاسی، قاری صاحب کو دیکھ کر یہ تمام تاثرات ونقوش از خود ہویدا ہوتے۔

بجھ گئے کتنے شبستان محبت کے چراغ
محفلیں کتنی ہوئیں شہر خموشاں کیسے

قاری صاحب کا درس

یہ تصویر میرے خانہ ذہن میں رقصاں تھی اب ان کی دوسری تصویر احساس کے پردوں پر لہرا رہی ہے کہ وہ سابقہ دارالحدیث تحتانی موجودہ ہفتم اولی میں چند طلبہ کے جلو میں تشریف لا رہے ہیں اور مسند تدریس پر جلوہ نما ہیں، طلبہ کی شروعاتی حاضری ہوتی ہے اور پھر حسب باری

طالب علم عبارت خوانی کرتا ہے اور پھر حضرت درس حدیث شروع کررہے ہیں، چہرے پر مسکان سجی ہے اور زبان سلاست کے ساتھ ایک ہی رفتار سے گویا ہے نہ الفاظ وجملوں میں بناوٹ ہے نہ لہجے میں گھن گرج ہے؛ بلکہ عام الفاظ وتعبیرات میں الفاظ نبوت کے مفاہیم سمجھائے جارہے ہیں ان کا مطالعہ بہت وسیع، تکلم بڑا مزے دار، زبان سادہ لیکن بہت خوبصورت، خدا نے ان کو ایسا ملکہ عطا کیا تھا کہ مخاطبین کو مطمئن کردیتے، ہم کم عقلوں کے دلوں میں بھی اپنی بات اتاردیتے، مکمل درس طلبہ کی توجہات کا حامل ہوتا، نہ وہ لطیفے سناتے نہ وہ ہاتھ چلاتے، نہ وہ پانی پیتے، نہ میری یاداشت کے مطابق ان کا حلق خشک ہوتا نہ ان کو کھانسی آتی، بس مانند دریا ایک ہی رفتار سے علمی جواہر ان کی زبان سے جاری رہتے، جاننے والے جانتے ہیں کہ مشکاۃ میں الگ الگ موضوعات کے لیے باب ہوتا ہے اور باب کے تحت تین فصلیں ہوتی ہیں، حضرت الاستاذ کا طریقہ منفرد اور اچھوتا تھا، شروع میں جو حدیث آتی اس مضمون کی جو احادیث پہلی فصل میں ہوتیں یا دوسری میں یا تیسری میں سب کو اکٹھا پڑھاتے یہ انداز نرالا ہونے کے ساتھ کتاب پر مکمل دسترس کا ثبوت تھا، ان کا درس مکمل بیدار مغزی سے پڑھنا ہوتا نہ جانے اب کونسا ورق الٹنا پلٹنا پڑے کونسی روایت پڑھنی پڑے، باوجودیکہ ساعت چہارم ہوتا، جس وقت دوپہر کے کھانے کی حاجت کا احساس بھی سوار ہوتا؛ لیکن مجال ہے کہ سبق سے طالب علم کی توجہ ہٹے، بہتیرے طلبہ کی انگشت قلم دبائے سبق کو قید قرطاس میں لانے میں مصروف ہوتیں، بعض مقامات میں حدیث کا ظاہری مفہوم امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب سے متعارض معلوم ہوتا، تو اس وقت حضرت کسی بلبل کی طرح چہک کر فرماتے کہ فقط یہی ایک حدیث تھوڑی ہے پھر مذہب حنفی کی موافق روایت پر لے جاتے اور مذہب وموقف کو اس انداز سے نکھارتے کہ جیسے چودھویں کا چاند ابھی بادلوں کے پیچھے سے نکلا ہو، وہ ہم ایسے اطفال کو علمی بحر میں غواصی سکھاتے، بات کا سلیقہ دیتے، حدیث فہمی کا ہنر بتاتے، مجھے وہ منظر بھی یاد ہے کہ جب سبق میں ''حضرت ماعز اسلمیؓ'' اور ''امرأۃ غامدیۃ'' کا واقعہ آیا (مولانا لقمان پورنوی عبارت خواں تھے) اور حضرت

الاستاذ المحترم کی آواز میں رقت تھی اور سب طلبہ خاموش ہوکر وہ سن رہے تھے، لگتا تھا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں ذرا حرکت کی تو اڑ جائیں گے۔ حضرت کی گفتگو میں دیو بند و قرب و جوار کی بولی کے الفاظ تو کم ہی سننے کو ملتے تاہم مجھے ایک جملہ یاد پڑتا ہے جیسے ہم بولتے ہیں کہ بہن دیکھو ایسا نہیں ہے، یا باجی آپ کیا کہہ رہی ہیں، ایک دن دوران درس کچھ ایسی روایت ہوگی جس کی تشریح میں حضرت نے بالکل ٹھیٹھ سہارنپوری لہجے میں کہا تھا ''اری بوبو'' یعنی اری بہن روایت وسبق کونسا تھا مجھے یاد نہیں۔

ایک بار حق حضانت اور پرورش کا مسئلہ زیر بحث تھا تو نابالغ بچہ والدین میں سے کس کے پاس رہے گا اور کب تک رہے گا یہ بات چل رہی تھی تو لڑکے کے متعلق مسئلہ تھا کہ وہ والدہ کے پاس سات سال رہے گا حضرت نے کہا: سات سال کے بعد والد کے پاس آئے گا تاکہ مدرسہ میں پڑھنے بھی تو جائے ورنہ ننہال میں والدہ کے پاس رہے گا تو کھیلتا پھرے گا، اس طرح بھی بات کو سمجھا دیا کرتے تھے۔

تکمیل ادب عربی میں ساعت پنجم میں ''اسالیب الانشاء'' ایک ترتیب میں حضرت سے متعلق تھی، اس کی تطبیقات ہر طالب علم کو لکھ کرلانی ناگزیر ہوتیں، اس سلسلے میں ذرا نرمی نہ برتتے تھے، غرضیکہ آپ کی شخصیت مختلف اوصاف علمی کی جامع تھی، آپ کا سبق ہر فن میں مقبول تھا، وہ حدیث ہو یا عربی ادب یا محاضرہ علمیہ بردقادیانیت آپ کی ذات ان سب کی تدریس میں پختہ کاری، صحیح ڈھنگ، سکون ومحویت سموئے ہوئے تھی، عربی زبان میں مہارت حاصل تھی بارہا جامع رشید میں جمعہ پڑھایا اور خطبہ جمعہ میں برجستگی و بداہت طلبہ کے لئے نت نئی تعبیرات و محاورات، انداز بیاں کی ندرت ہوتی، چونکہ فن قرات میں باضابطہ قاری اور ماہر فن تھے تو تلاوت کی کشش سے مصلیان محظوظ ہوتے۔

قاری صاحب کے اوصاف

حضرت واقعتاً شفیق اور مہربان تھے کوئی بھی طالب علم کوئی درخواست لے کر حضرت کی

خدمت میں جاتا پوری توجہ دیتے اور اس کی جائز طلب پوری فرماتے، جن انجمنوں کی ریاست یا اِشراف فرماتے ان کی مکمل خبر بھی رکھتے، ان کے پروگراموں میں شرکت فرما کر ان کا حوصلہ بڑھاتے (حضرت کے خادم) مولانا عبدالحیٔ صاحب سے بارہا یہ سنا کہ قاری صاحب کی دیانت وسچائی بے نظیر ہے یعنی اگر کوئی مؤلف اپنی تالیفی کاوش لے کر حضرت قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور تقریظ کا خواہی ہوتا تو قاری صاحب اس کے نام یا کو دیکھ کر بغیر کتاب پڑھے کچھ نہ لکھتے؛ بل کہ کہتے کہ کتاب رکھ جائیں مکمل پڑھ کر ہی کچھ لکھوں گا۔ یہ نہیں کہ طائرانہ چیدہ چیدہ مقامات پر نظر ڈال کر تالیف اور مؤلف کی تعریف میں قلابے باندھ دئے۔

حضرت لایعنی بات کبھی نہ فرماتے تھے، گاہے دورانِ درس بجلی چلی جاتی اور جنریٹر اسٹارٹ ہونے میں جو دو یا تین منٹ کا بھی وقفہ ہوتا تو آپ اس دوران کسی باوضو فرشتے کی مانند سر جھکا کر کسی تسبیح و ذکر میں مشغول ہوجاتے، اور اس دوران بارہا آپ کی موہنی صورت اور پیارے معصوم بچے جیسے مکھڑے پر نور جگمگاتا نظر آتا۔

آپ کی سادگی قابلِ تقلید تھی باوجودیکہ آپ دارالعلوم دیوبند جیسی درسگاہ کے نائب مہتمم تھے؛ لیکن کوئی اگر راہ میں کچھ بات کرتا تو رک کر سنتے، میں نے اس ولی صفت کو دیکھا کہ چند طلبہ پاس میں ہیں اور دامن پر معمولی سا نشان ہے بدستِ خود اسکو دھو یا کسی طالب سے کہنا حضرت نے گوارانہ کیا، آپ کی تربیت کا مظہر آپ کے دو صاحبزادے ہیں جو آب دار نگینے ہیں، حیا میں اسم بامسمی تھے، جلوت میں کبھی سر بھی بے کلاہ نہ دیکھا گیا تاہم خلوت میں تحتانی رہائش گاہ میں باصرار طالب سر پر تیل لگوانے کی خاطر ٹوپی اتار لیا کرتے تھے، وہ کثیر النفع استاذ تھے طلبہ کی گفتگو، بولنے، لکھنے کے سلیقے، درسگاہ میں بیٹھنے کے طریقے پر خصوصی نگہداشت رکھتے، جہاں کی پاتے نصیحت فرماتے، چھتہ مسجد کے باجماعت تکبیر اولی کے مصلی تھے، منتظم طاق تھے، تادمِ مرگ جمعیۃ علمائے ہند کی صدارت آپ کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری تھی۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

رفتید ولے نہ از دلِ ما

حضرت الاستاذ آج ہمارے درمیاں نہیں رہے اوراس دنیا میں آنے والے ہر انسان کو جانا ہے، یہی خلاق عالم کی منشا ہے؛ لیکن وہ ہمارے دلوں سے ہرگز جدا نہ ہونگے، انھوں نے ہمارے دلوں میں اپنی محبت کا بیج بویا ہے، وہ ہمارے لیے نا قابل فراموش رہیں گے، وہ موت کے بعد زندہ، وہ نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود نظروں کے سامنے ہیں، یہ بڑے حضرات ہیں جن کو دنیا بوقت ضرورت شب تاریک میں چاند کی طرح تلاش کرے گی؛ لیکن لوٹ کر نہیں آئیں گے یہ لوگ، ان کی وفات سے جو حزن وقلق ہوا ہے خدایا اس کا مداوا کرے، ان کے جانے سے جو خلا واقع ہوا ہے اس کا صحیح طور پر پر ہونا اور ان جیسا جانشیں ملنا ناممکن نظر آتا ہے، خدا پسماندگان کو صبر دے اور اس شاہین ختم نبوت کی آخری آرامگاہ کو جنت کا باغیچہ بنائے۔

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبحِ محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

وہ سادگی کا پیکر تھے

مولوی محمد ابوالکلام آزاد متعلّم عربی ہفتم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نوراللہ مرقدہٗ ایک باکمال شخصیت اور اپنے اکابر واَسلاف کی صفات کا بہترین نمونہ تھے، خصوصاً آپ کی تواضع بے مثال تھی۔ آپ صحیح معنی میں ایک کامل انسان تھے، اور سادگی کے ساتھ زندگی گذارنے کے عادی تھے، آپ کا دل دنیاداری سے بالکل پاک تھا۔

ایک مرتبہ حضرت قاری صاحبؒ اپنے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری (حفظ اللہ ورعاہ) کے گھر مرادآباد تشریف لائے، یہاں حضرت کے لئے پہلی منزل پر ایک کمرہ خاص تھا، جس میں زمین پر ایک گدا اور ایک بیڈ پڑا رہتا تھا، حضرت والا وہیں قیام فرماتے تھے، اور شہر کے متعلقین عوام وخواص یہیں آکر حضرتؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ملتے ہی احقر حضرت مفتی صاحب (حفظ اللہ ورعاہ) کے گھر پہنچ گیا، جب حضرت قاری صاحبؒ بعد نماز عشاء آرام کرنے کی غرض سے گھر کے بالائی منزل سے نیچے تشریف لاکر جلد ہی کمبل میں داخل ہوکر آرام فرما ہوگئے؛ چوں کہ سخت ٹھنڈ کا موسم تھا۔ احقر موقع کو غنیمت جانتے ہوئے حضرت سے بالمشافہ ملاقات کرنے کے بعد قریب میں بیٹھ گیا۔ تو حضرتؒ نے احقر سے بڑے ہی پیار اور شفقت بھرے انداز میں فرمایا:

’’تمہارا کیا نام ہے؟‘‘ تو احقر نے اپنا مکمل نام پیش کیا (محمد ابوالکلام آزاد) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ’’کہاں کے رہنے والے ہو؟‘‘ تو احقر نے کہا ’’بنگال کا‘‘ پھر ارشاد ہوا ’’کون سے بنگال کا؟‘‘ تو احقر نے اس کا جواب دیا۔ پھر احقر نے عرض کیا کہ ’’حضرت امسال دارالعلوم دیوبند کھلنے کا کوئی امکان ہے؟‘‘ (چوں کہ لاک ڈاؤن کے سبب تعلیمی سلسلہ منقطع کردیا گیا تھا) تو حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ’’ہم کوشش میں لگے ہوئے ہیں، بس دعا کرو کہ اللہ رب العزت جلد کھلنے کے اسباب پیدا فرمادے‘‘۔

حضرت قاری صاحبؒ چوں کہ تھکے ہوئے تھے، اس لئے جلد ہی نیند کا غلبہ ہوگیا، اور احقر تھوڑی بہت خدمت کرنے کے بعد واپس چلا آیا۔

جب اگلے دن جمعہ کی صبح حضرت کی نظر احقر کے اوپر پڑی تو فرمانے لگے کہ ’’ابوالکلام! میں تم سے رات یہ کہنا بھول گیا تھا کہ اب تم چلے جاؤ‘‘۔ گویا کہ نیند کے بعد تک خدمت کرنے پر معذرت پیش فرمارہے تھے۔

اللہ اکبر کبیراً حضرت قاری صاحبؒ کے اِس جملہ کو سنتے ہی میری آنکھیں حیرت زدہ رہ گئیں؛ گویا کہ اس جملہ نے احقر کے دل ودماغ کے اندر رس گھولنے کا کام کیا کہ واقعی زندگی ایسی تواضع کے ساتھ ہی گذارنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب مرحوم کو اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور آپ کی تمام صفاتِ عالیہ ہمیں بھی اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

حضرت قاری صاحبؒ مرادآباد کی جامع مسجد میں کس پروگرام میں تشریف لائے تھے، تو آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری اُستاذ حدیث وافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد کی درخواست پر ’’ابوداؤد شریف‘‘ کی آخری حدیث کا درس دینے کے لئے جامعہ کی دارالحدیث میں تشریف لائے، جو لاک ڈاؤن کی وجہ سے دارالطلبہ کے ’’حمیدی ہال‘‘ میں قائم تھی، اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت نے موسم سرما کی سختی کے باوجود

احترامِ حدیث میں وضوفرمایا، حضرت کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ وضو وہاں فرمایا جہاں طلبہ وضو کرنے میں جھجھک محسوس کرتے تھے، (یعنی طلبہ کے وضواور برتن دھونے کی جگہ) اللہ اکبر کبیرا۔

پھر باوضو ہوکر ''ابوداؤد شریف'' کا آخری و مؤثر درس دیا؛ گویا کہ ہم طلبہ کے ذہن ودماغ کونورِ ایمانیات سے لبریز فرمایا۔

بفضلہٖ تعالی احقر کو بھی اس درس میں شرکت کا موقع ملا، پھر دعا کرانے کے بعد اپنے بڑے صاحبزادے کے گھر تشریف لے آئے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے رات میں یہیں قیام کرنے کے اصرار کے باوجود رات ہی میں دارالعلوم دیوبند روانہ ہوگئے، پھر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو بیماری کو وسیلہ بنا کر اس دارِ فانی سے دارِ بقاء میں بلالیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر کی ونور سے منور فرمائے آمین اور ہم سب کو حضرت قاری صاحبؒ کی طرح سادگی کے زندگی گذارنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

مثالی شخصیت

مولانا محمد شاہد اختر کھرساوی (جھارکھنڈ) فاضل دارالعلوم دیوبند

تاریخی خطاب

بموقع جمعیۃ علماء ہند ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد بہاری سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی ثم دہلوی رحمہما اللہ کے سیمینار میں بتاریخ ۲۷ /ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۵-۱۶/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ، اتوار، نئی دہلی جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا۔ جمعیۃ علماء ہند کا کوئی بھی اجلاس ہو حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی صدارت ہی میں منعقد ہوتا۔ سیمینار کے آخر میں آپ نے میں مقالہ نگار حضرات کی خدمات کو سراہا اور فرمایا کہ آپ حضرات ہی مستقبل میں قوم کی رہنمائی فرمائیں گے اور کہا کہ آپ لوگوں نے پورے ہندوستان پر احسان کیا ہے کہ اپنے اکابر کی خدمات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور آئندہ نسل کو یہ بتلایا ہے کہ ہمارے اکابر نے کس طرح جنگِ آزادی میں قربانی دی ہیں) اس وقت بھی حضرت قاری صاحبؒ سے استفادہ کا موقع ملا۔

سیمینار کے آخر میں جب حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے بیان کی باری آئی تو جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری جانشین فدائے ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی مدظلہ العالی نظامت کی طرف بڑھے اور فوری طور پر دعاء کے ذریعہ مجلس کا اختتام چاہتے تھے کیونکہ وقت بھی ہو چلا تھا؛ لیکن حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گرجدار الفاظ میں کہا کہ ہم مسافر ہیں، کام

کی باتیں ہورہی ہیں، یہ کہتے ہوے بالکل جم گئے اور صاف لفظوں میں کھل کر اپنی باتیں کیں۔ اس وقت آپ کے بیان کو بہت قریب سے سننے کا موقع ملا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ملکی حالات پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ فرمانے لگے کہ ملک وملت اس وقت اس سے کہیں زیادہ بدتر ہے جو آزادی کے وقت تھا، اس وقت ہمارے اکابر حیات تھے۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ، کچھ خلاف ہوتا یہ حضرات گریبان پکڑ لیتے تھے اور آنکھ میں آنکھ ڈال کر باتیں کیا کرتے تھے؛ لیکن اب وہ حضرات نہیں ہیں، ہمارا نصب العین متعین ہونا چاہیے، ہر طرح کے لوگ ہم سے سوال کرتے ہیں کہ ان حالات میں ہم کیا کریں، ان کی رہنمائی کیجیے، مسلمانوں کو سیاست میں حصہ لینا چاہیے اور اپنی پارٹی ہونی چاہیے، ابھی فوری طور پر تو مشکل ہے؛ لیکن پانچ دس سالوں میں سیکولر ذہن کے لوگوں کو ساتھ لے کر پارٹی بنائیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔ حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ نے اس حوالہ سے کوشش کی اور خطوط بھی روانہ کئے؛ لیکن کچھ وجوہات کے سبب یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ ہندوستان کی آزادی سے قبل جمعیۃ علماء ہند بھی پارلیمنٹی الیکشن وسیاست میں حصہ لیتی رہی؛ لیکن آزادی اور تقسیم وطن کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے پارلیمنٹی الیکشن سے اپنے آپ کو الگ کرلیا؛ کیوں کہ اس وقت مسلمانوں کے حق میں یہی بہتر تھا۔ بعد میں محض فرد کی حیثیت سے لوگوں نے سیاست میں حصہ لیا۔

مزید فرمایا کہ اس وقت سے کہیں زیادہ اب محنت کی ضرورت ہے اور حضرت مدنی کے قول کا حوالہ دیتے ہوے فرمانے لگے تم خود اقدام نہ کرو، پہل نہ کرو؛ لیکن جب کوئی اقدام اور پہل کرے تو اس طرح انتقام اور خبر لو کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی ہم پر ظلم کرے اور ہم خاموشی کے ساتھ ظلم سہہ کر اور مار کھا کر گھروں میں گھس جائیں۔ شخصیات میں سے اکثریت کی تعداد فضلاء دارالعلوم کی تھی، مجمع میں سناٹا چھا گیا اور تمام حضرات خاموشی کے ساتھ آپ کی بات بغور سن رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ نے

زوردار الفاظ میں گرجتے ہوئے اپنی بات کہی اور نوجوانوں کو حوصلہ دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی میدان میں بھی آپ کو مکمل عبور تھا۔ دوراندیشی کے کیا کہنے، وقت اور حالات کے اعتبار سے بہترین رہنمائی فرماتے۔ آپ کی دعا پر مجلس اختتام پذیر ہوئی بعدۂ مقالہ نگار حضرات آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت قاری صاحبؒ کیا خوب اور جم کر بولے، اس سے قبل آپ کے اس طرح کے بیان شاید کبھی نہ ہوئے ہوں۔ فجزاہ اللہ خیراً۔

حضرت قاری صاحبؒ اور مدنی دارالمطالعہ

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ سے بے انتہا محبت تھی اور آپ کا خانوادہ بھی حضرت شیخ الاسلام سے قریب تھا، حضرت مدنیؒ کی سوچ اور فکر کو آپ نے اپنے اندر سمو لیا تھا۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ جب دارالعلوم دیوبند بحیثیت مدرس تشریف لائے تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ ''مدنی دارالمطالعہ'' کی سرپرستی فرمائی اور تادمِ آخر سرپرستی فرماتے رہے۔ مدنی دارالمطالعہ نے آپ کی سرپرستی میں نمایاں ترقی کی، ہفت روزہ البلاغ، الہلال، آزاد اور یوم جمہوریہ اور یوم آزادی نمبر وغیرہ پابندی سے نکلتا رہا۔ اس طرح تحریر و تقریر اور مطالعہ کا شوق طلبہ میں خوب بڑھا، مدنی دارالمطالعہ کا ہر کام آپ کی اجازت سے ہوا کرتا تھا اور پورا وقت صرف کرتے تھے۔ شروع سال سے آخر تک طلبہ آپ سے متعلق رہتے تھے، ہر معاملہ میں آپ کے پاس جانا پڑتا تھا، کوئی مشورہ ہو یا کوئی میٹنگ، کوئی اجلاس، طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ نے مدنی دارالمطالعہ کی مثالی سرپرستی فرمائی۔ تاقیامت طلبہ آپ کے احسانات کو یاد کرتے رہیں گے، مدنی دارالمطالعہ کے حوالہ سے بہت سے طلبہ کو آپ سے استفادہ کا موقع ملا اور خوب تربیت بھی فرمائی۔ مدنی دارالمطالعہ کے فضلاء سے خوش ہوتے تھے، اصولی آدمی تھے، باز پرس منتظم تھے، اصول کے مطابق کام کرنا پسند فرماتے تھے، اس معاملہ میں کسی کی بھی رعایت نہیں تھی، مدنی دارالمطالعہ کے نظام کو اصولی اعتبار سے دیکھنا پسند کرتے تھے اور اصول کے پابند بناتے تھے۔

حضرت قاری صاحب کا مزاج تھا کہ جو بھی کام ہو تحریری شکل میں لاؤ تا کہ ہر چیز ریکارڈ کے طور پر محفوظ ہو جائے اور کام کی اصلاح بھی ہو۔ رعب کا یہ عالم تھا کہ ان کے سامنے سوال کا جواب دینے کی بھی ہمت نہیں رہتی تھی، خاموش مزاضرور تھے؛ لیکن اس خاموش مزاجی میں بے پناہ راز پنہاں تھے، کندن کو بھی ہیرا بنانے کا ہُنر آپ کے پاس تھا۔ سال نو آغاز میں مدنی دارالمطالعہ کی ممبر سازی کے آغاز میں تشریف لاتے، دعا فرماتے، ضروری معاملات دریافت کرتے اور دوران نظامت کبھی کبھار سال گزشتہ کی رپورٹ بھی معلوم کر لیتے، فرماتے کہ یہ بھی بتانی چاہیے کہ مدنی دارالمطالعہ میں کیا ہوتا ہے، کتنی کتابیں ہیں، کس کس فن کی کتابیں ہیں، سال گزشتہ کتنی کتابیں نکالی گئیں، انعامات کس طرح دیے جاتے ہیں، اس لیے نظامت کے درمیان ہی تمام تیاریاں کرنی ہوتی تھیں، کس وقت کس طرح کے اور کون سے سوالات داغ دیں یہ کہنا مشکل ہے۔ آپ کا منشا یہی تھا کہ طلبہ درسی کتابوں میں مہارت کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر میں بھی کامیابی حاصل کریں اور میدانِ عمل میں اپنے جوہر دکھائیں۔

دارالعلوم دیوبند میں ''مدنی دارالمطالعہ'' کے علاوہ مختلف اضلاع کی انجمنوں کے سرپرست تھے اور طلبہ آپ سے سال بھر متعلق رہتے تھے اور اختتامی پروگراموں میں بھی آپ وقت دیتے تھے، شروع سے آخر تک تشریف فرما رہتے تھے اور آخر میں کلیدی خطاب کے بعد دعا فرماتے، طلبہ کی تعلیم وتربیت میں اپنا پورا وقت صرف کرتے تھے، یہاں تک کہ بنگال والے افتتاحی یا اختتامی پروگرام کرتے اور حضرت قاری صاحبؒ کو مدعو کرتے اور حضرت خالی ہوتے تو ضرور تشریف لاتے اور آخر تک موجود رہتے تھے۔ یہ تھی آپؒ کی سادگی، کسرِ نفسی اور طلبہ کے تئیں تربیت کا جذبہ، حوصلہ افزائی کا انداز۔

تربیت کا عجیب انداز تھا کہ ''مدنی دارالمطالعہ'' کے کام سے ملنے کے لیے پہلے کام بتا کر حضرت سے وقت لینا پڑتا تھا کہ مدنی دارالمطالعہ کے حوالے سے فلاں کام کے لیے ملنا ہے، پھر حضرت مناسب وقت دینے کے بعد متعینہ وقت پر حاضری کے بعد مطلوبہ کام پر تفصیل سے نگاہ

ڈالتے اور ضرورت پڑنے پر درخواست رکھ لیتے اور پھر بعد میں بلاتے۔ درخواست کے ہر ہر جز پر آپ کی نگاہ رہتی اور اصلاح فرماتے۔ ایک دفعہ مولانا محمد انوار صاحب بستی کے توسط سے کچھ کتابیں ''مدنی دارالمطالعہ'' کے لیے آئیں تو رفقاء نے اس کی فہرست بنائی اور حضرت قاری صاحب کی خدمت میں مولوی محمد فیصل دیوریاوی، مولوی محمد احمد بجنوری، مولوی محمد لقمان سنبھلی متعلم تکمیل افتاء دارالعلوم دیوبند اور حقیر حاضر ہوئے تو درخواست دیکھنے کے بعد نمونہ کے طور پر دو تین کتابیں بھی منگوائیں اور کتابیں دیکھیں۔ مزاج ایسا تھا کہ ایک ایک چیز کی طرف رہنمائی فرماتے۔

بعض دفعہ تو شروع سال میں کسی طالب علم کو جناب مولانا شمشیر احمد صاحب مہاراشٹری کے پاس بھیجتے اور کہلواتے کہ کیا بات ہے، اختتامی پروگرام نہیں کرنا ہے کیا؟ پھر جناب مولانا شمشیر احمد صاحب مدنی دارالمطالعہ آ کر حضرت قاری صاحبؒ کے حوالہ سے فرمایا کرتے تھے بھائیو! حضرت قاری صاحب یاد فرما رہے ہیں۔ اس قدر توجہ فرماتے اور تربیت فرماتے تھے کہ آج قدم قدم پر حضرت قاری صاحب کی یاد آ رہی ہے۔

مکالمہ ہو یا سالانہ مسابقہ، خطابت، یا صحافت کے عناوین ہوں ہر چیز پر تفصیلی نگاہ ڈالتے اور بہترین رہنمائی فرماتے تھے۔

حضرت قاری صاحب تحریر وتقریر کو درسیات کا ایک جزو شمار کرتے تھے؛ لیکن درسیات کی مکمل پابندی کے ساتھ اور فرماتے بھی تھے کہ کہیں ایسا تو نہیں انجمن کی وجہ سے تعلیم کا نقصان ہو رہا ہو جو طلبہ انجمن سے متعلق ہیں ان کے نمبرات بھی بسا اوقات دیکھتے اور ذمہ داران مدنی دارالمطالعہ سے تلقین کرتے کہ امتحانات میں ان طلبہ کے نمبرات کس نوعیت کے ہیں۔ فرماتے کہ وقت کو بچا کر کام میں لاؤ اور تحریر وتقریر میں مہارت پیدا کرو، انجمنیں اسی لیے قائم کی گئی ہیں۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر کی خوب تعریف کرتے اور فرماتے تھے کہ زمانۂ طالب علمی میں ہم ان کی تقریر سننے کے لیے سب سے آگے جگہ لینے کی کوشش کرتے تھے تا کہ تقریر میں ملکہ پیدا ہو اور صحیح انداز ورہنمائی مل سکے۔

دارالحدیث جیسی تاریخی جگہ اور درس گاہ کی حفاظت وتقدس کا مکمل خیال رکھتے، پروگرام میں کوئی ایسا جز سامنے نہ آئے کہ جس سے تاریخی درس گاہ کی عزت پامال ہو، اس سلسلہ میں شانداراور مثالی رہنمائی فرمائی ہے۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کا نظریہ یہ تھا کہ ہمارے طلبہ قرآن وحدیث ہی سے وابستہ رہیں۔ چنانچہ ''مدنی دارالمطالعہ'' کے لیے جو بھی عناوین طلبہ لکھ کر آپ کی خدمت میں لے جاتے، خواہ وہ تحریر سے متعلق ہوں یا تقریر سے، حضرت قاری صاحب ان عناوین پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ سالانہ مسابقہ صحافت ہو یا خطابت، مکالمہ ہو یا آواز کا سفر، مدنی دارالمطالعہ کے پروگرام کا ہر جز قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوا کرتا تھا۔ پورے دارالعلوم میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ مدنی دارالمطالعہ کا پروگرام قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوتا ہے، ماحول اور مزاج ایسا بنادیا تھا کہ ہم طلبہ مدنی دارالمطالعہ قرآن وحدیث کے علاوہ کسی اور موضوع کی طرف رُخ ہی نہیں کرتے تھے جب تک کہ حضرت سرپرست محترم کی طرف سے کسی اور عنوان کی اجازت نہ ہو۔

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ جیسا کہیں جسے

مولانا مفتی طاہر حسن ہرسولوی خادم تدریس جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع شاملی یوپی

ہندوستان میں قادیانی ریشہ دوانیوں کے پیش نظر جمادی الاولی سنہ ۱۴۱۰ھ دارالعلوم دیوبند میں تربیتی کیمپ منعقد ہوا، جس میں مربی خصوصی کی حیثیت سے سفیرِ ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نور اللہ مرقدہ تشریف لائے تھے اور ملک بھر کے مدارس سے آئے ہوئے علمائے کرام نے حضرت سے استفادہ کیا تھا، احقر بھی دارالعلوم حسینیہ تاؤلی کی جانب سے اس تربیتی کیمپ میں شریک تھا، اسی وقت حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ سے تعلق پیدا ہوا، جو تادمِ حیات برابر قائم رہا۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ سے تعلق ہی کی برکت سے احقر کو تحفظ ختم نبوت کے مختلف پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا، یوپی کے مختلف اضلاع سمیت ملک بھر کے مختلف صوبوں بنگال، بہار، پنجاب، ہریانہ، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، ہماچل پردیش، مہاراشٹر، دہلی اور پڑوسی ملک نیپال کے پروگراموں میں آپ کی رفاقت نصیب ہوئی اور کچھ کہنے سننے کی اللہ تعالی نے توفیق عطا فرمائی۔

اس ناچیز کے ساتھ آپ بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے اور میری ایک سے زائد تصانیف پر آپ نے نہایت خوش دلی کے ساتھ قیمتی اور وقیع تقریظات تحریر فرمائیں، بندہ کی کتاب ''قادیانیوں کو لاجواب کیجیے'' جب منظر عام پر آئی تو آپ نے نہایت خوشی اور مسرت کا

اظہار فرمایا اور اپنی جانب سے دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے رفقاء کو کتاب ہدیتاً عنایت فرمائی۔

احقر کے اس لگاؤ اور تعلق کا حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ بڑا لحاظ اور خیال فرماتے اور کبھی کبھی خود بھی اس تعلق کا اظہار فرما دیتے، ابھی دو سال قبل میرے چھوٹے بھائی مفتی محمد ایوب صابر صاحب کے مدرسہ ''دارالعلوم رشیدیہ بڑوت'' میں اجلاس تھا، انہوں نے حضرت کو اجلاس میں شرکت کے لیے دعوت دی؛ لیکن حضرت نے تاریخ خالی نہ ہونے کی وجہ سے معذرت فرمادی، انہوں نے مجھے فون کیا کہ میں نے حضرت قاری صاحب کو اجلاس میں شرکت کے لیے دعوت دی تھی؛ لیکن آپ نے معذرت فرمادی ہے، آپ بھی ایک مرتبہ فون کرکے معلوم کرلیں، اس ناچیز نے موقع کی مناسبت سے حضرت والا کو فون کیا اور ان کے سامنے اپنی بات رکھی تو آپ نے فرمایا کہ تاریخ بالکل خالی نہیں ہے، ورنہ میں آپ کی دعوت پر ضرور شرکت کرتا، خیر بات آئی گئی ہوگئی، اگلے ہی دن حضرت کا فون آیا اور فرمانے لگے کہ مجھے آج میرٹھ کسی جلسہ میں جانا تھا؛ لیکن وہ پروگرام کینسل ہوگیا ہے، فون تو اور بھی بہت سارے حضرات کے آرہے ہیں، لیکن مجھے آپ سے ایک خاص تعلق ہے (پھر تواضعاً فرمایا) اس لیے میری بھی آپ کے اجلاس میں جزوی شرکت ہوجائے گی، میں نے چھوٹے بھائی کو اطلاع دی، تو پورے مدرسے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، پھر وقت مقررہ پر آپ تشریف لائے اور اپنے بیان سے سامعین کو مستفیض فرمایا اور دعا فرمائی۔

اسی طرح مدرسہ دارالعلوم حسینیہ تاؤلی میں اجلاسِ دستار بندی کے موقع پر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لایا کرتے تھے، سنہ ۲۰۰۶ء میں جب حضرت کا انتقال ہوگیا تو مہتمم مدرسہ مولانا رشید الدین خاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے احقر کو بلایا اور فرمایا کہ اس مرتبہ دستار بندی کے موقع پر حضرت قاری صاحب کو مدعو کرنے کا ارادہ ہے، چونکہ آپ ان کے ساتھ سفر میں جاتے رہتے ہیں اور آپ کو ان سے خاص تعلق ہے، لہٰذا آپ

ہی جا کر حضرت سے بات کریں؛ چنانچہ یہ ناچیز دیوبند حاضر ہوا اور حضرت کے سامنے اجلاس کی تاریخ رکھی، تو آپ نے فرمایا کہ ویسے تو یہ تاریخ خالی نہیں ہے لیکن میں ان شاء اللہ وقت نکال کر حاضر ہو جاں گا اور پھر حضرت والا اجلاس میں تشریف لائے اور طلبۂ عزیز کی دستار بندی فرمائی۔

آپ ''ہرسولی'' اس ناچیز کے غریب خانے پر کئی مرتبہ تشریف لائے اور میزبانی کا موقع نصیب فرمایا، ایک مرتبہ آپ ''بڑھانہ'' کسی جلسہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، شاہ پور کے قریب پہونچ کر احقر کو فون کیا اور فرمایا کچھ دن پہلے چودھری پیرو کے یہاں دعوت تھی، (یہ چودھری پیرو حضرت سے بڑی عقیدت رکھتے تھے) اور چلتے وقت انہوں نے توشہ دان میں کچھ دیا تھا، اب اس توشہ دان کو واپس کرنا ہے، آپ بس اڈے پر آ کر مجھ سے لے لیں اور چودھری پیرو کے گھر پہنچا دیں، میں نے عرض کیا بہت اچھا! اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ گھر والوں کی بڑی تمنا ہے کہ حضرت تھوڑی دیر کے لیے گھر ہی تشریف لے آئیں اور چائے نوش فرما کر واپس تشریف لے جائیں، حضرت یہ سن کر پہلے تو معذرت فرمانے لگے، پھر مزید اصرار کرنے پر فرمایا، ٹھیک ہے آ رہا ہوں اور پھر تقریباً ایک گھنٹہ قیام فرما کر واپس دیوبند تشریف لے گئے۔ ان کے علاوہ بہت سے ایسے واقعات ہیں، جہاں آپ نے اس حقیر کی ادنی سی درخواست قبول فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

عادات وخصائل

اللہ رب العزت نے حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کو گوناگوں خصوصیات اور بے شمار خوبیوں اور بہت سے اوصاف وکمالات سے نوازا تھا، اس مختصر سی تحریر میں سب کا احاطہ مشکل ہے، تاہم کچھ اوصاف کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

مفوضہ ذمہ داری کو بخوبی انجام دینا

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفوضہ ذمہ داری کو بخوبی انجام دینے کا اہتمام

فرماتے، چنانچہ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوے ایک طرف بے مثال تدریسی خدمات انجام دیں، تو وہیں دوسری طرف جمعیۃ علما ہند کے عہدۂ صدرات کو بھی بخوبی سنبھالا، نیز اسی کے ساتھ ساتھ بہت سی ملکی، ملی اور فلاحی خدمات پوری ذمہ داری کے ساتھ لوجہ اللہ انجام دیں، بالخصوص تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے آپ نے جو زریں خدمات پیش کی ہیں اور اس سلسلے میں رجال سازی میں جو جدوجہد اور محنتیں فرمائی ہیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

آپ علیہ الرحمہ جس طرح خود مفوضہ ذمہ داری کو پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیتے، اسی طرح اپنے متعلقین و تلامذہ کو بھی اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے، چنانچہ جب یہ احقر ۱۴۳۸ھ میں جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا اور کچھ دن بعد آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے معلوم فرمایا، تم سے متعلق کون کونسی کتابیں ہیں؟ میں نے عرض کیا جلالین شریف نصف اول، ہدایہ ثالث اور درمختار وغیرہ، تو آپ نے تاکیداً فرمایا: اپنی طرف سے کسی کتاب کا مطالبہ نہ کرنا اور اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد ہی اسباق پڑھانا اور وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھنا۔ افسوس کہ اب ایسے قیمتی اور زریں مشوروں سے نوازنے والا مشفق و مربی ہم سے رخصت ہو گیا۔

تواضع وانکساری

آپ رحمۃ اللہ علیہ پر تواضع کا حد درجہ غلبہ تھا، کوئی بھی شخص آپ سے ملاقات کے لیے آتا، تو آپ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتے، تواضع کا یہ عالم تھا کہ کسی جگہ پروگرام میں تشریف لے جاتے اور کئی ایک لوگ آپ کو اپنے گھر لے جانے کی درخواست کرتے تو آپ فرداً فرداً ہر ایک کے گھر تشریف لے جاتے اور اس میں کوئی عار محسوس نہ فرماتے، خلاصہ یہ کہ آپ حدیث ''من تواضع للہ رفعہ اللہ'' کا عملی نمونہ تھے۔

مہمان نوازی

آپ کا یہ وصف بہت مشہور تھا، کوئی عام آدمی بھی آپ سے ملاقات کے لیے آتا تو وہ بھی

بغیر ضیافت کے واپس نہ ہوتا، دارالعلوم کے اساتذۂ کرام آپ سے ملاقات کے لیے آتے، تو آپ ضرور ماحضر پیش فرماتے، مہمانوں کے لیے باقاعدہ کھانے کا اہتمام کے ساتھ نظم فرماتے، مجھے خوب یاد ہے کہ احقر جب بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوتا اور اطلاع کے لیے آپ کو فون کرتا تو سلام کے بعد سب سے پہلا سوال یہی ہوتا کہ کتنے ساتھی ہیں؟ کھانے کا نظم کیا ہے؟ مقصد یہ ہوتا کہ کسی کے یہاں دعوت تو نہیں ہے؟ احقر جواب دینے میں پس وپیش کرتا، تو خود ہی فرماتے کہ کھانا سب کو میرے ساتھ ہی کھانا ہے اور پھر جب حاضری ہوتی تو عمدہ ولذیذ قسم کے کھانوں سے ضیافت فرماتے، روٹیاں اپنے پاس رکھتے اور بوقت ضرورت سب کو نکال کر دیتے رہتے۔

اسی سال رمضان المبارک سے ایک ہفتہ قبل دیوبند حاضری ہوئی، ساتھ میں کرناٹک کے کچھ مہمان بھی تھے، میں نے آپ کو فون کیا اور عرض کیا کہ ملاقات کے لیے حاضر ہو رہا ہوں، ساتھ میں کچھ مہمان بھی ہیں، تو فرمانے لگے کہ ایک جگہ پروگرام ہے، میں بالکل تیار بیٹھا ہوں تھوڑا جلدی آجائیں آپ سے ملاقات کے بعد ہی چلا جاؤں گا، پھر جب ملاقات ہوئی تو باوجودی جانے کے لیے بالکل تیار تھے لیکن پھر بھی پر تکلف ناشتے سے ضیافت فرمائی، یہ آپ کے حسنِ اخلاق اور کمالِ شفقت کی بات تھی۔

آپ کے یہاں ضیافت کے دوران ایک خاص بات یہ دیکھی کہ آپ مہمانوں سے ماحضر ختم کرانے کی کوشش فرماتے، اگر مہمان حضرات جھجک محسوس کرتے، تو آپ خود ہی مہمانوں کے ہاتھوں میں نمکین بسکٹ دیتے رہتے، کبھی مٹھائی پیش فرماتے، تو کبھی کچھ اور، یہاں تک کہ سب کچھ ختم ہو جاتا۔

جب تک مہمان آپ کے یہاں رہتے، آپ ان کے پاس بیٹھے رہتے، بات چیت فرماتے، ان کے احوال دریافت فرماتے، کوئی مسرت کن خبر بیان کرتا، تو آپ خوشی کا اظہار فرماتے، کوئی اپنی تکلیف سناتا، تو آپ اس کی تسلی فرماتے اور حسب موقع مدد بھی فرماتے، کبھی کبھی مہمانوں سے ہنسی مزاح بھی فرمالیتے چنانچہ ایک مرتبہ یہ احقر آپ سے ملاقات کے لیے

دیوبند حاضر ہوا، ساتھ میں خادم زادے محمد شاکر، محمد سلمان اور محمد عفان بھی تھے، کھانے کے وقت آپ نے معلوم کیا، ڈرائیور کہاں ہیں؟ اس ناچیز نے محمد شاکر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ڈرائیور یہ ہیں، آپ نے کہا تب تو ٹھیک ہے اور پھر اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے فرمایا کہ کھانے کے وقت ڈرائیور کا خیال رکھا کرو، ورنہ یہ بعد میں بدلہ لینا بھی جانتے ہیں اور کہیں بھی ہوٹل کے قریب جاکر گاڑی خراب ہونے کا بہانہ بنادیتے ہیں، پھر جب ہم کھانا کھانے لگے، تو بچوں سے نام معلوم فرمائے، تینوں نے اپنا اپنا نام بتلایا تو آپ نے محمد سلمان اور محمد عفان کی طرف اشارہ کرکے مسکراتے ہوئے فرمایا یہ دونوں تو ہمارے ہی والے ہیں۔

رفقائے سفر کا خیال رکھنا

احقر نے بارہا حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی یہ عادت شریفہ دیکھی کہ جب ہم رفقائے مجلس، تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں کسی پروگرام میں آپ کے ساتھ جاتے، تو کھانے کے وقت آپ سب ساتھیوں کو فرداً فرداً اور بالخصوص ڈرائیور کو دریافت فرماتے، اگر آپ کو معلوم ہوجاتا کہ فلاں ساتھی رہ گئے ہیں، تو آپ ان کے آنے کا انتظار فرماتے رہتے۔

یہ سب وہ عادات وخصائل ہیں کہ جنہوں نے امت کی نظر میں آپ کو محبوب بنادیا تھا، ہر کوئی آپ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا تھا، بلاشبہ آپ علیہ الرحمہ کی ہر عادت ایسی تھی کہ جس کو اپنی زندگی میں ڈھالا جائے اور ہر ادا ایسی تھی کہ جس پر مر مٹا جائے، آپ کو دیکھنے والا یہ کہنے پر مجبور ہوجائے کہ:

کونسی خوبی پہ جاں دوں کس ادا پہ مرمٹوں
خوبیاں لاکھ بھری ہیں آپ کی تصویر میں

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کی مغفرت فرمائے اور ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور تا قیامت ان کے فیوض وبرکات کو جاری فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے، آمین۔ ❍❖❍

رفتید ولے نہ از دلِ ما

مولانا محمد عادل عثمانی (ابن حضرت مفتی عارف حسن عثمانیؒ) اُستاذ جامعہ اشرفیہ راندیر سورت

یہ قحط الرجال کا دور ہے، اس دور میں جب کہ علمی انحطاط روز افزوں ہے اور علمی شخصیتیں یکے بعد دیگرے اٹھتی چلی جا رہی ہیں، ادیب کامل حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا زخم ابھی تازہ ہی تھا کہ ایسے وقت میں حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا حادثہ پیش آیا، جو علمی دنیا کے لیے ایک زبردست المیہ ہے، حضرت امیر الہند رحمہ اللہ کی ذات ان گنے چنے کی سی تھی جن کے نام ہی سے دل و دماغ پر ان کی جلالت علمی اور عظمتِ شان کا نقشہ چھا جاتا، آہ! اب علوم و معارف کا یہ گوہر نایاب بھی ہم سے رخصت ہو چکا اور ہم ایک ایسی شخصیت سے محروم ہو گئے جن کا بدل شاید آئندہ نہ مل سکے۔

وما کان قیس هلکه هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

اس دنیائے فانی میں آنے والے بندوں میں کامیاب وہی شخص ہے جو جانے سے پہلے اس دن کی تیاری کر کے جائے اور اس حال میں دنیا سے رخصت ہو کہ اس کی پاکیزہ موت پر لوگ رشک کرتے رہ جائیں، حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

حضرت امیر الہندؒ کی قابل رشک اور پاکیزہ موت میں درج ذیل باتیں نمایاں طور پر پائی گئیں:

(۱) حضرت امیر الہندؒ کی وفات جمعہ کے روز بلکہ عین نمازِ جمعہ کے وقت ہوئی اور جمعہ کے روز وفات کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ. (سنن الترمذي رقم: ١٠٧٤)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جو مسلمان جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات میں انتقال کر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے‘‘۔

(۲) حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ میں لوگوں کا ہجوم ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح تھا۔ ابوداؤد شریف کی روایت ہے:

عن مالک بن هبيرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلَّا أَوْجَبَ. (سنن أبي داؤد رقم: ٣١٦٦)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جو بھی مسلمان مر جائے اور اس کے جنازے میں مسلمان نمازیوں کی تین صفیں ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کو واجب کر دیتے ہیں‘‘۔

(۳) حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ میں عوام کے علاوہ علماء، صلحاء اور اتقیاء حضرات کا مجمع کافی زیادہ تھا، جو عند اللہ مقبولیت کی کھلی دلیل ہے۔

(۴) حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات موجودہ وبائی مرض میں ہوئی، جامعہ بنوری ٹاؤن کا فتویٰ ہے کہ ایسے شخص کو جس کا اس وبا میں انتقال ہو جائے، شہادت کا درجہ ملے گا۔ (فتویٰ نمبر: ۱۴۴۱۰۸۲۲۰۰۴۵۶)

بخاری شریف کی روایت ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قالت:
سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُوْنِ، فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ، وَأَنَّ اللّٰهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ، لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنُ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهٖ صَابِرًا مُحْتَسِبًا، يَعْلَمُ أَنَّهُ لَايُصِيْبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ، إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيْدٍ. (صحيح البخاري رقم: ٣٤٧٤)

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ ایک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو مؤمنوں کے لیے رحمت بنا دیا ہے، اگر کسی شخص کی بستی میں طاعون پھیل جائے اور وہ صبر کے ساتھ اللہ کی رحمت سے امید لگائے ہوئے وہیں ٹھہرا رہے کہ ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ نے قسمت میں لکھا ہے تو اسے شہید کے برابر ثواب ملے گا''۔

(۵) حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ تحفظ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناظم اعلیٰ تھے، عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے مرحوم پوری زندگی کمر بستہ رہے اور جھوٹے دعویداروں کی سرکوبی کے لیے کوئی کسر نہ چھوڑی۔

صداقت کے لیے گر جان جاتی ہے تو جانے دو
مصیبت پر مصیبت سر پہ آتی ہے تو آنے دو

ہم اللہ رب العزت کی ذات سے امید کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ یہی چیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت امیر الہند کو مقامِ قرب عطا کرے گی۔

(۶) حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ کی پوری زندگی قرآن و حدیث کی خدمات اور نشر و اشاعت نیز خدمت خلق میں گزری، ان شاء اللہ یہ چیز بھی عنداللہ اجر عظیم کا باعث ہوگی۔

(۷) حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکت علوم ومعارف کا گنجینہ تھی؛ لیکن حضرت مرحوم نے اپنے پیچھے جو جسمانی وروحانی اولاد کو چھوڑا ہے وہ یقیناً ان کے لیے صدقۂ جاریہ ہے اور بلا مبالغہ اس حدیث کے مکمل مصداق ہیں:

عن أبي هريرة رضي اللّه عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهُ. (صحيح مسلم رقم: ١٦٣١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب انسان کا انتقال ہوجاتا ہے تو عمل کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے، صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگ نفع اٹھائیں اور نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرے''۔

مذکورہ تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی موت کیسی پاکیزہ رہی ہوگی۔

ایک یادگار ملاقات

۲۳ر فروری ۲۰۱۸ء بروز جمعہ جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں فقہی سیمینار منعقد ہوا تھا، اس سیمینار کے اختتام پر ''اصلاحِ معاشرہ اور دینی تعلیمی بیداری'' کے عنوان پر ایک شاندار اجلاس منعقد ہوا تھا، جس میں ہندوستان کے ممتاز علماء کے خطابات ہوئے تھے، اس اجلاس میں بطور صدرِ جلسہ امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ احقر مرشدی ومولائی حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا تھا، قاری ایوب صاحب دیولوی زیدمجدہ (استاذ تجوید وقرأت جامعہ علوم القرآن جمبوسر) کے مکان سے حضرت کو اپنی گاڑی میں جامعہ کی مسجد تک چھوڑنے کا شرف نصیب ہوا، جیسے ہی جامعہ کی مسجد میں پہنچے تو پتہ چلا کہ حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما ہیں، احقر مع برادران حاضر خدمت ہوا اور جب تعارف ہوا تو حضرت اقدس مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری کی نسبت پر تعارف ہوا

کہ احقر ان کا نواسہ ہے، حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر اتنے خوش ہوئے اور اس خندہ پیشانی کے ساتھ نہ صرف مصافحہ کا شرف بخشا بلکہ معانقہ بھی فرمایا، یہ منظر آج بھی آنکھوں میں سمایا ہوا ہے اور دل کی تختی پر ایسا نقش ہو چکا ہے کہ جو جلد مٹ نہ سکے گا۔

بہرحال! اب حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ ہمارے درمیان نہ رہے، اب وہ اپنی آخری آرام گاہ میں میٹھی نیند سو رہے ہیں، ان کی وفات ہمیں یہ پیغام دے گئی جو کسی شاعر نے کہا:

یاد داری کہ وقت زادن تو ❖ ہمہ خنداں بودند تو گریاں

آچناں زی کہ وقت مردن تو ❖ ہمہ گریاں بودند و تو خنداں

اللہ رب العزت حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائیں، ان کے درجات بلند تر فرمائیں، ان کی حسنات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت نصیب فرمائیں، سیئات کو درگزر فرمائیں، ان کی علمی، دینی، سماجی خدمات کو قبول فرمائیں اور آپ تمام کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین!

باریک بیں منتظم اور مشفق اُستاذ

مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستوی اکل کوا مہاراشٹر

حضرت قاری صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں اپنے نیابت اہتمام کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے کاموں کو بڑی باریک بینی سے دیکھتے تھے، طالب علمی کے زمانے میں ہم دو طلبہ حضرت قاری صاحب کے پاس دفتر اہتمام میں کسی کام سے بیٹھے تھے، اتنے میں دفتر کے ایک منشی آئے اور ایک حساب کا کاغذ قاری صاحب کو دکھایا قاری صاحب نے کچھ سوالات کیے تو منشی نے جوابات دئے، قاری صاحب نے فرمایا: جو آپ بول رہے ہیں وہ کاغذ میں نہیں ہے اور جو کاغذ میں ہے وہ آپ بول نہیں رہے ہیں، اس لیے جو آپ کہہ رہے ہیں وہ کاغذ میں بھی لکھ دیجیے، تاکہ جب ہم تم نہ رہیں تو یہ کاغذ گواہی دے۔ یہ باریکی تھی حضرت قاری صاحب کی ذات میں۔

آپ ہدایہ آخرین پڑھاتے تھے، آہستہ بولتے؛ لیکن تشریح اتنی شاندار فرماتے کہ غور سے سبق سننے والا ہر طالب علم عش عش کرتا، عبارت کا کوئی پہلو تشنہ چھوڑ نا ممکن نہ تھا۔ حتی الامکان چاہے کتنی بارش ہو دارالعلوم میں طلبہ کو پڑھانے ضرور آتے، ناغہ گوارا نہ فرماتے، تکمیل ادب کے طلبہ پر خاص نظر رکھتے۔

ایک مرتبہ انکلیشور گجرات میں مرکز اسلامی ادارے میں انگریزی زبان وادب کے سالانہ اجلاس میں بحیثیت صدر تشریف لائے تھے اکل کوا سے بھی اساتذہ کا ایک وفد (جو درحقیقت قاری صاحب کے شاگردوں کا مجموعہ تھا) شرکت کے لیے گیا تھا، راقم سطور بھی اس میں موجود تھا، حضرت قاری صاحب نے پیرانہ سالی کے باوجود پورا پروگرام از اول تا آخر سنا،

اس کے پوائنٹس نوٹ کیے، پھر صدارتی تقریر میں سارے نکات کا ذکر کیا، ایک صاحب جو ایک ادارے کے مہتمم تھے، انھوں نے اپنی تقریر میں علمائے دیوبند کو انگریزی زبان کا مخالف بتایا، تو قاری صاحب نے دار العلوم دیوبند کی سو سال پہلے کی روداد، تاریخ کے ساتھ سنائی کہ دار العلوم دیوبند نے سو سال پہلے ہی علماء کو انگریزی زبان و ادب سے لیس ہونے کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی ہے بل کہ قرارداد منظور کی ہے، اس لیے علمائے دیوبند کو انگریزی کا مخالف کہنا درست نہیں۔ اس طرح صدارتی تقریر میں غلط چیز کی تردید فرمائی اور صدارت کا حق ادا کیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

گلشن کی فضا یاد کرے گی

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

حضرت استاذِ محترم کی مثالی زندگی ہم سب کے لیے نمونہ ہے اور آپ کی بے مثال دینی وملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، جو آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت ہے، آپ ایک طویل مدت تک تشنگان علوم دینیہ کو اپنے رسوخ علمی اور نبوغ ذہنی سے سیراب کرتے رہے۔ حضرت قاری صاحبؒ اسلاف و اکابر کے پرتو بھی تھے اور خلاف و اصاغر کے لیے نمونۂ عمل بھی، ہر کس و ناکس سے خندہ پیشانی سے ملنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا، حضرت اس پورے خطے اور بالخصوص ہمارے گھرانے سے حد درجہ تعلق رکھتے تھے اور یہاں کے لوگ بھی حضرت سے بہت زیادہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں، آپ دو مرتبہ قصبہ محمدی بھی تشریف لائے ہیں اور راقم کے غریب خانے پر قیام فرما کر خدمت کا موقعہ عنایت فرمایا ہے، بہر حال آپ کی رحلت امت مسلمہ خصوصاً دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علما ہند کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے اور بظاہر ناقابل تلافی نقصان ہے۔

احترام الحق اسعد، اسلام الحق اسجد، مطیع الحق انظر، ضیاء الحق اخلد
(قصبہ محمدی، لکھیم پور کھیری، یوپی)

باکمال شخصیت

حضرت مولانا عبدالحمید صاحب گونڈوی (والد ماجد مولانا معزالدین احمد صاحبؒ)
مہتمم مدرسہ عربیہ فیضان العلوم دتلوپور ضلع بلرام پور

امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ کی باکمال شخصیت نہ صرف دارالعلوم اور جمعیۃ علماء ہند بلکہ عالم اسلام کے لیے سرمایہ صد افتخار تھی، قدرت کے دست فیاض نے آپ کو جن ہمہ جہت خوبیوں سے نوازا تھا وہ بہت کم کسی کو نصیب ہوتی ہیں، آپ کو حدیث وتفسیر اور فقہ پر مکمل درک حاصل تھا، آپ کی ذات خلوص وللّٰہیت، خشیت وانابت، تقویٰ وپرہیزگاری، طہارت وپاکیزگی، امانت ودیانت، ہمدردی وغم خواری، تربیت اولاد کا مثالی ملکہ اور انتظام وانصرام کی بے پناہ صلاحیت جیسی ستودہ صفات سے مکمل طور سے متصف تھی۔

آپ نے اپنی ۷۶؍ سالہ حیات مستعار کو خوب خوب کارآمد بنایا، ایک طرف آپ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک مسند تدریس پر فائز رہ کر ہزارہا ہزار تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کیا اور دوسری طرف جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک وملت کی بیش بہا خدمات انجام دیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کا سانحہ عوام وخواص کے ہر طبقے میں شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا، خاص طور پر مجھے دلی صدمہ پہنچا ہے؛ کیونکہ حضرت قاری صاحب سے میرا تعلق اکرام و احترام کے ساتھ ساتھ برادرانہ و دوستانہ تھا، ہم ایک دوسرے کو اپنا بھائی اور ایک دوسرے کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے، ہم میں سے کسی کے یہاں کوئی تقریب یا خوشی کا موقع آتا تو

ہم ایک دوسرے کو ضرور یاد کرتے تھے، قاری صاحب نے اس رشتۂ اخوت ومحبت کو عمر بھر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا، آج آپ کی وفات سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اپنا سگا بھائی ہم سے بچھڑ گیا، ہمارے مدرسہ عربیہ فیضان العلوم دتلو پور کے سابق سرپرست فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہ کی وفات کے بعد جب راقم نے مدرسہ کی سرپرستی کے لیے آپ سے درخواست کی تو آپ نے اسے قبولیت سے سرفراز فرمایا اور تاحیات مدرسہ کی سرپرستی فرما کر اس کی عظمت و وقار کو بلند و بالا کیا، میں جب بھی مدرسہ کی کسی تقریب یا اجلاس میں شرکت کی دعوت دیتا، آپ ضرور تشریف لاتے اور اجلاس کی رونق میں چار چاند لگا دیتے، افسوس کہ اب مدرسہ عربیہ فیضان العلوم بھی آپ کے سایۂ شفقت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔

دعا کرتا ہوں کہ مولائے کریم حضرت قاری صاحب کی پاک و مقدس روح کو اپنی مغفرت کی لازوال دولت سے مالا مال فرمائے، ان کی مرقد انور پر رحمتوں کی بارش برسائے، اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

مغتنم ہستی

مولانا علی حسن مظاہری ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء شمالی ہریانہ پنجاب، ہماچل، و چنڈی گڑھ

حضرت امیر الہند قاری صاحبؒ کی ذات والا صفات اس دورِ قحط الرجال میں بڑی مغتنم ہستی تھی، ان کا وجودِ باوجود امت اسلامیہ ہندیہ کے لیے بڑے ہی خیر کا باعث تھا، ان کے دم قدم سے جرعہ کشانِ علوم دینیہ کی ایک محفل سرگرم تھی، ملک وملت کے بڑے اہم مسائل کی عقدہ کشائی میں ان سے بہترین رہنمائی ملتی تھی، جمعیۃ علماء ہند اور کل ہند امارت شرعیہ دہلی کے پلیٹ فارم سے ان کی ہدایات قوم وملت کے تنِ نازک میں شاہین کا جگر پیدا کرتی تھی، افسوس کہ اب وہ عظیم ہستی رب حقیقی کے حضور اپنی دینی، علمی اور ملی خدمات کا خراج پانے پہنچ چکی ہے، اللہ تعالیٰ حضرت امی الہند کو ان کے حسنات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

مارچ ۲۰۰۸ء میں حضرت قاری صاحبؒ جب سے جمعیۃ علماء ہند کے صدر منتخب کیے گئے اسی وقت سے ذاتی طور سے میں ان کی شفقتوں اور توجہات سے مسلسل نہال ہوتا رہا، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے ہر اجلاس کے موقع پر بڑی خوردنوازی فرماتے، ہریانہ، پنجاب اور ہماچل و چنڈی گڑھ کے حال واحوال معلوم فرماتے اور ان چاروں صوبوں میں جمعیۃ علماء کی سرگرمیوں کی روداد سن کر بڑی خوشی کا اظہار فرماتے اور بہت ساری دعاؤں سے نوازتے۔

ابھی گذشتہ ۲۸؍فروری ۲۰۲۱ء میں چنڈی گڑھ میں جمعیۃ علماء ہریانہ و پنجاب، ہماچل و چنڈی گڑھ واتراکھنڈ کے تربیتی ورکشاپ کے انعقاد کی بابت ان کو مدعو کرنے جب دیوبند پہنچا تو انھوں نے مراحمِ خسروانہ کا ایسا معاملہ فرمایا کہ طبیعت میں آج تک اس کا نشاط باقی ہے۔ ❍❖❍

ایک سر پرست سے محرومی

حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کے ہمارے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد اعلم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہٗ و برد مضجعہ سابق مہتمم دارالعلوم جامع الہدیٰ گلشہید و سابق صدر جمعیۃ علماء شہر مرادآباد و سابق نائب صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش سے معاصرانہ ومخلصانہ تعلق کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند اور دینی تحریکات سے وابستگی کے حوالہ سے گہرے مراسم تھے۔ جن کا مشاہدہ ہم نے والد صاحب علیہ الرحمہ کی علالت کے زمانے میں بغرض عیادت غریب خانہ اور دوران علاج میرٹھ کے آنند ہاسپٹل اور مرادآباد کے سائیں اسپتال میں تشریف لانے کے اوقات میں کیا'' طبیعت کی خبر گیری اور مختلف حضرات سے الگ الگ موقعوں پر پرسش احوال اس پر مزید ہیں''۔ چنانچہ اس حوالہ سے ہمارا جانے والے سے دینی وملی قیادت ہزاروں علماء وصلحا کا استاد نمونۂ اسلاف دارالعلوم دیوبند کا انتظامی وتدریسی مخلص خادم ہونے کے علاوہ ذاتی تعلق بھی تھا۔ اس حیثیت سے حضرت کا سانحۂ ارتحال ہمارے لیے ایک سر پرست کا وصال ہے۔

محمد طاہر قاسمی
مہتمم دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد

پیکر شفقت و محبت

حضرت اقدس رحمہ اللہ کو بہت سے دینی اداروں سے والہانہ محبت تھی، ان ہی میں سے مغربی بنگال میں واقع ''ادارہ فیض القرآن، محمود چوک ٹھکر بیاری'' نامی ادراہ سے بھی بے پناہ محبت کرتے تھے، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب سے ادارہ ہذا کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر آپ کی حاضری ہوئی تھی، اسی وقت سے ذمہ داران ادارہ اور دیگر حضرات سے گاہ بگاہ احوال کوائف معلوم کرتے رہتے تھے اور جب بھی احقر کا دارالعلوم جانا ہوتا تو حضرت والا بڑی محبت سے ملاقات فرماتے اور وقت دیتے۔

ابھی رمضان المبارک سے قبل ہی کی بات ہے کہ جب دارالعلوم جانا ہوا اور وہاں دیگر حضرات اکابر سے ملاقات ہوئی، ایسے ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے زیارت و ملاقات کا اشتیاق تھا؛ لیکن یہ کرونا حائل بن رہا تھا مگر آپ کے حکم سے اور حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی عنایت سے یہ ملاقات ممکن ہوسکی۔ بفضل اللہ ملاقات بڑی دل چسپ تھی، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ مسجد چھتہ میں بعض اساتذہ دارالعلوم کے مابین تشریف فرما تھے جب ہماری حاضری ہوئی، حضرت نے بذات خود ادارہ فیض القرآن محمود چوک کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ ضلع اتر دیناجپور میں یہ ایک ادارہ ہے جس میں میرا جانا ہوتا رہتا ہے، یوں تو مدرسے کے احوال سے واقف تھے، تاہم ادارے سے متعلق مزید معلومات جاننی چاہی اور بطور تسلی بہت سی پرامید باتیں بتائیں اور ہاتھ اٹھا کر بہت ہی رقت آمیز دعائیں بھی کیں۔

مولانا ممتاز عالم صاحب مظاہری
مہتمم اِدارہ فیض القرآن محمود چوک ٹھیکری باڑی
اُتر دیناج پور بنگال

ذکرِ رفتگان
گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ
جلد اوّل
ترتیب
محمد سلمان منصورپوری
ذکرِ رفتگان
گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ
جلد دوم
ترتیب
محمد سلمان منصورپوری
ذکرِ رفتگان
گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ
جلد سوم
ترتیب
محمد سلمان منصورپوری
ذکرِ رفتگان
گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ
جلد چہارم
ترتیب
محمد سلمان منصورپوری
ذکرِ عثمان
(ذکرِ رفتگان)
خصوصی اِشاعت بیاد:
امیر الہند رابع
حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نور اللہ مرقدہٗ
اُستاذِ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
(المتوفی: ۸؍شوال المکرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء)
جلد پنجم
ترتیب:
محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مُرادآباد
ذکرِ عثمان
(ذکرِ رفتگان)
خصوصی اِشاعت بیاد:
امیر الہند رابع
حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نور اللہ مرقدہٗ
اُستاذِ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
(المتوفی: ۸؍شوال المکرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء)
جلد ششم
ترتیب:
محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مُرادآباد
Designd By Hozaifa Iftikhar 7081043788